دنیا کے مزدورو، ایک ہوجاؤ!

کارل مارکس
فریڈرک اینگلس
ولادیمیر لینن

دارالاشاعت ترقی

ماسکو ۱۹۷۹ء

ترجمہ : تقی حیدر

Маркс — Энгельс — Ленин

ОБ ИСТОРИЧЕСКОМ МАТЕРИАЛИЗМЕ

На языке урду

سوویت یونین میں شائع شدہ

МЭЛ $\frac{10101,\ 10102-209}{016(01)-79}$ 763—79

0101010000, 0101020000

فہرست

صفحہ

ولادیمیر لینن

ناشر کا نوٹ

اس مجموعے میں مارکس، اینگلس اور لینن کی وہ تصانیف شامل ہیں جن کا تعلق تاریخی مادیت کے نظریے سے ہے - قارئین کو اس میں مندرجۂ ذیل موضوع ملیں گے : سماج کے ارتقا کے قوانین، پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں کا باہمی تعلق، معاشی بنیاد اور بالائی ڈھانچہ، سماجی معاشی تشکیلیں، سماج کے ارتقا میں انقلاب کی اہمیت، تاریخ میں عوام‌الناس اور فرد کا رول وغیرہ وغیرہ - خالص نظریاتی تصنیفات کے ساتھ ساتھ اس مجموعے میں مارکس، اینگلس اور لینن کی کتابوں، مضامین اور خطوط سے ایسے اقتباسات بھی شائع کئے گئے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تاریخی مادیت کے بانیوں نے اس نظریے کا اطلاق جدید حقائق کے تجزیے پر کیسے کیا - اس مجموعے میں مارکس، اینگلس اور لینن کی وہ تمام تصانیف نہیں شامل ہیں جن میں تاریخی مادیت کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے - تمام مواد کو ایک ہی جلد میں سمونا مشکل ہے - اس لئے زیر نظر مجموعے میں تاریخی مادیت پر مارکسزم لینن‌ازم کے بانیوں کے صرف اہم ترین خیالات پیش کئے گئے ہیں -

مجموعے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے - پہلا حصہ مارکس اور اینگلس کی تصانیف پر مشتمل ہے اور دوسرا لینن کی تصانیف پر -

مارکس اور اینگلس کی تصانیف کا ترجمہ ان کی تصانیف کے

دوسرے روسی ایڈیشن سے کیا گیا ہے جس کو سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے مارکسزم لینن‌ازم کے انسٹی‌ٹیوٹ نے شائع کیا۔

لینن کی تصانیف کا ترجمہ ان کی تصانیف کے پانچویں روسی ایڈیشن سے کیا گیا ہے جس کو سوویت کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے مارکسزم لینن‌ازم کے انسٹی‌ٹیوٹ نے مرتب کیا۔

مجموعے کے آخر میں تشریحی نوٹ اور ناموں کا اشاریہ ہے۔

کارل مارکس
فریڈرک اینگلس

مارکس

فائرباخ پر تھی سیس[1]

۱

آج تک کے مادیت کے تمام فلسفے کی (جس میں فائرباخ کا فلسفہ بھی شامل ہے) سب سے بڑی خامی یہ رہی ہے کہ کسی شے کو، حقیقت کو، حواسیت کو محض معروض کی یا پھر تفکر کی شکل میں لیا گیا، اسے انسان کی حواسی سرگرمی کی، عمل کی یا داخلی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مادیت کے فلسفے کے برخلاف عملی پہلو کو عینیت نے ابھارا اگرچہ یہ صرف تجریدی (ایبسٹر کٹ) طریقے سے کیا گیا کیونکہ عینیت صحیح معنوں میں حقیقی، حواسی سرگرمی کو نہیں سمجھتی۔ فلسفی فائرباخ چاہتا ہے کہ حواسی اشیا (sensuous objects) کو خیالی اشیا سے الگ کرکے دکھائے، لیکن بذات خود انسانی سرگرمی کو وہ معروضی سرگرمی شمار نہیں کرتا۔ لہذا ''مسیحیت کا جوہر'' کتاب میں اس نے صرف نظریاتی سرگرمی ھی کو اصلی انسانی سرگرمی شمار کر لیا ہے، اور عمل کا تصور اور تعین کیا گیا ہے محض اپنی کثیف سوداگرانہ شکل میں۔ اسی لئے فائرباخ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ''انقلابی''، ''عملی تنقیدی'' سرگرمی کی اہمیت کیا ہے۔

۲

یہ سوال کہ آیا انسانی غوروفکر کا بجائے خود حقیقی وجود ہے یا نہیں — کسی طرح بھی نظریاتی سوال نہیں ہے، یہ عملی سوال ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ عمل میں اپنے غوروفکر کی صداقت

ثابت کرکے دکھائے، یعنی اس کی اصلیت، اس کی طاقت کو اور اس طرف رخ کو ثابت کرے۔ غور و فکر کے حقیقی وجود ہونے نہ ہونے کی ایسی بحث، جس میں اسے عمل سے بیگانہ کر دیا گیا ہو، خالص مکتبی بحث رہ جاتی ھے۔

۳

یہ مادیت‌پسند اصول کہ لوگ محض حالات اور اپنی پرداخت کی ھی پیداوار ھوتے ھیں، چنانچہ بدلے ھوئے لوگ دراصل مختلف حالات اور مختلف پرداخت کا نتیجہ ھوتے ھیں، اس بات کو بھول جاتا ھے کہ حالات کا بدلا جانا بھی تو لوگوں ھی کے دم سے ھوتا ھے، اور یہ کہ معلم کو خود بھی تو تعلیم کی ضرورت ھوتی ھے۔ مادیت‌پسند فلسفے کا یہ اصول چاروناچار اس نوبت کو پہنچ جاتا ھے کہ سوسائٹی کو دو حصوں میں بانٹ دے، جس کا ایک حصہ پورے سماج سے بلند و برتر ھو (مثال کے طور پر ملاحظہ ھوں رابرٹ اووین کی تحریریں)۔

حالات کے اور انسانی سرگرمی کے بدلتے رھنے کی ھم‌زمانیت کا تصور اور معقول تفہم صرف انقلابی عمل کی حیثیت سے کیا جا سکتا ھے۔

٤

فائرباخ مذھبی خودبیگانگی کی حقیقت سے، ایک مذھبی، خیالی دنیا اور دوسری حقیقی دنیا میں دنیا کی دوئی کرنے سے شروع کرتا ھے۔ وہ اس کام میں لگا ھے کہ مذھبی دنیا کو اس کی دنیاوی بنیاد کی طرف لائے۔ اسے یہ نہیں سوجھتا کہ جب وہ یہ کام پورا کر چکے گا تو جو اصلی کام کرنا تھا وہ جوں کا توں دھرا رہ جائے گا۔ مطلب یہ کہ ایسی صورت‌حال، جہاں دنیاوی بنیاد خود کو اپنے ھی سے بےتعلق کر لیتی ھے اور ھوا میں ایک خودمختار بادشاھت کی طرح کھڑی رہ جاتی ھے، وہ صرف اس دنیاوی بنیاد میں خود الگ ھونے کی صلاحیت اور اس کے پرتضاد ھونے ھی کو ظاھر کرتی ھے۔ چنانچہ اس دنیاوی بنیاد کو اول تو اس کے اپنے

تضاد کی حالت میں سمجھنا چاھئے اور پھر یہ کہ اس تضاد کو دور کرکے اس دنیاوی بنیاد کو عمل میں انقلاب‌پذیر کرنا چاھئے۔ اس صورت میں جب، مثلاً یہ دریافت ہو جائے کہ دنیاوی خانوادے ھی میں مقدس خانوادے کا راز مضمر ھے تب پھر دنیاوی خانوادے پر نظریے میں تنقید کی جائے اور عمل سے اسے انقلاب‌پذیر کیا جائے۔

۵

فائرباخ تجریدی فکر سے کچھ مطمئن نہیں، اس لئے حواسی تفکر سے مدد لیتا ھے۔ مگر وہ حواسیت کا تصور عملی یا انسان کی حواسی سرگرمی کی حیثیت سے نہیں کرتا۔

٦

مذھبی جوھر کو فائرباخ نے انسانی جوھر میں ڈھال دیا۔ لیکن انسانی جوھر کوئی ایسی تجریدی شے نہیں ھے جو ھر ایک فرد کے خمیر میں ھو۔ اصل میں وہ ایک مجموعہ ھے تمام سماجی رشتوں کا۔

فائرباخ جو اس حقیقی جوھر کی تنقید میں سر نہیں کھپاتا، بالاخر اس پر مجبور ھوتا ھے کہ:

(۱) تاریخ کی روش سے پاک ھوکر مذھبی جذبے کو علحدہ سمجھے اور ایک الگ تھلگ تجریدی انسانی فرد کو فرض کرلے۔

(۲) لہذا اس کے نزدیک انسانی جوھر محض ایک ”نوع“ رہ جاتا ھے، کوئی اندرونی کیفیت، ایک بےزبان عمومیت جو صرف فطری طور پر بہت سے افراد کو متحد کر دیتی ھے۔

۷

اسی لئے فائرباخ کو نظر نہیں آتا کہ خود ”مذھبی جذبہ“ ایک سماجی پیداوار ھے اور وہ تجریدی فرد جس کا وہ تجزیہ کر رہا ھے، دراصل سماج کی ایک خاص شکل سے تعلق رکھتا ھے۔

۸

سماجی زندگی اصل میں عملی زندگی ہوتی ہے - جو اسرار و رموز نظریے کو لے جاکر تصوف میں گم کر دیتے ہیں ان سب کا معقول حل انسان کے عمل میں اور اس عمل کی پوری سمجھ میں ہی ملتا ہے -

۹

تفکری مادیت یعنی وہ مادیت جو حواسیت کو عملی سرگرمی شمار نہیں کرتی، زیادہ سے زیادہ اس بلندی تک پہنچتی ہے کہ الگ الگ افراد کا تفکر ''مدنی سماج،، میں کرلے -

۱۰

پرانے مادیت پسند فلسفے کا نقطۂ نظر ہے ایک ''مدنی،، سماج - نئے مادیت پسند فلسفے کا نقطۂ نظر ہے انسانی سماج یا سماج پسند نوع انسانی -

۱۱

فلسفیوں نے اپنے اپنے طریقے سے دنیا کی صرف تعبیریں پیش کی ہیں - لیکن بات یہ ہے کہ اسے بدلنا ہے -

۱۸۴۵ء کے موسم بہار میں لکھا گیا -
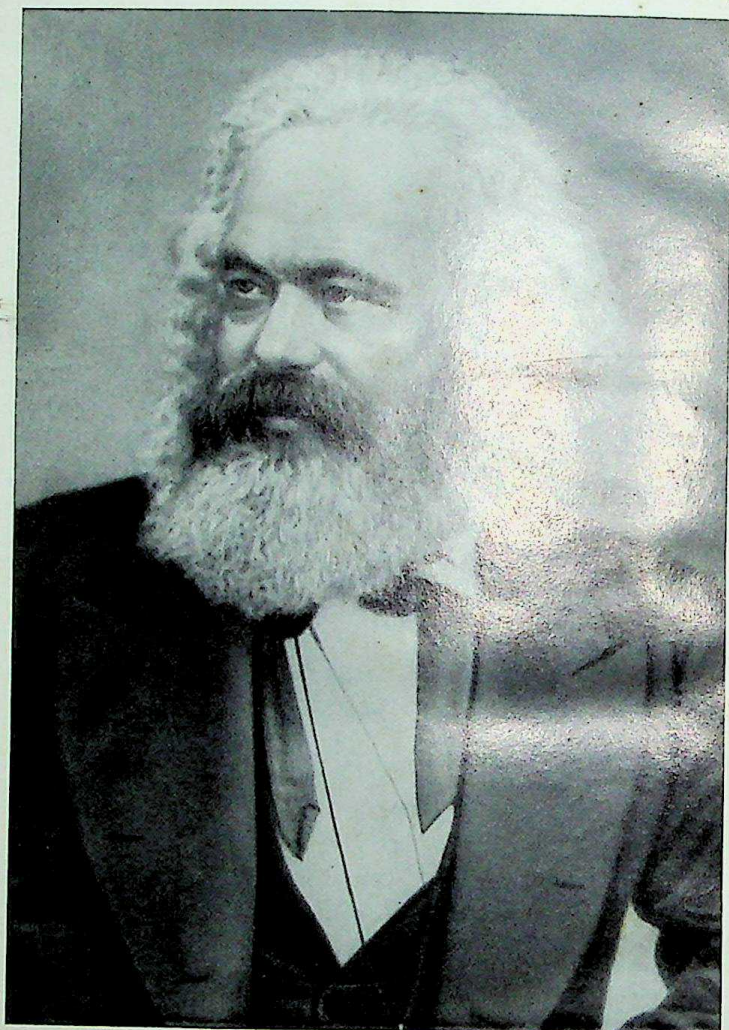
Karl Marx
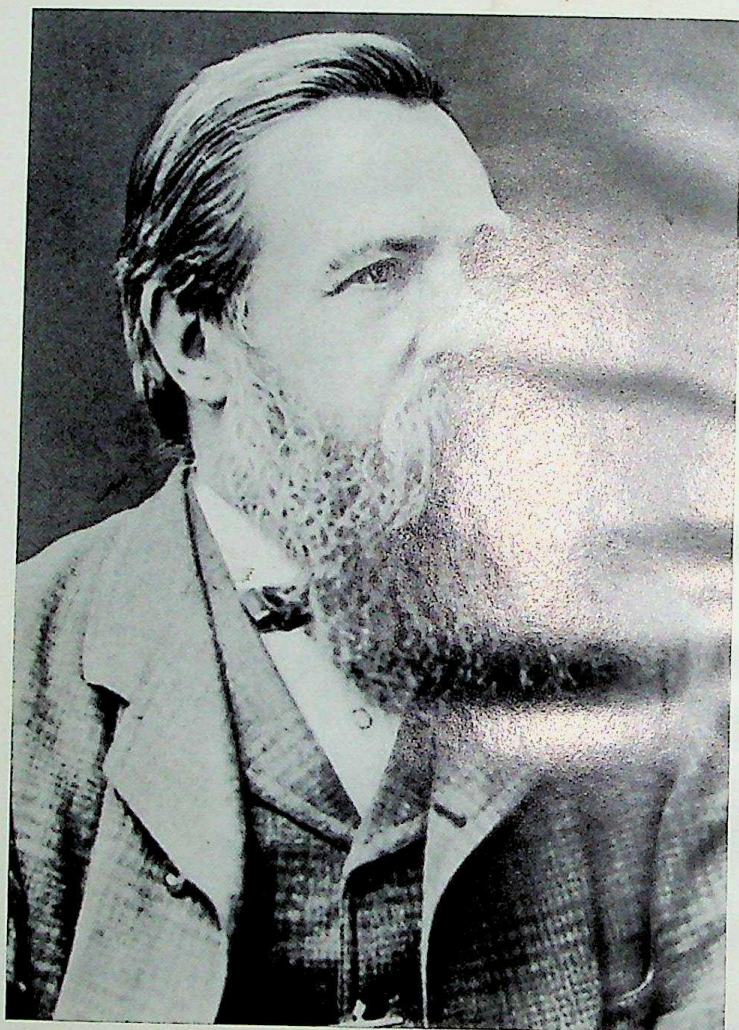
F. Engels

مارکس، اینگلس
کمیونسٹ پارٹی کا مینی فسٹو (۲)

(اقتباس)

۱ - بورژوا اور پرولتاریه *

آج تک تمام سماجوں کی تاریخ * * طبقاتی جدوجهد کی تاریخ هے -
آزاد آدمی اور غلام، پتریشین اور پلےبیئن، جاگیردار اور

---

* بورژوازی سے جدید سرمایه‌داروں کا طبقه مراد هے جو سماجی پیداوار کے ذرائع کے مالک هیں اور مزدوروں سے اجرت پر کام لیتے هیں - پرولتاریه موجوده زمانے کا، اجرت پر کام کرنےوالے مزدوروں کا طبقه هے، جس کے پاس اپنا کوئی ذریعهٔ پیداوار نهیں اور جسے زنده رهنے کے لئے اپنی قوت محنت بیچنی پڑتی هے - (۱۸۸۸ء کے انگریزی ایڈیشن میں اینگلس کا نوٹ -)

* * یعنی وه تمام تاریخ جو قلم بند هو چکی هے - ۱۸۴۷ء میں سماج کے ماقبل تاریخ کا زمانه یعنی تاریخ کے قلم‌بند هونے سے پهلے کی سماجی تنظیم تقریباً نامعلوم تهی - لیکن اس کے بعد هیکسٹاؤزین نے روس میں زمین کی مشترکه ملکیت کا پته لگایا - پهر ماؤرر نے ثابت کیا که تمام قدیم ٹیوٹانی نسلوں نے جب تاریخ کی دهلیز پر قدم رکها تو اس وقت سماجی بنیاد اسی مشترکه ملکیت هی تهی اور رفته رفته پته چلا که هندوستان سے آئرلینڈ تک هر جگه دیهی برادریاں سماج کی قدیمی ابتدائی شکل تهیں یا رهی هیں - اور مارگن نے جب کنبے کی اصلی نوعیت اور قبیلے سے اس کے

کسان غلام، استاد * اور کاریگر غرضیکہ ظالم اور مظلوم برابر ایک دوسرے کے خلاف صف‌آرا رہے، کبھی کھلے بندوں اور کبھی پس‌پردہ ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ اور ہر بار اس لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ یا تو نئے سرے سے سماج کی انقلابی تعمیر نو ہوئی یا لڑنےوالے طبقے ایک ساتھ تباہ ہو گئے۔

سابق تاریخی ادوار میں تقریباً ہر جگہ ہم سماج کو مختلف پرتوں میں تہہ بہ تہہ مرتب پاتے ہیں۔ مختلف سماجی مراتب کا ایک پورا زینہ ملتا ہے۔ قدیم روم میں پتریشین، نائٹ، پلےبیئن اور غلام ملتے ہیں اور ازمنۂ وسطی میں جاگیردار، اسامی، استاد کاریگر، نوآموز شاگرد اور کسان غلام۔ اور تقریباً ان تمام طبقوں میں مزید ذیلی تقسیمیں ہیں۔

جدید بورژوا سماج نے جو جاگیردارانہ سماج کے کھنڈروں سے ابھرا ہے طبقاتی اختلافات کو دور نہیں کیا۔ اس نے تو محض پرانے کی جگہ نئے طبقے، ظلم کی نئی صورتیں اور جدوجہد کی نئی شکلیں پیدا کر دی ہیں۔

پھر بھی ہمارا عہد جو بورژوا طبقے کا عہد ہے ایک امتیازی صفت رکھتا ہے۔ اس نے طبقاتی اختلافات کی پیچیدگی کو کم کر

تعلق کا حال معلوم کر لیا تو اس قدیمی ابتدائی کمیونسٹ‌نما سماج کی اندرونی تنظیم اپنی مخصوص شکل میں بےنقاب ہو گئی۔ ان قدیم برادریوں کے تتربتر ہونے پر سماج میں الگ الگ اور آخرکار مخالف طبقوں کا امتیاز پیدا ہو گیا۔ میں نے اپنی کتاب «Der Ursprung der Familie, des Privateigentums und des Staats», 2. Aufl., Stuttgart, 1886. (دیکھئے: فریڈرک اینگلس۔ ''خاندان، ذاتی جائیداد اور ریاست کا آغاز''، دوسرا ایڈیشن، اشٹوٹ‌گارٹ، ۱۸۸۶ء۔) میں اس انتشار کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ (۱۸۸۸ء کے انگریزی ایڈیشن میں اینگلس کا نوٹ۔)

* استاد یعنی گلڈماسٹر اہل حرفہ کی انجمنوں یعنی گلڈ کے پورے رکن ہوتے تھے۔ وہ پوری انجمن کے سردار نہیں بلکہ اس کے اندر بااختیار رکن کی حیثیت رکھتے تھے۔ (۱۸۸۸ء کے انگریزی ایڈیشن میں اینگلس کا نوٹ۔)

دیا ھے: سماج بحیثیت مجموعی روز بروز دو بڑے مخالف مورچوں میں، دو بڑے طبقوں یعنی بورژوازی اور پرولتاریہ میں بٹتا جا رہا ھے جو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ھیں۔

ازمنۂ وسطی کے کسان غلاموں سے اولیں شہروں کے حقوق یافتہ شہری پیدا ہوئے تھے۔ انھیں شہریوں سے بورژوا طبقے کے ابتدائی عناصر کی نشوونما ہوئی۔

امریکہ کی دریافت اور افریقہ کے گرد جہازرانی شروع ہونے کی وجہ سے ابھرتے ہوئے بورژوا طبقے کے لئے نئی راہیں کھل گئیں۔ ایسٹ انڈیا اور چین کی منڈیوں، امریکہ کی نوآبادکاری، نوآبادیوں کے ساتھ تجارت، ذرائع تبادلہ اور عام طور سے اجناس تجارت کے اضافے نے تجارت، جہازرانی اور صنعت کو ایسی ترغیب دی جو کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی اور اس کی وجہ سے گرتے ہوئے جاگیردار سماج میں انقلابی عناصر کو تیزی سے بڑھنے کا موقع ملا۔

صنعت کا جاگیردارانہ یا مستری خانوں والا سابق نظام اب نئی منڈیوں کی بڑھتی ہوئی مانگوں کے لئے ناکافی ہو گیا۔ کارخانہ دار نظام نے اس کی جگہ لی۔ استادوں کو درمیانی کارخانہ دار پرت نے نکال باھر کیا۔ ھر کارخانے کی اندرونی تقسیم محنت کے مقابلے میں اھل حرفہ کی مختلف جماعتوں کی باھمی تقسیم محنت ختم ہو گئی۔

اس اثنا میں منڈیاں برابر پھیلتی رھیں، مانگ برابر بڑھتی رھی۔ حتی کہ کارخانہ داری بھی اب کافی نہ ہو سکی۔ تب بھاپ اور مشین نے صنعتی پیداوار میں انقلاب برپا کر دیا۔ کارخانہ داری کی جگہ دیوھیکل جدید صنعت نے اور درمیانی کارخانہ دار پرت کی جگہ صنعتی کروڑپتیوں، بڑی بڑی صنعتی فوجوں کے لیڈروں، جدید بورژوا طبقے نے لے لی۔

جدید صنعت نے عالمگیر منڈی قائم کی جس کے لئے امریکہ کی دریافت سے راہ کھل چکی تھی۔ اس منڈی نے تجارت، جہازرانی اور خشکی کے وسائل آمدورفت کو زبردست ترقی دی۔ اس ترقی سے صنعت کے بڑھنے میں اور مدد ملی، اور جیسے جیسے صنعت، تجارت، جہازرانی اور ریلوں کو توسیع ہوئی، اسی مناسبت سے بورژوا

طبقے کی نشوونما ہوئی۔ اس نے اپنا سرمایہ بڑھایا اور ہر اس طبقے کو دھکیل کر پیچھے کر دیا جو ازمنۂ وسطی سے چلا آ رہا تھا۔

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ خود جدید بورژوا طبقہ ارتقا کے ایک طویل سلسلے کا، پیداوار اور تبادلے کے طریقوں میں مسلسل کئی تغیرات کا نتیجہ ہے۔

بورژوا طبقے نے اپنی نشوونما کے دوران میں جو قدم بھی اٹھایا اس کے ساتھ اسی مناسبت سے اس طبقے کی سیاسی ترقی بھی ہوئی۔ جاگیرداروں کے عہد حکومت میں وہ ایک مظلوم طبقہ تھا، کمیون * میں ایک ہتھیاربند اور خودمختار جماعت، کہیں آزاد شہری جمہوریہ (جیسے اٹلی اور جرمنی میں) اور کہیں بادشاہی حکومت میں محصول گذار ''تیسری امارت،، (جیسے فرانس میں)۔ بعد میں کارخانہ‌داری کے زمانے میں اس نے امرا کے خلاف نیم‌جاگیرداری یا مطلق شاہی حکومت کا پلہ بھاری کیا اور حقیقت میں عام طور پر بڑی بادشاہتوں کا سنگ بنیاد بنا۔ بالآخر اسی بورژوا طبقے نے بڑی صنعت اور عالم گیر منڈی قائم ہو جانے پر جدید نمائندہ ریاست میں بلاشرکت غیرے اپنے لئے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا۔ جدید ریاست کا صیغۂ انتظامی تو محض ایک کمیٹی ہے جو پورے بورژوا طبقے کے مشترکہ معاملات کی دیکھ بھال کرتی ہے۔

---

* ''کمیون،، — فرانس میں ابتدائی شہروں کا یہ نام اس وقت سے بھی پہلے چلا آتا ہے جب انہوں نے اپنے جاگیردار آقاؤں سے لڑکر مقامی خودانتظامی اور ''تیسری امارت،، کی حیثیت سے اپنے سیاسی حقوق حاصل کئے تھے۔ اس کتاب میں عام طور سے بورژوا طبقے کی معاشی نشوونما کا ذکر کرتے ہوئے انگلینڈ کو اور سیاسی نشوونما کا ذکر کرتے ہوئے فرانس کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ (۱۸۸۸ء کے انگریزی ایڈیشن میں اینگلس کا نوٹ۔)

اٹلی اور فرانس کے شہری باشندوں نے اپنی شہری برادریوں کو یہ نام اسی وقت دے دیا تھا جب انہوں نے اپنے جاگیردار مالکوں سے خود نظمی کے ابتدائی حقوق خریدے یا زبردستی حاصل کئے۔ (۱۸۹۰ء کے جرمن ایڈیشن میں اینگلس کا نوٹ۔)

210

بورژوازی نے تاریخی اعتبار سے نہایت انقلابی خدمت انجام دی ہے۔

بورژوا طبقے کا جہاں کہیں غلبہ ہوا، اس نے تمام جاگیردار، سرقبیلی اور سیدھے سادے دیہی تعلقات کا خاتمہ کردیا۔ اس نے بےدردی سے ان گوناگوں جاگیردارانہ بندھنوں کو توڑ دیا جو انسان کو اس کے ''قدرتی آقاؤں'' کا پابند کئے ہوئے تھے اور خالص خود غرضی اور بےدرد ''نقد لین دین'' کے سوا آدمی میں اور کوئی رشتہ باقی نہیں رہنے دیا۔ اس نے مقدس مذہبی ولولے، بہادرانہ جوش اور پٹی بورژوا جذبات پرستی کے تمام کیف کو حرص اور خودغرضی کے سرد پانی میں ڈبو دیا۔ اس نے جوہر ذاتی کو قابل تبادلہ قدر میں بدل دیا اور بےشمار ناقابل ضبط سندیافتہ آزادیوں کی جگہ ریا اور مکر سے بھری ہوئی واحد آزادی قائم کی اور وہ ہے تجارت کی آزادی۔ مختصر یہ کہ اس نے مذہب اور سیاست کے پردوں سے ڈھکے ہوئے استحصال کی جگہ عریاں، حیاسوز، براہ راست، وحشیانہ استحصال رائج کر دیا ہے۔

بورژوا طبقے نے ہر اس پیشے کی عظمت چھین لی جس کی اب تک عزت ہوتی آئی تھی اور جس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے طبیب، وکیل، مذہبی پیشوا، شاعر، اہل علم سب کو اپنا تنخواہ‌دار، اجرت پر کام کرنےوالا مزدور بنا دیا ہے۔

بورژوا طبقے نے خاندانی رشتوں کا جذباتی نقاب چاک کر دیا ہے اور ان کو محض روپے پیسے کا رشتہ بناکر رکھ دیا ہے۔

بورژوازی نے یہ راز فاش کردیا کہ ازمنۂ وسطی میں اپنے کس بل کی وحشیانہ نمائش کا جس کے رجعت‌پرست اس قدر دل‌دادہ ہیں اور سخت کاہلی اور بے عملی کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ وہ پہلا طبقہ ہے جس نے دکھا دیا کہ انسان کی کارگذاری کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اس نے وہ عجائبات پیش کئے جن کے مقابلے میں مصر کے اہرام، روم کے کاریز اور گوتھک نمونے کے شاندار گرجے ہیچ ہیں۔ اس نے وہ وہ مہمیں روانہ کی ہیں جن کے سامنے پچھلے زمانوں کی قوموں کی مہاجرتیں اور صلیبی جنگیں (۳) مات ہیں۔

بورژوا طبقہ آلات پیداوار میں اور ان کی وجہ سے پیداواری رشتوں میں اور ان کے ساتھ سماج کے سارے تعلقات میں لگاتار انقلابی

الٹ پلٹ کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے برعکس پیداوار کے پرانے طریقوں کو بلاکسی ردوبدل کے جوں کے توں قائم رکھنا، پہلے زمانے کے تمام صنعتی طبقوں کی بقا کی پہلی شرط تھی۔ پیداوار میں پیہم انقلابی الٹ پلٹ، جملہ سماجی رشتوں میں لگاتار خلل، دائمی عدم استحکام اور ھلچل بورژوازی کے عہد کو پہلے کے تمام زمانوں سے ممتاز کرتی ھیں۔ تمام دیرینہ رشتے جو پتھر کی لکیر بن چکے تھے اپنے قدیم تعصبات اور عقیدوں کے لاؤلشکر سمیت نیست ونابود ھو گئے۔ اور نئے قائم ہونےوالے تعلقات جڑ پکڑنے بھی نہیں پاتے کہ فرسودہ ھو جاتے ھیں۔ کل تک جو ٹھوس تھا آج ھوا ھو گیا، جو پاک تھا وہ نجس ھے اور انسان آخرکار مجبور ھوا کہ اپنی زندگی کی حقیقتوں کا اور اپنے باھمی تعلقات کا پورے ھوش و حواس کے ساتھ جائزہ لے۔

اپنے مال کے لئے منڈی کو برابر بڑھاتے رہنے کی ضرورت بورژوا طبقے سے سارے جہان کی خاک چھنواتی ھے۔ اسے ھر شاخ پر آشیانہ بنانا پڑتا ھے، ھر جگہ گھر بسانا پڑتا ھے، ھر جگہ تعلقات قائم کرنے ھوتے ھیں۔

بورژوا طبقے نے عالم گیر منڈی کے استحصال کے ذریعہ ھر ملک میں پیداوار اور کھپت کو آفاقی رنگ دے دیا ھے۔ رجعت پرست سخت خفا ھیں کہ صنعت جس قومی بنیاد پر کھڑی تھی وہ زمین اس کے پاؤں تلے سے نکل گئی۔ تمام دیرینہ قومی صنعتیں تباہ کردی گئیں یا روزبروز تباہ ھوتی جا رھی ھیں۔ نئی صنعتیں ان کی جگہ لے رھی ھیں جن کو رائج کرنا تمام مہذب قوموں کے لئے زندگی اور موت کا سوال بنتا جا رھا ھے۔ یہ وہ صنعتیں ھیں جن میں اپنے ھی دیس کا کچا مال استعمال نہیں ھوتا بلکہ دور دور کے علاقوں سے کچا مال آتا ھے۔ ان صنعتوں کی پیداوار کی کھپت صرف اپنے ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے ھر گوشے میں ھوتی ھے۔ پرانی ضرورتوں کی جگہ جو اپنے ملک کی پیداوار سے پوری ھو جایا کرتی تھیں، اب نئی ضرورتیں پیدا ھو گئی ھیں، جن کو پورا کرنے کےلئے دوردراز ملکوں اور علاقوں کا مال چاھئے۔ پرانی مقامی اور قومی علحدگی اور خودکفالتی کے بدلے اب ھر طرف لین دین کا دوردورہ ھے اور قوموں کا ایک دوسرے سے عالم گیر انحصار باھمی دیکھنے

میں آتا ہے۔ اور یہ مادی اور روحانی دونوں پیداواروں کے واسطے ہے۔ ہر قوم کے روحانی کارنامے ساری دنیا کی میراث بنتے جا رہے ہیں۔ قومی یک طرفہ پن اور تنگ نظری دن بدن ناممکن ہوتی جارہی ہے اور متعدد قومی اور مقامی ادبوں سے ایک عالم گیر ادب جنم لے رہا ہے۔

بورژوا طبقہ تمام آلات پیداوار کو تیزی سے ترقی دیتا اور آمدورفت کے وسیلوں کو بے حد آسان بناتا رہتا ہے اور ان کے بل پر وہ تمام قوموں کو حتی کہ انتہائی وحشی قوموں کو بھی تہذیب کے دائرے میں کھینچ لاتا ہے۔ اس کے تجارتی مال کی ارزانی گولے بارود کا کام کرتی ہے جن سے مارمار کر وہ ہر دیوارچین کو گرا دیتا ہے اور ضدی سے ضدی وحشیوں کو جن کے دل سے غیروں کی نفرت کا جذبہ مارے نہیں مرتا ہار ماننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ تمام قوموں کو مجبور کرتا ہے کہ بورژوا طریقۂ پیداوار اختیار کریں یا فنا ہو جائیں۔ وہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کی منہ بولی تہذیب کو اپنے یہاں رائج کریں یعنی وہ خود بھی بورژوا بنیں۔ مختصر یہ کہ وہ اپنی صورت پر ایک دنیا کی تخلیق کرتا ہے۔

بورژوا طبقے نے دیہات کو شہروں کے تابع کر دیا ہے۔ اس نے بڑے بڑے شہر بسائے ہیں۔ دیہات کے مقابلے میں شہری آبادی کو بہت بڑھا دیا ہے اور اس طرح آبادی کے ایک بڑے حصے کو دیہاتی زندگی کے گھامڑپن سے چھٹکارا دلایا ہے۔ اور جس طرح اس نے دیہات کو شہروں کا دست نگر بنایا، اسی طرح غیرمہذب اور نیم مہذب ملکوں کو مہذب ملکوں کا، کسانوں کی قوموں کو بورژوا قوموں کا، مشرق کو مغرب کا محتاج بنایا۔

بورژوا طبقہ ذرائع پیداوار، ملکیت اور آبادی کی تتربتر حالت کو روز بروز ختم کرتا جا رہا ہے۔ اس نے کثیر آبادیوں کو اکٹھا کیا ہے، ذرائع پیداوار کو مرکوز کیا ہے اور ملکیت کو چند ھاتھوں میں بٹور لیا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ سیاسی مرکزیت تھا۔ صوبے جو آزاد تھے یا جن میں کوئی واضح تعلق نہیں تھا، جن کے مفاد، قانون، حکومتیں اور چنگی کے محصول الگ الگ تھے اب مل کر ایک قوم بن گئے ہیں جس کی ایک حکومت ہے، قانون

کا ایک ھی ضابطہ ھے، ایک قومی طبقاتی مفاد ھے، ایک سرحد اور ایک محصول ھے۔

بورژوا طبقے نے اپنے بہ‌مشکل ایک سو برس کے دورحکومت میں اتنی بڑی اور دیوپیکر پیداواری قوتیں تخلیق کر لی ھیں کہ پچھلی تمام پشتیں مل‌کر بھی نہ کر سکی تھیں۔ قدرت کی طاقتوں پر انسان کی کارفرمائی، مشینیں، صنعت اور زراعت میں کیمیا کا استعمال، دخانی جہازرانی، ریلیں، تار برقی، کھیتی کے لئے پورے کے پورے براعظموں کی صفائی، نہریں بناکر دریاؤں کو ملانا اور چشم‌زدن میں بڑی بڑی آبادیوں کا ظہور میں آجانا — آج سے پہلے کس زمانے کے لوگوں کے وھم‌وگمان میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہ اجتماعی محنت کی گود میں ایسی ایسی پیداواری طاقتیں پڑی سو رھی ھیں!

چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ پیداوار اور تبادلے کے وسیلے جن کی بنیاد پر بورژوا طبقے نے اپنے آپ کو بنایا جاگیردارانہ سماج میں پیدا ھوئے تھے۔ پیداوار اور تبادلہ کے ان وسیلوں کی نشوونما میں ایک منزل ایسی آئی کہ جاگیردارانہ سماج کے حالات میں، جن میں مال کی پیداوار اور اس کا تبادلہ ھوتا تھا، زراعت اور کارخانہ‌داری صنعت کی جاگیردارانہ تنظیم کے اندر، مختصر یہ کہ ملکیت کے جاگیردارانہ رشتوں سے اب بڑھی ھوئی پیداواری قوتوں کا نباہ ناممکن ھو گیا۔ یہ رشتے ان قوتوں کے پیروں کی زنجیر بن گئے۔ ان زنجیروں کو توڑنا تھا۔ ان کو توڑ دیا گیا۔

اب آزاد مقابلے نے ان کی جگہ لے لی اور اپنے حسب حال ایک سماجی وسیاسی نظام اور بورژوا طبقے کا معاشی اور سیاسی اقتدار بھی ساتھ لیتا آیا۔

اسی قسم کی ایک تبدیلی ھماری آنکھوں کے سامنے ھو رھی ھے۔ جدید بورژوا سماج نے گویا جادو کے زور سے پیداوار اور تبادلے کے عاظیم‌لشان وسیلے کھڑے کر لئے ھیں۔ مگر پیداوار، تبادلے اور ملکیت کے اپنے رشتوں سمیت اس سماج کی حالت اس جادوگر کی سی ھے جس نے اپنے جادو سے شیطانی طاقتوں کو جگا تو لیا ھے مگر اب قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ پچھلے بیسیوں برس سے صنعت اور تجارت کی تاریخ، جدید پیداواری قوتوں کی بغاوت کی تاریخ ھے، بغاوت جدید پیداواری رشتوں کے خلاف اور ملکیت کے ان رشتوں

کے خلاف جو بورژوا طبقے اور اس کے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ھیں۔ اس سلسلے میں ان تجارتی بحرانوں کا نام لینا کافی ھے جو کچھ وقفے وقفے سے برابر آتے رھتے ھیں اور پورے بورژوا سماج کی زندگی کو ھر بار پہلے سے بھی بڑے خطرے میں ڈال دیتے ھیں۔ ان بحرانوں میں ھر بار صرف تیار مال ھی کا نہیں بلکہ پہلے کی بنی ھوئی پیداواری قوتوں کا بھی ایک بڑا حصہ برباد کردیا جاتا ھے۔ ان بحرانوں کے دوران میں گویا ایک وبا سی پھیل جاتی ھے، فاضل پیداوار کی وبا، جو پہلے کے تمام زمانوں میں ایک ان ھونی سی بات معلوم ھوتی۔ سماج دفعتاً اپنے آپ کو کچھ عرصے کے لئے بربریت کےعالم میں پاتا ھے۔ ایسا معلوم ھوتا ھے جیسے قحط یا عالم گیر جنگ کی تباہ‌کاریوں نے تمام وسائل حیات کے دروازے بند کر دئے ھوں۔ صنعت‌وتجارت برباد ھوتی نظر آتی ھے۔ اور یہ کیوں؟ اس لئے کہ تہذیب کی برکتوں کی افراط ھے، زندگی کے وسائل کی افراط ھے، صنعت کی افراط ھے، تجارت کی افراط ھے۔ سماج کے ھاتھ میں جو پیداواری قوتیں ھیں ان سے اب بورژوا جائیداد کی شرائط کی مزید ترقی میں کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ اس کے برعکس وہ ان شرائط کےلئے حد سے زیادہ طاقتور ھو گئی ھیں۔ یہ شرائط ان کے پیروں کی زنجیر بن جاتی ھیں اور جوں ھی پیداواری قوتیں ان زنجیروں پر قابو پاتی ھیں پورے بورژوا سماج میں خلل پڑ جاتا ھے، بورژوا جائیداد کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ھے۔ بورژوا سماج کی شرائط اتنی تنگ ھیں کہ وہ خود اپنی پیدا کی ھوئی دولت بھی نہیں سنبھال سکیں۔ پھر بورژوا طبقہ ان بحرانوں پر قابو کیسے پاتا ھے؟ اس کے لئے ایک طرف پیداواری قوتوں کا بڑا حصہ جبراً برباد کر دیا جاتا ھے، دوسری طرف، نئی منڈیوں پر قبضہ کیا جاتا ھے اور پرانی منڈیوں کا استحصال اور بھی زیادہ شدت سے کیا جاتا ھے۔ یعنی اور بھی زیادہ وسیع اور تباہ‌کن بحرانوں کے لئے راستہ صاف کیا جاتا ھے اور ان بحرانوں کو روکنے کے وسیلے اور کم کر دئے جاتے ھیں۔

وہ ھتھیار جن سے بورژوا طبقے نے جاگیردارانہ نظام کو زیر کیا تھا اب خود بورژوا طبقے ھی پر وار کرنے لگتے ھیں۔

لیکن بورژوا طبقے نے صرف وھی ھتھیار نہیں ڈھالے جو اس

کی موت کا پیغام لا رہے ہیں، وہ ان آدمیوں کو بھی وجود میں لے آیا ہے جو یہ ہتھیار اٹھائیں گے یعنی پرولتاریہ، جدید مزدور طبقہ۔

جس نسبت سے بورژوا طبقے یعنی سرمائے کی ترقی ہوتی ہے اسی نسبت سے پرولتاریہ یعنی جدید مزدور طبقہ ترقی کرتا ہے جو زندہ اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک اسے کام ملتا رہے اور کام اسی وقت تک ملتا ہے جب تک اس کی محنت سرمائے کو بڑھاتی ہے۔ یہ مزدور جنہیں اپنے آپ کو فرداً فرداً کرکے بیچنا پڑتا ہے تجارت کی دیگر تمام چیزوں کی طرح ایک جنس تجارت ہیں۔ لہذا یہ بھی مقابلے کے تمام ہیرپھیر اور منڈی کے تمام اتارچڑھاؤ کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔

مشینوں کے وسیع استعمال اور محنت کی تقسیم کی وجہ سے مزدوروں کا کام اپنی تمام انفرادی خصوصیات کھو چکا ہے اور اسی وجہ سے مزدور کےلئے اس میں کوئی دل کشی باقی نہیں رہی۔ وہ مشین کا دمچھلا بن کر رہ گیا ہے۔ اس کو اب صرف ایک ڈھب جاننا چاہئے جو نہایت سیدھی سادی، نہایت اکتا دینےوالی اور نہایت آسانی سے آنےوالی چیز ہے۔ چنانچہ مزدور پر لاگت تقریباً تمام‌تر ان وسائل زندگی تک محدود ہے جو اس کے اپنے گذارے اور افزائش نسل کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن کسی بھی جنس تجارت کی قیمت اور اس لئے محنت کی قیمت بھی اس کی پیداوار کی لاگت کے برابر ہوتی ہے۔ اس لئے کام جتنا زیادہ ناپسندیدہ ہوتا جاتا ہے اسی نسبت سے اجرت میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ جس نسبت سے مشینوں کا استعمال اور محنت کی تقسیم بڑھتی ہے اسی نسبت سے مشقت کا بوجھ بڑھتا ہے، چاہے وہ کام کے گھنٹے بڑھنے سے ہو، مقررہ وقت میں زیادہ کام لینے کی وجہ سے ہو یا مشین کی رفتار تیز ہو جانے وغیرہ سے۔

جدید صنعت نے اہل حرفہ کی چھوٹی کارگاہ کو صنعتی سرمایہ‌دار کی بڑی فیکٹری میں بدل دیا ہے۔ مزدوروں کے کثیر انبوہ کو فیکٹری میں جمع کرکے فوجی سپاہیوں کی طرح ان کی تنظیم کی گئی‌ہے۔ افسروں اور حولداروں کے ایک پورے سلسلے کی نگرانی میں انہیں صنعتی فوج کے عام سپاہیوں کی طرح رکھا گیا ہے۔ وہ صرف بورژوا طبقے اور بورژوا ریاست کے غلام نہیں ہیں،

وہ ہر دن اور ہر گھڑی مشین کی، نگراں‌کار کی اور سب سے بڑھ کر انفرادی طور پر کارخانے کے بورژوا مالک کی غلامی کرتے ہیں - یہ ظالمانہ نظام جس قدر کھلے بندوں نفع خوری کو اپنی غرض و غایت بناتا ہے اسی قدر ذلیل، قابل نفرت اور تلخ‌تر ہوتا جاتا ہے -

جسمانی محنت میں مہارت اور طاقت صرف کرنے کی ضرورت جس قدر کم ہوتی جاتی ہے یعنی دوسرے لفظوں میں جدید صنعت جتنی زیادہ ترقی کرتی ہے اسی قدر عورتوں اور بچوں کا کام مردوں کی جگہ لیتا ہے - مزدور طبقے کے لئے عمر اور جنس کی بنا پر امتیاز قائم کرنے کا اب کوئی سماجی جواز باقی نہیں رہا - سب محنت کے آلۂ کار ہیں جن کی قیمت ان کی عمر اور جنس کے لحاظ سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے -

جوں ہی کارخانہ‌دار کے ہاتھوں مزدور کا استحصال کچھ دیر کے لئے رکتا ہے اور اسے اپنی اجرت کے نقد پیسے ملتے ہیں ویسے ہی بورژوا طبقے کے دوسرے حصے یعنی مالک‌مکان، دکاندار، ساہوکار وغیرہ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں -

درمیانی طبقے کے نچلے حصے — چھوٹے کارخانہ‌دار، چھوٹے تاجر اور منافع کے حصے دار تاجر، دست‌کار اور کسان یہ سب گرتے گرتے پرولتاریہ میں جا ملتے ہیں، کچھ تو اس وجہ سے کہ جس پیمانے پر جدید صنعت چلائی جاتی ہے اس کے لئے ان کا حقیر سرمایہ کفایت نہیں کرتا اور بڑے سرمایہ‌داروں کے مقابلے میں ان کی لٹیا ڈوب جاتی ہے اور کچھ اس وجہ سے کہ ان کا مخصوص ہنر اب پیداوار کے نئے طریقوں کی بدولت کسی کام کا نہیں رہتا - اس طرح آبادی کے ہر طبقے سے لوگ بھرتی ہوکر پرولتاریہ میں آتے رہتے ہیں -

مزدور طبقہ نشوونما کی کئی منزلوں سے گذرتا ہے - پیدا ہوتے ہی بورژوا طبقے سے اس کی جدوجہد شروع ہو جاتی ہے - شروع شروع میں کسی ایک بورژوا کے خلاف جو براہ‌راست ان کا استحصال کرتا ہے اکے‌دکے مزدور مقابلے پر اترتے ہیں، پھر ایک فیکٹری میں کام کرنےوالے اور اس کے بعد ایک علاقے میں ایک پوری صنعت کے مزدور - ان کے حملے کا رخ صرف بورژوا پیداواری رشتوں

کے خلاف نہیں بلکہ خود آلات پیداوار کے خلاف ہوتا ہے۔ وہ باہر سے آئی ہوئی مصنوعات کو جو ان کی محنت سے مقابلہ کرتی ہیں برباد کرنے لگتے ہیں۔ وہ مشینوں کو پاش پاش کر دیتے ہیں، کارخانوں میں آگ لگا دیتے ہیں اور ازمنہ وسطی کے کاریگروں کے کھوئے ہوئے مرتبے کو زبردستی واپس لانا چاہتے ہیں۔

اس وقت مزدور تتربتر بھیڑ کی حالت میں سارے ملک میں بکھرے ہوتے ہیں۔ آپس کے مقابلے سے ان کا شیرازہ منتشر رہتا ہے۔ اگر کہیں کہیں وہ مل کر زیادہ گٹھی ہوئی جماعت بناتے ہیں تو یہ ابھی تک ان کے اپنے عملی اتحاد کا نتیجہ نہیں بلکہ بورژوا طبقے کے اتحاد کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ طبقہ خود اپنا سیاسی مقصد پورا کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے کہ پورے مزدور طبقے کو حرکت میں لائے اور اس میں اس وقت تک ایسا کرنے کی قدرت بھی ہوتی ہے۔ اس لئے اس مرحلے پر مزدور طبقہ اپنے دشمنوں سے نہیں بلکہ اپنے دشمنوں کے دشمنوں سے یعنی مطلق العنان بادشاہت کی بچی کھچی نشانیوں سے، زمین داروں سے، غیرصنعتی بورژوا اور پٹی بورژوا طبقے سے لڑتا ہے۔ غرضیکہ تاریخ کی ساری حرکت کی باگ ڈور بورژوا طبقے کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور ان حالات میں جو فتح حاصل ہوتی ہے وہ بورژوا طبقے کی فتح ہوتی ہے۔

لیکن صنعت کی ترقی کے ساتھ مزدور طبقہ نہ صرف یہ کہ تعداد میں بڑھتا ہے بلکہ وہ روز بروز زیادہ بڑے انبوہ میں مرکوز ہونے لگتا ہے، اس کی طاقت بڑھتی ہے اور اسے روز بروز اپنی طاقت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ جیسے جیسے مشین محنت کے تمام امتیازوں کو مٹاتی جاتی ہے اور تقریباً ہر جگہ اجرتوں کو ایک ہی ادنی سطح پر لے آتی ہے اسی نسبت سے مزدور طبقے کی صفوں کے اندر مختلف مفاد اور زندگی کی مختلف حالتوں میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ بورژوا طبقے میں بڑھتا ہوا مقابلہ اور اس کی بدولت تجارتی بحران مزدوروں کی اجرتوں میں آئے دن اتار چڑھاؤ پیدا کرتے رہتے ہیں۔ مشینوں میں نت نئے سدھار اور ان کی تیز سے تیزتر ترقی کی وجہ سے مزدوروں کی روزی دن بدن خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اکے دکے مزدوروں اور بورژوا لوگوں کی جھڑپیں روز بروز دو طبقوں کی ٹکر کی صورت اختیار کرتی جاتی ہیں اور تب بورژوازی

کے خلاف مزدور اپنی انجمنیں (ٹریڈ یونینیں) بنانے لگتے ھیں۔ اجرت کی شرح کو قائم رکھنے کے لئے وہ آپس میں مل جاتے ھیں۔ وقتاً فوقتاً کی بغاوتوں کے لئے پہلے سے بندوبست کرنے کی غرض سے وہ مستقل انجمنیں قائم کرتے ھیں۔ کہیں کہیں یہ ٹکر کھلی بغاوت کی صورت اختیار کر لیتی ھے۔

کبھی کبھار مزدوروں کی جیت ھوتی ھے مگر چندروزہ۔ ان کی جدوجہد کا اصلی پھل فوری کامیابیوں میں نہیں بلکہ مزدوروں کے روز بروز بڑھتے ھوئے اتحاد میں ھے۔ اس اتحاد کو آمدورفت کے ان ترقی یافتہ وسیلوں سے بڑی مدد ملتی ھے جنہیں جدید صنعت نے جنم دیا ھے اور جن کی مدد سے مختلف جگھوں کے مزدوروں میں ربط پیدا ھوتا ھے۔ اور اسی ربط کی سب سے زیادہ ضرورت تھی تاکہ تمام مقامی جدوجہد جس کی نوعیت سب جگہ ایک سی ھے ایک مرکز پر لائی جا سکے اور اسے قومی پیمانے پر طبقاتی جدوجہد کی صورت دی جا سکے۔ لیکن ہر طبقاتی جدوجہد ایک سیاسی جدوجہد ھے۔ اور وہ اتحاد جسے حاصل کرنے کے لئے ازمنۂ وسطی کے شہریوں کو اپنی خستہ حال شاھراھوں کی وجہ سے صدیاں درکار تھیں جدید مزدور طبقے نے ریلوں کی برکت سے چند برسوں میں قائم کر لیا ھے۔

ایک طبقے کی صورت میں اور اس کے نتیجے کے طور پر ایک سیاسی پارٹی میں مزدور طبقے کی یہ تنظیم خود مزدوروں کے آپس کے مقابلے کی بدولت برابر گڑبڑ ھوتی رھتی ھے۔ لیکن ہر بار وہ پہلے سے زیادہ مضبوط، زیادہ پائدار اور زیادہ طاقتور ھوکر اٹھ کھڑی ھوتی ھے اور خود بورژوا طبقے کے اندر کی پھوٹ سے فائدہ اٹھاکر وہ مزدوروں کے مخصوص مفادات کو قانون کی شکل میں تسلیم کرا لیتی ھے۔ چنانچہ انگلینڈ میں دس گھنٹوں والے کام کے دن کا قانون (۴) اسی طرح منظور ھوا تھا۔

فی الجملہ پرانے سماج کے طبقوں کی آپس کی ٹکریں مزدور طبقے کی نشوونما میں کئی طرح سے مددگار ھوتی ھیں۔ بورژوا طبقہ اپنے آپ کو مسلسل جدوجہد میں مبتلا پاتا ھے۔ شروع میں طبقۂ امرا کے خلاف، پھر بورژوا طبقے کے ان حصوں کے خلاف جن کے مفاد صنعت کی ترقی سے ٹکرانے لگتے ھیں اور ساری بدیسی بورژوازی کے

خلاف تو ہر زمانے میں۔ ان سب لڑائیوں میں وہ مجبور ہوتا ہے کہ مزدور طبقے سے اپیل کرے، اس سے مدد مانگے اور اس طرح اسے سیاست کے میدان میں کھینچ لائے۔ غرضیکہ خود بورژوا طبقہ پرولتاریہ کو اپنی سیاسی اور عام تعلیم کی مبادیات سے لیس کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ خود پرولتاریہ کے ہاتھوں میں بورژوا طبقے سے لڑنے کے ہتھیار دیتا ہے۔

پھر ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ صنعت کی ترقی سے حکمراں طبقوں کے بعض پورے کے پورے گروہ تباہ ہوکر مزدور طبقے میں آملتے ہیں یا کم ازکم ان کے حالات زندگی کے تباہ ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ان سے بھی مزدور طبقے کو روشن خیالی اور ترقی کی نئی مبادیات ملتی ہیں۔

بالآخر جب طبقاتی جدوجہد کے فیصلہ کن لمحے قریب آتے ہیں تو حکمراں طبقے کے اندر اور دراصل پورے پرانے سماج کے اندر انتشار کا یہ سلسلہ اتنی شدید اور نمایاں صورت اختیار کر لیتا ہے کہ حکمراں طبقے کا ایک مختصر گروہ اس سے ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے اور انقلابی طبقے میں آملتا ہے، اس طبقے میں جس کے ہاتھ میں مستقبل کی باگ ڈور ہے۔ جس طرح اس سے پہلے دور میں طبقۂ امرا کا ایک حصہ بورژوا طبقے سے آملا تھا اسی طرح آج بورژوا طبقے کا ایک حصہ پرولتاری طبقے کا ساتھ دیتا ہے اور خاص کر بورژوا اہل فکر کا وہ حصہ جو اس بلندی پر پہنچ گیا ہے کہ بحیثیت مجموعی پورے تاریخی ارتقا کو نظریاتی طور سے سمجھ سکے۔

بورژوا طبقے کے روبرو اس وقت جتنے طبقے کھڑے ہیں ان سب میں ایک پرولتاریہ ہی حقیقت میں انقلابی ہے دوسرے تمام طبقے جدید صنعت کے ارتقا کے ساتھ ساتھ زوال پذیر اور بالآخر ناپید ہوتے جاتے ہیں۔ ان کے برعکس پرولتاریہ اس کی مخصوص اور لازمی پیداوار ہے۔

درمیانی پرت یعنی چھوٹے کارخانہ دار، چھوٹے تاجر، کاریگر، کسان — سبھی بورژوا طبقے سے لڑتے ہیں تاکہ درمیانی پرت کی حیثیت سے اپنی ہستی کو مٹنے سے بچائیں۔ اس لئے وہ انقلابی نہیں قدامت پرست ہیں۔ اتنا ہی نہیں، وہ رجعت پرست بھی ہیں کیونکہ وہ تاریخ کے چکر کو الٹا چلانا چاہتے ہیں۔ اگر کبھی وہ انقلابی

بنتے ہیں تو صرف اس لئے کہ مستقبل میں ان کو پرولتاریہ کی صفوں میں آنا ہے، کہ وہ اپنے حال کے نہیں، مستقبل کے مفاد کی حفاظت کرتے ہیں، کہ پرولتاریہ کے نقطۂ نظر پر پہنچنے کے لئے خود اپنے نقطۂنظر سے دستبردار ہو جانےوالے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ وہ Lumpen — Proletariat *، وہ پڑی پڑی سڑنےوالی پیداوار جسے پرانے سماج کی سب سے نچلی تہیں چھوڑ گئی ہیں کہیں کہیں پرولتاری انقلاب کی تحریک کے بہاؤ میں آ جائے۔ لیکن اس کی زندگی کے حالات ایسے ہیں کہ اس میں رجعتپرستوں کی سانٹھگانٹھ میں بھاڑے کا ٹٹو بننے کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔

پرولتاریہ کے حالاتزندگی میں پرانے سماج کے حالاتزندگی ختم ہو جاتے ہیں۔ پرولتاریہ کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔ اپنے بیوی بچوں سے اس کے رشتوں میں اور بورژوا خانگی رشتوں میں اب کوئی چیز مشترک نہیں رہتی۔ جدید صنعتی محنت نے، سرمائے کی جدید غلامی نے جو انگلینڈ اور فرانس میں، امریکہ اور جرمنی میں سب جگہ ایک ہے، اس سے قومی کردار کی ہر نشانی چھین لی ہے۔ قانون، اخلاق، مذہب سب اس کےلئے بورژوا طبقے کے ڈھکوسلے سے زیادہ نہیں ہیں جن میں ایک ایک کے پیچھے بورژوا مفادات گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

پہلے کے تمام طبقوں نے جب کبھی غلبہ پایا تو اپنے حاصل کئے ہوئے مرتبے کو پائدار بنانے کے لئے پورے سماج کو اپنی شرائط تصرف کے تابع کر دینا چاہا۔ پرولتاریہ جب تک خود اپنے موجودہ طریقۂ تصرف کو اور اس طرح تصرف کے اس سے پہلے کے ہر طریقے کو منسوخ نہ کر ڈالے سماج کی پیداواری قوتوں کا مالک نہیں بن سکتا۔ اس کا اپنا کچھ نہیں جسے قائم رکھنا ہو اور جس کی حفاظت کرنی ہو۔ اس کا منصب ذاتی ملکیت کے جملہ تحفظات اور ضمانتوں کو مٹانا ہے۔

---

* سرمایہدارانہ سماج میں طبقات سے ٹوٹی ہوئی تہہ جو پیداواری عوامل سے نکالے ہوئے لوگوں (بھکمنگوں، آوارہ گردوں، رنڈیوں اور جرائمپیشہ لوگوں وغیرہ) پر مشتمل ہوتی ہے۔ (ایڈیٹر)

پہلے کی تمام تاریخی تحریکیں اقلیتوں کی تحریکیں تھیں یا اقلیتوں کے حق میں تھیں - مزدور تحریک بہت بڑی اکثریت کے حق میں، بہت بڑی اکثریت کے مفادات کےلئے آزاد تحریک ہے - پرولتاریہ موجودہ سماج میں سب سے نیچے درجے پر ہے اور جب تک مروجہ سماج کے بالائی پرتوں کے تمام تاروپود نہ بکھیر دئے جائیں وہ نہ تو جنبش کر سکتا ہے اور نہ سر اٹھا سکتا ہے -

بورژوا طبقے کے خلاف پرولتاریہ کی جدوجہد اگر معنوی اعتبار سے نہیں، تو اپنی صورت میں شروع شروع میں ایک قومی جدوجہد ہوتی ہے - ظاہر ہے کہ ہر ملک کے پرولتاریہ کو سب سے پہلے اپنے ہی بورژوا طبقے سے نمٹنا پڑتا ہے -

پرولتاریہ کی نشوونما کے بالکل عام مدارج بیان کرتے ہوئے ہم نے اس خانہ‌جنگی کا خاکہ کھینچا جو موجودہ سماج میں کم و بیش پوشیدہ طور پر زور و شور سے جاری ہے - حتی کہ ایک منزل ایسی آتی ہے جبکہ یہ جنگ کھلم کھلا انقلاب کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور بورژوا طبقے کا تختہ زبردستی الٹ کر پرولتاریہ کے اقتدار کی بنیاد رکھی جاتی ہے -

ہم نے دیکھا کہ آج تک ہر سماج کی بنیاد ظالم اور مظلوم طبقوں کے تصادم پر رہی ہے - لیکن کسی طبقے پر ظلم کرنے کے لئے بھی ایسے حالات مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جن میں وہ طبقہ کم از کم اپنی غلامانہ زندگی کو برقرار رکھ سکے - کسان غلامی کے زمانے میں کسان غلام بڑھتے بڑھتے کمیون کا رکن بنا، ٹھیک اسی طرح جیسے پٹی بورژوا آدمی جاگیردارانہ مطلق‌العنانی کے جوئے تلے ترقی کرکے بورژوا بن گیا - اس کے برعکس جدید مزدور صنعت کے فروغ کے ساتھ اوپر اٹھنے کی بجائے اپنے طبقے کے موجودہ معیار زندگی سے بھی نیچے گرتا جا رہا ہے - وہ نادار ہوتا جاتا ہے اور ناداری آبادی اور دولت دونوں کےمقابلے میں زیادہ تیزی سے بڑھتی ہے - اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بورژوا طبقہ اب اس قابل نہیں رہا کہ سماج پر حکمرانی کر سکے اور اپنے طبقے کے حالات زندگی کو ہمہ گیر قانون کا درجہ دے کر پورے سماج پر چسپاں کر سکے - وہ حکومت کرنے کا اہل نہیں رہا کیونکہ وہ اپنے غلاموں کو غلامی میں بھی زندگی کی ضمانت نہیں دے

2—980

سکتا کیونکہ وہ انہیں اس قدر نیچے گرنے سے نہیں روک سکتا کہ خود ان سے روزی حاصل کرنے کی بجائے اسے خود انہیں روٹی دینی پڑتی ہے۔ سماج اب اس بورژوا طبقے کے تحت نہیں رہ سکتا۔ دوسرے لفظوں میں اب اس کے وجود کو سماج کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رہی۔

بورژوا طبقے کے وجود اور اقتدار کی لازمی شرط یہ ہے کہ سرمایہ برابر بنتا اور بڑھتا رہے۔ سرمائے کے وجود کے لئے اجرتی محنت شرط ہے۔ اجرتی محنت مزدوروں کے آپس کے مقابلے پر ہی منحصر ہے۔ صنعت کی ترقی سے جس کو بورژوا طبقے کے ہاتھوں بلا ارادہ فروغ ہوتا ہے مزدوروں کی ایک دوسرے سے علحدگی دور ہوتی ہے جو باہمی مقابلے کا نتیجہ تھی اور اس کی بجائے ان میں متحد ہونے کے ذریعے انقلابی ایکا پیدا ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ جدید صنعت کی ترقی سے وہ بنیاد ہی غارت ہو جاتی ہے جس پر بورژوا طبقہ مال پیدا کرتا اور اس کو تصرف میں لاتا ہے۔ لہذا بورژوا طبقے نے سب سے بڑھ کر جن کو پیدا کیا وہ اس کی اپنی قبر کھودنے والے ہیں۔ اس کا زوال اور پرولتاریہ کی فتح یکساں ناگزیر ہیں۔

۲ - پرولتاریہ اور کمیونسٹ

بحیثیت مجموعی پرولتاریوں سے کمیونسٹوں کا کیا تعلق ہے؟

کمیونسٹ مزدور طبقے کی دوسری پارٹیوں کے خلاف کوئی الگ پارٹی نہیں بناتے۔

بحیثیت مجموعی پرولتاری طبقے کے مفاد کے سوا اور اس سے جدا ان کا کوئی مفاد نہیں ہوتا۔

وہ اپنے کوئی خاص جداگانہ اصول قائم نہیں کرتے جن سے مزدور تحریک کو کوئی خاص شکل دی جائے اور کسی خاص سانچے میں ڈھالا جائے۔

کمیونسٹوں کا امتیاز مزدور طبقے کی دوسری پارٹیوں سے صرف یہ ہے کہ (۱) مختلف ملکوں کے مزدوروں کی قومی جدوجہد میں وہ بلا امتیاز قومیت پورے مزدور طبقے کے مشترک مفادات کو نمایاں کرتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ (۲) بورژوا طبقے کے

خلاف مزدور طبقے کی جدوجہد اپنی نشوونما کے جن مرحلوں سے گذرتی ہے ان میں وہ ہر جگہ اور ہمیشہ بحیثیت مجموعی پوری تحریک کے مفاد کی ترجمانی کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک طرف، جہاں تک عمل کا تعلق ہے کمیونسٹ ہر ملک کی مزدور پارٹیوں میں سب سے آگے بڑھے ہوئے اور ثابت قدم دستہ ہیں۔ وہ دستہ جو ہمیشہ اوروں کو آگے بڑھاتا چلتا ہے اور دوسری طرف، جہاں تک نظریے کا تعلق ہے عام مزدوروں پر ان کو فوقیت یہ ہے کہ وہ مزدور تحریک کا آگے بڑھنے کا راستہ پہچانتے ہیں، اس کے حالات اور آخری عام نتیجوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

کمیونسٹوں کا فوری مقصد وہی ہے جو مزدوروں کی سبھی دوسری پارٹیوں کا ہے، یعنی یہ کہ مزدوروں کا ایک طبقہ بنے، بورژوا طبقے کا غلبہ ختم کیا جائے اور پرولتاریہ سیاسی اقتدار پر قبضہ کرے۔

کمیونسٹوں کے نظریاتی نتیجے ہرگز کسی ایسے خیالات یا اصولوں پر مبنی نہیں ہیں جنہیں کسی عالم گیر اصلاح کا خواب دیکھنے والے مصلح نے کھوج نکالا ہو یا جو اس کے دماغ کی اپج ہوں۔

ان کے نظریے تو فقط ان حقیقی رشتوں کا عام اظہار کرتے ہیں جو موجودہ طبقاتی جدوجہد سے پیدا ہوتے ہیں، وہ ایک ایسی تاریخی تحریک کا اظہار ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے جاری ہے۔ جائیداد کے مروجہ رشتوں کو مٹانا کمیونزم کی امتیازی صفت ہرگز نہیں ہے۔

گذشتہ زمانے میں تاریخی حالات کے بدلنے پر جائیداد کے سارے تعلقات میں برابر تاریخی ردوبدل ہوتا رہا ہے۔

مثلاً انقلاب فرانس نے بورژوا جائیداد کے حق میں جاگیردار جائیداد کو مٹا دیا۔

کمیونزم کی امتیازی صفت عام طور پر جائیداد کو نہیں بلکہ بورژوا جائیداد کو مٹانا ہے۔

لیکن جدید بورژوا ذاتی جائیداد مال کو پیدا کرنے اور تصرف میں لانے کے اس نظام کا آخری اور سب سے مکمل اظہار ہے جو

طبقاتی اختلافات اور چند لوگوں کے هاتھوں اکثریت کے استحصال پر مبنی هے۔

ان معنوں میں کمیونسٹوں کا نظریه مختصر لفظوں میں یه هے: ذاتی جائیداد کو مٹانا۔

هم کمیونسٹوں پر الزام هے که هم انسان کی نجی محنت سے انفرادی جائیداد حاصل کرنے کا حق چھین لینا چاهتے هیں، جبکه مبینه طور پر یہی ملکیت تمام شخصی آزادی، سرگرمی اور خودمختاری کی بنیاد هے۔

گاڑھے پسینے کی کمائی، اپنے دست و بازو سے پیدا کی هوئی جائیداد! کیا آپ کی مراد چھوٹے دست‌کار اور چھوٹے کسان کی جائیداد سے هے جو بورژوا جائیداد سے پہلے جائیداد کی صورت تھی؟ اسے مٹانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صنعت کی ترقی بڑی حد تک اسے مٹا چکی هے اور روزانه مٹاتی جاتی هے۔

یا شاید آپ کی مراد جدید بورژوا ذاتی جائیداد سے هے؟

لیکن کیا اجرتی محنت نے، مزدور کی محنت نے اس کے لئے کوئی جائیداد پیدا کی هے؟ بالکل نہیں۔ اس سے صرف سرمایه پیدا هوتا هے اور یه وه جائیداد هے جو اجرتی محنت کا استحصال کرتی هے اور جس کے بڑھنے کی واحد شرط یه هے که مزید استحصال کے لئے برابر اجرتی محنت مہیا هوتی رهے۔ جائیداد اپنی موجوده صورت میں سرمائے اور اجرتی محنت کے تصادم پر مبنی هے۔ آئیے هم اس تصادم کے دونوں پہلوؤں پر غور کریں۔

سرمایه‌دار هونے کا مطلب پیداوار میں محض ذاتی نہیں بلکه سماجی حیثیت کا مالک هونا هے۔ سرمایه اجتماعی پیداوار هے اور بہت سے آدمیوں کی متحده کوششوں سے بلکه آخر تک نگاه دوڑائیے تو سماج کے تمام اراکین کی متحده کوششوں سے هی اسے حرکت میں لایا جا سکتا هے۔

اس لئے سرمایه کوئی شخصی نہیں بلکه سماجی طاقت هے۔

لهذا سرمائے کو جب مشترکه ملکیت یعنی سماج کے تمام اراکین کی جائیداد بنایا جاتا هے تو اس سے شخصی جائیداد سماجی جائیداد میں نہیں بدلتی، صرف جائیداد کی سماجی حیثیت بدل جاتی هے۔ اس کی طبقاتی حیثیت ختم هو جاتی هے۔

اب ہم اجرتی محنت پر نظر ڈالیں۔

اجرتی محنت کی اوسط قیمت کم سے کم اجرت ہی ہے اور اس میں نان نفقہ کی صرف اتنی ہی مقدار شامل ہے جو مزدور کو مزدور بنا کر کسی طرح زندہ رکھنے کے لئے قطعی ضروری ہے۔ چنانچہ اجرت پر کام کرنے والا مزدور اپنی محنت کے ذریعہ جو کچھ تصرف میں لاتا ہے وہ محض اسے زندہ رکھنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ محنت کی پیداوار کو ذاتی تصرف میں لانے کا یہ سلسلہ بند کردیں۔ اس تصرف کا مقصد زندگی کو قائم رکھنا ہے۔ اور اس میں فاضل کچھ بچتا ہی نہیں جس کے بل پر دوسروں کی محنت کو قابو میں لایا جا سکے۔ ہم مٹانا چاہتے ہیں محض اس تصرف کی کربناک حالت کو جس کے تحت مزدور زندہ رہتا ہے فقط سرمائے کو بڑھانے کے لئے اور اس کو زندہ اسی وقت تک رہنے دیا جاتا ہے جب تک حکمراں طبقے کے مفاد کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

بورژوا سماج میں جاندار محنت محض ایک ذریعہ ہے جمع کی ہوئی محنت کو بڑھانے کا۔ کمیونسٹ سماج میں جمع کی ہوئی محنت ایک ذریعہ ہوگی جس سے مزدور کی زندگی میں نئی وسعتیں پیدا کی جائیں گی، اسے زیادہ پرمسرت بنایا جائے گا اور ترقی دی جائے گی۔

مختصر یہ کہ بورژوا سماج میں حال پر ماضی حاوی ہے۔ کمیونسٹ سماج میں ماضی پر حال حاوی ہوگا۔ بورژوا سماج میں سرمایہ آزاد ہے اور اس کی اپنی انفرادی ہستی ہے، لیکن جاندار انسان محکوم ہے، اس کی کوئی ہستی نہیں۔

اور اس صورت حال کا مٹ جانا بورژوا طبقے کی زبان میں انفرادیت اور آزادی کا مٹ جانا ہے! اور بات ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا مقصد بورژوا انفرادیت، بورژوا خودمختاری اور بورژوا آزادی کو مٹا دینا ہے۔

پیداوار کی موجودہ بورژوا حالتوں میں آزادی کا مطلب ہے تجارت کی آزادی، بیچنے اور خریدنے کی آزادی۔

لیکن اگر خریدوفروخت نہ رہے تو خریدوفروخت کی آزادی بھی نہیں رہے گی۔ خریدوفروخت کی آزادی کی یہ باتیں اور عموماً آزادی کے بارے میں ہمارے بورژوا طبقے کے یہ تمام ”بڑے بڑے

بول،، اگر کوئی معنی رکھتے ہیں تو صرف پابند خریدوفروخت اور ازمنۂ وسطی کے مظلوم تاجروں کے سلسلے میں۔ مگر کمیونزم کے سلسلے میں، جبکہ خریدوفروخت اور تجارت مٹ جائےگی، پیداوار کے بورژوا رشتوں کا اور خود بورژوا طبقے کا وجود نہ رہ جائےگا یہ باتیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔

آپ حواس باختہ ہیں کہ ہم ذاتی جائیداد کو مٹانے کے درپے ہیں۔ لیکن آپ کے موجودہ سماج میں دس میں نو آدمیوں کے لئے ذاتی جائیداد پہلے ہی مٹ چکی ہے۔ اور تھوڑے سے آدمیوں کے لئے جو رہ گئی ہے! تو اسی وجہ سے کہ دس میں نو اس سے محروم ہیں۔ آپ کے الزام کا مطلب یہ ہے کہ ہم جائیداد کی وہ صورت مٹا دینا چاہتے ہیں جس کے قائم رکھنے کی ضروری شرط ہی یہ ہے کہ سماج کی بہت بڑی اکثریت کے پاس کوئی جائیداد نہ ہو۔

مختصر یہ کہ آپ کو شکایت ہے کہ ہم آپ کی جائیداد مٹا دینا چاہتے ہیں۔ بجا ہے۔ ہمارا بالکل یہی ارادہ ہے۔

جس دن سے محنت کو سرمائے، زر یا لگان میں نہیں بدلا جا سکےگا، اسے ایسی سماجی قوت کی شکل نہیں دی جا سکےگی، جسے کوئی اپنا اجارہ بنا سکے، یعنی جس دن سے انفرادی جائیداد بورژوا جائیداد میں، سرمائے میں تبدیل نہیں ہو سکےگی، اس دن سے آپ کا خیال ہے انفرادیت ناپید ہو جائےگی۔

پھر تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑےگا کہ ''فرد،، سے آپ کا مطلب ہر شخص نہیں صرف بورژوا ہے، درمیانی طبقے کا صاحب جائیداد شخص۔ اور بلاشبہ اس شخص کو ختم کر دینا چاہئے۔

سماج کی پیداوار کو اپنے تصرف میں لانے کے حق سے کمیونزم کسی انسان کو محروم نہیں کرتا۔ وہ انسان کو صرف اس اختیار سے محروم کرنا چاہتا ہے جس کی بدولت وہ اس تصرف کے ذریعہ دوسروں کی محنت کو اپنا غلام بناتا ہے۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ ذاتی جائیداد کے مٹتے ہی سارے کام کاج بند ہو جائیںگے اور ہر آدمی پر کاہلی سوار ہو جائےگی۔

اس اعتبار سے تو بورژوا سماج کو محض کاہلی کے ہاتھوں آج سے بہت پہلے فنا کے گھاٹ اتر جانا چاہئے تھا کیونکہ اس سماج

میں جو لوگ کام کرتے ھیں، انھیں کچھ نہیں ملتا اور جنھیں ملتا ھے وہ کام نہیں کرتے۔ یہ اعتراض اسی بات کو دوسرے لفظوں میں دھراتا ھے کہ سرمایہ نہیں رھےگا تو اجرتی محنت بھی نہیں رھےگی۔

مادی پیداوار کے کمیونسٹ‌نما طریقۂ پیدائش اور تصرف کے خلاف یہ تمام اعتراضات اسی طرح سے ذھنی پیداوار کے طریقۂ پیدائش اور تصرف کے خلاف بھی پیش کئے گئے ھیں۔ جس طرح بورژوا کے نزدیک طبقاتی جائیداد کا مٹ جانا خود پیداوار کا مٹ جانا ھے، اسی طرح طبقاتی تہذیب کا مٹ جانا، ان کے خیال میں ساری تہذیب کا مٹ جانا ھے۔

وہ تہذیب جس کے مٹنے پر وہ آنسو بہاتے ھیں انسان کی بہت بڑی اکثریت کو محض مشین کی طرح حرکت کرنا سکھاتی ھے۔

بورژوا جائیداد کو مٹانے کے بارے میں ھماری تجویز کو اگر آپ آزادی، تہذیب، قانون وغیرہ کے بورژوا تصورات کی کسوٹی پر پرکھنا چاھتے ھیں تو ھم سے بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے خیالات بجائے خود بورژوا پیداوار اور بورژوا جائیداد کے حالات کا نتیجہ ھیں، اسی طرح جیسے آپ کا فلسفۂ قانون اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ کے طبقے کی مرضی کو سب کے لئے قانون بنا دیا گیا اور وہ مرضی ایسی ھے جس کی اصلی نوعیت اور میلان آپ کے طبقے کے معاشی حالات زندگی سے متعین ھوتے ھیں۔

یہ خودغرض غلط خیالی جو آپ کو ترغیب دیتی ھے کہ آپ اپنی موجودہ طرز پیداوار اور جائیداد کی صورت کو یعنی تاریخی رشتوں کو جو پیداوار کی ترقی کے ساتھ پیدا اور ناپید ھوتے ھیں قدرت اور عقل کے ابدی قوانین میں ڈھالیں، یہ ایسی غلط خیالی ھے جس میں آپ بھی پہلے کے تمام حکمراں اور فنا ھو جانےوالے طبقوں کی طرح مبتلا ھیں۔ قدیم جائیداد کے سلسلے میں آپ جو کچھ صاف دیکھتے ھیں، جاگیردارانہ جائیداد کے بارے میں آپ جس بات کو مانتے ھیں، وھی باتیں آپ جائیداد کی اپنی بورژوا صورت کے بارے میں ماننے سے معذور ھیں۔

خاندان کا نام و نشان مٹا دیا جائے! بڑے سے بڑے انتہاپسند بھی کمیونسٹوں کی اس شرمناک تجویز پر آگ بگولہ ھو جاتے ھیں۔

موجودہ زمانے کا خاندان، بورژوا خاندان آخر کس بنیاد پر قائم ہے؟ سرمائے پر، ذاتی منافع پر۔ اپنی مکمل‌ترین صورت میں یہ خاندان صرف بورژوا طبقے میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اس صورت حالات کا تکملہ مزدوروں کے بےخاندان رہنے سے اور علانیہ عصمت‌فروشی سے ہوتا ہے۔

بورژوا خاندان کا یہ پہلو جب نہیں رہےگا تو وہ خاندان آپ ہی آپ مٹ جائےگا اور سرمائے کے مٹتے ہی دونوں مٹ جائیں‌گے۔

کیا آپ کا الزام ہے کہ ہم ماں باپ کو اپنے بچوں کے استحصال سے روکنا چاہتے ہیں؟ ہم اپنے اس جرم کا اقبال کرتے ہیں۔

لیکن آپ کہیں‌گے کہ ہم سب سے قابل احترام رشتوں کو برباد کرنے کے درپے ہیں کیونکہ ہم گھریلو تعلیم کی جگہ سماجی تعلیم جاری کرنا چاہتے ہیں۔

اور آپ کی تعلیم؟ کیا وہ بھی سماجی نہیں؟ کیا وہ بھی ان سماجی حالات سے متعین نہیں ہوتی جن میں آپ وہ تعلیم دیتے ہیں؟ کیا اس میں بھی اسکول وغیرہ کے ذریعہ سماج کی براہ‌راست یا بالواسطہ دست‌اندازی نہیں ہوتی؟ تعلیم میں سماج کی مداخلت کمیونسٹ ایجاد نہیں کرتے۔ وہ صرف اس مداخلت کی نوعیت کو بدلنا اور تعلیم کو حکمراں طبقے کے اثر سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔

خاندان اور تعلیم کے بارے میں، ماں‌باپ اور بچوں کے مقدس رشتے کے بارے میں بورژوا شوروغوغا اسی قدر نفرت‌انگیز ہوتا جاتا ہے جس قدر جدید بڑی صنعت کے اثر سے مزدوروں میں تمام خاندانی بندھن ٹوٹتے جاتے ہیں اور ان کے بچے اشیائے تجارت اور آلات محنت بنتے جاتے ہیں۔

پورا بورژوا طبقہ ایک آواز سے چیخ اٹھتا ہے کہ تم کمیونسٹ تو عورتوں کو بھی ساجھے کی ملکیت بنا دوگے۔

بورژوا کی نظر میں اس کی بیوی کی حیثیت بھی پیداوار کے ایک آلے سے زیادہ نہیں۔ پھر جب وہ سنتا ہے کہ آلات پیداوار کا استحصال ساجھے میں کیا جائےگا تو قدرتاً اس کے سوا کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا کہ عورتوں کا بھی یہی حشر ہوگا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اصل مقصد عورتوں کی اس حیثیت کا خاتمہ کرنا ہے جس میں وہ صرف پیداوار کا آلہ بن کر رہ گئی ہیں۔

پھر اس سے بڑھ کر مضحکہ‌خیز بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے بورژوا عورتوں کی ساجھےداری پر پاکبازانہ نفرت اور غصے کا اظہار کریں اور ظاہر کریں کہ کمیونسٹ کھلے بندوں اور قانوناً اس کو رائج کریں‌گے۔ کمیونسٹوں کو کیا پڑی ہے کہ عورتوں کی ساجھےداری کو رائج کریں، اس کا رواج تو بہت پرانے زمانے سے چلا آتا ہے۔

زنان بازاری کا تو کہنا ہی کیا، جب اپنے مزدوروں کی بہوبیٹیوں سے بھی جی نہیں بھرتا تو ہمارے بورژوا ایک دوسرے کی بیویوں سے ناجائز تعلق قائم کرکے انتہائی مسرت حاصل کرتے ہیں۔

بورژوا شادی دراصل ساجھے میں بیویاں رکھنے کا دستور ہے اور اگر کمیونسٹوں پر بفرض محال بڑے سے بڑا الزام کوئی ہو سکتا ہے تو یہی کہ وہ اس منافقت بھری اور پوشیدہ ساجھےداری کے بدلے عورتوں کی علانیہ قانونی ساجھےداری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اصل حقیقت ظاہر ہے کہ جب موجودہ طریقۂ پیداوار مٹینگے تو اس کے ساتھ عورتوں کو ساجھے میں رکھنے کا دستور یعنی بازاری یا خانگی عصمت‌فروشی بھی مٹ جائےگی جو ان تعلقات کا نتیجہ ہے۔

پھر کمیونسٹوں پر ایک الزام یہ ہے کہ وہ وطن اور قومیت کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔

مزدوروں کا کوئی وطن نہیں۔ اور جو ان کے پاس ہے نہیں اسے ان سے کون چھین سکتا ہے؟ مزدور طبقے کو چونکہ سب سے پہلے سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے، ترقی کرکے قوم کا اگوا طبقہ بننا ہے، بلکہ خود قوم بننا ہے اس لئے اس حد تک وہ خود قومی ہے۔ مگر اس لفظ کا وہ مفہوم نہیں جو بورژوا سمجھتے ہیں۔

بورژوا طبقے کی نشوونما، تجارت کی آزادی، عالم گیر منڈی، طریقۂ پیداوار اور اس سے متعلقہ حالات زندگی دونوں کی یکسانیت روزبروز قومی امتیاز اور اختلافات کو مٹاتی جاتی ہے۔

پرولتاریہ کا اقتدار قائم ہونے پر وہ اور تیزی سے مٹنے لگیں گے۔ پرولتاریہ کی آزادی کی پہلی شرط یہ ہے کہ کم از کم تمام ترقی‌یافتہ مہذب ملک ساتھ مل کر قدم اٹھائیں۔

ایک قوم کے ہاتھوں دوسری قوم کا استحصال اسی نسبت سے ختم ہوگا جس نسبت سے ایک فرد کے ہاتھوں دوسرے فرد کا استحصال۔

جتنی تیزی سے قوم کے اندر طبقوں کا اختلاف دور ہوگا اتنی ہی تیزی سے ایک قوم سے دوسری قوم کی دشمنی دور ہوگی۔

کمیونزم پر مذہبی، فلسفیانہ اور عموماً نظریاتی نقطۂ نظر سے جو اعتراض کئے جاتے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔

کیا یہ سمجھنے کے لئے غیرمعمولی بصیرت کی ضرورت ہے کہ آدمی کی مادی زندگی کی حالتوں، اس کے سماجی رشتوں اور اس کی سماجی زندگی میں جب کبھی تبدیلی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ آدمی کے خیالات، تصورات اور نظریے، مختصر یہ کہ آدمی کا شعور بدل جاتا ہے؟

خیالات کی تاریخ نے اس کے سوا اور ثابت ہی کیا کیا ہے کہ جس نسبت سے مادی پیداوار میں تبدیلی ہوتی ہے اسی نسبت سے ذہنی پیداوار کی نوعیت بدلتی ہے؟ ہر عہد میں فرمان‌روائی انہیں خیالات کی رہی جو فرمان‌روا طبقے کے خیالات تھے۔

لوگ جب ایسے خیالات کا ذکر کرتے ہیں جن سے سماج میں انقلاب آتا ہے تو وہ صرف اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ پرانے سماج کے اندر ایک نئے سماج کے عناصر پیدا کئے گئے ہیں اور پرانے حالات زندگی کے ساتھ ہر قدم پر پرانے خیالات بھی مٹتے جاتے ہیں۔

قدیم دنیا جب آخری ہچکیاں لے رہی تھی اس وقت قدیم مذہبوں پر عیسائیت نے غلبہ پا لیا۔ اور اٹھارھویں صدی میں جب روشن خیالی کے سامنے عیسائی خیالات نے ہتھیار ڈال دئے اس وقت جاگیردار سماج اپنے زمانے کے انقلابی بورژوا طبقے سے زندگی کی بازی ہار چکا تھا۔ مذہبی آزادی اور ضمیر کی آزادی کے یہ خیالات صرف یہ ظاہر کر رہے تھے کہ علم کی دنیا میں آزاد مقابلے کا راج قائم ہو چکا ہے۔

کہا جائے گا کہ ''بلاشبہ تاریخی نشوونما کے دوران میں مذہبی، اخلاقی، فلسفیانہ، سیاسی اور قانونی خیالات میں ترمیم ہوتی رہی ہے۔ لیکن مذہب، اخلاق، فلسفہ، علم سیاست اور قانون ان تبدیلیوں کے باوجود ہمیشہ قائم رہے۔

''پھر ان کے علاوہ کچھ ابدی صداقتیں بھی ہیں جیسے آزادی، انصاف وغیرہ اور یہ سماج کی تمام منزلوں میں مشترک ہیں۔ لیکن کمیونزم تمام ابدی صداقتوں کا منکر ہے۔ وہ سرے سے مذہب اور اخلاق کو مٹا دیتا ہے، یہ نہیں کہ انہیں کسی نئی بنیاد پر مرتب کرتا ہو۔ اور اس لئے کمیونزم تمام پچھلے تاریخی تجربے کے خلاف قدم اٹھا رہا ہے۔ ''

اس الزام کے معنی کیا ہیں؟ تمام پچھلے سماج کی تاریخ، طبقاتی اختلافات کی نشوونما کی تاریخ ہے۔ ان اختلافات نے مختلف زمانوں میں مختلف صورتیں اختیار کیں۔

لیکن ان کی صورت کچھ بھی رہی ہو، ایک خصوصیت تمام پچھلی صدیوں میں مشترک رہی اور وہ ہے سماج کے ایک حصے کے ہاتھوں دوسرے کا استحصال۔ چنانچہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ پچھلی صدیوں کا سماجی شعور اپنی رنگارنگی اور گوناگونی کے باوجود بعض مشترک صورتوں، شعور کی صورتوں میں ارتقا کرتا رہا ہے اور یہ اس وقت تک پوری طرح نہیں مٹ سکتیں جب تک کہ خود طبقاتی اختلافات بالکل دور نہ ہو جائیں۔

کمیونسٹ انقلاب جائیداد کے روایتی تعلقات پر سب سے کاری ضرب ہے۔ چنانچہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اس کی نشوونما کی لپیٹ میں آکر روایتی خیالات کی جڑیں بھی کٹ جاتی ہیں۔

لیکن اب کمیونزم کے خلاف بورژوا اعتراضوں کا قصہ ختم کیا جائے۔

ہم دیکھ آئے ہیں کہ انقلاب میں مزدور طبقے کا پہلا قدم پرولتاریہ کو حکمراں طبقے کی جگہ پر پہنچانا ہے، جمہوریت کی لڑائی جیتنا ہے۔

پرولتاریہ اپنے سیاسی اقتدار سے کام لے کر رفتہ رفتہ پورا سرمایہ بورژوا طبقے سے چھین لے گا، پیداوار کے تمام آلات کو ریاست یعنی حکمراں طبقے کی صورت میں منظم پرولتاریہ کے ہاتھوں میں مرکوز

کر دے گا اور پھر جتنی تیزی سے ہو سکے تمام پیداواری قوتوں کو ترقی دے گا۔

اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں اس کو عمل میں لانے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ جائیداد کے حقوق اور بورژوا پیداواری رشتوں پر جارحانہ حملہ کیا جائے، لہذا ایسی تدبیریں اختیار کی جائیں جو معاشی اعتبار سے ناکافی اور ناروا معلوم ہوں گی لیکن جو تحریک کے دوران میں اپنی حدود سے آگے قدم بڑھائیں گی جن سے پرانے سماجی نظام پر مزید حملوں کی ضرورت پیدا ہوگی اور جو طریقۂ پیداوار کو انقلاب‌پذیر کرنے کے لئے بے‌حد ضروری ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مختلف ملکوں میں یہ تدبیریں بھی مختلف ہوں گی۔

بہرکیف، سب سے ترقی‌یافتہ ملکوں میں مندرجۂ ذیل تدبیریں بڑی حد تک قابل عمل ثابت ہوں گی:

(۱) زمینی جائیداد کو مٹانا اور پورے لگان کو مقاصد عامہ پر خرچ کرنا۔

(۲) بڑھتی ہوئی آمدنی کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہوا ٹیکس لگانا۔

(۳) وراثت کے حقوق کو منسوخ کرنا۔

(۴) وطن سے فرار ہونےوالوں اور باغیوں کی جائیداد ضبط کرنا۔

(۵) قرضوں کا سارا کاروبار ایک قومی بنک کے ذریعہ جس میں ریاست کا سرمایہ اور صرف اسی کا اجارہ ہو ریاست کے ہاتھوں میں مرکوز کرنا۔

(۶) نقل و حمل اور رسل و رسائل کے تمام وسیلوں کا ریاست کے ہاتھوں میں مرکوز ہونا۔

(۷) ریاست کے کارخانوں اور آلات‌پیداوار کو توسیع دینا۔ ایک مشترکہ منصوبے کے مطابق بنجر زمین کو کاشت میں لانا اور بالعموم زمین کی زرخیزی میں اضافہ کرنا۔

(۸) سب پر کام کرنے کی یکسان ذمہ‌داری ہونا۔ صنعتی فوجیں بنانا، خاص کر زراعت کے لئے۔

(۹) زراعت اور صنعت کو ملانا اور ملک میں آبادی کی تقسیم ایسے مساوی انداز میں کرنا کہ رفتہ رفتہ شہر اور دیہات کا فرق جاتا رہے۔

(۱۰) عام اسکولوں کے ذریعہ تمام بچوں کو مفت تعلیم دینا۔ کارخانوں میں بچوں سے موجودہ شکل میں کام لینے کا رواج بند کرنا۔ تعلیم کو صنعتی پیداوار کے ساتھ ملانا وغیرہ وغیرہ۔

نشوونما کے دوران میں جب طبقاتی امتیازات مٹ جائیں گے اور تمام پیداوار پوری قوم کی ایک وسیع سماجی انجمن کے ہاتھوں میں جمع ہو جائےگی، اس وقت اقتدار عامہ کی سیاسی حیثیت جاتی رہےگی۔ سیاسی اقتدار اصل میں ایک طبقے کا منظم تشدد ہے دوسرے پر ظلم کرنے کےلئے۔ پرولتاریہ اگر بورژوا طبقے سے جدوجہد کے دوران میں حالات سے اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ ایک طبقے کی صورت میں اپنی تنظیم کرے، اگر انقلاب کی بدولت وہ حکمراں طبقہ بنتا ہے اور اس طرح پیداوار کے پرانے تعلقات کو زبردستی ختم کر دیتا ہے تو ان کے ساتھ وہ ان حالتوں کو بھی ختم کر دیتا ہے جن پر طبقاتی اختلافات اور خود طبقات کا وجود منحصر ہے۔ اور اس طرح ایک طبقے کی حیثیت سے خود اپنے اقتدار کو بھی ختم کر دیتا ہے۔

پرانے بورژوا سماج اور اس کے طبقوں اور طبقاتی اختلافات کے بدلے ایک ایسی انجمن قائم ہوگی جس میں ہر شخص کی آزادانہ ترقی سبھوں کی آزادانہ ترقی کی شرط ہوگی۔

دسمبر ۱۸۴۷ء اور
جنوری ۱۸۴۸ء میں لکھا گیا۔

مارکس، اینگلس
کمیونسٹ لیگ سے مرکزی کمیٹی کا خطاب

(اقتباس)

پٹی بورژوا ڈیموکریٹوں سے انقلابی مزدوروں کی پارٹی کا تعلق یہ ہے: یہ ان کے ساتھ اس جتھے کے خلاف مارچ کرتی ہے جس کا تختہ الٹنا اس کا مقصد ہے اور ان کی ہر اس چیز کی مخالفت کرتی ہے جس سے وہ اپنی حیثیت کو اپنے مفاد کے مطابق مستحکم بنانا چاہتے ہیں۔

جمہوری پٹی بورژوازی انقلابی پرولتاریوں کے لئے سارے سماج کو انقلاب پذیر کرنے کی خواہشمند ہرگز نہیں ہے بلکہ سماجی حالات میں ایسی تبدیلی کرنے کی کوشش کرتی ہے جس کے ذریعے موجودہ سماج اس کے لئے جتنا زیادہ ممکن ہو گوارا اور آرام‌دہ بنا دیا جائے۔ اس لئے وہ سب سے پہلے افسر شاہی میں کمی کرکے ریاستی خرچ میں کمی کرنے کا اور خاص خاص ٹیکس بڑے زمینداروں اور بورژوا کے سر ڈال دینے کا مطالبہ کرتی ہے۔ مزیدبرآں وہ قرض کے پبلک ادارے قائم کرنے اور سودخوری کے خلاف قوانین کے ذریعے چھوٹے سرمائے پر بڑے سرمائے کے دباؤ کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس ذریعے سے ان کے لئے اور کسانوں کے لئے سرمایہ‌داروں کی بجائے ریاست سے سازگار شرطوں پر پیشگی حاصل کرنا ممکن ہو جائے گا۔ وہ جاگیرداری کا مکمل خاتمہ کرکے دیہات میں بورژوا جائیدادی رشتوں کے قیام کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔ یہ ساری چیزیں کرنے کے لئے ان کو ایک جمہوری ریاستی ڈھانچے کی

ضرورت ہے، جو یا تو آئینی ہو یا جمہوریائی، جس میں ان کو اور ان کے اتحادیوں یعنی کسانوں کو اکثریت مل جائے۔ وہ ایک جمہوری برادری‌وار ڈھانچے کا بھی مطالبہ کرتی ہے جس سے انھیں برادری کی جائیداد پر براہ‌راست کنٹرول اور بہت سے وہ کارمنصبی حاصل ہو جائیں‌گے جو اب سرکاری افسران انجام دیتے ہیں۔

کچھ تو حق وراثت کو محدود کرکے اور کچھ جتنی زیادہ ممکن ہوں اتنی اسامیاں ریاست کو منتقل کرکے سرمائے کے غلبے اور تیزرفتار اضافے کو روکنا ہے۔ جہاں تک مزدوروں کا تعلق ہے، یہ چیز سب سے زیادہ یقینی رہتی ہے کہ انھیں پہلے ہی کی طرح اجرتی مزدور رہنا ہے۔ جمہوری پٹی‌بورژوازی مزدوروں کے لئے زیادہ اچھی اجرت اور زیادہ باسلامتی زندگی چاہتی ہے اور امید کرتی ہے کہ یہ مقصد ریاست کے ہاتھوں جزوی طور پر روزگار کے ذریعے اور جزوی طور پر خیراتی اقدامات کے ذریعے حاصل ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ وہ مزدوروں کو کم و بیش ڈھکی چھپی بھیک کی رشوت دینے اور وقتی طور پر ان کی حالت کو گوارا بناکر ان کی انقلابی قوت و صلاحیت کو توڑنے کی امید کرتی ہے۔ یہاں پٹی‌بورژوا جمہوریت کے جن مطالبوں کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے وہ اس کے سارے کے سارے جتھے بیک وقت نہیں پیش کرتے اور ان کے گنے چنے افراد ہی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مطالبے کلی طور پر معین مقاصد کی تشکیل کرتے ہیں۔ الگ الگ افراد یا جتھے جتنا آگے بڑھتے ہیں اتنا ہی وہ ان مطالبوں کو اپنے بنالیں‌گے اور جو چند لوگ اوپر بیان کی ہوئی چیزوں کو اپنے پروگرام کی حیثیت سے دیکھتے ہیں وہ یہ یقین کر سکتے ہیں کہ اس طرح انھوں نے وہ ساری کی ساری چیزیں پیش کر دی ہیں جن کا مطالبہ انقلاب سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ مطالبے کسی طرح بھی پرولتاریہ کی پارٹی کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ جمہوری پٹی‌بورژوا تو انقلاب کو جتنا جلد ممکن ہو اور زیادہ سے زیادہ مندرجہ بالا مطالبوں کے حصول پر ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارا مفاد اور ہمارا فریضہ ہے انقلاب کو مستقل بنانا جب تک کہ کم‌وبیش سارے صاحب ملکیت طبقے اپنی غالب حیثیت سے ہٹا نہ دئے جائیں، جب تک کہ پرولتاریہ ریاستی اقتدار پر قبضہ نہ کرلے اور پرولتاریوں کی انجمن صرف ایک

ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے سارے غالب ملکوں میں اتنا آگے نہ بڑھ جائے کہ ان ملکوں کے پرولتاریوں کے درمیان مقابلہ ختم ہو جائے اور کم سے کم فیصلہ کن پیداوازی قوتیں پرولتاریوں کے ہاتھوں میں مرکوز نہ ہو جائیں۔ ہمارے لئے سوال ذاتی جائیداد کو بدلنے کا نہیں بلکہ اسکی صرف تباہی کا ہے، طبقاتی معاندتوں کی لیپاپوتی کرنے کا نہیں بلکہ طبقوں کو ختم کرنے کا ہے، موجودہ سماج کو بہتر بنانے کا نہیں بلکہ ایک نئے سماج کی بنیاد رکھنے کا ہے۔

لندن، مارچ ۱۸۵۰ء۔

مارکس
سیاسی معاشیات پر تنقید

(دیباچہ سے اقتباس)

پہلی تصنیف جو میں نے اپنی الجھنیں دور کرنے کےلئے کی وہ ہیگل کے فلسفۂ حقوق کا تنقیدی تجزیہ* تھی جس کا دیباچہ ۱۸۴۴ء میں پیرس سے شائع ہونےوالے رسالے «Deutsch — Französische Jahrbücher» (۵) میں شائع ہوا تھا۔ میری تحقیق و تلاش نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ ریاست کی مختلف شکلوں کی طرح حقوق یا قانون کے رشتوں کو بھی، نہ تو بجائے خود سمجھا جا سکتا ہے نہ انسانی روح کی عام ترقی کی مدد سے، بلکہ اس کے برخلاف ان رشتوں کی جڑیں زندگی کے ان مادی حالات کے اندر اتری ہوئی ہیں جن کے مجموعے کو ہیگل فلسفی نے اٹھارویں صدی کے انگریز اور فرانسیسی ادیبوں کی دیکھا دیکھی ''مدنی سماج،، کا نام دیا ہے اور اگر اس مدنی سماج کے کل پرزے معلوم کرنے ہوں تو سیاسی معاشیات میں تلاش کرنے ہوں گے۔ اس مضمون کا مطالعہ میں نے پیرس میں شروع کیا تھا اور جب وہاں سے مجھے مسٹر گیزو کے حکم سے جلاوطن کیا گیا تو میں بروسلز میں بس گیا اور یہاں بھی یہ مطالعہ جاری رکھا۔ میں اپنی تلاش میں جس عام نتیجے تک پہنچا اور جو بعد میں میری تحقیق کے لئے نشان راہ بنتا چلا گیا وہ مختصر طریقے سے یوں پیش کیا جا سکتا

---

* کارل مارکس ''ہیگل کے فلسفۂ حقوق کی تنقید،،۔ (ایڈیٹر)

ہے : لوگ اپنی زندگی کی سماجی پیداوار میں لازمی طور سے متعلقہ، ضروری اور اپنی مرضی سے آزاد رشتے بنا لیتے ہیں، ایسے پیداواری رشتے جو ان کی مادی پیداواری قوتوں کی ترقی کے معین مرحلے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ پیداوار میں لوگوں کے ان باہمی رشتوں کی کل میزان سے سماج کے معاشی ڈھانچے کی یعنی اس اصلی بنیاد کی تشکیل ہوتی ہے جس پر قانون اور سیاست کا بالائی ڈھانچہ بنتا ہے اور سماجی شعور کی معین شکلیں بھی اسی سے مناسبت رکھتی ہیں۔ مادی زندگی کی طرز پیداوار ہی عام طور سے زندگی کے سماجی، سیاسی اور ذہنی عمل کی راہیں طے کرتی ہے۔ لوگوں کا شعور وجود کا تعین نہیں کرتا بلکہ اس کے برخلاف لوگوں کا سماجی وجود ان کے شعور کا تعین کرتا ہے۔ سماج کی مادی پیداواری قوتیں جب ترقی کرکے ایک خاص مرحلے پر پہنچتی ہیں تو موجود پیداواری رشتوں سے ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے یا اگر قانونی لفظوں میں کہنا ہو تو یوں کہیں گے کہ جائیداد کے ان رشتوں سے ٹکرا جاتی ہیں جن کے تحت وہ اب تک ترقی کرتی رہی تھیں۔ پیداوار میں یہ رشتے پیداواری قوتوں کی ترقی کی شکل کی بجائے ان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔ تب سماجی انقلاب کا دور شروع ہوتا ہے۔ معاشی بنیاد بدل جانے کے ساتھ کم و بیش تیزی کے ساتھ پورے زبردست بالائی ڈھانچے کی بھی کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔ جب اس کایاپلٹ پر غور کیا جائے تو پیداوار کے معاشی حالات میں اس مادی تبدیلی کو جسے قدرتی سائنسوں کی سی ناپ تول کے ساتھ قطعی طور پر معلوم کیا گیا ہو ان قانونی، سیاسی، مذہبی، فنی اور فکری، مختصر یہ کہ ان نظریاتی شکلوں سے شناخت کرنا چاہئے جن کے ذریعے لوگ اس تصادم یا ٹکراؤ کا شعور حاصل کرتے ہیں اور جن کے تحت اس ٹکراؤ سے نکلنے کےلئے جدوجہد کرتے ہیں۔ جس طرح ہم کسی آدمی کے متعلق اپنی رائے قائم کرنے میں یہ نہیں دیکھتے کہ وہ خود اپنے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے، عین اسی طرح کایاپلٹ کے کسی خاص دور پر فتوا دیتے وقت اس دور کے شعور کو بنیادی وجہ نہیں مان لینا چاہئے۔ اس کے برخلاف ہونا یہ چاہئے کہ اس شعور کی توضیح کی جائے مادی زندگی کے تضادات سے اور سماجی پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں کے

درمیان موجود ٹکراؤ سے۔ کوئی سماجی نظام اس وقت تک تلپٹ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تمام پیداواری قوتیں جن کے پنپنے کی اس نظام میں گنجائش ہوتی ہے خوب پھل پھول نہ چکی ہوں۔ نئے اور زیادہ بلند سطح کے پیداواری رشتے اس وقت تک کبھی نہیں ابھرتے جب تک کہ اسی پرانے سماج کے وجود کے اندر سے اس کےلئے مادی حالات اور اسباب پک کر تیار نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوع انسانی اپنے ذمے وہی فریضے لیتی ہے جو وہ پورے کر سکے، چنانچہ اگر زیادہ غور کیا جائے تو ہمیشہ یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ خود فریضہ بھی تبھی سامنے آتا ہے جب اس کے حل کےلئے مادی حالات یا تو موجود ہوں یا کم از کم تشکیل کے عمل میں ہوں۔ موٹے انداز سے یوں کہیں گے کہ ایشیائی، قدیم یونانی، جاگیردارانہ اور موجودہ زمانے کی بورژوا طرز پیداوار — ان سب کو سماج کی معاشی تشکیل کے مختلف دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ پیداوار میں جو بورژوا تعلقات ہیں وہ پیداوار کے سماجی عمل میں ایک آخری معاندانہ شکل ہیں، مطلب یہ نہیں کہ کوئی انفرادی معاندہ ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ افراد کی زندگی کے سماجی حالات سے معاندت کی یہ صورت نکلتی ہے۔یہی پیداواری طاقتیں جو بورژوا سماج کے اندر پنپتی ہیں اس معاندت سے نکلنے کے مادی حالات و اسباب بھی پیدا کر دیتی ہیں۔ چنانچہ بورژوا سماجی نظام پر انسانی سماج کا ماقبل تاریخ دور ختم ہو جاتا ہے۔

لندن، جنوری ۱۸۵۹ء۔

مارکس

''سرمایہ'' کی پہلی جلد کے دوسرے جرمن ایڈیشن کا پس لفظ

(اقتباس)

ظاہر ہے کہ جرمن نقاد ''ہیگلی سوفسطائیت'' پر چیختے ہیں۔ سینٹ پیٹرسبرگ کا رسالہ ''ویستنک یوروپی'' (یورپ کا نامہ بر) اپنے ایک مضمون (٦) میں جس میں ''سرمایہ'' کی منہاجیات سے خاص طور پر بحث کی گئی ہے (مئی ١٨٧٢ء کا شمارہ، صفحات ٤٢٧ — ٤٣٦) تحقیق کے میرے طریقے کو سخت حقیقت پسند سمجھتا ہے لیکن میرے پیش کرنے کے طریقے کو، بدقسمتی سے، جرمن جدلیاتی۔ مصنف لکھتا ہے:

''سرسری نظر میں اگر موضوع پیش کرنے کی ظاہری شکل پر فیصلہ مبنی کیا جائے تو مارکس (اس لفظ کے ''جرمن''، یعنی برے معنوں میں) عینیت پرست فلسفیوں میں انتہائی مثالی ہیں، لیکن درحقیقت معاشی تنقید کے معنی میں وہ اپنے تمام متقدمین کے مقابلے میں کہیں زیادہ حقیقت پسند ہیں۔ انہیں کسی طرح عینیت پرست نہیں کہا جا سکتا۔''

میں مصنف کو اس سے بہتر جواب نہیں دے سکتا کہ خود اس کی تنقید کے چند ٹکڑے پیش کروں جو میرے قارئین کے لئے دلچسپ ہوں گے جن کی رسائی اصلی روسی متن تک نہیں ہے۔

میری تصنیف ''سیاسی معاشیات پر تنقید'' کے دیباچے (٧) (برلن، ١٨٥٩ء، صفحات ٤ — ٧) کے ایک حصے کو نقل کرکے جہاں میں اپنی منہاجیات کی مادی بنیاد سے بحث کرتا ہوں مصنف تحریر کرتا ہے:

''صرف ایک بات مارکس کےلئے اهم هے: ان مظاهر کا قانون معلوم کرنا جن کی تحقیق سے انهیں دلچسپی هے۔ اور نه صرف وه قانون ان کےلئے اهم هے جو ان مظاهر کو منضبط کرتا هے، اس حد تک که ان کی ایک معین شکل اور معین تاریخی مدت کے اندر باهمی ربط هے۔ ان کےلئے اس سے بھی زیاده اهم ان کی تبدیلی، ان کے ارتقا کا قانون هے یعنی ایک شکل سے دوسری تک، رابطوں کے ایک سلسلے سے دوسرے تک ان کا عبور۔ اس قانون کو دریافت کرنے کے بعد وه ان نتائج کا تفصیل سے پته لگاتے هیں جن میں یه قانون سماجی زندگی میں ظاهر هوتا هے... چنانچه مارکس صرف ایک چیز کی تکلیف گوارا کرتے هیں: صحیح سائنسی تحقیق کے ذریعے سماجی رشتوں میں بالترتیب معین نظاموں کی ضرورت ثابت کرنا اور جهاں تک ممکن هو بے عیب طریقے سے حقائق کی تصدیق کرنا جو ان کےلئے بنیادی نقطه هائے آغاز کا کام دیتے هیں۔ ان کےلئے یه بالکل کافی هے، اگر وه موجوده نظام کی ضرورت اور دوسرے نظام کی جو ناگزیر طور پر پهلے نظام کی جگه لےگا ضرورت ثابت کردیں اور یه اس کے باوجود که لوگوں کو اس پر یقین هے یا نهیں، آیا، ان میں اس کا شعور هے یا نهیں۔ مارکس سماجی تحریک کو ایک فطری تاریخی عملِ سمجھتے هیں جو ایسے قوانین کا پابند هے جو نه صرف انسانی ارادے، شعور اور عقل سے آزاد هیں بلکه اس کے برعکس اس ارادے، شعور اور عقل کا تعین کرتے هیں... اگر تهذیب کی تاریخ میں شعوری عنصر جو حصه لیتا هے وه اتنا تابع هے تو یه بالکل عیاں هے که تنقیدی تحقیق جس کا موضوع تهذیب هے اپنی بنیاد کےلئے شعور کی کسی شکل یا شعور کے کسی نتیجے کو سب سے کم استعمال کر سکتی هے۔ کهنے کا مطلب یه هے که خیال نهیں بلکه صرف مادی مظهر اس کا نقطۂ آغاز بن سکتا هے۔ ایسی تحقیق میں کسی حقیقت کا مقابله و موازنه خیالات سے نهیں بلکه دوسری حقیقت سے هوگا۔ ایسی تحقیق کےلئے اهم بات یه هے که دونوں حقیقتوں کی تفتیش جتنی صحت سے کی جا

سکتی ہے کی جائے اور یہ دونوں عملاً ارتقا کی مختلف منزلوں کی تشکیل کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ زیادہ اہم یہ چیز ہے کہ ارتقا کی یہ منزلیں جس ترتیب، تواتر اور تعلق باہم میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہیں ان کی تفتیش بھی زیادہ سے زیادہ صحیح ہو۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاشی زندگی کے عام قوانین ایک ہی ہوتے ہیں خواہ ان کا اطلاق حال پر ہو یا ماضی پر۔ مارکس صریحاً اس سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ایسے تجریدی قوانین کا وجود نہیں ہے... اس کے برعکس ان کی رائے میں ہر تاریخی دور کے اپنے قوانین ہوتے ہیں... ہر معاشرہ جب ارتقا کے ایک معین دور سے گزر جاتا ہے اور ایک منزل سے دوسری منزل میں قدم رکھتا ہے تو اس پر دوسرے قوانین حاوی ہو جاتے ہیں۔ مختصراً معاشی زندگی ہمیں ایک ایسا مظہر پیش کرتی ہے جو علم‌حیاتیات کی دوسری شاخوں میں ارتقا کی تاریخ کے مشابہ ہے... پرانے ماہرین معاشیات نے معاشی قوانین کو طبیعیات اور کیمیا کے قوانین کے مشابہ کرکے ان کی نوعیت غلط سمجھی... مظاہر کا زیادہ گہرا تجزیہ ثابت کرتا ہے کہ سماجی اجسام آپس میں بنیادی طور پر اتنے ہی مختلف ہوتے ہیں جتنے نباتات اور حیوانات کے... یہی نہیں بلکہ مجموعی طور پر ان اجسام کے مختلف ڈھانچوں، انفرادی اعضا میں اختلاف، ان حالات میں جن میں یہ اعضا کام کرتے ہیں اختلاف کی بدولت ایک ہی مظہر بالکل مختلف قسم کے قوانین کا تابع رہتا ہے۔ مثال کے طور پر مارکس انکار کرتے ہیں کہ آبادی کا قانون تمام زمانوں اور تمام مقاموں کےلئے ایک ہی ہے۔ ان کا دعوی ہے کہ اس کے برعکس ارتقا کی ہر منزل کا اپنا قانون آبادی ہوتا ہے... پیداواری قوتوں کے ارتقا کی سطح میں فرق کے سبب سے ان پر حکمرانی کرنےوالے رشتے اور قوانین بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جب مارکس معیشت کے سرمایہ‌دارانہ نظام کے مطالعے اور تشریح کا ذمہ لیتے ہیں تو وہ سائنسی طریقے سے محض اس مقصد کا تعین کرتے ہیں جو معاشی زندگی کی ہر صحیح تحقیق

کا ہونا چاہئے... ایسی تحقیق کی سائنسی قدر و قیمت ان مخصوص قوانین کو ظاہر کرنا ہے جو معین سماجی جسم کی ابتدا، وجود، ارتقا اور موت اور اس کی جگہ دوسرے بلندتر سماجی جسم کے لینے کو متضبط کرتے ہیں۔ درحقیقت مارکس کی کتاب یہی اہمیت رکھتی ہے۔"

مصنف جس کو حقیقتاً میری منہاجیات تصور کرتا ہے اسے واضح طور پر بیان کرکے اور جہاں تک کہ میرا اس کے اطلاق سے تعلق ہے اس کی تعریف کرکے اس نے سوائے جدلیاتی طریقے کے اور کیا پیش کیا ہے؟

بلاشبہ پیش کرنے کا طریقہ شکل کے لحاظ سے تحقیق کے طریقے سے مختلف ہونا چاہئے۔ تحقیق کو مواد سے مفصل طور پر واقف ہونا، اس کے ارتقا کی مختلف شکلوں کا تجزیہ کرنا، ان کا اندرونی تعلق معلوم کرنا چاہئے۔ صرف یہ کام ختم کرنے کے بعد ہی اصل حرکت مناسب طرح سے بیان کی جا سکتی ہے۔ اگر یہ کامیابی سے انجام پا جائے، اگر مواد کی زندگی عینی طور پر منعکس ہو جائے جیسے کہ آئینے میں تو ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے ہمارے سامنے محض ایک علت و نتیجے کی پابند تعمیر ہے۔

میری جدلیاتی منہاجیات نہ صرف ہیگلی طریقے سے مختلف ہے بلکہ اس کے براہ راست برعکس ہے۔ ہیگل کے خیال میں غوروفکر کا زندہ عمل جسے وہ "خیال" کے نام سے آزاد فاعل میں تبدیل کر دیتا ہے حقیقی دنیا کا خالق اصلی ہے اور حقیقی دنیا "خیال" کی صرف بیرونی، مظہری شکل ہے۔ اس کے برعکس میری رائے میں عین خیال مادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کا انعکاس انسانی ذہن میں ہوتا ہے اور جو فکر کی شکلیں اختیار کرتا ہے۔

ہیگلی جدلیات کے پراسرار پہلو کی میں نے تقریباً ۳۰ برس پہلے تنقید کی تھی، اس وقت جب وہ ہنوز فیشن تھی۔ جب میں "سرمایہ" کی پہلی جلد تیار کر رہا تھا تو چڑچڑے، مغرور، معمولی درجے کے خلف (epigones) (۸)، جو اب مہذب جرمنی میں لمبی چوڑی باتیں کرتے ہیں، ہیگل سے ایسے ہی پیش آئے جیسا کہ بہادر موزیز مینڈیل سون، لیسنگ کے زمانے میں اسپینوزا کے ساتھ پیش

آیا تھا، یعنی ''مردہ کتے،، کی طرح۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو
اس عظیم مفکر کا علی‌الاعلان شاگرد تسلیم کیا اور قدر کے نظریے
کے باب میں کہیں کہیں اظہار کے ان طریقوں سے عشوہ‌گری کی
جو ہیگل کےلئے مخصوص تھے۔ ہیگل کے ہاتھوں جدلیات پراسرار
ضرور بنی لیکن اس نے اسے وہ پہلا مفکر ہونے سے نہیں روکا جس
نے جدلیات کے عمل کی عام شکل کو جامع اور باشعور طور پر پیش
کیا۔ ہیگل کے یہاں جدلیات اپنے سر پر الٹی کھڑی ہے۔ اگر
کوئی پراسرار خول کے اندر عقلی مغز دریافت کرلے تو پھر اسے
الٹ کر سیدھی کر دینا چاہئے۔

اپنی پراسرار شکل میں جدلیات جرمنی میں فیشن بن گئی کیونکہ
وہ موجودہ صورت حال کو بڑھا چڑھاکر پیش کرتی ہوئی اسے
آسمان پر چڑھاتی ہوئی آتی تھی۔ اپنی معقول شکل میں بورژوازی
اور اس کے مقلد پروفیسران کےلئے وہ رسوائی اور لعنت ہے کیونکہ
اس میں موجودہ صورت حال کا مثبت ادراک اور تصدیق شامل ہے
اور ساتھ ہی اس کی نفی اور اس کا ناگزیر انہدام، کیونکہ وہ
تاریخی لحاظ سے تعمیل‌شدہ ہر معاشرتی شکل کو رواں حرکت میں
خیال کرتی ہے اور چنانچہ اس کے عارضی وجود کے ساتھ ساتھ اس کی
عبوری فطرت کو بھی پیش‌نظر رکھتی ہے، کیونکہ وہ اپنے اوپر
کسی چیز کو عائد نہیں ہونے دیتی اور اپنے جوہر کے لحاظ سے
تنقیدی اور انقلابی ہے۔

سرمایہ‌دارانہ سماج کی حرکت میں جو تضادات مضمر ہیں
وہ عملی بورژوا کو سب سے واضح طور پر ادوار کی گردش کی تبدیلیوں
کی صورت میں متاثر کرتے ہیں جن سے جدید صنعت گزرتی ہے اور
جن کا نقطۂ‌عروج آفاقی بحران ہے۔ وہ بحران ایک بار پھر آرہا ہے،
اگرچہ ابھی تک اپنے ابتدائی ہی مرحلے میں ہے اور اس کا میدان
عمل اتنا آفاقی ہوگا اور اس کا عمل اتنا شدید ہوگا کہ وہ نئی مقدس
پرشائی جرمن سلطنت کے برساتی نودولتیوں کی کھوپڑی میں جدلیات
دھنسا دے‌گا۔

لندن، ۲۴ جنوری ۱۸۷۳ء۔

مارکس
,,سرمایہ،،
جلد اول۔ حصہ سوئم

(اقتباس)

۲۴ واں باب۔ سرمایہ‌دارانہ اندوختہ کا تاریخی رجحان

سرمائے کا ابتدائی اندوختہ یعنی اس کا تاریخی تکاسل اپنے آپ کو کس چیز میں شکل‌پذیر کرتا ہے؟ اس حدتک کہ وہ غلاموں اور کسان غلاموں کو براہ‌راست اجرتی مزدور بنا دینا اور اس لئے محض صورت کی تبدیلی نہیں ہے، اس کا مطلب صرف بلاواسطہ پیداکاروں کو بے‌جائیداد بنا دینا یعنی اپنے مالک کی محنت پر مبنی ذاتی جائیداد کو ختم کرنا ہوتا ہے۔

ذاتی جائیداد سماجی اجتماعی جائیداد کے ضدنکتہ کی حیثیت سے صرف وہیں وجود رکھتی ہے جہاں محنت کے ذرائع اور محنت کے خارجی حالات نجی افراد کی ملکیت ہوتے ہیں۔ لیکن اس حساب سے کہ نجی افراد محنت‌کش ہیں یا نہیں ہیں، ذاتی جائیداد مختلف کردار رکھتی ہے۔ ذاتی جائیداد کے جو بے‌شمار رنگ نظر آتے ہیں وہ درمیانی مرحلے ہوتے ہیں جو ان دو انتہاؤں کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔

اپنے ذرائع پیداوار میں محنت‌کش کی ذاتی جائیداد چھوٹی صنعت کی بنیاد ہوتی ہے چاہے وہ زراعتی ہو یا سامان‌سازی کی ہو یا دونوں ہو۔ پھر چھوٹی صنعت بھی سماجی پیداوار کےلئے اور خود محنت‌کش کی آزاد انفرادیت کے ارتقا کے لئے ایک بنیادی

شرط ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ چھوٹی طرز پیداوار غلامی، کسان غلامی اور محتاجی کی دوسری حالتوں کے تحت بھی موجود ہوتی ہے۔ لیکن یہ پھلتی پھولتی وہیں ہے، اپنی پوری توانائی کو وہیں بروئے کار لاتی ہے، وہیں اپنی مناسب کلاسیکی صورت حاصل کرتی ہے جہاں مزدور خود اپنی حرکت میں لائی ہوئی شرائط محنت کا یعنی کسان اس زمین کا جسے وہ جوتتا ہے، کاریگر اس اوزار کا جسے وہ ایک ماہر استاد کی طرح استعمال کرتا ہے، ذاتی مالک ہوتا ہے۔

اس طرز پیداوار کے لئے زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور دوسرے ذرائع پیداوار کو بھی منتشر کرنا شرط اول ہے۔ جس طرح وہ ان ذرائع پیداوار کے ارتکاز کو ناممکن بنا دیتی ہے اسی طرح وہ تعاون، پیداوار کے ہر علحدہ عمل کے اندر تقسیم محنت، سماج کی طرف سے فطرت کی قوتوں پر کنٹرول اور ان کے پیداواری استعمال کے اور سماجی پیداواری طاقتوں کے آزادانہ ارتقا کے امکان کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ یہ طرز پیداوار صرف ایک ایسے نظام پیداوار اور ایسے سماج سے میل کھاتی ہے جو محدود اور کم‌وبیش ابتدائی حدوں کے اندر حرکت کرتے ہوں۔ اسے دائمی بنانا، جیسا کہ پیکیر نے بجا طور پر کہا ہے، ''آفاقی معمولی پن کا فرمان صادر کر دینا،، (۹) ہوگا۔ ارتقا کے ایک خاص مرحلے پر وہ خود اپنے خاتمے کے لئے مادی وسیلوں کو جنم دیتی ہے۔ اس لمحے سے سماج کے سینے میں نئی قوتیں اور نئے جذبات نمودار ہو جاتے ہیں لیکن پرانی سماجی تنظیم انھیں مقید کرتی اور دبائے رکھتی ہے۔ اس کو نیست و نابود کرنا ضروری ہے اور وہ نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ اس کا نیست و نابود ہو جانا، منفرد اور بکھرے ہوئے ذرائع پیداوار کا سماجی طور پر مرکوز ذرائع پیداوار بن‌جانا، بہتوں کی چھوٹی چھوٹی جائیداد کا تبدیل ہیئت کرکے چند لوگوں کی زبردست جائیداد بن جانا، لوگوں کے زبردست جم غفیر کا زمین سے، روزی کے ذرائع سے اور محنت کے ذرائع سے بیدخل ہو جانا، لوگوں کے جم غفیر کی یہ بھیانک اور تکلیف‌دہ بیدخلی سرمائے کی تاریخ کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ یہ بہت سے جبری طریقوں پر مشتمل ہوتی ہے جن میں ہم نے صرف ان کو سرسری طور پر دیکھا ہے جو سرمائے کے ابتدائی

اندوختہ کے طریقوں کی حیثیت سے عہدآفریں رہے ہیں۔ بلاواسطہ پیدا کاروں کی بیدخلی بیرحمانہ غارتگری کے ساتھ اور ان جذبات کے زیراثر کی گئی جو انتہائی شرمناک، انتہائی قابل نفرت، پست‌ترین، انتہائی ذلالت‌انگیز طور پر مذموم تھے۔ اپنی کمائی ہوئی ذاتی جائیداد یعنی ایسی جائیداد کی جگہ، جو الگ تھلگ، آزاد، محنت‌کش فرد اور اس کی محنت کی شرائط کو یکجان بنا دینے پر مبنی ہوتی ہے، سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد لے لیتی ہے جس کی بنیاد دوسروں کی برائے نام آزاد محنت کے استحصال پر یعنی اجرتی محنت پر ہوتی ہے۔

تبدیل ہیئت کا یہ عمل جیسے ہی پرانے سماج کو اوپر سے نیچے تک کافی گلا سڑا چکتا ہے، جیسے ہی محنت‌کش پرولتاری بن جاتے ہیں، ان کی محنت کو سرمایہ بنا دیا جاتا ہے، جیسے ہی سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے ویسے ہی محنت کی مزید سماج بندی اور زمین و دیگر ذرائع پیداوار کی مزید تبدیل ہیئت اور ان کا سماجی طور پر استحصال کئے جانےوالے اور اس لئے مشترکہ ذرائع پیداوار بن جانا نیز ذاتی مالکوں کی مزید بیدخلی ایک نئی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اب جس کو بیدخل کرنا ہے وہ اپنے لئے کام کرنےوالا محنت‌کش نہیں بلکہ بہت سے محنت‌کشوں کا استحصال کرنےوالا سرمایہ‌دار ہوتا ہے۔

یہ بیدخلی خود سرمایہ‌دارانہ پیداوار کے طبعی قوانین سے، سرمائے کے ارتکاز سے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ ایک سرمایہ‌دار بہت سے سرمایہ‌داروں کو مار ڈالتا ہے۔ اسی ارتکاز یا چند کے ہاتھوں بہت سے سرمایہ‌داروں کی بیدخلی کے ساتھ ساتھ روز بروز زیادہ بڑے پیمانے پر محنت کے عمل کی تشریکی صورت، سائنس کا شعوری ٹکنیکی اطلاق، زمین سے باسنصوبہ استفادہ، محنت کے آلات کا تبدیل ہیئت کرکے ایسے آلات محنت بننا جو صرف مشترکہ طور پر استعمال کئے جا سکتے ہیں، سارے ذرائع محنت کو مشترکہ سماج بند محنت کے ذرائع پیداوار کی حیثیت سے استعمال کرکے ان کی کفایت شعاری، عالمی منڈی کے جال میں ساری قوموں کا الجھنا اور اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ‌دارانہ نظام کا بین‌الاقوامی کردار ترقی کرتے ہیں۔ سرمائے کے چودھری تبدیل ہیئت کے اس عمل کے سارے فوائد کو غصب

کر لیتے اور انھیں اپنا اجارہ بنا لیتے ھیں اور ان کی مسلسل کم ہوتی ہوئی تعداد کے ساتھ ساتھ دکھدرد، جبرواستبداد، غلامی، ذلت، استحصال کا بار بڑھتا جاتا ھے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مزدور طبقے کا غصہ بھی بڑھتا جاتا ھے جو ایسا طبقہ ہوتا ھے جس کی تعداد برابر بڑھتی رہتی ھے اور جسے خود سرمایہ‌دارانہ پیداوار کا عمل ھی ڈسپلن‌دار، متحد اور منظم بنا دیتا ھے۔ سرمائے کی اجارہ‌داری اس طرز پیداوار کے پاؤں کی بیڑی بن جاتی ھے جو اسی کے ساتھ اور اسی کے ماتحت وجودپذیر ہوئی اور پھلی پھولی۔ ذرائع پیداوار کی مرکزبندی اور محنت کی سماج‌بندی بالآخر ایک ایسے نقطے پر پہنچ جاتی ھیں جہاں وہ اپنے سرمایہ‌دارانہ خول سے بےمیل ہو جاتی ھیں۔ یہ خول پھٹ جاتا ھے۔ سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد کی موت ہو جاتی ھے۔ بیدخل کرنےوالے خود بیدخل ہو جاتے ھیں۔

سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کا نتیجہ یعنی تصرف کی سرمایہ‌دارانہ طرز سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد پیدا کرتی ھے۔ یہ اس انفرادی ذاتی جائیداد کی پہلی نفی ہوتی ھے جو مالک کی محنت پر مبنی ہوتی ھے۔ لیکن سرمایہ‌دارانہ پیداوار، ایک قانون فطرت کے اٹل‌پن کے ساتھ، خود اپنی نفی کو جنم دیتی ھے۔ یہ نفی کی نفی ھے۔ یہ پیداکار کے لئے دوبارہ ذاتی جائیداد نہیں قائم کرتی لیکن اسے انفرادی جائیداد دیتی ھے جس کی بنیاد سرمایہ‌دارانہ عہد کی حاصلات یعنی تعاون پر اور زمین اور ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت پر ہوتی ھے۔

انفرادی محنت سے پیدا ہونےوالی بکھری ہوئی ذاتی جائیداد کا تبدیل ہیئت کرکے سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد بن جانا قدرتی طور پر کہیں زیادہ طویل، پرتشدد اور مشکل ہوتا ھے بہ‌نسبت سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد کے، جوکہ پہلے ھی سے عملی طور پر سماج بند پیداوار پر مبنی ہوتی ھے، تبدیل ہیئت کرکے سماج‌بند جائیداد بن جانے کے۔ اول‌الذکر صورت میں ہم نے چند غاصبوں کے ہاتھوں عوام کے

جم غفیر کی بیدخلی دیکھی تھی، موخر الذکر صورت میں ہم عوام کے جم غفیر کے ھاتھوں چند غاصبوں کی بیدخلی دیکھ رھے ھیں۔ *

پہلی بار ۱۸۶۷ء میں جرمن زبان میں شائع ھوا۔

---

*''صنعت کی ترقی سے جس کو بورژوا طبقے کے ھاتھوں بلاارادہ فروغ ھوتا ھے مزدوروں کی ایک دوسرے سے علحدگی دور ھوتی ھے جو باھمی مقابلے کا نتیجہ تھی اور اس کی بجائے ان میں متحد ھونے کے ذریعے انقلابی ایکا پیدا ھونے لگتا ھے۔ چنانچہ جدید صنعت کی ترقی سے وہ بنیاد ھی غارت ھو جاتی ھے جس پر بورژوا طبقہ مال پیدا کرتا ھے اور اس کو تصرف میں لاتا ھے۔ لہذا بورژوا طبقے نے سب سے بڑھکر جن کو پیدا کیا وہ اس کی اپنی قبر کھودنےوالے ھیں۔ اس کا زوال اور پرولتاریہ کی فتح یکساں ناگزیر ھیں... بورژوا طبقے کے روبرو اس وقت جتنے طبقے کھڑے ھیں ان سب میں ایک پرولتاریہ ھی حقیقت میں انقلابی ھے۔ دوسرے تمام طبقے جدید صنعت کے ارتقا کے ساتھ ساتھ زوال پذیر اور بالآخر ناپید ھوتے جاتے ھیں۔ ان کے برعکس پرولتاریہ اس کی مخصوص اور لازمی پیداوار ھے۔ درمیانی پرت یعنی چھوٹے کارخانہدار، چھوٹے تاجر، کاریگر، کسان — سبھی بورژوا طبقے سے لڑتے ھیں تاکہ درمیانی پرت کی حیثیت سے اپنی ھستی کو مٹنے سے بچائیں۔ اس لئے وہ انقلابی نہیں قدامت‌پرست ھیں۔ اتنا ھی نہیں، وہ رجعت پرست بھی ھیں کیونکہ وہ تاریخ کے چکر کو الٹا چلانا چاھتے ھیں،، (کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس، ''کمیونسٹ پارٹی کا مینیفسٹو،،۔ زیرنظر کتاب کے صفحات ۳۳ اور ۳۰ ملاحظہ ھوں)۔

مارکس

(۱۰) گوتھا پروگرام کا تنقیدی تبصرہ

(اقتباس)

جرمن مزدور پارٹی کے پروگرام پر ایک نظر

۱ - ''محنت ہر قسم کی دولت کا، ہر طرح کی تہذیب کا سرچشمہ ہے - اور چونکہ فائدہ‌مند محنت صرف سماج میں اور سماج کے ذریعے ہی ممکن ہے تو اس کا حاصل بھی کٹوتی کے بغیر اور برابر کے حق سے سماج کے سب ممبروں کو پہنچتا ہے - ''

پیراگراف کا پہلا حصہ: ''محنت ہر قسم کی دولت کا، ہر طرح کی تہذیب کا سرچشمہ ہے''۔

محنت ہر قسم کی دولت کا سرچشمہ نہیں ہوتی - قدرت بھی اتنا ہی سرچشمہ ہے صرفے کی قدروں کا، (مادی دولت آخرکار صرفے کی انہیں قدروں سے بنتی ہے) جتنا کہ محنت، کیونکہ وہ بھی تو قدرتی طاقتوں میں سے ایک نمود ہے یعنی انسان کی محنتی طاقت کی نمود - اوپر کا یہ جملہ آپ کو بچوں کی کسی بھی ابتدائی کتاب میں مل جائےگا اور وہ اس حد تک درست بھی ہے جہاں نرا مطلب یہ ہو کہ محنت اپنی ضرورت کے ساز و سامان اور اوزاروں کی بدولت عمل میں آتی ہے - لیکن سوشلسٹ پروگرام میں اس قسم کے بورژوا جملوں کو ان شرطوں کے بڑھائے بغیر دخیل نہیں ہونا چاھئے جو انہیں بامعنی بناتی ہیں - محنت کی تمام اشیا اور ذرائع کے اولین سرچشمے یعنی قدرت کے ساتھ آدمی کا برتاؤ جس حد تک کہ خود

اپنی ملکیت کا سا ہوتا ہے وہ قدرت کے ساتھ یوں پیش آتا ہے کہ یہ اس کی اپنی ہی چیز ہے، تو اسی حد تک اس کی محنت صرفے کی قدروں کا یا بالآخر دولت کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ بورژوازی نے معقول وجہیں گڑھ رکھی ہیں یہ جتانے کی کہ گویا محنت میں قدرت سے برتر کوئی تخلیقی طاقت ہوتی ہے۔ پس جب محنت ایک قدرتی چیز ٹھیری تو اس سے یہ نکلا کہ انسان اپنی قوت محنت کے علاوہ کسی اور چیز کا مالک نہ ہوتے ہوئے بھی ہر قسم کی سماجی اور تہذیبی حالت میں دیگر لوگوں کی غلامی پر مجبور رہے، ان لوگوں کی غلامی پر جو محنت کی مادی ضروریات کے مالک بن چکے ہیں۔ صرف انہیں کی اجازت سے وہ کام کر سکتا ہے یا یوں کہیے کہ صرف انہیں کی منظوری سے زندگی گذار سکتا ہے۔

اچھا تو یہ جملہ اپنی اصلی حالت میں، اسی گری پڑی حالت میں رہنے دیں۔ ہمیں اس بیان سے کس نتیجے کی امید رکھنی چاہئے تھی؟ اس نتیجے کی کہ:

''چوں کہ محنت ہر قسم کی دولت کا سرچشمہ ہے تو سماج کا کوئی بھی رکن جس دولت پر ہاتھ ڈالے گا وہ محنت کی تیار کی ہوئی چیز کے سوا کچھ اور نہ ہوگی۔ اگر وہ خود کام نہیں کرتا تو دوسرے کی محنت پر جیتا ہے۔ اور اسی طرح اپنی تہذیب بھی وہ دوسرے ہی کی محنت سے حاصل کرتا ہے۔،،

اس کی بجائے ''چوں کہ،، کی پخ لگا کر پہلے جملے کو دوسرے جملے سے اس طرح جوڑ دیا گیا کہ جو نتیجہ نکالنا ہے وہ دوسرے جملے سے نکلے، پہلے سے نہیں۔

پیراگراف کا دوسرا حصہ: ''فائدہ‌مند محنت صرف سماج میں اور سماج کے ذریعے ہی ممکن ہے،،۔

پہلے والے کلیے کی رو سے محنت ہی سرچشمہ تھا ہر قسم کی دولت اور ہر طرح کی تہذیب کا۔ لہذا محنت کے بغیر کوئی سماج ممکن نہ ہونا چاہئے۔ لیکن یہاں الٹا معاملہ ہے، ہمیں بتایا گیا کہ کوئی ''فائدہ‌مند،، محنت ممکن نہیں ہے بغیر سماج کے۔

اسی خوبی کے ساتھ یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ صرف سماج میں یہ ممکن ہے کہ بے‌فائدہ بلکہ سماج کے‌لئے نقصان‌دہ محنت صنعت کی ایک شاخ بن جائے اور صرف سماج ہی میں بغیر

۴۰

کچھ کئے جینا ممکن ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ غرض کہ فلسفی روسو کا پورا بیان نقل کیا جا سکتا تھا۔

اور یہ ''فائدہ‌مند،، محنت کیا ہوتی ہے؟ وہی جو مطلوبہ مفید نتیجہ پیدا کرے۔ تو اس حساب سے وہ وحشی آدمی (انسان جب بندر کے مرحلے سے گزرا تو وحشی آدمی کے درجے میں آیا) جو پتھر سے جانور مارلے یا پھل بٹورا کرے وغیرہ، وہ بھی ''فائدہ‌مند،، محنت کرنے والا ٹھیرا۔

تیسرے، اس کا یہ نتیجہ کہ ''چوں‌کہ فائدہ‌مند محنت صرف سماج میں اور سماج کے ذریعے ہی ممکن ہے تو اس کا حاصل بھی کٹوتی کے بغیر اور برابر کے حق سے سماج کے سب ممبروں کو پہنچتا ہے۔،،

کیا خوب نتیجہ ہے! اگر فائدہ‌مند محنت صرف سماج میں اور سماج کے ذریعے ہی ممکن ہے تو اس کا حاصل بھی سماج کو پہنچتا ہے اور الگ الگ مزدور کو اس آمدنی کا صرف اتنا حصہ ملے گا جو محنت کی ''ضروری شرط،، یعنی سماج کو باقی رکھنے کے لئے درکار نہ ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں اس وقت کے سماجی نظام کے حامیوں کی طرف سے یہی کلیہ آگے بڑھایا گیا ہے۔ سب سے اول تو یہ دعوے حکومت کی طرف سے اور جو بھی حکومت سے وابستہ ہے ان کی طرف سے کئے جاتے ہیں کیونکہ حکومت وہ سماجی ادارہ ہے جو کسی سماجی نظام کو چلانے کے لئے ہوتا ہے۔ بعد میں طرح طرح کی ذاتی جائیداد کے دعوے آتے ہیں کیوں‌کہ مختلف قسموں کی ذاتی جائیداد گویا سماج کی بنیاد ہے وغیرہ۔ یہ کھوکھلے جملے ایسے ہیں کہ توڑمروڑ کر جو جی چاہے معنی نکال لیجئے۔

پیراگراف کے پہلے اور دوسرے حصے میں اگر کوئی بامعنی تعلق بنتا ہے تو لفظوں کی اس ترتیب کے ساتھ:

''محنت صرف سماجی محنت کی حیثیت سے دولت اور تہذیب کا سرچشمہ بنتی ہے،، یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ ''سماج میں اور سماج کے ذریعے،،۔

یہ کلیہ بےشک درست ہے کیوں‌کہ آدمی کی الگ تھلگ محنت سے (اس کے مادی حالات ذہن میں رکھتے ہوئے) صرفے کی قدریں

تو ضرور پیدا ہوتی ہیں لیکن وہ نہ دولت پیدا کر سکتی ہے، نہ تہذیب۔

اسی طرح دوسرے کلیے میں شک کی گنجائش نہیں رہتی جو یوں ہوگا:

''محنت سماجی حیثیت سے جوں جوں بڑھتی جائے گی اور دولت و تہذیب کا سرچشمہ بنتی جائے گی اسی نسبت سے مزدوروں کے حصے میں غریبی اور محتاجی بڑھے گی اور غیرمزدوروں میں دولت اور تہذیب۔''

آج تک کی تاریخ کا یہی قانون رہا ہے چنانچہ ''محنت'' اور ''سماج'' کے بارے میں گول‌سول لفظ کہنے کی بجائے صاف صاف ثابت کرنا چاہئے تھا کہ موجودہ سرمایہ‌دارانہ سماج میں آخرکار وہ مادی اور دوسرے حالات جنم لے چکے ہیں جو محنت کشوں کو اس پر آمادہ اور مجبور کرتے ہیں کہ وہ اس سماجی لعنت کا خاتمہ کردیں۔

اصل میں یہ سارا پیراگراف، جو صورت میں ناہموار اور معنی میں ناقص ہے، یہاں صرف اسی غرض سے آیا کہ لاسال کا فارمولا ''محنت کی آمدنی کٹوتی کے بغیر'' نعرے کی حیثیت سے پارٹی کے پرچم پر چڑھا دیا جائے۔ ''محنت کی آمدنی''، ''مساوی حق'' وغیرہ سے میں بعد میں بھی بحث کروں گا کیوں کہ یہی چیزیں کسی قدر دوسری شکل میں آگے بھی ملتی ہیں۔

۲۔ ''موجودہ سماج میں محنت کے ذرائع سرمایہ‌دار طبقے کا اجارہ بن‌چکے ہیں۔ یوں مزدور طبقے کا پابند ہوکر رہ جانا ہی ہر رنگ کی محتاجی اور ماتحتی کا سبب ہوتا ہے۔''

یہ جملہ جو انٹرنیشنل کے بنیادی قاعدوں سے لیا گیا تھا ''اصلاح'' کی ہوئی صورت میں غلط ہو جاتا ہے۔

آجکل[۴] کے سماج میں محنت کے ذرائع پر زمین‌داروں کا (زمینی‌جائیداد کا اجارہ خود سرمائے کے اجارے کی بنیاد ہے) اور سرمایہ‌داروں کا اجارہ ہے۔ انٹرنیشنل کے بنیادی قاعدوں میں اس مضمون سے متعلق جو شق ہے وہاں نہ اجارہ‌داروں کے ایک طبقے کا ذکر ہے، نہ دوسرے کا۔ وہاں ''محنت کے ذرائع یعنی زندگی کے سرچشموں کی اجارہ‌داریوں'' کے لفظ آئے ہیں۔ ''زندگی کے

سرچشموں،، کا ٹکڑا بڑھا کر صاف طور سے یہ جتا دیا گیا ہے کہ محنت کے ذرائع میں زمین بھی شامل ہے۔

اصلاح کی ضرورت یوں پیش آئی ہوگی کہ لاسال ایسی وجہوں کی بنا پر، جو اب سب کے علم میں آ چکی ہیں، صرف سرمایہ‌داروں کے طبقے کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا کرتا تھا زمینی جائیداد رکھنےوالے طبقے کو نہیں۔ انگلینڈ میں سرمایہ‌دار زیادہ‌تر زمین کے اس ٹکڑے کا بھی مالک نہیں ہوتا جس پر اس کی فیکٹری کھڑی ہے۔

۳۔ ''محنت کی نجات کا تقاضا ہے کہ محنت کے ذرائع کو سارے سماج کی مشترکہ ملکیت کی سطح تک بلند کیا جائے اور محنت کے حاصل کی منصفانہ تقسیم کے ساتھ مجموعی محنت کا نظم و ضبط اشتراک باہم کی نوعیت کا ہو۔،،

''محنت کے ذرائع کو سارے سماج کی مشترکہ ملکیت کی سطح تک بلند کرنا،، (!) — اس کا کیا مطلب ہے؟ غالباً کہنا یہ ہے کہ انہیں ''سارے سماج کی مشترکہ ملکیت میں ڈھال دیا جائے،،۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

''محنت کا حاصل،، ہے کیا؟ محنت سے جو سامان تیار کیا جائے وہ یا اس کی قدر؟ اگر مطلب قدر سے ہے تو کون‌سی؟ سامان کی پوری قدر یا قدر کا صرف اتنا حصہ جو کام میں لگنےوالے ذرائع پیداوار کی قدر میں محنت نے بڑھایا ہے؟

''محنت کا حاصل ،، ایک ڈھیلا ڈھالا تصور ہے جو لاسال نے باضابطہ معاشی تصور کی جگہ اختیار کر لیا تھا۔

پھر یہ ''منصفانہ،، تقسیم کیا ہوئی؟

کیا بورژوا یہی دعوی نہیں کرتا کہ موجودہ تقسیم ''منصفانہ،، ہے؟ اور پیداوار کی موجودہ طرز کو دیکھتے ہوئے کیا واقعی صرف اسی تقسیم کے ''منصفانہ،، ہونے سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے؟ کیا معاشی رشتوں کو قانونی تصورات منضبط کرتے ہیں؟ یا اس کے برعکس ایسا نہیں ہوتا کہ قانونی رشتے معاشی رشتوں سے پیدا ہوتے ہوں؟ اور کیا خود مختلف سوشلسٹ فرقہ‌بندیوں میں اس ''منصفانہ،، تقسیم پر طرح طرح کے خیالات نہیں پائے جاتے؟

''منصفانہ،، تقسیم کا یہاں کیا مطلب ہے اسے سمجھنے کے لئے

ضروری ہے کہ پہلے پیراگراف کو اس پیراگراف سے ملا کر پڑھا جائے۔ تیسرے پیراگراف کا کہنا ہے کہ ایسا سماج ہو جس میں ''محنت کے ذرائع سماج کی مشترکہ ملکیت ہوں اور مجموعی محنت کا نظم و ضبط اشتراک باہم کی نوعیت کا ہو'' اور پہلے پیراگراف میں ہم دیکھتے ہیں کہ ''محنت کا حاصل بھی کٹوتی کے بغیر اور برابر کے حق سے سماج کے سب ممبروں کو پہنچتا ہے۔''

''سماج کے سب ممبروں کو پہنچتا ہے''؟ ان کو بھی جو کام نہیں کرتے؟ تو پھر ''محنت کا حاصل کٹوتی کے بغیر'' کہاں رہا؟ اور اگر صرف کام کرنےوالوں کو؟ تو پھر سماج کے سب ممبروں کا ''برابر کا حق'' کدھر گیا؟

پتہ چلا کہ ''سماج کے سب ممبر'' اور ''برابر کا حق'' یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کمیونسٹ سماج میں ہر ایک محنت کرنےوالے کو لاسال کا بیان کردہ ''کٹوتی کے بغیر محنت کا حاصل'' وصول ہونا چاہئے۔

اور اگر ہم ''محنت کا حاصل'' کا پہلے تو یہ مطلب نکالیں کہ محنت سے تیار کیا ہوا سامان تو اجتماعی محنت کا حاصل وہ ہوا جو سماج کی مجموعی پیداوار ہے۔

اس مجموعی پیداوار میں سے:

اول تو وہ حصہ منہا کر دیں جو استعمال شدہ ذرائع پیداوار کی کمی پوری کرنے کو رکھا جاتا ہے؛

دوسرے وہ حصہ نکال دیں جو پیداوار کو اور پھیلانے کےلئے اوپر سے لگایا جاتا ہے؛

تیسرے محفوظ یا بیمہ فنڈ بھی الگ کرنا ہوگا جو حادثوں، آفتوں وغیرہ پر نکالا جاتا ہے۔

''کٹوتی کے بغیر محنت کے حاصل'' میں سے یہ سب حصے نکالنا ایک معاشی ضرورت ہے اور ان کی کمی‌بیشی منحصر ہے اس پر کہ ذرائع اور قوتیں کیسی ہیں اور کسی حد تک قیاس اور تخمینے سے کام لیا جاتا ہے لیکن کسی صورت میں بھی ان کا حساب منصفانہ بنیاد پر نہیں ہو سکتا۔

اب باقی بچتا ہے مجموعی پیداوار کا دوسرا حصہ جسے ضروریات زندگی کے سامان کی حیثیت سے خرچ ہونا ہے۔

اس بچے ہوئے حصے کو الگ الگ افراد میں بانٹنے سے پہلے پھر ہمیں تین مدوں کا حق نکالنا ہوگا:

اول تو انتظامیہ کے وہ عام خرچے جنھیں پیداوار کے عمل سے براہ‌راست کوئی واسطہ نہیں۔

آج کے سماج میں اس مد پر جتنا خرچ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں تو نئے سماج میں شروع سے ہی بہت کم ہو جائے گا اور نئے سماج کے بڑھنے کی رفتار کے ساتھ برابر کم ہوتا چلا جائے گا۔

دوسرے وہ جو ضروریات کی مشترکہ طلب پوری کرنے پر لگنا ہے مثلاً اسکول، صحت‌عامہ کے ادارے وغیرہ۔

آج کے سماج میں اس مد پر جتنا خرچ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں تو نئے سماج میں شروع ہی سے زیادہ ہوجائے گا اور نئے سماج کے بڑھنے کی رفتار کے ساتھ وہ بھی برابر بڑھتا جائے گا۔

تیسرے وہ فنڈ جو محنت سے معذور لوگوں اور دوسروں کےلئے الگ کیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ جسے آجکل غریبوں کی سرکاری امداد کے نام سے الگ کرتے ہیں۔

یہ سب حصے نکال چکنے کے بعد ہم کہیں اس ''تقسیم،، پر آتے ہیں جسے گوتھا پروگرام نے لاسال کے اثر میں اتنے تنگ دائرے میں پیش نظر رکھا ہے یعنی ضروریات زندگی کے سامان کا وہ حصہ جس میں امداد باہمی کی انجمن (کوآپرےٹیو سوسائٹی) کے کام کرنےوالے اپنا حصہ بٹائیں گے۔

''کٹوتی کے بغیر محنت کا حاصل،، یوں چپ‌چاپ ''کٹتا،، چلا گیا، البتہ یہ ہوا کہ سامان تیار کرنےوالے کو بحیثیت ایک فرد کے جو کچھ اپنے حق میں سے کٹوانا پڑا، وہ سماج کے ایک ممبر کی حیثیت سے اسی کے حق میں براہ‌راست یا بالواسطہ استعمال بھی ہو گیا۔

جس طرح ''کٹوتی کے بغیر محنت کا حاصل،، والا جملہ غائب ہو گیا اسی طرح اب ''محنت کا حاصل،، بھی کافور ہوتا ہے۔

اس سماج میں جس کی بنیاد امداد باہمی پر ہو، ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت پر ہو، سامان تیار کرنےوالے اپنے سامان کا باہمی تبادلہ نہیں کرتے جیسے کہ سامان کی تیاری میں جو محنت

لگی ہے وہ یہاں اس کی قدر کی حیثیت میں، اس سامان کے مخصوص مادی معیار کی حیثیت میں کم ہی ابھرنے پاتی ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ سرمایہ‌دارانہ سماج کے ڈھنگ پر انفرادی محنت بالواسطہ جو حیثیت رکھتی تھی، اب اس کے برخلاف مجموعی محنت کا براہ‌راست ایک جزو بن جاتی ہے۔ یوں لفظ ''محنت کا حاصل،، کہنا آجکل اپنے دورخے معنی کی بنا پر بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا اور بالکل بےمعنی ہوکر رہ جاتا ہے۔

جس کمیونسٹ سماج سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے وہ خود اپنی بنیاد پر نہیں اٹھا، بلکہ اس کے برخلاف ایسا کمیونسٹ سماج ہے جو سرمایہ‌دارانہ سماج میں سے ابھرا ہے اور اس لئے ہر معاملے میں چاہے وہ معاشی ہو، اخلاقی یا ذہنی بہرحال اسی پرانے سماج کے پیدائشی داغ دھبے بنیاد رہ جاتے ہیں جس کی کوکھ سے اس نے جنم لیا ہے۔ اس کے مطابق سامان تیار کرنےوالے فرد کو سماج سے سب کٹوتیوں کے بعد اتنا ہی وصول ہوتا ہے جتنا وہ خود سماج کو دیتا ہے۔ جو کچھ اس نے سماج کو دیا وہ اس کی محنت کا حصہ ہے۔ مثال کے طور پر سماجی محنت کا ایک دن وہ مقدار ہے جس میں انفرادی محنت کے سارے گھنٹے یکجا ہوتے ہیں۔ پیداوار کرنےوالے ہر فرد نے الگ الگ جو وقت محنت کےلئے کھپایا وہ سماجی محنت کے ایک دن میں اس کی شرکت یا اس کا لگایا ہوا حصہ ہے۔ سماج اس کو رسید دیتا ہے کہ اس شخص نے محنت کی اتنی مقدار کھپائی ہے (مشترکہ فنڈ کا حصہ اس میں سے منہا کردیا جاتا ہے)۔ اس رسید کے مطابق سماجی ذخیروں میں سے اس قدر صرف کا سامان وصول پاتا ہے جس کی تیاری میں اتنی ہی محنت لگی ہوتی ہے۔ محنت کی اتنی ہی مقدار، جو ایک شکل میں سماج کو دی تھی، دوسری شکل میں اسے وصول ہو جاتی ہے۔

ظاہر بات ہے کہ یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہے جو جنس تجارت کے تبادلے پر حاوی ہوتا ہے، کیونکہ یہاں بھی برابر کی قدروں کا مبادلہ ہوتا ہے۔ یہاں مواد و ہیئت بدل گیا کیوں‌کہ بدلے ہوئے حالات میں کوئی شخص بھی سوائے اپنی محنت کے کچھ نہیں دے سکتا اور الگ الگ آدمیوں کے ذاتی حصے میں سوائے ذاتی سامان صرف کے اور کچھ نہیں آسکتا۔ مگر الگ الگ پیداوار کرنےوالوں میں جہاں تک سامان صرف کی تقسیم کا سوال ہے تو

یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہوگا جو برابروالی اشیائے تجارت کے تبادلے میں ہوتا آیا تھا کہ کسی ایک شکل میں محنت کی ایک مقررہ مقدار کسی دوسری شکل میں محنت کی اتنی ہی مقدار سے بدلی جائے۔

چنانچہ برابر کا حق یہاں اصولی طور پر وہی بورژوا حق رہتا ہے، اگرچہ اب اصول اور عمل کا وہ ٹکراؤ نہیں رہتا، جب کہ اشیائے تجارت کے مبادلے والی صورت میں برابروالوں کا مبادلہ الگ الگ نہیں بلکہ اوسط میں پڑتا تھا۔

ترقی ضرور ہوئی لیکن اس کے باوجود برابر کا حق ایک حیثیت سے بورژوا حدبندی کا پابند ہی رہا۔ پیداوار کرنےوالے کو اس کی محنت کے حساب سے حق ملا؛ برابری صرف اس بات میں رہی کہ سب کا پیمانہ برابر کا ہے یعنی محنت۔

مگر ایک شخص جسمانی یا ذہنی طور پر دوسرے سے بہتر ہے چنانچہ یا تو اتنے ہی وقت میں زیادہ محنت دیتا ہے یا زیادہ وقت تک محنت کرنے کے قابل ہے۔ اور محنت ہی چوں کہ ایک پیمانہ ہے تو وہ پھیلاؤ یا شدت میں سب کےلئے یکساں ہونی چاہئے ورنہ وہ پیمانے کے کام نہیں آسکتی۔ یہ جو برابر کا حق ہے یہی نابرابر محنت کےلئے نابرابری کا حق ہوتا ہے۔ یہ حق طبقوں کی اونچ نیچ کو نہیں مانتا کیوں کہ اس کے سامنے ہر شخص کی حیثیت اوروں کی طرح کام کرنےوالے کی ہے۔ لیکن خاموشی سے ایک فرق کو مانتا ہے کہ آدمی کی لیاقت ایک سی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ کہ کام کی صلاحیت میں اونچ نیچ ہونا قدرتی بات ہے۔ اس لئے اپنے سواد کے اعتبار سے وہ نابرابری کا حق ہے جیسے کہ اور حق ہوتے ہیں۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے حق صرف اسی میں ہے کہ سب کےلئے ایک پیمانہ اختیار کیا جائے۔ لیکن افراد کے برابر نہ ہونے پر (اگر وہ نابرابر نہ ہوتے تو وہ مختلف افراد ہی کیوں ہوتے) سب کو ایک پیمانے سے تبھی ناپا جا سکتا ہے جب انہیں صرف ایک نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، ان پر کسی ایک خاص پہلو ہی سے نظر ڈالی جائے، مثلاً سوال زیربحث میں انہیں صرف محنت کرنےوالے کی حیثیت سے تولا جائے، اس کے علاوہ اور کوئی حیثیت نظر میں نہ ہو، باقی تمام صفات نظرانداز کردی جائیں۔ آگے چلئے: ایک

شادی شدہ ہے، دوسرا نہیں ہے، ایک کے زیادہ بچے ہیں، دوسرے کے کم وغیرہ وغیرہ۔ برابر کی محنت کرنے پر یا یوں لیجئے کہ سماجی صرف کے فنڈ میں سے برابر کا حصہ پانے پر دراصل ایک کو زیادہ ملتا ہے دوسرے کو اس سے کم یعنی ایک کی مالی حالت دوسرے سے بہتر رہتی ہے۔ اسی پر اور قیاس کرلیجئے۔ ان تمام الجھنوں سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ حق برابر ہونے کی بجائے نابرابر رہنا چاہئے۔

کمیونسٹ سماج کے پہلے دور میں اس حالت میں جب وہ سرمایہ‌دار سماج کے دردزہ کی مصیبت دیر تک بھگتنے کے بعد جنم لےگا ان خامیوں سے مفر نہیں ہے۔ حق ایسی چیز نہیں ہے جو معاشی نظام سے اور اس نظام کے لائے ہوئے سماج کی تہذیبی ترقی سے بالاتر ہو۔

کمیونسٹ سماج کے اعلی دور میں جب آدمی کو محنت کی تقسیم کے شکنجے میں کسنا ختم ہو جائےگا، جب تقسیم محنت کے ساتھ ساتھ ذہنی اور جسمانی محنت کا تضاد جاتا رہےگا، جب محنت صرف زندگی برقرار رکھنے کا ذریعہ نہ رہ جائےگی بلکہ زندگی کا اولین تقاضا بن چکی ہوگی، جب فرد کی ہر پہلو، ہر جہت سے ترقی کے دوش بدوش پیداواری طاقتیں بھی بڑھ چکی ہوں‌گی اور سماجی دولت کے سارے ندی نالے مل کر ایک بھرپور دھارا بن چکے ہوں گے، تب جاکر بورژوا حق کے تنگ دائرے سے نجات ملےگی اور سماج اپنے پرچم پر یہ اعلان لکھ سکےگا: ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے مطابق، ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق!

ایک طرف ''کٹوتی کے بغیر محنت کا حاصل،، سے بحث کرنے میں، دوسری طرف ''برابر کا حق،، اور ''منصفانہ تقسیم،، پر میں نے بڑی تفصیل سے کام لیا ہے تاکہ یہ دکھا سکوں کہ یہ کوشش کرنا کتنا بڑا جرم ہے کہ ایک تو ہماری پارٹی کے سر وہ خیالات اٹل عقیدے کی طرح پھر سے منڈھے جائیں جو کبھی کسی دور میں بامعنی تھے، لیکن وقت گزرنے پر اپنی وقعت اور معنویت بالکل کھو چکے ہیں، دوسرے، حقیقت‌پسندانہ خیال میں بھی جو بڑی مشکلوں کے بعد اب کہیں جاکر پارٹی میں رائج ہوا ہے حقوق وغیرہ کی فضول

نظریاتی باتوں کے ذریعے جو ڈیموکریٹوں اور فرانسیسی سوشلسٹوں کی پرانی عادت ہے کج روی پیدا کی جائے۔

اوپر جتنی کچھ بحث کی گئی ہے اس سے قطع نظر یوں بھی نام‌نہاد تقسیم پر اس قدر زور دینا اور اسی کو خاص کر ابھارنا غلط ہے۔

سامان صرف کی تقسیم، چاہے وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، ہمیشہ خود پیداواری شرائط کی تقسیم کا ایک لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ اور پیداواری شرائط کی تقسیم سے صرف طرز پیداوار کی نوعیت کا اظہار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کی بنیاد اس حقیقت پر قائم ہے کہ پیداوار کی مادی شرائط سرمائے اور زمینی جائیداد کی شکل میں ان لوگوں کے ہاتھ ہوتی ہیں جو خود مزدور نہیں ہوتے اور عام لوگ پیداوار کی صرف ذاتی شرائط کے یعنی قوت‌محنت کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر پیداوار کے عناصر اس طرح بٹے ہوئے ہیں تو سامان صرف کی موجودہ تقسیم خودبخود ہو جاتی ہے۔ اور اگر پیداوار کی مادی شرائط خود مزدوروں کی باہمی ملکیت میں ہوں تو اس سے جو سامان صرف کی تقسیم ہوگی وہ آجکل کی تقسیم سے مختلف ہوگی۔ عامیانہ سوشلزم نے (اور وہاں سے جمہوریت کے ایک حصے نے) بورژوا ماہرین معاشیات سے یہ سیکھا کہ تقسیم کو طرز پیداوار سے بے‌تعلق اور بے‌نیاز کرکے اس طرح دیکھا اور برتا جائے چنانچہ معاملے کو یوں پیش کرنا سیکھ گئے گویا سوشلزم زیادہ‌تر تقسیم کے سوال کے گرد گھومتا ہے۔ لیکن جب ان دونوں کا اصلی تعلق بہت زمانہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے تو اب اس کی طرف پلٹنے کی کیا ضرورت ہے؟

۴۔ ''محنت کو آزاد کرنا مزدور طبقے ہی کا کام ہونا چاہئے، جس کے تعلق سے باقی سارے طبقے صرف ایک رجعت‌پرست ہجوم رہ جاتے ہیں،،۔

جملے کا پہلا ٹکڑا انٹرنیشنل کے قواعد وضوابط کی تمہید سے لیا گیا ہے لیکن اس پر بھی اصلاح کا قلم پھیر دیا گیا۔ وہاں یہ جملہ یوں تھا: ''مزدور طبقے کو آزاد کرنا خود مزدوروں ہی کا کام ہونا چاہئے۔،، یہاں الٹا یہ کہا گیا کہ ''مزدور طبقہ،، آزاد

کرے - کس کو؟ - ''محنت کو''- کوئی بھی اسے اگر سمجھ سکتا ہو تو سمجھ کر دکھائے!

اس کی تلافی کے طور پر پہلے بیان کا توڑ صاف طور سے لاسال کے ہاں سے لیا گیا ہے کہ ''جس کے تعلق سے باقی سارے طبقے صرف ایک رجعت‌پرست ہجوم رہ جاتے ہیں''۔

''کمیونسٹ مینی‌فسٹو'' میں کہا گیا ہے: ''بورژوا طبقے کے روبرو اس وقت جتنے طبقے کھڑے ہیں، ان سب میں ایک پرولتاریہ ہی حقیقت میں انقلابی ہے۔ دوسرے طبقے جدید صنعت کے مقابلے میں زوال‌پذیر اور بالآخر ناپید ہوتے جاتے ہیں۔ پرولتاریہ اس کی مخصوص اور لازمی پیداوار ہے۔'' *

یہاں اس بیان میں بھاری صنعت لانےوالے کی حیثیت سے بورژوازی کو ایک انقلابی طبقہ قرار دیا گیا اور ایسا جاگیرداروں اور درمیانی طبقوں کی نسبت سے کہا گیا ہے جن کی تمنا ہوتی ہے کہ اپنی وہ ساری سماجی حیثیتیں بھی سنبھالے رہیں جو پرانی طرز پیداوار کی دین تھیں۔ چنانچہ وہ دونوں طبقے بورژوازی سمیت صرف ایک رجعت‌پرست ہجوم نہیں ہوتے ہیں۔

دوسری طرف پرولتاریہ ایک انقلابی طبقہ ہے بورژوازی کی نسبت سے کیوں کہ وہ بھاری صنعت کے بل پر ابھرتا ہے اور پیداوار پر سے وہ سرمایہ‌دارانہ بندھن اتارنے کی فکر میں رہتا ہے جنھیں بورژوازی ہمیشہ بنائے رکھنا چاہتی ہے۔ ''کمیونسٹ مینی‌فسٹو'' نے یہ بھی اضافہ کیا کہ ''نچلے متوسط طبقے'' اس امر کے پیش‌نظر انقلابی ہوتے جا رہے ہیں کہ ''ان کے پرولتاریہ بن جانے کی گھڑی قریب آپہنچی ہے۔''

اس نقطۂ‌نظر سے دیکھئے تو یوں کہنے کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے کہ گویا مزدور طبقے کی نسبت سے یہ لوگ ''بورژوازی کے ساتھ'' بلکہ اور بڑھا دیجئے کہ جاگیرداروں کے ساتھ مل کر ''صرف ایک رجعت‌پرست ہجوم رہ جاتے ہیں۔''

کیا پچھلے چناؤ کے موقع پر دستکاروں کو، چھوٹے موٹے کارخانہ‌داروں وغیرہ اور کسانوں کو خطاب کرکے یہی کہا گیا

---

* ملاحظہ ہو اس ایڈیشن کا صفحہ ۳۰۔ (ایڈیٹر)

تھا کہ ''ہماری نسبت سے آپ لوگ بورژوا اور جاگیرداروں سمیت صرف ایک رجعت‌پرست ھجوم بنتے ھیں''؟

لاسال کو ''کمیونسٹ مینی‌فسٹو'' اسی طرح زبانی یاد تھا جیسے اس کے چیلوں کو اپنے استاد کی حدیثیں یاد ھیں۔ تب اگر اس نے ''مینی‌فسٹو'' کو بری طرح سوڑا توڑا ھے تو صرف اس غرض سے کہ بورژوازی کے خلاف سطلق حمکرانی پرست اور جاگیردارانہ مخالفین کے ساتھ اپنے اتحاد کو اچھے رنگ میں پیش کرسکے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ھے کہ مذکورہ بالا پیراگراف میں بڑی ھوشیاری سے لاسال کا قول بال باندھ کر اٹکا دیا گیا ھے حالانکہ اسے انٹرنیشنل کے قواعد و ضوابط کے اس اصلاح‌شدہ حوالے سے دور کا بھی کوئی سروکار نہیں تھا۔ چنانچہ ھمارے سامنے جو چیز آئی وہ بے حیائی کا ایک نمونہ ھے، جو مسٹر بسمارک کو بھی ناپسند نہ ھوگا، اور ان گھٹیا قسم کی شرارتوں میں سے ھے جن کا کاروبار برلن کا مرات (۱۱) کیا کرتا ھے۔

۵۔ ''مزدور طبقہ اپنی آزادی حاصل کرنے کےلئے اول تو عہدحاضر کی قومی ریاست کے دائرے میں رہ کر کوششیں کرتا ھے، یہ جانتے ھوئے کہ ان کوششوں کا، جو سارے مہذب ملکوں کے مزدوروں میں مشترکہ ھیں، یہ لازمی نتیجہ ھوگا کہ قوموں میں بین‌الاقوامی برادری بنے۔''

''کمیونسٹ مینی‌فسٹو'' اور پہلے کے تمام سوشلزم کے برخلاف لاسال نے مزدور تحریک کو نہایت ھی تنگ قومی نقطۂ نظر سے دیکھا تھا۔ اب اسی کی نقالی کی جارھی ھے — وہ بھی اس وقت جب انٹرنیشنل اپنی کارگذاری دکھا چکی!

یہ بات بغیر کہے ظاھر ھے کہ یوں بھی مزدور طبقے کو لڑنے کے قابل ھونے کےلئے خود اپنے ملک میں طبقے کی حیثیت سے اپنے آپ کو منظم کرنا لازمی ھے اور اس لڑائی کا جو اکھاڑا سامنے ھے وہ خود اس کا ملک ھے۔ یہاں تک تو اس کی طبقاتی جدوجہد قومی ھوتی ھے، اپنے جوھر کے اعتبار سے نہیں بلکہ ''کمیونسٹ مینی‌فسٹو'' کے بقول اپنی 'ھیئت کے اعتبار سے''۔ تاھم ''آجکل کی قومی ریاست کا دائرہ''، مثلاً جرمن سلطنت کا قومی دائرہ خود

معاشی حیثیت سے ''عالمی منڈی کی چاردیواری کے اندر'' محدود ہوتا ہے اور سیاسی حیثیت سے وہ ''ریاستوں کے ایک نظام کی حدوں میں'' رہتا ہے۔ ہر ایک بیوپاری واقف ہے کہ جرمنی کی تجارت جرمن ہونے کے ساتھ ساتھ غیرملکی بھی ہے اور مسٹر بسمارک کی عظمت قطعی طور سے اس بات میں ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی بین الاقوامی پالیسی بھی چلا رہے ہیں۔

جرمن مزدور پارٹی اپنی بین الاقوامیت کو کدھر لے جا رہی ہے؟ اس شعور کی طرف کہ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ''قوموں کی بین الاقوامی برادری'' بنے۔ بورژوا انجمن ''امن و آزادی کی لیگ'' (۱۲) کے یہاں سے مانگا ہوا یہ جملہ اس جملے کی جگہ بٹھایا جا رہا ہے کہ حاکم طبقوں اور ان کی حکومتوں کے خلاف مشترکہ جدوجہد میں مختلف ملکوں کے مزدور طبقوں کی بین الاقوامی برادری ہو۔ چنانچہ جرمن مزدور طبقے کے بین الاقوامی فرائض منصبی کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا گیا۔ اس طرح سے جرمن مزدور طبقے کو اپنی بورژوازی کا مقابلہ کرنا ہے جو مزدور طبقے کے خلاف تمام ملکوں کی بورژوازی سے برادری کا رشتہ جوڑے ہوئے ہے اور مسٹر بسمارک کی بین الاقوامی سازشی پالیسی کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔

سچ پوچھئے تو گوتھا پروگرام کی بین الاقوامیت آزاد تجارت پارٹی کی بین الاقوامیت سے بھی نہایت پست سطح پر ہے۔ وہ پارٹی بھی یہی دعوی کرتی ہے کہ اس کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ''قوموں کی بین الاقوامی برادری بنے''۔ وہ اس غرض سے کچھ نہ کچھ کرتی تو ہے کہ تجارت کو بین الاقوامی بنائے اور صرف اس شعور سے مطمئن ہوکر نہیں بیٹھ رہتی کہ سب قومیں اپنے اپنے یہاں تجارت کر رہی ہیں۔

مختلف ملکوں کے مزدور طبقے کی بین الاقوامی سرگرمی ہرگز ''انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی ایشن'' کے وجود پر منحصر نہیں۔ یہ تو صرف پہلی کوشش تھی تاکہ اس سرگرمی کے لئے ایک مرکزی ادارہ کھولا جائے، اس سے جو ترغیب و تحریک ملی ایک یادگار کامیابی ثابت ہوئی، لیکن پیرس کمیون (۱۳) ٹوٹنے کے بعد اس کی اولین تاریخی شکل میں یہ کوشش آگے نہیں بڑھائی جا سکتی تھی۔

بسمارک کا «Norddeutsche» (شمالی جرمن) بالکل حق بجانب تھا کہ اس نے اپنے سالک کی تسکین کےلئے باآواز بلند کہہ دیا کہ جرمن مزدور پارٹی اس نئے پروگرام میں بین‌الاقوامیت سے صاف انکاری ہے (۱۴)۔

۲

''ان اصولوں کو نقطۂ آغاز بناکر جرمن مزدور پارٹی تمام قانونی راستوں پر گزرتی ہوئی آزاد ریاست اور سوشلسٹ سماج کی منزل کی جانب بڑھتی ہے تاکہ اجرتی نظام اپنے آہنی قانون سمیت مٹا دیا جائے اور استحصال کا اس کی تمام شکلوں کے ساتھ خاتمہ کیا جائے؛ ہر قسم کی سماجی اور سیاسی نابرابری دور کر دی جائے۔،،

''آزاد،، ریاست پر بحث ذرا بعد میں کروں گا۔

تو جرمن مزدور پارٹی کو آئندہ لاسال‌والے ''آہنی قانون،، پر بھی ایمان لانا ہوگا! گوتھا پروگرام میں اس کی گنجائش نکالنے کےلئے ایک مہمل ٹکڑا بڑھایا گیا یہ کہہ‌کر کہ ''اجرتی نظام (حالانکہ کہنا تھا: اجرتی محنت کا نظام) اپنے آہنی قانون سمیت مٹا دیا جائے،،۔ اگر میں اجرتی محنت کا نظام مٹاتا ہوں تو قدرتی بات ہے کہ اس کے قانون بھی مٹا دیتا ہوں، چاہے وہ ''آہنی،، ہوں یا نرم اسپنج جیسے ہوں۔ لیکن اجرتی محنت سے لاسال کی جنگ کم‌وبیش اسی نام‌نہاد قانون کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ چنانچہ صرف یہ دکھانے کےلئے کہ لاسل‌والے فرقے نے میدان مار لیا ہے ''اجرتی نظام،، مٹایا جانا چاہئے ''اپنے آہنی قانون سمیت،،، اس کے بغیر نہیں۔

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ''کام کی اجرت کے آہنی قانون،، والے ٹکڑے میں لفظ ''آہنی،، کے سوا لاسال کا کچھ بھی نہیں، اور یہ لفظ بھی گوئیٹے کی ایک نظم سے مستعار ہے، جہاں وہ کہتا ہے: ''یہ دائمی، آہنی، عظیم قانون،، — ''آہنی،، ایک بندھا ٹکا لفظ ہے جس سے ماننے‌والے ایک دوسرے کی شناخت کرتے ہیں۔ اب اگر میں قانون کو اس کی لاسال‌والی چھاپ کے ساتھ قبول

کرلوں، مطلب یہ کہ قانون کے وہی معنی ذہن میں رکھوں جو لاسال نے لئے ہیں تو مجھے اس کے استدلال بھی ماننے پڑیں گے۔ اور وہ کیا ہے لاسال کے انتقال کے تھوڑے ہی دنوں بعد لانگے نے ثابت کر دیا (اور خود لانگے ہی اس کی تبلیغ بھی کرتا ہے) کہ یہ نظریہ دراصل مالتھوس کا نظریۂ آبادی ہے (۱۰)۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہو تب بھی میں اس ''آہنی قانون'' کو نہیں مٹا سکتا، چاہے اجرتی محنت سو بار مٹا دوں کیوں کہ وہ قانون صرف اجرتی محنت کے نظام پر نہیں بلکہ ہر ایک سماجی نظام پر حاوی ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی بنیاد پر کھڑے ہو کر ماہرین معاشیات پچھلے پچاس سال بلکہ اور زیادہ عرصے سے کہہ رہے ہیں کہ سوشلزم غریبی کو دور نہیں کر سکتا، کہ اس کی جڑیں تو فطرت میں پیوست ہیں، البتہ غریبی کو عام کر سکتا ہے، اسے سماج کی پوری سطح پر یکساں طور سے پھیلا سکتا ہے۔

لیکن اصل بحث یہ نہیں ہے۔ لاسال نے قانون کا جو غلط مفہوم پیش کیا ہے اس سے بالکل قطع نظر صحیح معنوں میں گھناؤنی پسپائی آگے دکھائی گئی ہے۔

لاسال کی موت کے بعد اس علمی تصور نے ہماری پارٹی کے اندر جگہ بنائی کہ اجرتیں وہ نہیں ہوتیں جو نظر آتی ہیں یعنی محنت کی قدر یا قیمت نہیں ہیں بلکہ قوت محنت کی قدر یا قیمت کی ایک درپردہ شکل ہیں۔ چنانچہ تب تک اجرت کا جو بورژوا تصور چلا آتا تھا وہ اور اس پر جتنی کچھ نکتہ‌چینی ہو چکی تھی، وہ سب ہمیشہ کے لئے رد کر دئے گئے اور یہ بات صاف ہو گئی کہ اجرت پر کام کرنے والے کو اپنی گزراوقات کے لئے یعنی زندہ رہنے کے لئے کام کرنے کی اجازت اسی وقت تک ہے جب تک وہ کچھ وقت بے‌معاوضہ کام بھی کرے سرمایہ‌دار کی خاطر (اور اسی میں یہ بھی کہ اور لوگ جو قدر زائد خرچ کرنے میں سرمایہ‌دار سے ساجھا کرتے ہیں، ان کی خاطر)؛ اور یہ کہ پیداوار کا پورا سرمایہ‌دارانہ نظام اسی مفت محنت میں اضافہ کرکے چلتا ہے یا تو کام کے گھنٹے بڑھاکر یا محنت کی پیداواری صلاحیت بڑھاکر یا یوں کہئے کہ محنت کی قوت میں شدت پیدا کرکے وغیرہ؛ اور یہ کہ اجرتی محنت کا نظام غلامی ہی کا ایک نظام رہتا ہے، ایسی غلامی کا نظام

کہ محنت کی سماجی پیداواری طاقتیں جوں جوں بڑھتی جاتی ہیں یہ غلامی بھی شدید ہوتی جاتی ہے، چاہے اس میں محنت کرنےوالے کو اچھے دام ملتے ہوں یا برے۔ جب اجرتوں کے بارے میں یہ تصور ہماری پارٹی میں زیادہ سے زیادہ ذہن‌نشین ہو چکا تو اب لاسال کے اٹل عقیدے کی طرف پھر رخ کیا جارہا ہے، حالانکہ یہ معلوم ہو جانا چاہئے تھا کہ لاسال کو خبر ہی نہ تھی کہ اجرت کیا ہوتی ہے لیکن بورژوا ماہرین معاشیات کی دیکھا دیکھی وہ بھی ظاہر کو معاملے کا جوہر سمجھ بیٹھا تھا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے ان غلاموں میں جن پر غلامی کا راز کھل چکا ہو اور جنھوں نے شورش برپا کر دی ہو، ایک ایسا بھی ہو جو ابھی تک پرانے خیالات کے شکنجے میں پڑا ہوا شورش کے پروگرام میں یہ لکھ رہا ہے: غلامی کا خاتمہ ہونا چاہئے کیوں کہ غلامی کے نظام کے ہوتے غلاموں کا راتب ایک پست حد سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

یہی ایک بات کہ ہماری پارٹی کے نمائندوں کے ہاتھوں اس تصور پر جو پارٹی میں عام طور سے ذہن‌نشین ہو چکا ہے ایسی مہلک ضرب لگائی جائے، کیا یہ ثابت نہیں کرتی کہ اس سمجھوتے کے پروگرام کی تیاری میں انھوں نے کس قدر مجرمانہ غفلت اور بےشعوری سے عمل کیا ہے۔

پیراگراف کے آخر میں اس مبہم سے جملے پر تمام کرنے کی بجائے کہ ”ہر قسم کی سماجی اور سیاسی نابرابری دور کر دی‌جائے“، انھیں یوں کہنا چاہئے تھا کہ طبقاتی اونچ نیچ مٹنے کے ساتھ ساتھ اس سے ابھرنےوالی ہر قسم کی سماجی اور سیاسی نابرابری بھی آپ سے آپ دور ہو جائےگی۔

۳

”سماجی مسئلے کے حل کا راستہ نکالنے کےلئے جرمن مزدور پارٹی کی مانگ ہے کہ پیداواری کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی جائیں جنھیں سرکاری امداد حاصل ہو اور محنت کرنےوالوں کا جمہوری کنٹرول رہے۔ یہ کوآپریٹیو سوسائٹیاں صنعت اور زراعت دونوں میں اتنے بڑے پیمانے پر وجود میں لائی جائیں کہ ان سے مجموعی محنت کی سوشلسٹ تنظیم ابھرے۔“

''اجرت کا آهنی قانون،، تو لاسال نے لگایا هی تھا، اب زخم کا سرهم بھی اسی پیغمبر کے هاں سے سلا - ''راسته نکالنے،، کی بہت معقول تجویز سوچی گئی - موجوده طبقاتی کشمکش کی بجائے اخباری قلم گھسیٹ جمله جڑ دیا گیا ہے ''سماجی مسئله،، جس کے ''حل کا،، ''راسته نکالنا،، هے - سماج کو بدلنے کے انقلابی عمل کی جگه ''مجموعی محنت کی سوشلسٹ تنظیم،، ''ابھرتی،، هے ''سرکاری امداد،، سے جو کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو دی جائے گی اور سرکار هی کے دم سے ''وه وجود میں لائی جائیں گی،، مزدوروں کے دم سے نہیں - لاسال کی خیال آرائی کے عین مطابق هے یه بات گویا سرکاری امدادی رقم سے نیا سماج اسی آسانی کے ساتھ بن کر تیار هو جائے گا جیسے نئی ریلوے لائن بنتی هے -

جو برائے نام شرم باقی ره گئی هے اس کی بنا پر ''سرکاری امداد،، کو ''محنت کرنے والوں،، کے جمہوری کنٹرول میں دے دیا گیا -

اول تو یه که ''محنت کرنے والوں،، کی اکثریت جرمنی میں کسانوں کی هے پرولتاریوں کی نہیں -

دوسرے یه که لفظ ''جمہوری،، کا مطلب جرمن میں «Volksherr-schaftlich» (یعنی جمہور کے هاتھ میں طاقت) هوتا هے - سوال هوگا که ''محنت کرنے والے جمہور کے هاتھ میں طاقت کا کنٹرول،، کیا معنی؟ خاص کر ان محنت کرنے والوں کے معاملے میں، جو ریاست کے سامنے اپنی مانگ پیش کرکے پوری طرح یه مانے لے رهے هیں که نه تو ان کے هاتھ میں طاقت هے، نه وه طاقت لینے کے قابل هوئے هیں -

یہاں اس نسخے کی تنقیح غیرضروری معلوم هوتی هے جو کبھی لوئی فلپ کی شاهی حکومت میں بیوشے نے فرانسیسی سوشلسٹوں کے توڑ پر تجویز کیا تھا اور جسے کاریگروں کے ترجمان رساله ''آتیلیئے،، «Atelier» (۱٦) کے رجعت پرست مزدوروں نے قبول بھی کر لیا تھا - اصل مصیبت یه نہیں که پروگرام میں ایسی کراماتی تدبیر جوڑ دی گئی بلکه یه هے که طبقاتی تحریک کے نقطهٔ نظر سے پیچھے هٹ کر ایک فرقه بند تحریک کے نقطهٔ نظر کی طرف یونہی الٹا قدم بڑھایا جارها هے -

جب مزدور پورے سماج کے پیمانے پر کوآپریٹیو (باهمی)

پیداوار کےلئے حالات پیدا کرنے کی اور سب سے پہلے قومی پیمانے پر ایسا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو اس کا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وہ موجودہ حالت پیداوار کو انقلاب پذیر کرنے کےلئے لڑرہے ہیں اور ریاستی امداد سے کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کرنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جہاں تک موجودہ کوآپریٹیو سوسائٹیوں کا تعلق ہے تو وہ صرف وہیں تک قابل قدر ہیں جہاں تک بذات خود مزدوروں کی قائم کی ہوئی ہوں، نہ انھیں سرکاری سرپرستی حاصل ہو اور نہ بورژوازی کی۔

٤

اب میں جمہوری حصے کی طرف آتاہوں۔

الف: ''ریاست کی آزاد بنیاد،،۔

سب سے اول بات یہ کہ باب نمبر دو کے مطابق جرمن مزدور پارٹی ''آزاد ریاست،، کی آرزومند ہے۔

یہ ''آزاد ریاست،، کیا ہوتی ہے؟

ریاست کو ''آزاد،، کرنا ہرگز ان مزدوروں کی منزل مقصود نہیں ہے جو فرماں‌بردار رعایا کی تنگ ذہنیت سے آزاد ہو چکے ہوں۔ جرمن سلطنت میں ''ریاست،، قریب قریب اتنی ہی ''آزاد،، ہے جتنی روس میں۔ آزادی اس بات میں ہے کہ ریاست کو ایسے ادارے کی بجائے جو سماج کے اوپر مسلط ہو، ایسا ادارہ بنایا جائے جو سماج کا تابع ہو۔ اور آج بھی ریاست کی کوئی صورت اسی قدر کم یا زیادہ آزاد ہے جتنی وہ ''ریاست کی آزادی،، پر پابندی لگاتی ہے۔

جرمن مزدور پارٹی نے اگر کہیں یہ پروگرام اپنا لیا تو ظاہر کر دےگی کہ سوشلسٹ خیالات اس کی کھال کے اندر نہیں اترے۔ بجائے اس کی کہ وہ موجودہ سوسائٹی کو موجودہ ریاست کی ''بنیاد،، (اور یہ بات آئندہ ہر قسم کے سماجوں پر بھی صادق آتی ہے) سمجھ کر دیکھے (یا آئندہ کے سماج کو آئندہ کی ریاست کی بنیاد سمجھے) وہ الٹا یہ سمجھ رہی ہے کہ ریاست کوئی الگ سے اپنا وجود رکھتی ہے، جس کی خود اپنی ''ذہنی، اخلاقی اور آزادانہ بنیادیں،، ہوا کرتی ہیں۔

اس پروگرام میں ''عہد حاضر کی ریاست،، اور ''عہد حاضر کا سماج،، جیسے لفظوں کی جو بےجا بھرمار کی گئی ہے اور خود ریاست کا اس سے بھی بیجاغلط اور بھدا تصور قائم کر لیا گیا ہے جس کے سامنے اس نے اپنی مانگیں پیش کی ہیں، اس کے بارے میں کیا کہا جائے؟

''عہد حاضر کا سماج،، وہی سرمایہ‌دارانہ سماج ہے جو تمام مہذب ملکوں میں ازمنہ وسطی کے رگ و ریشے سے کم‌وبیش پاک ہر ایک ملک کی تاریخی ترقی کی خصوصیات کے تحت کم‌وبیش تبدیل‌شدہ اور کم‌وبیش ترقی‌یافتہ ہے۔ لیکن ''عہد حاضر کی ریاست،، کو دیکھئے تو وہ ہر ملک کی سرحدوں کے ساتھ ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ پرشا جرمن سلطنت میں وہ سوئٹزرلینڈ سے مختلف ہے، انگلینڈ میں اس کی حالت ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ سے مختلف ہے۔ مطلب یہ کہ ''عہد حاضر کی ریاست،، محض ایک افسانہ ہے۔

مختلف تہذیب‌یافتہ ملکوں کی مختلف ریاستوں میں رنگ روپ کا چاہے کتنا ہی فرق ہو، تاہم ان سب میں ایک یہ بات مشترک ہے کہ ان کی بنیاد نئے زمانے کے بورژوا سماج پر ہے۔ کسی میں سرمایہ‌دارانہ ترقی زیادہ ہوئی ہے، کسی میں کم۔ اسی لئے ان کی بعض خاصیتیں بھی مشترک ہیں۔ صرف ان معنوں میں ''عہد حاضر کی ریاست،، کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے کہ وہ آئندہ کی اس ریاست سے الگ چیز ہے جب اس کی موجودہ جڑ یعنی بورژوا سماج کا خاتمہ ہوچکا ہوگا۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کمیونسٹ سماج میں ریاست کی کایاکلپ کیسی ہوگی؟ دوسرے لفظوں میں سوال یہ ہے کہ تب وہ کونسی سماجی کارگذاریاں رہ جائیں‌گی جو آج کی سرکاری کارگذاریوں سے میل کھاتی ہیں؟ اس سوال کا صرف علمی جواب دیا جا سکتا ہے۔ ہزاروں بار اگر لفظ ''جمہور،، کو ''ریاست،، سے جوڑ دیا جائے تب بھی ہم اس مسئلے کے حل کے ذرا بھی نزدیک نہیں پہنچیں‌گے۔

سرمایہ‌دارانہ اور کمیونسٹ سماج کے درمیان ایک دور ایسا گزرتا ہے جس میں ایک کو دوسرے میں ڈھالنے کا انقلابی عمل انجام پاتا ہے۔ اسی کی مناسبت سے ایک ایسا سیاسی عبوری دور بھی

گزرتا ہے کہ اس دور کی ریاست پرولتاریہ کی انقلابی ڈکٹیٹرشپ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔

مگر پروگرام کو دیکھئے تو وہاں نہ اس سے بحث ہے، نہ کمیونسٹ سماج کی آئندہ ریاستی حیثیت سے۔

اس کی سیاسی مانگوں میں بھی کچھ نہیں رکھا، سوائے اس کے کہ وہی جانی پہچانی جمہوری رٹ لگائی گئی ہے: عام رائے دہندگی کا حق، براہ‌راست قانون‌سازی، جمہوری حق، والنٹیر پولیس (ملیشیا) وغیرہ۔ یہ سب باتیں بورژوا عوامی پارٹی اور امن و آزادی کی لیگ کی محض صدائے بازگشت ہیں۔ یہ وہی مطالبے ہیں کہ اگر انھیں پیش کرنے میں بڑھا چڑھا کر لفاظی سے کام نہ لیا جائے تو پہلے ہی مل چکے ہیں۔ صرف اتنا ہے کہ جس ریاست میں یہ حقوق مل چکے وہ جرمن سلطنت کی حدوں کے اندر موجود نہیں بلکہ سوئٹزرلینڈ میں ہے، ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ میں ہے وغیرہ۔ اس قسم کی ''آئندہ کی ریاست،، عہد حاضر کی ریاست ہے البتہ اس کا وجود جرمن سلطنت کے چوکھٹے سے باہر ہے۔

مگر ایک بات بھول ہی گئے۔ چوں کہ جرمن مزدور پارٹی نے صاف طور سے جتا دیا ہے کہ وہ ''عہدحاضر کی قومی ریاست،، کے اندر عمل کرےگی یعنی خود اپنی ریاست کے اندر، پرشا جرمن سلطنت کی حدوں میں (ورنہ یہ مطالبے باہر کی دنیا میں بےمعنی ہو جاتے کیونکہ وہی تو طلب کیا جاتا ہے جو میسر نہیں ہے) ایسی حالت میں اسے سب سے بڑی بات نہ بھولنی چاہئے تھی۔ وہ بات یہ کہ اس نے جتنی پیاری پیاری مانگیں کی ہیں ان کا دارومدار ہے اس چیز کے تسلیم کئے جانے پر جسے عوام کا اختیار اعلی کہتے ہیں، اس لئے وہ صرف جمہوری ریپبلک میں ممکن ہیں۔

اگر جمہوری ریپبلک طلب کرنے کی ہمت نہیں تھی، جیسا کہ فرانسیسی مزدوروں نے بادشاہ لوئی فلپ کے اور لوئی بوناپارٹ کے زمانے میں اپنے پروگراموں میں مطالبہ کیا تھا (اور پھر یہاں حالات کا تقاضا تھا کہ احتیاط سے کام لیا جائے) تو وہ کرتب دکھانا کیا ضرور تھا جس میں نہ ''ایمانداری،، ہے، نہ معقولیت، اور مطلب یہ کہ ایسی چیزیں مانگی جائیں جو صرف جمہوری ریپبلک میں ہی کچھ معنی رکھتی ہیں، وہ بھی اس ریاست سے جس کی

حقیقت سوائے اس کی کچھ نہیں کہ پولیس کی حفاظت میں فوجی مطلق العنانی ہے، اوپر سے پارلیمنٹری جھالر ٹنکی ہوئی ہے اور اندر سے جاگیرداری ریشے بھرے ہیں، بیک وقت بورژوازی کا بھی پورا اثر پڑتا ہے اور سرکاری عہدیداروں کی بھی ریشہ‌دوانی چلتی ہے اور سب پر طرہ یہ کہ اس قسم کی ریاست کو شان کے ساتھ یہ یقین دلایا جا رہا ہے کہ اس کے ہاتھ سے ہمیں کچھ حاصل وصول کر لینے کا گمان ہے ''قانونی ذریعوں سے''!

عامیانہ جمہوریت بھی، جسے جمہوری رپبلک میں حکومت الہیہ کا ہزارسالہ دور زمین پر اترتا نظر آتا ہے اور جسے دور دور گمان نہیں گزرتا کہ بورژوا سماج کی یہ تازہ‌ترین صورت (جمہوری رپبلک) ہی وہ وقت ہے جب طبقاتی جدوجہد کا فیصلہ ہتھیاروں سے ہو جانا چاہئے، وہ جمہوریت تک اس قسم کی جمہوریت‌پسندی سے کہیں بلندوبرتر ہے جس نے خود کو انہی حدوں کے اندر رکھا جن کی روادار پولیس تو ہو، منطق نہ ہو۔

لفظ ''ریاست'' سے حقیقت میں کیا مراد ہے — حکومت کی مشین یا ریاست، جو تقسیم محنت کے اصول سے وہ اپنا ایک خاص اور سماج سے الگ تھلگ وجود بنا لیتی ہے، یہ بات کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے ان الفاظ سے کہ ''جرمن مزدور پارٹی یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ریاست کی معاشی بنیاد کی حیثیت سے بڑھتی آمدنی پر بتدریج بڑھتا ہوا انکم ٹیکس ہونا چاہئے'' وغیرہ۔ ٹیکس حکومت کی مشینری کی معاشی بنیاد ہوتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ''آئندہ کی ریاست'' میں جو فی‌الحال سوئٹزرلینڈ میں موجود ہے یہ مطالبہ تقریباً پورا کیا جا چکا ہے۔ انکم ٹیکس میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ مختلف سماجی طبقوں کی آمدنی کے مختلف ذرائع ہوتے ہیں یعنی سماج سرمایہ‌دارانہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ شہر لیورپول (انگلینڈ) کے مالیاتی اصلاح‌پسند بورژواؤں نے وزیر اعظم گلیڈسٹن کے بھائی کی سربراہی میں وہی مطالبات آگے بڑھائے جو زیربحث پروگرام میں موجود ہیں۔

۱۸۷۵ء کے اپریل اور
مئی کے شروع میں لکھا گیا۔

اینگلس
کارل مارکس

(اقتباس)

ایسی بہت سی دریافتیں ہیں جن کی بدولت مارکس نے علم کی تاریخ میں اپنا نام ثبت کر دیا ہے۔ ہم ان میں سے یہاں صرف دو کا ذکر کریں گے۔

اول تو وہ انقلاب جو مارکس نے عالمی تاریخ کے پورے نظریے میں برپا کر دیا۔ مارکس سے پہلے تاریخ کو دیکھنے کی تہہ میں یہ تصور کارفرما تھا کہ جتنی کچھ تاریخی تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کے اسباب تلاش کرنے کےلئے لوگوں کے بدلتے ہوئے خیالات پر نظر ڈالنی چاہئے اور یہ کہ جتنی بھی تاریخی تبدیلیاں ہوئی ہیں ان میں سیاسی تبدیلیاں سب سے اہم ہیں اور وہی بالآخر پوری تاریخ پر حاوی رہتی ہیں۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ ایسے خیالات آدمی کے ذہن میں کہاں سے آجاتے ہیں اور سیاسی تبدیلیوں کے اصل محرک اسباب کیا ہوتے ہیں۔ صرف کچھ عرصے سے فرانسیسی اور بعض انگریزی مؤرخین میں یہ نیا رجحان پیدا ہوا اور وہ اس یقین کے آگے جھک گئے کہ کم از کم ازمنۂ وسطی سے اب تک یورپی تاریخ کی محرک قوت اٹھتی ہوئی بورژوازی تھی جس نے جاگیردار اشراف سے سماجی اور سیاسی اقتدار چھیننے کےلئے جدوجہد کی۔ مارکس نے اب یہ ثابت کر دیا کہ نوع انسانی کی پہلے کی تمام تاریخ طبقاتی جدوجہد کی تاریخ ہے اور یہ کہ اب تک جتنی بھی نوع بنوع اور پیچ در پیچ سیاسی کشمکشیں چلتی رہی ہیں ان میں

اصل سوال سماجی طبقوں کے معاشرتی اور سیاسی اقتدار کا تھا۔ پرانے طبقے اس پر بضد رہتے کہ اپنا غلبہ ہاتھ سے نہ جانے دیں اور نئے ابھرتے ہوئے طبقے اس پر کمربستہ ہوتے کہ ان سے اقتدار چھین لیں۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ ان طبقوں کی ابتدا اور ان کا مسلسل وجود کیوں ہے؟ وہ خاص مادی حالات کی بدولت، جسمانی طور پر محسوس حالات کی بدولت ہوتے ہیں جن میں کوئی بھی سماج تاریخ کے ایک مخصوص دور میں اپنی گذربسر کا سامان پیدا کرتا ہے اور اسی کا تبادلہ کرتا ہے۔ ازمنۂ وسطی میں جاگیردارانہ اقتدار کا پایہ اسی پر جما ہوا تھا کہ چھوٹی چھوٹی کاشتکار برادریوں کی خودکفیل معیشت تھی جس میں یہ لوگ اپنی ضرورت کا تقریباً تمام سامان آپ ہی پیدا کر لیا کرتے تھے اور تبادلہ برائے نام ہوتا تھا، ہتھیاربند امیروں کی طرف سے ان کو باہر کے حملے سے امان اور قومی یا کم‌ازکم سیاسی یکجائی بھی ملتی تھی۔ جب دیہات سے شہر ابھرے تو انھی کے ساتھ علحدہ دستکاری اور تجارتی تبادلہ آئے، شروع میں اندرونی حدوں میں اور آگے چل کر بین‌الاقوامی تبادلہ بڑھا، تو شہری بورژوازی نے ہاتھ پاؤں نکالے جس نے ازمنۂ وسطی ھی میں اشراف سے لڑبھڑکر جاگیردارانہ نظام میں مراعات رکھنے‌والا اپنا خاص رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ بعد میں جب یورپ سے باھر کی دنیا کا پتہ چلا تو پندرھویں صدی کے وسط سے بورژوازی کو دور دور تک کاروبار کے پھیلاؤ کا میدان ملتا گیا اور اس کی صنعت کو اور سہمیز ہوئی۔ جو زیادہ اہم شاخیں تھیں ان میں دستکاری کی جگہ کارخانہ‌داری آتی گئی اور فیکٹری کے پیمانے پر کام ہونے لگا جو اور آگے بڑھا تو بڑے پیمانے کی صنعت میں تبدیل ہو گیا کیوں‌کہ پچھلی صدی کی ایجادوں، خاص‌کر بھاپ کے انجن نے بڑے پیمانے کی صنعت کی راہ کھول دی تھی۔ بڑے پیمانے کی صنعت کی باری آئی تو اس نے تجارت پر یوں اثر ڈالا کہ پچھڑے ہوئے ملکوں میں جسمانی محنت کو بےدخل کر دیا اور زیادہ ترقی‌یافتہ ملکوں میں آجکل کے رسل‌ورسائل کے نئے ذریعے پیدا کر دئے جیسے دخانی جہاز، ریلوے، تار برقی۔ چنانچہ بورژوازی اپنی مٹھی میں زیادہ سے زیادہ سماجی دولت بھی دباتی گئی اور سماجی طاقت بھی۔ لیکن ایک عرصہ گزر گیا اور سیاسی اختیارات اس کے

ہاتھ نہ آئے۔ وہ ابھی تک اشراف کے قبضے میں اور اس بادشاہی کے ہاتھ میں تھے جس کی پشت پر یہ سردار کھڑے تھے۔ آخر ایک مرحلے پر پہنچ کر، جو فرانس میں انقلاب عظیم کے بعد آیا، بورژوازی نے سیاسی اقتدار پر بھی ہاتھ ڈال دیا اور اب وہ پرولتاریہ اور چھوٹی حیثیت کے کسانوں پر ایک حاکم طبقہ بن گئی۔ اس نظر سے دیکھا جائے تو تاریخ انسانی کے تمام مظاہر انتہائی سادہ طریقے سے سمجھے اور سمجھائے جا سکتے ہیں بشرطیکہ سماج کی خاص معاشی حالت کا اچھا خاصا علم ہو، جو سچ پوچھئے تو ہمارے پیشہ‌ور مؤرخین میں سرے سے ناپید ہے۔ اور اسی طرح ہر ایک تاریخی دور کے تصورات اور خیالات کو لیا جائے تو انھیں نہایت آسانی سے زندگی کے معاشی حالات سے اور ان کے پیدا کئے ہوئے سماجی اور سیاسی رشتوں سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ تاریخ کو پہلی بار اس کی اصل بنیاد پر کھڑا کیا گیا۔ یہ سامنے کی بات تھی، اگرچہ پہلے کبھی اس پر نظر نہیں گئی کہ آدمی پہلے کھائے گا، پیے گا، سر چھپانے اور تن ڈھکنے کا ٹھکانا کرے گا، اس کے لئے کام کرنا ہوگا، تب کہیں اسے غلبے یا اقتدار کےلئے لڑنے کی ضرورت محسوس ہوگی، سیاست، مذہب اور فلسفے وغیرہ میں سر کھپائے گا۔ یہ سامنے کی بات آخر اپنے تاریخی قدوقامت کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

تاریخ کا یہ نیا تصور سوشلسٹ نظریات کےلئے اولین اہمیت کا مالک تھا۔ اس نے یہ دکھا دیا کہ آج تک کی جتنی تاریخ ہے وہ طبقوں کی معاندت اور طبقاتی کشمکش میں چلتی رہی ہے۔ ہمیشہ حاکم اور محکوم کا وجود رہا، لوٹنے اور لوٹے جانےوالے طبقے باقی رہے اور بنی نوع انسان کی بھاری اکثریت جان‌لیوا محنت اور حقیر سی زندگی پر سدا سے مجبور رکھی گئی۔ ایسا کیوں ہے؟ وجہ سیدھی سی یہ ہے کہ بنی‌نوع انسان کی ترقی کے جتنے مرحلے اب تک گزرے ہیں ان میں پیداوار کو اتنی کم ترقی ہوئی کہ تاریخی ترقی صرف معاندت کی صورت میں ہو سکتی تھی، کہ تاریخی ترقی مجموعی طور پر ایک چھوٹی سی مراعات رکھنےوالی اقلیت کی سرگرمی کے ذمے تھی، حالانکہ عام لوگ اس محنت میں لگے رہے جس سے وہ تنگی‌ترشی کے ساتھ اپنی گزر اوقات کا سامان اور صاحب مراعات

کا بڑھتا ہوا سامان راحت تیار کر سکیں۔ تاریخ کا یہی تصور ہے جو اس رخ سے اب تک کے طبقاتی اقتدار کی ایک قدرتی اور معقول تشریح پیش کرتا ہے، ورنہ صرف آدمی کی شیطنت ہی سے تشریح ممکن رہ جاتی۔ یہی تصور اتنا اور سجھا دیتا ہے کہ آج کے زمانے میں جب پیداواری طاقتیں بڑھتے بڑھتے اس انتہا کو پہنچ چکی ہیں تو کم‌ازکم زیادہ ترقی‌یافتہ ملکوں میں انسان کو حاکم و محکوم میں، لوٹنے اور لوٹے جانےوالے میں تقسیم کرنے کا آخری بہانہ بھی باقی نہیں رہا اور یہ بھی کہ حاکمانہ اختیار رکھنےوالی بورژوازی اپنا تاریخی مشن پورا کر چکی ہے اب وہ سماج کی رہنمائی کرنے کے قابل نہیں رہی بلکہ الٹے پیداوار کی ترقی میں حائل ہونے لگی ہے جیساکہ باربار کے کاروباری بحرانوں سے، خاص کر پچھلی زبردست صنعتی تباہی (۱۷) (collapse) سے اور تمام ملکوں میں صنعت کی گری ہوئی حالت سے ثابت ہو چکا ہے؛ اور یہ بھی کہ تاریخی رہنمائی کی باگ اب پرولتاریہ کے ہاتھ میں، اس طبقے کے ہاتھ میں آگئی ہے جو سماج میں اپنی حیثیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر طرح کی طبقاتی حکمرانی کو، فرماں‌برداری کو اور لوٹ کھسوٹ کو مٹاکر ہی اپنے آپ کو اس عذاب سے نجات دلا سکے؛ اور یہ بھی کہ سماجی پیداواری طاقتیں جو بڑھتے بڑھتے بورژوازی کے قابو سے باہر جا چکی ہیں اس انتظار میں ہیں کہ متحدہ پرولتاریہ ان کی باگ ڈور سنبھالے تاکہ وہ ایسا نظام قائم کر دے جس میں سماج کا ہر ایک فرد بشر نہ صرف یہ کہ پیداوار کے عمل میں شرکت کے قابل ہو جائے بلکہ سماجی دولت کی تقسیم اور اس کے انتظام میں بھی برابر شریک ہو۔ پوری پیداوار کی منصوبہ‌بند کارروائی کی بدولت سماجی پیداواری طاقتیں اتنی بڑھ جائیں‌گی، ان کا حاصل اتنا کچھ ہو جائےگا کہ ہر شخص کو اس کی تمام معقول و مناسب ضروریات کی تسکین کا سامان روزبروز زیادہ میسر آنا یقینی ہو جائے۔

مارکس کی دوسری اہم دریافت یہ ہے کہ انھوں نے سرمائے اور محنت کے رشتے کی ایک ایک کڑی کھول کر رکھ دی۔ دوسرے لفظوں میں مارکس نے ثابت کرکے دکھا دیا کہ موجودہ سماج کے چوکھٹے میں، سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کے سائے میں سرمایہ‌دار کے ہاتھوں مزدور کا استحصال کس طرح کیا جاتا ہے۔ جس دن

سے سیاسی معاشیات نے یہ کلیہ پیش کیا تھا کہ محنت ہی تمام دولت اور تمام قدر کا سرچشمہ ہے، تبھی سے یہ سوال اٹھنا لازمی تھا کہ پھر اس حقیقت کو کیسے گلے اتارا جائے کہ مزدوری پر کام کرنےوالے کو اپنی محنت سے پیدا کی ہوئی پوری قدر وصول نہیں ہوتی بلکہ اس قدر کا ایک حصہ سرمایہ‌دار کے حوالہ کرنا پڑتا ہے؟ بورژوا اور سوشلسٹ ماہرین معاشیات دونوں نے اپنا اپنا زور لگایا کہ اس سوال کا علمی لحاظ سے تسلی‌بخش جواب نکال کر لائیں، لیکن کچھ بات نہ بنی، صرف مارکس اس کا حل لے کر سامنے آئے۔ اور حل یوں ہے کہ عہد حاضر کی سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار ہی میں دو سماجی طبقوں کا وجود پہلے سے طے ہے۔ ایک طرف تو سرمایہ‌داروں کا طبقہ ہے جن کے قبضے میں ذرائع پیداوار بھی ہیں اور بسر کے ذریعے بھی، دوسری طرف پرولتاریوں کا طبقہ جو ہر طرح کی ملکیت سے محروم ہے، اور فروخت کرنے کےلئے صرف ایک مال یعنی اپنی قوت محنت کا مالک ہے۔ چنانچہ ان پرولتاریوں کو اپنی قوت محنت بیچنی پڑتی ہے تاکہ گزراوقات کا سامان حاصل کر سکیں۔ کسی بھی مال کی قدر چونکہ محنت کی اس مقدار سے طے پاتی ہے جو سماجی طور پر اس مال کی پیداوار میں (اور بار دیگر پیداوار میں بھی) لگنی ضروری ہو، لہذا اوسط درجے کے ایک آدمی کی ایک دن، ایک مہینے یا ایک سال کی قوت محنت کی قدر بھی محنت کی اس مقدار سے طے پائےگی جو اس قوت محنت کو ایک دن، ایک مہینے یا ایک سال کے دوران باقی رکھنےوالے گزراوقات کے ضروری سامان کی پیداوار میں کھپ جاتی ہو۔ یہاں ہم فرض کرتے ہیں کہ کسی مزدور کی ایک دن کی گزربسر کے لئے جو سامان درکار ہوتا ہے اس کی تیاری میں چھہ گھنٹے کی محنت لگتی ہے یا اسی کو یوں کہہ لیں کہ اس سامان میں جس قدر محنت کھپی ہے وہ چھہ گھنٹے کی محنت کی مقدار کے برابر ہے۔ تو ایک دن کی قوت محنت کی قدر اتنی رقم میں ظاہر ہوگی جو رقم اپنے اندر چھہ گھنٹے کی محنت رکھتی ہے۔ آگے ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ سرمایہ‌دار جس نے اس مزدور کو کام پر لگایا تھا اتنی رقم اسے معاوضے میں ادا کر دیتا ہے یعنی اس کی قوت محنت کی پوری قدر دے دیتا ہے۔ اب اگر مزدور نے دن کے چھہ گھنٹے سرمایہ‌دار

کے لئے کام کیا تو اس نے سرمایہ دار کے پورے دام چکا دئے کیوں کہ چھ گھنٹے کی محنت کے بدلے چھ گھنٹے دے دئے۔ اس طرح سرمایہ دار کو کچھ بھی وصول نہ ہوا۔ اور اب وہ اس معاملے کو بالکل دوسری طرح سے دیکھے گا۔ سرمایہ دار کہتا ہے: میں نے اس مزدور کی قوت محنت چھ گھنٹے کے لئے نہیں بلکہ پورے دن کے لئے خریدی ہے۔ پس وہ، جیسا بھی موقع ہو، اس سے آٹھ، دس، بارہ، چودہ یا اور زیادہ گھنٹے کام لیتا ہے تاکہ چھ سے اوپر ساتویں، آٹھویں یا بعد کے گھنٹوں کا حاصل بے معاوضہ محنت سے وصول ہو اور وہ سیدھا سرمایہ دار کی ہی جیب میں جائے۔ اس طرح سے وہ مزدور جو سرمایہ دار کی خدمت کرتا ہے نہ صرف یہ کہ اپنی قوت محنت کی قدر نکال کر دے دیتا ہے جس کا معاوضہ اسے مل گیا بلکہ اوپر سے ایک قدر زائد بھی پیدا کر دیتا ہے جسے شروع میں تو سرمایہ دار ھتھیاتا ہے لیکن آگے چل کر مقررہ معاشی قوانین کے مطابق وہ پورے سرمایہ دار طبقے میں بٹ جاتی ہے اور یہی اصل سرچشمہ ہوتا ہے جس میں سے زمین کا کرایہ، منافع اور بچاکر رکھا ہوا سرمایہ نکلتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ تمام دولت اسی میں سے آتی ہے جسے محنت نہ کرنے والے طبقے یا تو صرف کرتے ہیں یا ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آجکل کے سرمایہ داروں کے ہاتھوں دولت بنانے میں دوسروں کی بے معاوضہ محنت ھتھیا لینے کا عمل عین اسی طرح موجود ہے جیسے غلاموں کے آقا یا جاگیردار اپنے غلاموں کی محنت ھتھیایا کرتے تھے، اور یہ کہ لوٹ کھسوٹ کی یہ جتنی بھی شکلیں ہیں ان میں اگر فرق کیا جا سکتا ہے تو صرف ان طور طریقوں سے جو بے معاوضہ محنت ھتھیانے میں کام آتے ہیں۔ مارکس کی اس تشریح نے مالک طبقوں کے ان ریاکارانہ بیانوں میں سچائی کی کوئی رمق نہیں چھوڑی جو اس بات کے مدعی تھے کہ عہد حاضر کے سماجی نظام میں حق و انصاف، فرائض اور حقوق کی مساوات اور مفادوں کی عام ہم آہنگی کا بول بالا ہے۔ مارکس نے آج کے سرمایہ دارانہ سماج کے چہرے سے نقاب اتار کر دکھا دیا کہ یہ بھی ایک چھوٹی سی اور سکڑتی ہوئی اقلیت کے ہاتھوں آبادی کی بہت بڑی اکثریت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا ایک زبردست ڈھانچہ ہونے میں اپنے پیشروؤں سے کچھ کم نہیں ہے۔

آج کا سائنسی سوشلزم انھیں دو اھم نکتوں پر مبنی ھے۔ کتاب ''سرمایہ،، کی دوسری جلد میں یہ دونوں نکتے اور ایسی ھی کئی اور دریافتیں، جن کا تعلق سماج کے سرمایہ‌دارانہ نظام سے ھے، آگے بڑھائے جائیں‌گے۔ انھی کے ساتھ سیاسی معاشیات کے وہ پہلو بھی، جن کا ذکر پہلی جلد میں نہیں آسکا، بڑی چھان‌بین کے بعد سامنے آئیں‌گے۔ کاش مارکس کو یہ امکان نصیب ھو کہ وہ عنقریب دوسری جلد پریس کےلئے تیار کر دیں۔

جون ۱۸۷۷ء میں
لکھا گیا۔

اینگلس

سوشلزم: یوٹوپیائی اور سائنسی (۱۸)

(اقتباس)

۱۸۳۱ء میں لیون میں مزدور طبقے کی پہلی بغاوت نے جنم لیا۔ ۱۸۳۸ء تا ۱۸۴۲ء مزدور طبقے کی پہلی قومی تحریک — انگریزی چارٹسٹ تحریک (۱۹) — اپنے نقطۂ عروج تک پہنچی۔ یورپ کے سب سے زیادہ ترقی‌یافتہ ملکوں کی تاریخ میں بورژوا طبقے اور پرولتاریوں کے درمیان طبقاتی کشمکش اسی تناسب سے سامنے آئی جس تناسب سے ایک طرف تو جدید صنعت کا ارتقا ہوا اور دوسری طرف بورژوا طبقے کا نیا نیا حاصل کیا ہوا سیاسی اقتدار بڑھا۔ حقائق روزبروز زیادہ زورشور سے بورژوا ماہرین معاشیات کی ان تعلیمات کی تردید کرنے لگے کہ سرمایہ و محنت کا مفاد ایک ہے اور بےلگام مقابلے کے نتیجے کے طور پر ہمہ گیر ہم‌آہنگی اور ہمہ گیر خوشحالی کا دوردورہ ہوگا۔ اب زیادہ دن تک ان سب حقائق کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا اور اسی طرح فرانسیسی اور انگریزی سوشلزم کو بھی جو ان کا نظریاتی، گو بہت ناقص، اظہار تھا نظرانداز کرنا مشکل تھا۔ لیکن پرانا عینیت‌پرست تصور تاریخ جو ابھی تک پوری طرح معزول نہیں ہوا تھا معاشی مفاد پر مبنی طبقاتی کشمکش سے یکسر ناواقف تھا، وہ معاشی مفاد سے بھی بالکل ناواقف تھا۔ اس تصور تاریخ میں پیداوار اور تمام معاشی تعلقات ''تہذیب کی تاریخ'' میں محض حادثاتی اور کم‌تر درجے کے عناصر کی حیثیت سے نظر آتے تھے۔

نئے حقائق نے اس چیز کو نہایت اہم اور ضروری بنا دیا کہ تمام گذشتہ تاریخ کا نئے سرے سے مطالعہ اور معائنہ کیا جائے۔ اور تب معلوم ہوا کہ بالکل ابتدائی عہد کے علاوہ تمام گذشتہ تاریخ طبقاتی کشمکش کی تاریخ ہے اور سماج کے یہ مصروف جدوجہد طبقے ہمیشہ پیداوار اور تبادلے کے طریقوں کے — یا مختصر یہ کہ اپنے زمانے کے معاشی حالات کے — پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی دیکھا گیا کہ ہمیشہ سماج کا معاشی ڈھانچہ اصلی بنیاد مہیا کرتا ہے اور صرف اسی بنیاد سے شروع کرکے ہم کسی ایک تاریخی دور کے بالائی ڈھانچے کے تمام قانونی اور سیاسی اداروں کی اور اسی طرح اس کے مذہبی، فلسفیانہ اور دوسرے خیالات کی تمام عمارت کی آخری توجیہ اور تشریح کر سکتے ہیں۔ ہیگل نے تاریخ کو مابعد الطبیعیات سے نجات دلائی تھی۔ اس نے تاریخ کو جدلیاتی بنا دیا تھا لیکن اس کا تصور تاریخ بنیادی طور پر عینیت پرست تصور تھا۔ اور اب عینیت پرستی کو اس کی آخری جائے پناہ — فلسفۂ تاریخ — سے بھی نکالا مل گیا تھا۔ اب تاریخ کا مطالعہ کرنے کا ایک مادیت پسندانہ طریقۂ کار پیش کیا گیا اور آدمی کے ''وجود،، کی توجیہ اس کے ''شعور،، کے ذریعے کرنے کی بجائے، جیسا کہ اب تک ہوتا چلا آیا تھا، اس کے ''شعور،، کی توجیہ اس کے ''وجود،، کے ذریعے کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا گیا۔

اس وقت سے سوشلزم کسی ایک یا دوسرے تیز اور طباع دماغ کی اتفاقی دریافت نہیں رہا، اب تو وہ دو تاریخی طور پر تشکیل شدہ طبقوں یعنی پرولتاریہ اور بورژوازی کی باھمی کشمکش کا لازمی ماحصل بن گیا تھا۔ اب اس کا کام یہ نہیں تھا کہ کسی طرح ایک زیادہ سے زیادہ مکمل اوز بےعیب نظام معاشرہ کی تخلیق کرے۔ اب اس کا کام ہو گیا تھا ان تاریخی اور معاشی سلسلۂ واقعات کا مطالعہ اور معائنہ کرنا جنھوں نے لازمی طور پر ان طبقات اور ان کی تناتنی کو جنم دیا تھا اور اس پیداشدہ معاشی حالات میں اس آویزش کو دور کرنے کے ذرائع ڈھونڈھ نکالنا۔ لیکن پرانے زمانے کا سوشلزم اس مادیت پسندانہ تصور سے اسی قدر مختلف اور بے آہنگ تھا جتنا فرانسیسی مادیت پسندوں کا تصور فطرت جدلیات اور جدید علوم طبیعی سے۔ یہ صحیح ہے کہ پرانے زمانے کا سوشلزم

مروجہ سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار اور اس کے نتائج کی تنقید کرتا تھا، لیکن یہ سوشلزم اس کی توجیہ نہیں کر سکتا تھا اور اسی‌لئے اس پر غلبہ بھی نہیں پا سکتا تھا ۔ وہ تو صرف اس کو برا کہہ کر مسترد ھی کر سکتا تھا ۔ یہ پرانا سوشلزم جتنے زورشور اور شد و مد سے مزدور طبقے کے استحصال کی، جو سرمایہ‌داری کے تحت ایک ناگزیر چیز ھے، مذمت کرتا تھا، اتنا ھی وہ صاف طور پر یہ نہیں دکھا سکتا تھا کہ یہ استحصال کن باتوں پر مشتمل ھے اور کس طرح اس کا آغاز ھوا ۔ لیکن فریضہ یہ تھا کہ (۱) سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کو اس کے تاریخی ربط و تعلق کے ساتھ اور ایک خاص تاریخی دور میں اس کے ناگزیر ھونے کی حیثیت سے پیش کیا جائے اور اسی لئے اس کے ناگزیر زوال کو بھی واضح کیا جائے اور (۲) اس کے اندرونی کردار کو، جو اب تک پردۂ راز تھا، فاش کیا جائے ۔ یہ کام قدر زائد کی دریافت کے ذریعے ھوا ۔ یہ دکھایا گیا کہ اس محنت کو جس کی اجرت ادا نہیں کی گئی ھے اپنے تصرف میں لانا سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار اور اس طرز پیداوار کے تحت مزدور کے استحصال کی بنیاد ھے ۔ یہ بھی دکھایا گیا کہ اگر سرمایہ‌دار اپنے مزدور کی قوت محنت کو منڈی میں تجارتی مال کی طرح اس کی پوری قدر پر خریدے تب بھی اسے اس سے زیادہ قدر حاصل ھوتی ھے جتنی کے اس نے پیسے ادا کئے ھیں ۔ اور آخری تجزیے میں اسی قدر زائد سے قدر کی وہ رقمیں بنتی ھیں جن سے صاحب جائیداد طبقوں کے پاس سرمائے کے روزافزوں انبار لگتے رھتے ھیں ۔ اس طرح سرمایہ‌دارانہ پیداوار اور سرمائے کی پیداوار دونوں کی تشریح و توضیح ھو گئی ۔

تاریخ کا مادیت پسندانہ تصور اور سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کے راز کا قدر زائد کے ذریعے فاش ھونا ــ ان دو عظیم دریافتوں کےلئے ھم مارکس کے مرھون منت ھیں ۔ ان دریافتوں کے بعد سوشلزم ایک علم بن گیا ۔ اب سوشلزم کی تمام تفصیلات اور تعلقات کی ترتیب و تشکیل اگلا قدم تھا ۔ ...

تاریخ کا مادیت پسندانہ تصور اس نظریہ کو لے کر آگے بڑھتا ھے کہ انسانی زندگی کو قائم رکھنے کے ذرائع کی پیداوار

اور ان کا تبادلہ ہر طرح کی سماجی تشکیل کی بنیاد ہے اور ہر اس سماج میں جو تاریخ میں نمودار ہو چکا ہے دولت کی تقسیم اور سماج کے طبقوں یا مدارج میں بٹنے کے انداز اور ڈھنگ کا دارومدار اس چیز پر ہے کہ اس میں کیا چیزیں پیدا کی جاتی ہیں، کس طرح پیدا کی جاتی ہیں اور پیداوار کے تبادلے کا کیا طریقہ ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق تمام سماجی تبدیلیوں اور سیاسی انقلابات کے اصلی سبب و علت کو انسانوں کے دماغوں میں اور ابدی صداقت اور عدل کے بارے میں انسان کی بڑھتی ہوئی بصیرت میں نہیں تلاش کرنا چاہئے بلکہ طرز پیداوار اور طرز تبادلہ میں ہونےوالی تبدیلیوں میں ڈھونڈھنا چاہئے۔ ان کو ہر دور کے فلسفے میں نہیں بلکہ اس کی معاشیات میں تلاش کرنا چاہئے۔ اس چیز کا بڑھتا ہوا شعور و ادراک کہ موجودہ سماجی ادارے غیرعقلی اور غیرمنصفانہ ہیں اور ''معقولیت نامعقولیت اور حق باطل بن چکا ہے،،* بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ طرز پیداوار اور طرز تبادلہ میں چپکے ہی چپکے ایسی تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں جن کے ساتھ سماجی نظام، جو اب سے پہلے کے معاشی حالات کےلئے موزوں تھا، اب ہم آہنگ نہیں رہا ہے۔ اور اسی سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جن بےآہنگیوں اور ناموزونیوں کو بےنقاب کیا گیا ہے ان سے نجات پانے کے ذرائع بھی ضرور کم‌وبیش ارتقایافتہ شکل میں خود بدلے ہوئے طرز پیداوار ہی میں مضمر ہوں‌گے۔ یہ ذرائع ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کو پیداوار کے موجودہ نظام کے مادی حقائق میں دریافت کرنا ہوگا۔

آئیے دیکھیں اس سلسلے میں جدید سوشلزم کی کیا حیثیت ہے؟

اب یہ چیز عام طور پر مان لی گئی ہے کہ سماج کا موجودہ نظام آج کے حکمراں طبقے یعنی بورژوا طبقے کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بورژوا طبقے کی مخصوص طرز پیداوار، جو مارکس کے وقت سے سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کہلانے لگی ہے، نظام جاگیرداری کے ساتھ ہم‌آہنگ نہیں تھا۔ اس نظام نے افراد کو، پورے پورے سماجی مدارج کو اور مقامی کارپوریشنوں کو مخصوص مراعات دے رکھی تھیں اور

* گوئیٹے کے ''فاؤسٹ،، میں میفسٹوفیلیس کے الفاظ۔ (ایڈیٹر)

اسی کے ساتھ اس کی سماجی تنظیم کا پورا ڈھانچہ خدمت اور تابعداری کے موروثی بندھنوں پر مشتمل تھا۔ بورژوا طبقے نے جاگیردارانہ نظام کو توڑ ڈالا اور اس کے کھنڈروں پر سماج کے سرمایہ‌دارانہ نظام کی — مقابلۂ آزاد، شخصی آزادی، قانون کی نظروں میں جنس تبادلہ کے سارے مالکوں کی مساوات اور باقی تمام سرمایہ‌دارانہ برکتوں کی — سلطنت تعمیر کی۔ اس وقت سے سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار آزادی سے ترقی کر سکا۔ جب سے بھاپ اور نئی مشینوں نے پرانے کارخانہ‌داری نظام کو جدید صنعت میں تبدیل کر دیا، بورژوا طبقے کی رہبری میں ابھرنے اور پنپنےوالی پیداواری قوتوں نے اس قدر تیزی سے اور اس حد تک ترقی کی ہے جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آئی تھی۔ لیکن جس طرح اپنے وقت میں پرانے کارخانہ‌داری نظام اور دستکاری کی، جو اس کے اثر سے زیادہ ترقی‌یافتہ ہو گئی تھی، ''گلڈ،، کی جاگیردارانہ بندشوں اور زنجیروں سے ٹکر ہوئی تھی بالکل اسی طرح اپنے زیادہ مکمل ارتقا کے دوران میں جدید صنعت کا ان قیود اور پابندیوں سے تصادم ہو رہا ہے جن میں سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار نے اسے جکڑ رکھا ہے۔ نئی پیداواری قوتیں ابھی سے ان قوتوں کو استعمال کرنے کے سرمایہ‌دارانہ طریقے سے آگے نکل گئی ہیں۔ اور پیداواری قوتوں اور طرز پیداوار کا یہ تصادم آدم کے ''گناہ اولین،، اور ''عدل خداوندی،، کی باہمی آویزش کی طرح انسانی دماغ کی پیداوار نہیں ہے۔ دراصل یہ تو واقعی اور خارجی طور پر ہمارے باہر ان انسانوں کے ارادے اور اعمال سے بھی آزاد اور خودمختار جو اس کو بروئےکار لائے ہیں، موجود ہے۔ جدید سوشلزم دراصل صرف حقیقت میں موجود اس تصادم کا خیالی مظہر اور عکس ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ تصادم کا براہ‌راست شکار ہونےوالے طبقے یعنی مزدور طبقے کے ذہنوں میں اس کا خیالی پرتو ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تصادم کن چیزوں پر مشتمل ہے؟

سرمایہ‌دارانہ پیداوار سے پہلے یعنی ازمنۂ وسطی میں عام طور پر چھوٹی صنعت کا نظام رائج تھا جس کی بنیاد اس چیز پر تھی کہ مزدوروں کے ذرائع پیداوار ان کی ذاتی ملکیت ہوں۔ دیہات میں چھوٹے کسان، آزاد مزارع یا زرعی غلام کی کاشت‌کاری اور

شہروں میں گلڈ کے ذریعے منظم کی ہوئی دستکاری کا رواج تھا۔ ذرائع محنت یعنی زمین، زرعی اوزار ورک شاپ اور دستکاروں کے آلات وغیرہ فرد واحد کی محنت کے ذرائع تھے اور ایک ہی مزدور کی محنت کےلئے موزوں اور مناسب تھے اور اسی لئے لازمی طور پر چھوٹے، ھلکے پھلکے، کم حیثیت اور محدود تھے۔ لیکن ٹھیک اسی وجہ سے وہ عموماً خود پیدا کرنےوالے کی ملکیت ہوتے تھے۔ ان بکھرے ہوئے اور محدود ذرائع پیداوار کو مرکوز و متحد کرنا، انھیں توسیع دینا اور انھیں موجودہ زمانے کی پیداوار کی توسیع کے طاقتور وسیلے کی شکل دینا ٹھیک یہ تاریخی رول تھا سرمایہ دارانہ طرز پیداوار اور اس کے علمبردار یعنی بورژوا طبقے کا۔ مارکس نے ''سرمایہ،، کے چوتھے حصے میں تفصیل سے اس امر کی وضاحت کی ھے کہ پندرھویں صدی سے لے کر اب تک کس طرح یہ کام تاریخی طور پر تین مختلف منازل — سادہ امداد باھمی، کارخانہ داری اور جدید صنعت سے گزر کر انجام دیا گیا ھے۔ لیکن بورژوا طبقہ، جیسا کہ ''سرمایہ،، میں دکھایا گیا ھے، اس وقت تک ان چھوٹے اور ادنی ذرائع پیداوار کو عظیم پیداواری قوتوں میں تبدیل نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ وہ ساتھ ھی ساتھ انھیں فرد کے ذرائع پیداوار سے سماجی ذرائع پیداوار میں تبدیل نہ کر دے جن کو صرف بہت سے انسان مل کر ھی استعمال کر سکتے تھے۔ کرگھے اور چرخے اور لوہار کی ھتھوڑی کی جگہ سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی مشین اور بھاپ کی طاقت سے چلنےوالے ھتھوڑے نے لےلی۔ انفرادی ورکشاپ کی جگہ فیکٹری نے لےلی جس میں سینکڑوں اور ہزاروں مزدوروں کا کام کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح خود عمل پیداوار نے بھی انفرادی سلسلۂ اعمال کی بجائے سماجی سلسلۂ اعمال کی شکل اختیار کرلی اور مصنوعات انفرادی کی بجائے سماجی ھو گئیں۔ اب دھاگا، کپڑا اور دھات کی بنی ہوئی اشیا جو فیکٹری سے نکل کر آتی تھیں بہت سے مزدوروں کی مشترکہ محنت کی پیداوار بن گئیں جن کے ھاتھوں سے یکے بعد دیگرے انھیں تیار ہونے سے پہلے گذرنا پڑتا تھا۔ اب کوئی ایک شخص ان کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا تھا ''اسے میں نے بنایا، یہ میری پیدا کی ہوئی چیز ھے،،۔

لیکن جس کسی سماج میں بھی پیداوار کی بنیادی شکل وہ

بےساختہ اور فطری قسم کی تقسیم محنت ہو جو کسی سوچے
سمجھے منصوبے کے مطابق نہیں ہوتی وہاں پیداشدہ اشیا جنس تجارت
کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جن کا باہمی تبادلہ اور خرید و فروخت
پیدا کرنےوالے افراد کےلئے یہ امکان پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنی بہت
سی مختلف ضروریات پوری کر سکیں۔ اور ازمنۂ وسطی میں یہی
صورت تھی۔ مثلاً کسان دستکار کے ہاتھ اپنی زرعی پیداوار بیچ
دیتا تھا اور اس سے دستکاری کی اشیا خرید لیتا تھا۔ انفرادی طور
پر مال پیدا کرنےوالے یعنی جنس تجارت پیدا کرنےوالے افراد کے اس
سماج میں نئی طرز پیداوار درانہ گھس آتی۔ اس پرانی تقسیم محنت
کے درمیان، جو فطری اور بےساختہ طور پر، کسی واضح اور معین
منصوبے کے بغیر چلتی رہتی تھی، اور جو پورے کے پورے سماج
پر حاوی تھی، اب ایک اور تقسیم محنت پیدا ہو گئی جو ایک
واضح اور معین منصوبے کے مطابق تھی مثلاً فیکٹری کی تنظیم۔
انفرادی پیداوار کے پہلو بہ پہلو سماجی پیداوار بھی نظر آنے
لگی۔ دونوں کی مصنوعات ایک ہی منڈی میں بکتی تھیں اور اسی
لئے کم‌وبیش مساوی قیمتوں پر بکتی تھیں۔ لیکن ایک واضح اور
معین منصوبے پر مبنی تنظیم فطری اور بےساختہ تقسیم محنت سے
زیادہ طاقت‌ور تھی۔ کارخانے جو بہت سے افراد کی مجتمع اور
مشترکہ سماجی قوتوں کا استعمال کرتے تھے اپنی مصنوعات اس
سے کہیں زیادہ سستے طریقے پر پیدا کر سکتے تھے جتنا کہ چھوٹے
چھوٹے، انفرادی طور پر اشیا پیدا کرنےوالوں کےلئے ممکن تھا۔
انفرادی طرز پیداوار یکے بعد دیگرے مختلف شعبوں میں ہتھیار
ڈالتی ہی چلی گئی۔ پیداوار کے سماجی ڈھنگ نے پیداوار کی تمام
پرانی طرزوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے انقلابی
کردار کو اتنا کم سمجھا اور مانا گیا کہ وہ بجائے انقلابی حیثیت
سے پیش کئے جانے کی جنس تجارت کی پیداوار کو توسیع و ترقی
دینے کی خاطر استعمال کیا گیا۔ جس وقت یہ سماجی ڈھنگ کی پیداوار
ابھری تو اس نے جنس تجارت کی پیداوار اور تبادلے کےلئے چند
نئے بنائے تیارشدہ وسیلوں مثلاً تاجروں کا سرمایہ، دستکاری، اجرتی
محنت کو موجود پایا۔ چونکہ سماجی ڈھنگ کی پیداوار نے اپنے
آپ کو جنس تجارت کی پیداوار کی ایک نئی شکل کی حیثیت سے پیش

کیا تھا اسلئے اس کے زیرسایہ تصرف اور ملکیت کی تمام پرانی شکلیں پوری طرح سے قائم رہیں اور ان کا اطلاق اس طرز پیداوار کے تحت بننےوالی مصنوعات پر بھی ہوتا رہا۔

جنس تجارت کی پیداوار کے ارتقا کے اس دور میں جس کا تعلق ازمنۂ وسطی سے ہے محنت کی پیداوار کے مالک کے متعلق کوئی سوال ہی نہیں اٹھ سکتا تھا۔ انفرادی طور پر اشیا پیدا کرنےوالا عموماً اس خام مواد سے جو اسی کی ملکیت ہوتا۔ تھا اور عام طور پر اسی کا بنایا ہوا ہوتا تھا، اشیا کو خود اپنے اوزاروں سے اور اپنے یا اپنے خاندان کے دست و بازو کی محنت سے تیار کرتا تھا۔ اسے اس نئی پیداشدہ شے پر تصرف اور قبضہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو معمولاً اور بہرصورت بلاشرکت غیرے اس کی ملکیت ہوتی ہی تھی۔ لہذا خود اس کی اپنی محنت اس کے پیداوار کا مالک ہونے کی بنیاد تھی۔ اور جہاں کہیں خارجی مدد کا استعمال کیا بھی جاتا تھا تو عام طور پر اس کی اہمیت محض ضمنی اور جزوی ہوتی تھی اور عموماً اس کا بدلہ اجرت دینے کی بجائے اور کسی طرح کر دیا جاتا تھا۔ گلڈ کے اجرت‌یافتہ کاریگر اور شاگرد زیادہ‌تر مزدوری اور کھانے کی خاطر نہیں بلکہ تعلیم و تربیت پانے کی خاطر کام کرتے تھے اور اس خیال سے کام کرتے تھے کہ وہ خود آئندہ استاد کاریگر کا رتبہ حاصل کر سکیں۔

اس کے بعد ذرائع پیداوار اور پیدا کرنےوالے دونوں کے بڑی بڑی ورک شاپوں اور کارخانوں میں مرکوز اور مجتمع ہونے کا، ان کے واقعی سماجی ذرائع پیداوار اور سماجی ڈھنگ کے پیدا کرنےوالوں میں تبدیل ہونے کا زمانہ آیا۔ لیکن سماجی ڈھنگ کے ذرائع پیداوار اور ان سے سماجی طور پر حاصل شدہ پیداوارمیں اس تبدیلی کے بعد بھی انھیں پہلے ہی کی طرح افراد کے ذرائع پیداوار اور حاصل پیداوار سمجھا جاتا رہا۔ اب تک تو ذرائع محنت کا مالک خود ہی پیداوار پر قابض ہوتا تھا کیونکہ عام طور پر وہ اسی کی پیداوار ہوتی تھی اور دوسروں کی مدد ایک مستثنی چیز تھی۔ اب ذرائع محنت کے مالک نے پیداوار پر اپنا قبضہ جاری رکھا حالانکہ اب یہ اس کی پیداوار نہیں ہوتی تھی بلکہ مکمل طور پر دوسروں کی محنت کی پیداوار ہوتی تھی۔ اس طرح اب جو پیداوار اجتماعی

طور پر حاصل کی جاتی ھے اس پر ان لوگوں کا قبضہ نہیں ھوتا جو دراصل ذرائع پیداوار کو حرکت میں لاتے ھیں اور جنس تجارت پیدا کرتے ھیں بلکه سرمایه‌دار اس پر قابض ھوتے ھیں۔ ذرائع پیداوار اور خود پیداوار دونوں بنیادی طور پر سماجی ڈھنگ کے ھو گئے تھے لیکن وہ تصرف کی ایک ایسی شکل کے تابع تھے جس کےلئے الگ الگ افراد کی نجی پیداوار ایک لازمی چیز ھے اور جس کے تحت ھر شخص خود اپنی پیداشدہ اشیا کا مالک ھوتا ھے اور خود ھی اسے منڈی میں لاتا ھے۔ طرز پیداوار تصرف کی اس شکل کے تابع ھے باوجودیکه وہ ان حالات کا خاتمه کرتی ھے جن پر اس شکل کی بنیاد ھے *۔

اس تضاد میں جو نئی طرزپیداوار کو اس کا سرمایه‌دارانه کردار بخشتا ھے آج کی تمام سماجی آویزشوں کے بیج موجود ھیں۔ نئی طرز پیداوار نے پیداوار کے تمام اھم شعبوں اور تمام صنعتی ملکوں پر جتنا زیادہ قابو پایا، اسی تناسب سے اس نے انفرادی پیداوار کو ایک معمولی تلچھٹ کی حیثیت دے دی، اور اسی تناسب سے یه بات کھلتی گئی که سماجی ڈھنگ کی پیداوار کا سرمایه‌دارانه تصرف سے جوڑ نہیں بیٹھتا۔

---

* اس سلسلے میں یه بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ھے که تصرف کی شکل وھی رھنے کے باوجود تصرف کے کردار میں مندرجهٔ بالا تبدیلیوں کے باعث اسی قدر انقلاب پیدا ھوا ھے جس قدر پیداوار میں ھوا ھے۔ ظاھر ھے ان دونوں چیزوں میں بہت فرق ھے که میں اپنی پیداوار کو اپنے قبضے اور تصرف میں لاؤں یا کسی دوسرے کی پیداوار کو۔ برسبیل تذکرہ اس چیز کا بھی ذکر کرتے چلیں که اجرت پر کام کرنے کا طریقه جس کے اندر تمام سرمایه‌دارانه طرزپیداوار کے بیج موجود ھیں بہت قدیم چیز ھے۔ اتفاقی اور اکادکا شکل میں صدیوں سے غلامانه محنت کے ساتھ ساتھ اس کا بھی وجود رھا ھے۔ لیکن یه بیج بڑھ کر سرمایه‌دارانه طرز پیداوار اسی وقت بن سکے جب که اس کےلئے ضروری تاریخی حالات مہیا ھو گئے (اینگلس کا نوٹ)۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے ابتدائی سرمایہ‌داروں کو کام کے اور طریقوں کے ساتھ ساتھ اجرتی محنت کا طریقہ منڈی میں تیارشدہ شکل میں مل گیا تھا۔ لیکن اجرتی محنت مستثنی، اضافی، زائد، امدادی اور عارضی قسم کی تھی۔ کاشتکار اگرچہ کبھی کبھی دن دن‌بھر کی مزدوری کرلیتا تھا لیکن اس کے پاس اپنی ذاتی چند ایکڑ زمین ہوتی تھی جس پر وہ بہرصورت تنگی‌ترشی سے تو گزارہ کر ہی سکتا تھا۔ گلڈ کی تنظیم کچھ ایسی تھی کہ آج کا اجرت‌یافتہ کاریگر کل استاد کاریگر بن سکتا تھا۔ لیکن جوں ہی ذرائع پیداوار سماجی بنے اور سرمایہ‌داروں کے ہاتھ میں مرکوز ہوئے یہ سب کچھ بدل گیا۔ انفرادی طور پر پیدا کرنےوالے کے ذرائع پیداوار اور پیداوار دونوں چیزیں روزبروز بیکار اور بےمصرف ہوتی چلی گئیں۔ اب اس کےلئے اس کے سوا کوئی چارۂکار نہیں تھا کہ وہ سرمایہ‌دار کےلئے اجرت پر کام کرے۔ اجرتی محنت جو اب تک مستثنی اور ضمنی سی چیز تھی اب تمام پیداوار کی بنیاد اور عام اصول بن گئی۔ اب تک وہ ایک زائد اور امدادی سی چیز تھی لیکن اب مزدور کا واحد کام بن گئی۔ وہ جو وقتی اور عارضی طور پر اجرتی مزدور تھا اب تمام عمر کےلئے اجرتی مزدور بن گیا۔ اس کے علاوہ ان اجرتی مزدوروں کی تعداد میں جاگیردارانہ نظام کے زوال کی وجہ سے، جو اسی زمانے میں رونما ہوا، بہت غیرمعمولی اضافہ ہوا کیونکہ اس زمانے میں جاگیرداری رؤسا کے وابستۂ دولت درباریوں اور مصاحبین کا شیرازہ بکھر گیا اور کسان کھیتوں سے بےدخل کر دئے گئے وغیرہ وغیرہ۔ اب ایک طرف تو سرمایہ‌داروں کے ہاتھوں میں مرکوز ذرائع پیداوار اور دوسری طرف اپنی قوت محنت کے علاوہ اور ہر شے سے محروم پیدا کرنےوالوں کی باہمی دوری اور علحدگی کی تکمیل ہو گئی تھی۔ سماجی ڈھنگ کی پیداوار اور سرمایہ‌دارانہ تصرف کے درمیان باہمی تضاد کا اظہار پرولتاری اور بوژروا طبقوں کی معاندت کی شکل میں ہوا۔

ہم نے دیکھ لیا ہے کہ سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار جنس تجارت (مال) پیدا کرنےوالوں کے یعنی انفرادی طور پر اشیا پیدا کرنےوالوں کے سماج میں درانہ گھس آئی جن کا سماجی بندھن ان کی پیداوار کا تبادلہ تھا۔ لیکن جنس تجارت کی پیداوار پر مبنی ہر سماج میں

یہ خصوصیت ہے کہ پیدا کرنےوالوں کا اپنے باہمی سماجی تعلقات پر قابو باقی نہیں رہتا۔ ہر شخص کے پاس جو کچھ بھی ذرائع پیداوار موجود ہوتے ہیں انھیں سے اور جس قسم کے تبادلے کی اسے اپنی باقی ماندہ ضروریات کی آسودگی کےلئے حاجت ہوتی ہے اسی کےلئے وہ اپنے واسطے اشیا پیدا کرتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی جنس تجارت کی کتنی مقدار منڈی میں آنےوالی ہے اور نہ ہی یہ جانتا ہے کہ اس میں سے کتنی جنس کی ضرورت ہوگی۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کی اپنی پیداوار کی واقعی مانگ ہوگی یا نہیں، وہ اپنی پیداوار کا خرچہ نکال سکےگا یا نہیں بلکہ اپنی جنس تجارت کو سرے سے بیچ بھی پائےگا یا نہیں۔ اس سماجی پیداوار میں افراتفری کا راج ہے۔

لیکن اور ہر قسم کی پیداوار کی طرح جنس تجارت کی پیداوار کے بھی اپنے مخصوص اور راسخ قانون ہوتے ہیں جنھیں اس سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قوانین نراج کے باوجود اور نراج کے اندر ہی مصروف عمل ہوتے ہیں۔ وہ سماجی تعلقاتباہمی کی واحد مستقل شکل میں اپنا اظہار کرتے ہیں یعنی تبادلے کی شکل میں، اور یہاں وہ انفرادی پیدا کرنےوالوں پر مقابلے کے جبری قوانین کی حیثیت سے اثرانداز ہوتے ہیں۔ شروع شروع میں تو خود انفرادی پیدا کرنےوالے بھی ان قوانین سے واقف نہیں ہوتے اور انھیں رفتہ رفتہ، تجربے کے نتیجے کے طور پر یہ قوانین دریافت کرنا ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہ قوانین پیدا کرنےوالوں کی مرضی اور ارادے سے آزاد اور ان کے برخلاف اپنا کام کرتے ہیں اور پیداوار کے اٹل فطری قوانین کی حیثیت سے مصروف‌کار ہوتے ہیں۔ پیداوار پیدا کرنےوالوں پر راج کرنے لگتی ہے۔

ازمنۂ وسطی کے سماج میں اور خاص طور پر اس کی ابتدائی صدیوں میں پیداوار بنیادی طور پر فرد کی ضروریات پوری کرنے کےلئے ہوتی تھی۔ زیادہ‌تر وہ صرف پیدا کرنےوالے کی اور اس کے خاندان کی ضروریات پوری کرتی تھی۔ جہاں شخصی تابعداری کے تعلقات رائج تھے مثلاً دیہات میں وہاں پیداوار جاگیردار رئیس کی ضروریات کی آسودگی میں بھی مدد کرتی تھی۔ ان سب چیزوں میں تبادلے کا کوئی سوال نہیں تھا لہذا پیداشدہ اشیا نے جنس

تجارت کا کردار اختیار نہیں کیا۔ کسان کا خاندان اپنی ضرورت کی تقریباً ہر چیز — کھانا، کپڑا اور اسباب خانہ‌داری پیدا کر لیتا تھا۔ جب اس نے اپنی ضروریات کی آسودگی کےلئے اور جاگیردار کی ادائگی بالجنس کےلئے جتنا کچھ ضروری تھا اس سے زیادہ پیدا کرنا شروع کیا، صرف اسی وقت اس نے جنس تجارت بھی پیدا کی۔ یہ زائد مقدار سماجی تبادلے میں شامل ہوکر اور برائے فروخت چیز کی حیثیت اختیار کرکے جنس تجارت بن گئی۔

یہ ٹھیک ہے کہ شہروں کے کاریگروں کو شروع ہی سے تبادلے کےلئے اشیا پیدا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن وہ بھی زیادہ‌تر اپنی ذاتی ضروریات خود ہی پوری کرتے تھے۔ ان کے پاس باغ اور زمین کے قطعے ہوتے تھے۔ وہ اپنے مویشیوں کو پنچائتی جنگل میں چرنے کےلئے چھوڑ دیتے تھے اور اسی جنگل سے انھیں عمارتی لکڑی اور ایندھن بھی مل جاتا تھا۔ عورتیں کتائی کرتی اور اون وغیرہ بنتی تھیں۔ تبادلے کی خاطر پیداوار یعنی جنس تجارت کی پیداوار عالم طفلی میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تبادلہ محدود، منڈی چھوٹی اور پیداوار کے طریقے پائدار تھے۔ بیرونی دنیا کی طرف مقامی خلوت پسندی کا رویہ تھا اور اندر مقامی اتحاد تھا دیہات میں مارک* اور قصبے میں گلڈ۔

لیکن جنس تجارت کی پیداوار کی توسیع اور خاص طور پر سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کی ترویج کے ساتھ جنس تجارت کی پیداوار کے قوانین جو ابھی تک خوابیدہ و پنہاں تھے زیادہ کھلے طور پر اور زیادہ زورشور کے ساتھ مصروف عمل ہونے لگے۔ پرانے بندھن ڈھیلے ہو گئے، پرانی مخصوص حدبندیاں ٹوٹ گئیں اور پیدا کرنےوالے روزافزوں طور پر خود مختار اور علحدہ علحدہ جنس تجارت پیدا کرنےوالوں میں تبدیل ہونے لگے۔ صاف ظاہر ہو گیا کہ مجموعی طور پر سماج کی پیداوار میں منصوبے کی غیرموجودگی، اتفاقات اور نراج کا دوردورہ ہے اور یہ افراتفری زیادہ سے زیادہ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ لیکن وہ خاص ذریعہ، جس کی مدد سے سرمایہ‌دارانہ

---

* یہاں اینگلس نے اپنی تصنیف ''مارک،، کا حوالہ دیا ہے۔ (ایڈیٹر)

طرز پیداوار نے سماجی پیداوار کے اس نراج کو زیادہ شدید اور تیز بنایا، دراصل نراج کی عین ضد تھا۔ اور وہ ذریعہ تھا ہر ایک پیداواری کارخانے میں روزافزوں طور پر پیداوار کا سماجی بنیاد پر منظم کیا جانا۔ اس چیز نے پرانے، پرسکون اور پائدار حالات کا خاتمہ کر دیا۔ جہاں کہیں بھی صنعت کے کسی شعبے میں پیداوار کی اس تنظیم کو رواج دیا گیا اس نے اپنے پہلو بہ پہلو پیداوار کے اور کسی طریقے کو برداشت نہیں کیا۔ دستکاری پر مہارت حاصل کرکے اس نے پرانی دستکاری کو ختم کیا۔ محنت کا میدان میدان جنگ بن گیا۔ عظیم جغرافیائی دریافتوں (۲۰) اور ان کے بعد نوآبادیات نے منڈیوں کی تعداد بڑھا دی اور دستکاری کے کارخانہ‌داری میں تبدیل ہونے کے عمل کو تیزتر کر دیا۔ اور محض مختلف بستیوں کے انفرادی پیدا کرنےوالوں ھی کے درمیان جنگ نہیں چھڑی بلکہ مقامی جنگوں نے قومی معاندتوں کو، سترھویں اور اٹھارھویں صدی کی تجارتی جنگوں کو جنم دیا (۲۱)۔ علاوہ برین جدید صنعت اور عالمی منڈی نے اس کشمکش کو عالمگیر بنا دیا اور ساتھ ھی ساتھ اسے ایک غیر معمولی سخت جانی بھی عطا کردی۔ اب پیداوار کے فطری اور مصنوعی حالات کی فوقیت اور برتری انفرادی سرمایہ‌داروں اور اسی کے ساتھ تمام کی تمام صنعتوں اور ملکوں کے عدم اور وجود کا فیصلہ کرتی ھے۔ جو گرتا ھے اسے بےرحمی سے ٹھکرا دیا جاتا ھے۔ یہ ڈارون کے نظرئے کے مطابق فرد کی زندہ رھنے کی وھی کوشش ھے جو زیادہ شدت کے ساتھ فطرت سے سماج کی طرف منتقل ھو گئی ھے۔ حیوان کےلئے جو حالات زندگی فطری ھیں وہ ارتقائے انسانی کےلئے حرف‌آخر کی حیثیت سے سامنے آنے لگے ھیں۔ سماجی پیداوار اور سرمایہ‌دارانہ تصرف کا تضاد اب الگ الگ کارخانوں میں پیداوار کی تنظیم اور عام طور پر سماج میں پیداوار کے نراج کے درمیان آویزش کی شکل میں اپنا اظہار کرتا ھے۔

سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار آویزش اور تناتنی کی انھیں دو شکلوں میں حرکت کرتی رھتی ھے جو پیدائش کے وقت سے ھی اس کے اندر موجود ھیں۔ وہ کبھی بھی اس ''دائرۂ نامعقول،، سے باھر نہیں نکل سکتی جو فورئے نے پہلے ھی دریافت کر لیا تھا۔ اصل میں

فورئے اپنے زمانے میں جو چیز نہیں دیکھ سکا وہ یہ تھی کہ یہ دائرہ
رفتہ رفتہ تنگ ہوتا جا رہا ہے، حرکت روز بروز ایک مخروطی شکل
اختیار کرتی جارہی ہے، اور اسے بھی سیاروں کی حرکت کی طرح
مرکز سے تصادم ہونے پر کبھی نہ کبھی ضرور ختم ہونا ہے۔
پورے سماج کی پیداوار میں جو نراج ہے اس کی دباؤ ڈالنےوالی
قوت انسانوں کی اکثریت کو زیادہ سے زیادہ پرولتاریوں میں تبدیل
کرتی جا رہی ہے اور دوسری طرف یہی پرولتاری ہیں جو آخرکار
پیداوار کے اس نراج کا خاتمہ کریں گے۔ سماجی پیداوار میں جو
افراتفری ہے اس کی دباؤ ڈالنےوالی قوت ہی جدید صنعت کے تحت
مشینوں کی بےپناہ تکمیل پذیری کو ایک جبری قانون میں تبدیل
کرتی ہے جس کی رو سے ہر انفرادی صنعتی سرمایہ‌دار کےلئے اپنی
مشینوں کو روزافزوں طور پر بہتر سے بہتر بنانا ضروری ہوتا ہے
ورنہ تباہی اور بربادی اس کا مقدر ہو جاتی ہے۔ لیکن مشینوں کی
بہتری انسانی محنت کی ایک مقدار کو سد زائد بنا رہی ہے۔ اگر
مشینوں کی ترویج اور توسیع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مشین پر کام
کرنےوالے چند مزدور ہاتھ سے کام کرنےوالے لاکھوں محنت‌کشوں
کی جگہ لےلیں تو مشینوں میں اور زیادہ ترقی ہونے کا مطلب یہ
ہوگا کہ خود مشین پر کام کرنےوالے مزدوروں کو زیادہ سے زیادہ
نکالا جائے۔ علاوہ‌بریں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اجرتی مزدوروں
کی ایک تعداد سرمائے کی اوسط ضروریات سے زیادہ ہوجاتی ہے اور
اس کا مطلب ہے صنعتی مزدوروں کی ایک ریزرو فوج کی تشکیل
(۱۸۴۵ء میں ہی میں نے اسے یہ نام دیا تھا*) جو صنعت کے
نہایت سرگرمی اور تیزی سے کام کرنے کے زمانے میں استعمال
ہوتی ہے اور جسے ناگزیر کاروباری تباہی کے رونما ہوتے ہی اٹھاکر
سڑک پر پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ محفوظ فوج سرمائے کے خلاف
مزدور طبقے کی جہدبقا میں اس کے اوپر ایک بھاری بوجھ کی طرح
موجود رہتی ہے اور سرمائے کے مفاد کے مطابق اجرت کو نیچی

---

* ''انگلینڈ میں مزدور طبقے کی حالت،، (''سونن شائن اینڈ
کو،، کا ایڈیشن)، صفحہ ۸۴۔ (اینگلس کا نوٹ)

سطح پر قائم رکھنے کا ایک آلہ ہے ۔ سو اس طور پر مارکس کے الفاظ میں مشینیں مزدور طبقے کے خلاف سرمائے کی جنگ میں انتہائی طاقتور ہتھیار بن جاتی ہیں، ذرائع محنت مسلسل مزدور کے ہاتھ سے اس کی روزی کے وسیلے چھینتے رہتے ہیں اور خود مزدور کی تیار کی ہوئی چیز اس کو ماتحتی میں رکھنے کا آلہ بن جاتی ہے (۲۲) ۔ سو اس طور پر ذرائع محنت کی کفایت شروع ہی سے بیک وقت قوت محنت کی انتہائی لاابالی فضول خرچی بھی بن جاتی ہے اور ان نارمل حالات پر مبنی ڈاکا بھی جن کے تحت محنت کو مصروف کار ہونا ہے ۔ مشین محنت کے وقت میں کمی کرنے کا سب سے زیادہ طاقتور ہتھیار ہوتی ہے ۔ اور اس چیز کا انتہائی کارگر ذریعہ بھی بن جاتی ہے کہ مزدور اور اس کے خاندان کے وقت کا ایک ایک لمحہ سرمایہ دار کے اختیار میں ہو تاکہ وہ اپنے سرمائے کی قدر میں اضافہ کر سکے ۔ سو اس طرح کچھ مزدوروں کا حد سے زیادہ کام کرنا دوسرے مزدوروں کے بےروزگار رہنے کی لازمی شرط بن جاتا ہے ۔ اور جدید صنعت، جو دنیابھر میں نئے صارفین کی تاک میں رہتی ہے، اپنے ملک کے عوام کے صرف کو فاقہ کشی کی سطح تک پہنچا دیتی ہے اور ایسا کرنے میں خود اپنی گھریلو منڈی کو تباہ کر دیتی ہے ۔ ''وہ قانون جو نسبتاً زائد آبادی یا صنعتی ریزرو فوج کے اور سرمایہ جمع ہونے کی مقدار اور طاقت کے درمیان ہمیشہ توازن قائم رکھتا ہے، وہی قانون مزدور کو سرمائے کی زنجیروں میں اس قدر مضبوطی سے باندھ دیتا ہے کہ اتنی مضبوطی سے ولکان نے پرومیتھیس کو بھی چٹان سے نہ باندھا ہوگا ۔ یہ قانون سرمایہ کے اجتماع کے تناسب سے مصائب کے اجتماع کو بھی جنم دیتا ہے ۔ لہذا ایک سرے پر دولت کا اجتماع ہوتا ہے اور اس کے متضاد سرے پر بیک وقت مصائب، محنت کے کرب، غلامی، جہالت، درندگی اور ذہنی پستی کا ۔ اور یہ سب اس طبقے کے حصے میں آتا ہے جو اپنی محنت کا حاصل سرمائے کی شکل میں پیدا کرتا ہے''

(مارکس، ''سرمایہ'') ۔ اور سرمایہ دارانہ طرز پیداوار سے پیداشدہ اشیا کی کسی اور تقسیم کی توقع کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک بیٹری کے برقیروں (electrodes) سے یہ توقع کی جائے کہ وہ بیٹری سے منسلک ہونے کی صورت میں پانی کو تحلیل نہ

کریں اور آکسیجن کو اپنے مثبت قطب پر اور ہائیڈروجن کو منفی قطب پر پانی سے خارج نہ کریں۔

ہم نے دیکھا کہ جدید مشینوں کی روزافزوں بہتری سماجی پیداوار کے نراج کے ذریعے ایک جبری قانون میں تبدیل ہو جاتی ہے جو ہر صنعتی سرمایہ‌دار کو ہمہ‌وقت اپنی مشینوں کو ترقی دینے اور ان کی پیداواری قوت بڑھاتے رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ پیداوار کا میدان وسیع کرنے کا امکان بھی اس کےلئے ایک ایسے ہی جبری قانون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جدید صنعت کی بے‌حد بڑی توسیع پذیر قوت، جس کے مقابلے میں گیسوں کے پھیلنے کی قوت بچوں کا کھیل معلوم ہوتی ہے، اب ہمیں مقدار اور ماہیت دونوں کی توسیع کی ناگزیر ضرورت معلوم ہوتی ہے جو کسی قسم کی مزاحمت کو خاطر میں نہیں لاتی۔ یہ مزاحمت صرف فروخت اور جدید صنعت کی پیداوار کی منڈیوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیکن منڈیوں کی فراخ اور عمیق دونوں قسم کی توسیع کی صلاحیت کا انحصار بنیادی طور پر قطعی مختلف قوانین پر ہے جو اس سے کہیں کم توانائی کے ساتھ مصروف عمل ہوتے ہیں۔ منڈیوں کی توسیع پیداوار کی توسیع کی ہم رفتار نہیں ہوسکتی۔ تصادم ناگزیر ہوجاتا ہے اور چونکہ جب تک یہ تصادم سرمایہ‌دارانہ طرزپیداوار کا پوری طرح تختہ نہ الٹے اس وقت تک وہ کوئی معقول حل پیش نہیں کر سکتا، لہذا یہ تصادم باربار ہونے لگتا ہے۔ سرمایہ‌دارانہ پیداوار نے ایک اور ''دائرۂنامعقول،، کو جنم دے دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۲۵ء سے لے کر، جب کہ پہلا عام بحران نمودار ہوا تھا، اب تک تمام صنعتی اور تجارتی دنیا میں، تمام مہذب قوموں اور ان کے کم‌وبیش نامہذب طفیلیوں کے درمیان، تقریباً ہر دس سال بعد ساری پیداوار اور تبادلہ کی چولیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں۔ تجارت کا بازار مندا پڑ جاتا ہے، منڈیاں ٹھساٹھس بھر جاتی ہیں، اشیائے تجارت جتنی ناقابل فروخت ہوتی ہیں اسی قدر ان گنت اور بےشمار بھی ہوتی ہیں، زرنقد غائب ہو جاتا ہے، کوئی قرض دینے پر تیار نہیں ہوتا، کارخانے بند ہونے لگتے ہیں، مزدوروں کی بڑی تعداد کے پاس ذرائع زندگی نہیں ہوتے کیونکہ انہوں نے بہت زیادہ ذرائع زندگی پیدا کر دئے ہیں۔ دیوالوں پر

دیوالے نکلنے لگتے ہیں اور نیلام در نیلام ہوتے ہیں - یہ جمود کئی سال تک باقی رہتا ہے - پیداوار اور پیداواری قوتیں بہت بڑی تعداد میں ضائع اور برباد ہوتی ہیں یہاں تک کہ جمع شدہ مالوں کی قیمت کم و بیش گھٹنے کے بعد آخرکار رفتہ رفتہ ان کی نکاسی ہونے لگتی ہے اور عمل پیداوار اور تبادلہ دونوں رفتہ رفتہ ایک دفعہ پھر حرکت میں آتے ہیں - آہستہ آہستہ چال تیز ہوتی ہے - وہ دلکی چال بن جاتی ہے ، صنعتی دلکی چال بڑھ کر پویہ بن جاتی ہے اور پویہ تیز ہوکر صنعت، تجارتی قرض اور سٹہ بازی کی بہترین سرپٹ گھوڑدوڑ میں تبدیل ہو جاتی ہے جو بالآخر انتہائی تیز چھلانگوں کے بعد اسی جگہ ختم ہوتی ہے جہاں سے شروع ہوئی تھی یعنی بحران کی خندق میں - اور ایسا ہی ہوتا رہتا ہے - ۱۸۲۵ء سے لے کر اب تک ہم پانچ مرتبہ اس چکر سے گذر چکے ہیں اور اس وقت (۱۸۷۷ء میں) چھٹی بار اس سے گذر رہے ہیں - اور ان بحرانوں کا کردار اس قدر صاف اور واضح ہے کہ فورئیے نے پہلے بحران کو "افراط کا بحران،، (۲۳) کہہ کر ان سب کی صحیح تعریف کر دی -

سماجی پیداوار اور سرمایہ‌دارانہ تصرف کے درمیان جو تضاد ہے وہ ان بحرانوں میں ایک بڑے تند و تیز دھماکے پر ختم ہوتا ہے - وقتی طور پر اجناس تجارت کی گردش ختم ہو جاتی ہے - زر جو اشیا کی گردش کا ذریعہ ہے گردش کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے - جنس تجارت کی پیداوار اور گردش کے تمام قانون الٹ پلٹ ہو جاتے ہیں - معاشی تصادم اپنے منتہا تک پہنچ جاتا ہے : طرز پیداوار طرز تبادلہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتی ہے -

یہ حقیقت ہے کہ کارخانے کے اندر پیداوار کی سماجی تنظیم نے اس حد تک ترقی کرلی ہے کہ وہ سماج میں پیداوار کے اس نراج سے بالکل میل نہیں کھاتی جو اس تنظیم کے پہلو بہ پہلو موجود ہے اور اس پر چھایا رہتا ہے - اس حقیقت کا احساس خود سرمایہ‌داروں کو بحرانوں کے وقت بہت سے بڑے اور اس سے بھی زیادہ تعداد میں چھوٹے سرمایہ‌داروں کی بربادی کے باعث ہونے والی سرمائے کی شدید مرکزیت کے ذریعے ہوتا ہے - سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کا تمام نظام پیداواری قوتوں کے دباؤ سے جو خود

اس طرز پیداوار کی تخلیق ہیں ٹوٹ جاتا ہے۔ اب یہ نظام ذرائع پیداوار کے اس تمام انبار کو سرمائے کی شکل دینے سے قاصر ہو گیا ہے۔ اور یہ ذرائع پیداوار بےاستعمال پڑے رہتے ہیں اور اسی لئے صنعتی ریزرو فوج بھی لازماً بےاستعمال پڑی رہتی ہے۔ ذرائع پیداوار، ذرائع زندگی، موجودودستیاب مزدور، پیداوار اور عام بہبودی کے تمام عناصر بہافراط موجود ہیں۔ لیکن یہ ''افراط پریشانی، افلاس اور احتیاج کا سرچشمہ بن جاتی ہے،، (فورئے) کیونکہ ٹھیک یہ افراط ہی وہ چیز ہے جو ذرائع پیداوار اور ذرائع زندگی کے سرمائے کی شکل اختیار کرنے میں مانع ہے۔ چونکہ سرمایہدارانہ سماج میں ذرائع پیداوار صرف اسی وقت اپنا کام انجام دے سکتے ہیں جب کہ وہ پہلے سرمائے یعنی انسانی قوتمحنت کے استحصال کے ذریعے میں تبدیل ہوچکے ہوں۔ سرمائے میں ذرائع پیداوار اور ذرائع زندگی کے تبدیل ہونے کی ناگزیر ضرورت ان ذرائع کے اور مزدوروں کے درمیان ایک دیوار بنی کھڑی ہے۔ صرف یہی چیز ہے جو پیداوار کے مادی اور انسانی محرکوں کے یکجا ہونے میں مانع ہے اور صرف یہی چیز ذرائع پیداوار کو اپنا کام انجام دینے کی اور مزدوروں کو کام کرنے اور زندہ رہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ لہذا ایک طرف تو سرمایہدارانہ طرز پیداوار ان پیداواری قوتوں کی قیادت کرنے کی نااہلی کے جرم میں ماخوذ نظر آتی ہے اور دوسری طرف خود یہ پیداواری قوتیں روزافزوں زور اور قوت کے ساتھ دباؤ ڈالتی ہیں تاکہ اس تضاد کا خاتمہ ہو جائے، ان پیداواری قوتوں کی سرمائےوالی حیثیت اور خصوصیت ختم ہو جائے اور ان کا یہ کردار عملی طور پر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ سماجی پیداواری قوتیں ہیں۔

پیداواری قوتوں کے روزافزوں طاقتور ہوتے جانے کے ساتھ ساتھ ان کی خود اپنی سرمائےوالی حیثیت اور خصوصیت کے خلاف بغاوت اور یہ مسلسل بڑھتا ہوا مطالبہ کہ ان کا سماجی کردار تسلیم کیا جائے سرمایہدار طبقے کو مجبور کرتا ہے کہ جہاں تک سرمایہدارانہ حالات کے تحت ممکن ہے وہ ان سے روزبروز زیادہ سے زیادہ سماجی پیداواری قوتوں کا سا سلوک کرے۔ ایک طرف تو صنعتی گرمبازاری کے دور میں جب قرضے کی لامحدود افراط

ہوتی ہے اور دوسری طرف کاروبار کی مکمل تباہی میں بڑے بڑے سرمایہ‌دارانہ کاروباروں کی بربادی کے باعث ذرائع پیداوار کی بڑی اکثریت سماجی شکل اختیار کرنے لگتی ہے، جو ہمیں مختلف قسم کی سرمایۂ مشترکہ جمع (joint — stock) کی کمپنیوں میں ملتی ہے۔ ان ذرائع پیداوار اور ذرائع نقل و حمل کی ایک بڑی تعداد شروع ہی سے اس قدر دیوپیکر (مثلاً ریلوے) ہوتی ہے کہ وہ سرمایہ‌دارانہ استحصال کی اور کسی شکل کےلئے گنجائش ہی نہیں چھوڑتی۔ ارتقا کی ایک اور اگلی منزل پر یہ شکل بھی ناکافی ہو جاتی ہے۔ ایک ملک میں بڑے پیمانے کے ایک شعبۂ صنعت کے مالک مل کر ایک ''ٹرسٹ،، بنا لیتے ہیں۔ یہ اتحاد پیداوار میں باقاعدگی پیدا کرنے کےلئے ہوتا ہے۔ یہ لوگ کل پیداوار کی مقدار کا تعین کرتے ہیں اور اس کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں اور اس طرح پہلے سے طےشدہ قیمت‌فروخت عائد کر دیتے ہیں۔ لیکن جوں ہی کاروبار مندا پڑنے لگتا ہے اس قسم کے ٹرسٹ کا عام طور پر شیرازہ بکھرنے لگتا ہے۔ ٹھیک اسی وجہ سے وہ مجبوراً اجتماع کی مزید مرکزیت کو بروئےکار لاتا ہے۔ پوری کی پوری صنعت ایک بہت لمبی چوڑی مشترکہ جمع کی کمپنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اندرونی مقابلے کی جگہ اب اس ایک کمپنی کا اندرونی اجارہ لے لیتا ہے۔ ۱۸۹۰ء میں انگریزی القلی کی پیداوار کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ ۴۸ بڑے بڑے کارخانوں کے مل کر ایک ہو جانے کے بعد اب وہ ایک کمپنی کے ہاتھ میں ہے، ایک منصوبے کے مطابق منظم کی جاتی ہے اور اس کے پاس ساٹھ لاکھ پاؤنڈ کا سرمایہ ہے۔

ٹرسٹ میں مقابلے کی آزادی اپنی ضد یعنی اجارے کی آزادی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور سرمایہ‌دارانہ سماج کی پیداوار، جو کسی مقررہ منصوبے پر مبنی نہیں ہوتی، آنےوالے سوشلسٹ سماج کی ایک مقررہ منصوبے پر مبنی پیداوار کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس حد تک یہ چیز سرمایہ‌داروں کے فائدے اور منافع ہی کی ہے۔ لیکن اس صورت میں استحصال اس قدر صریحی اور نمایاں ہے کہ اس کا خاتمہ لازمی ہو جاتا ہے۔ کوئی قوم ٹرسٹ کی منظم‌کردہ پیداوار کو برداشت نہیں کر سکتی، جس

میں منافع‌خوروں کی ایک چھوٹی سی ٹولی پورے سماج کا استحصال اس قدر ڈھٹائی سے کرتی ہے۔

بہرصورت ٹرسٹ ہوں یا نہ ہوں، سرمایہ‌دارانہ سماج کے سرکاری نمائندے کی حیثیت سے ریاست کو کبھی نہ کبھی پیداوار کی نگرانی اور رہنمائی اپنے ذمے لینی ہی ہوگی*۔ ریاستی ملکیت

---

* میں کہتا ہوں "لینی ہی ہوگی"، کیونکہ جب ذرائع پیداوار اور ذرائع تقسیم واقعی سرمایۂ مشترک کی کمپنیوں کے انتظام کی حد سے کہیں آگے نکل جائیں گے اور جب اسی وجہ سے ریاست کا ان کو اپنے ہاتھ میں لینا معاشی طور پر ناگزیر ہو جائےگا (خواہ موجودہ ریاست ہی یہ کام انجام دے) صرف اسی صورت میں یہ معاشی ترقی ہوگی، صرف اسی وقت یہ ایک نیا قدم ہوگا جو خود سماج کے تمام پیداواری قوتوں کو اپنے ہاتھ میں لینے کےلئے ضروری ہے۔ جب سے بسمارک نے کچھ صنعتی اداروں کو ریاستی ملکیت بنایا اس وقت سے ایک قسم کا نقلی سوشلزم ابھر رہا ہے جو اکثر و بیشتر روبہ‌تنزل ہو کر ایک طرح کا خوشامدی‌پن بن جاتا ہے اور جو نہایت اطمینان سے ہر قسم کی ریاستی ملکیت کو، یہاں تک کہ بسمارک کی قسم کی ریاستی ملکیت کو بھی، سوشلسٹ قرار دے دیتا ہے۔ اور اگر ریاست کا تمباکو کی صنعت کو اپنے ہاتھ میں لینا سوشلسٹ قدم ہے تو یقیناً نپولین اور میٹرنک کا شمار سوشلزم کے بانیوں میں ہونا چاہئے۔ اگر بلجیم کی ریاست نے بالکل معمولی سیاسی اور مالی وجوہ کی بنا پر خود اپنی سب سے اہم ریلوے لائنیں تعمیر کیں اور اگر بسمارک نے ریاست کے نام پر سب سے اہم پرشن ریلوے لائنیں اپنے ہاتھ میں لےلیں — کسی معاشی مجبوری کی بنا پر نہیں بلکہ محض اس لئے کہ جنگ کی صورت میں ریلیں زیادہ اچھی طرح اس کے قبضے میں ہوں، ریلوے کے ملازمین کو گورنمنٹ کےلئے ووٹ دینےوالے مویشیوں کی طرح تیار کیا جا سکے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود پارلیمنٹ کی اجازت کا محتاج نہ رہ کر اپنے لئے ایک اور علحدہ ذریعۂ آمدنی پیدا کر سکے — تو کسی لحاظ سے بھی براہ‌راست یا بالواسطہ، شعوری یا غیرشعوری طور پر غرض کسی طرح بھی یہ کوئی سوشلسٹ قدم

میں تبدیل ہونے کی یہ ضرورت سب سے پہلے آمدورفت اور رسل و رسائل کے عظیم اداروں یعنی پوسٹ‌آفس، ٹیلیگراف اور ریلوں میں محسوس کی جاتی ہے۔

اگر بحران بورژوا طبقے کی جدید پیداواری قوتوں کی نگرانی اور انتظام کرنے کی موجودہ نااہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو پیداوار اور تقسیم کے بڑے بڑے اداروں کا سرمایۂ مشترک کی کمپنیوں، ٹرسٹ اور ریاستی ملکیت کی شکل اختیار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ بورژوا طبقہ اس مقصد کےلئے کس درجہ غیرضروری ہے۔ سرمایہ‌داروں کے تمام سماجی کام اب تنخواہ‌دار ملازمین انجام دیتے ہیں۔ اب سرمایہ‌دار کا اس کے علاوہ اور کوئی سماجی کام باقی نہیں رہا کہ وہ منافع کی رقمیں اپنی جیب میں پہنچائے، کوپن پھاڑے اور اسٹاک اکسچینج میں جوا کھیلے جہاں مختلف سرمایہ‌دار ایک دوسرے کا سرمایہ لوٹتے رہتے ہیں۔ شروع میں سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار مزدوروں کو نکال پھینکتی ہے اور اب سرمایہ‌داروں کو نکال پھینکتی ہے۔ اور جس طرح اس نے مزدوروں کو جبراً فاضل آبادی کی صف میں لاکھڑا کیا تھا اسی طرح اب وہ سرمایہ‌داروں کے ساتھ بھی کرتا ہے اگرچہ آخرالذکر کو فوراً صنعتی ریزرو فوج کی صفوں میں نہیں ڈالتا۔

لیکن پیداواری قوتیں خواہ سرمایۂ مشترک کی کمپنیوں اور ٹرسٹ کی شکل اختیار کریں خواہ وہ ریاستی ملکیت میں تبدیل ہو جائیں بہرصورت اس سے ان کا سرمایہ‌دارانہ کردار ختم نہیں ہوتا۔ مشترکہ جمع کی کمپنیوں اور ٹرسٹوں میں تو یہ بات بالکل صاف ہے۔ اور رہی جدید ریاست، سو وہ محض بورژوا سماج کی وہ تنظیم ہے جو یہ سماج سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کے خارجی حالات کو ایک

نہیں تھا۔ ورنہ شاہی بحری تجارت (۲۴)، چینی کے برتنوں کی رائل صنعت اور یہی نہیں بلکہ فوج کی رجمنٹ کا درزی خانہ بھی سوشلسٹ ادارے مانے جائیں گے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ریاست کا قحبہ‌خانوں کو اپنے ہاتھ میں لینا بھی جیسا کہ فریڈرک ولیم سوئم کے عہد حکومت میں ایک عیار شخص نے سنجیدگی سے تجویز پیش کی تھی۔ (اینگلس کا نوٹ۔)

طرف الگ الگ سرمایہداروں کی اور دوسری طرف مزدوروں کی دستدرازی سے محفوظ رکھنے کےلئے بناتا ہے۔ جدید ریاست کی شکل خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، بنیادی طور پر وہ ایک سرمایہدارانہ سیاسی نظام، سرمایہداروں کی ریاست، کل قومی سرمائے کا معیاری اظہار ہے۔ جتنا جتنا وہ پیداواری قوتوں کو اپنے ہاتھ میں لیتی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ وہ دراصل قومی سرمایہدار بنتی جاتی ہے اور اتنے ہی زیادہ شہریوں کا استحصال کرتی ہے۔ مزدور اجرتی مزدور یعنی پرولتاری ہی رہتے ہیں۔ سرمایہدارانہ رشتے ختم نہیں ہوتے بلکہ وہ تو کچھ اور بھی شدید ہو جاتے اور انتہا پر پہنچنے کے بعد دھڑام سے گر کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ پیداواری قوتوں کی ریاستی ملکیت تصادم کا حل نہیں ہے لیکن اس کے اندر وہ امکانی حالات مضمر ہیں جو اس حل کو ممکن بناتے ہیں۔

اور یہ حل مشتمل ہو سکتا ہے صرف جدید پیداواری قوتوں کے سماجی کردار کے عملی اعتراف پر، دوسرے الفاظ میں طرز پیداوار، طرز تبادلہ اور طرز تصرف کو ذرائع پیداوار کے سماجی کردار سے ہمآہنگ کرنے پر۔ اور یہ صرف اسی صورت میں بروئے کار آسکتا ہے کہ سماج کھلم کھلا اور براہراست پیداواری قوتوں پر قابض ہو جائے جو اب اتنی ترقییافتہ ہو چکی ہیں کہ پورے سماج کی نگرانی کے علاوہ ان پر اور کسی قسم کی نگرانی عائد نہیں کی جا سکتی۔ موجودہ زمانے میں ذرائع پیداوار اور پیداوار کا سماجی کردار خود پیدا کرنےوالوں کے خلاف عمل کرتا ہے، وقتاً فوقتاً تمام پیداوار اور تبادلے کو درہمبرہم کر دیتا ہے اور صرف کسی اندھا دھند قانون فطرت کی طرح جبری اور تخریبی طور پر اپنا کام کرتا ہے۔ لیکن سماج کے پیداواری قوتوں کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کے بعد پیدا کرنےوالے ذرائع پیداوار اور پیداوار کے سماجی کردار کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے اس کو مفید مصرف میں لائیں گے اور تھوڑی مدت بعد یہ سماجی کردار واقع ہونےوالی تباہیوں اور ابتری کا سرچشمہ ہونے کی بجائے خود پیداوار کی توسیع و ترقی کا ایک زبردست آلہ بن جائے گا۔

سماجی قوتیں اس وقت تک بالکل فطری قوتوں کے مانند اندھادھند، جبری اور تخریبی طور پر مصروفکار ہوتی ہیں جب

تک کہ ہم انہیں سمجھتے نہیں اور اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن ہم ایک دفعہ ان کو سمجھ لیتے ہیں اور ہمیں ان کے عمل، ان کے رخ اور ان کے اثرات کا شعور اور ادراک ہو جاتا ہے تو اس وقت ان کو روزافزوں طور پر اپنے ارادے کے تابع کرنا اور ان کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنا صرف ہمیں لوگوں پر منحصر ہوتا ہے۔ اور موجودہ زمانے کی عظیم پیداواری قوتوں پر یہ بات اور بھی زیادہ صادق آتی ہے۔ جب تک ہم ضد سے ان سماجی ذرائع پیداوار کی فطرت اور کردار کو سمجھنے سے انکار کرتے رہیں گے — اور ان کو سمجھنا سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار اور اس کے حامیوں کی سرشت کے خلاف ہے — اس وقت تک یہ پیداواری قوتیں ہم سے بےتعلق اور ہماری مخالفت میں مصروف عمل رہیں گی اور ہمارے اوپر حکومت کرتی رہیں گی جیسا کہ ہم نے ابھی تفصیل سے دکھایا ہے۔ لیکن ایک دفعہ ان کی فطرت کو سمجھ لیا جائے تو وہ ساتھ مل کر اشیا پیدا کرنے والوں کے لئے حکمراں عفریتوں کی بجائے آمادۂ خدمت موکل بن جائیں گی۔ یہ وہی فرق ہے جو طوفان برق و باراں میں کوندنے والی بجلی اور انسانی نگرانی کے تحت تاربرقی اور لیمپ اور مستعمل بجلی میں ہے، جو آتش زدگی اور انسان کی خدمت کرنے والی آگ کے درمیان ہے۔ جب آخرکار آج کی پیداواری قوتوں کی اصلی فطرت پہچان اور مان لی جاتی ہے تو پیداوار کی سماجی افراتفری پیداوار کے سماجی نظم اور باقاعدگی کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہے، جو تمام افراد اور سماج کی ضروریات کے مطابق اور ایک مقررہ منصوبے پر مبنی ہوتی ہیں۔ تب سرمایہ‌دارانہ طرز تصرف کی جگہ، جس میں پیداوار پہلے تو پیدا کرنے والے کو اور پھر تصرف کرنے والے کو غلام بناتی ہے پیداوار کی ایک ایسی طرز تصرف لے لیتی ہے جو جدید ذرائع پیداوار کے کردار پر مبنی ہوتی ہے — ایک طرف تو براہ‌راست سماجی تصرف جو پیداوار کے قیام اور توسیع کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف براہ‌راست انفرادی تصرف، جو وسیلۂ حیات اور ذریعۂ مسرت ہے۔

آبادی کی اکثریت کو روزافزوں پرولتاری بنانے کے ساتھ ساتھ سرمایہ‌دارانہ طرزپیداوار اس قوت کی تخلیق بھی کرتی ہے جو اس انقلاب کو بروئے کار لانے پر مجبور ہے اور اگر ایسا نہ کرے

تو خود اس کی تباھی آجائےگی۔ سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار نے روزافزوں وسیع ذرائع پیداوار کو، ریاستی ملکیت کی شکل اختیار کرنے پر مجبور کرکے گویا خود ھی اس انقلاب کو بروئےکار لانے کا راستہ دکھایا ھے۔ پرولتاری طبقہ سیاسی اقتدار اپنے ھاتھ میں لے لیتا ھے اور ذرائع پیداوار کو ریاست کی ملکیت بنا دیتا ھے۔ لیکن ایسا کرنے کے دوران وہ خود کو پرولتاری طبقے کی حیثیت سے ختم کر دیتا ھے، تمام طبقاتی امتیازات اور طبقاتی مخالفتوں کا قلع قمع کر دیتا ھے اور ریاست کو ریاست کی حیثیت سے ختم کر دیتا ھے۔ اب تک سماج کو، جس کی بنیاد طبقاتی مخالفتوں پر تھی، ریاست کی ضرورت تھی۔ اس کا مطلب یہ ھے کہ اسے اس خاص طبقے کی ایک تنظیم کی ضرورت تھی جو اپنے زمانے کا استحصالی طبقہ تھا، ایک ایسی تنظیم کی ضرورت تھی جس کا مقصد مروجہ حالات‌پیداوار میں باھر سے ھر قسم کی مداخلت کی روک‌تھام کرنا تھا اور اسی لئے خاص طور پر مظلوم طبقوں کو جبر اور زبردستی سے ایک ایسی مظلوم و مجبور حالت میں رکھنا تھا جو اس زمانے کی طرز پیداوار سے ھم‌آھنگ ھو (غلامی، کسان غلامی، اجرتی محنت)۔ کہنے کو تو ریاست پورے سماج کی نمائندہ، پورے سماج کے متحد ھوکر ایک مرئی اور محسوس شکل پانے کا نام تھی۔ لیکن ریاست کی یہ حیثیت اسی حد تک تھی جس حد تک کہ یہ اس طبقے کی ریاست تھی جو وقتی طور پر پورے سماج کی نمائندگی کرتا تھا۔ قدیم زمانے میں یہ غلاموں کے مالکوں کی ریاست تھی، ازمنۂ وسطی میں جاگیردار رؤسا کی اور خود ھمارے وقت میں بورژوا طبقے کی۔ جب آخرکار ریاست واقعی پورے سماج کی نمائندہ ھو جاتی ھے تو خود اس کی کوئی ضرورت نہیں رھتی۔ جس وقت کوئی ایسا سماجی طبقہ باقی نہیں رھتا جسے حلقہ‌بگوش یا ذلیل رکھنے کی ضرورت ھو، جس وقت طبقاتی حکومت، افراد کی جہد بقا جو ھماری پیداوار کے موجودہ نراج پر مبنی ھے، اور اس سے پیدا ھونےوالے تصادم، زیادتیاں اور بےاعتدالیاں، یہ سب کچھ ختم ھو جاتاھے، اس وقت کوئی ایسی چیز باقی نہیں رھتی جسے کچلا اور دبایا جائے اور ایک خاص جبری قوت یعنی ریاست کی کوئی ضرورت ھی نہیں رھتی۔ وہ پہلا قدم جس کے ذریعے ریاست

خود کو واقعی پورے سماج کے نمائندے کی حیثیت بخشتی ھے ـ یعنی سماج کے نام پر ذرائع پیداوار کو اپنے ھاتھ میں لینے کا عمل ـ ریاست کی حیثیت سے اس کا آخری آزادانہ قدم بھی ھوتا ھے ـ یکے بعد دیگرے تمام سماجی رشتوں میں ریاست کی دخل اندازی فضول اور غیرضروری ھو جاتی ھے اور پھر خود ھی ختم ھو جاتی ھے ـ اشیا کا انتظام اور نگرانی اور عمل پیداوار کی دیکھبھال انسانوں پر حکومت کی جگہ لے لیتی ھے ـ ریاست کی ''منسوخی،، نہیں ھوتی ـ اس کا پودا دھیرے دھیرے خود ھی سوکھ جاتا ھے ـ اس سے ''آزاد ریاست،، کے فقرے* کی ٹھیک ٹھیک قدروقیمت معلوم ھو سکتی ھے ـ ایک طرف تو یہ کہ بعض اوقات سیاسی مبلغ اس کا جائز استعمال کرتے ھیں اور دوسری طرف یہ کہ دراصل سائنسی اعتبار سے یہ ایک ناکافی فقرہ ھے، علاوہ‌بریں نام‌نہاد نراجیوں کے اس مطالبے کی صحیح قیمت کا اندازہ بھی ھو سکتا ھے کہ یوں ھی ریاست کی منسوخی کی جائے ـ

جب سے سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار تاریخ کے میدان میں نمودار ھوئی ھے اس وقت سے مختلف افراد اور فرقے کم و بیش دھندلے طریقے سے خواب دیکھتے آئے ھیں کہ مستقبل کا نصب‌العین یہ ھوگا کہ پورا سماج ذرائع پیداوار پر قابض ھوگا ـ لیکن وہ ممکن‌العمل اور تاریخی ضرورت صرف اسی وقت بن‌سکا جبکہ اس کے شرمندۂ تعبیر ھونے کےلئے حقیقی حالات موجود ھوئے ـ اور ھر سماجی ترقی کی طرح یہ نصب‌العین بھی انسانوں کے یہ بات سمجھ جانے سے کہ طبقوں کا وجود عدل اور مساوات وغیرہ کے منافی ھے ممکن‌العمل نہیں بنتا اور نہ وہ انسانوں کی ان طبقات کو ختم کرنے کی آمادگی سے ممکن‌العمل بنتا ھے ـ وہ ممکن‌العمل بنتا ھے بعض نئے معاشی حالات کی بدولت ـ سماج کا استحصالی اور مظلوم، حاکم اور محکوم طبقات میں بٹنا پرانے وقتوں کی پیداوار کے محدود اور ناقص ارتقا کا لازمی نتیجہ تھا ـ جب تک کل سماجی محنت کی پیداوار اس سے کچھ ھی زیادہ رھےگی جتنی کہ سب کے محض زندہ رھنے کےلئے

---

* ملاحظہ ھو مارکس اور اینگلس کی منتخب تصانیف، حصۂ دوم، ماسکو کا اردو ایڈیشن ـ (ایڈیٹر)

ضروری ہے، اور اسی وجہ سے جب تک سماج کے اراکین کی بہت
بڑی اکثریت کا تمام یا تقریباً تمام وقت محنت میں صرف ہوتا رہے گا،
اس وقت تک لازمی طور پر سماج طبقات میں بٹا رہے گا۔ اس بڑی
اکثریت کے پہلو بہ پہلو جو پوری طرح محنت کی زرخرید غلام ہے
ایک اور طبقہ ابھرتا ہے جو براہ‌راست پیدا کرنےوالی محنت سے آزاد
ہے اور سماج کے عام معاملات — یعنی محنت، ریاستی معاملات،
قانون، سائنس اور آرٹ وغیرہ — کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ سو
تقسیم‌محنت کا قانون طبقاتی تقسیم کی بنیاد ہے۔ لیکن یہ امر اس
چیز میں مانع نہیں ہے کہ زوروزبردستی، ڈاکہ اور چالبازی، جعل‌سازی
اور فریب کے ذریعے طبقات کی یہ تقسیم بروئےکار لائی جاتی ہے،
یہ امر اس چیز میں مانع نہیں ہے کہ حکمراں طبقہ جب ایک بار
برسر اقتدار اور غالب ہو جاتا ہے تو وہ مزدور طبقے کی ہڈیوں
پر اپنے اقتدار کی عمارت استوار اور مستحکم کرتا ہے اور اپنی
سماجی قیادت کو عوام کے ایک بےتحاشا استحصال میں تبدیل کر
دیتا ہے۔

لیکن اگر اس طرح پیش کئے جانے میں طبقاتی تقسیم کا کچھ
تاریخی جواز ہے بھی تو محض ایک خاص مدت کےلئے اور چند
مخصوص سماجی حالات کے تحت۔ اس کی بنیاد پیداوار کی قلت اور
کمی پر تھی۔ اور جدید پیداواری قوتوں کا مکمل ارتقا اس کا
خاتمہ کر دےگا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ سماج میں طبقات کے
خاتمے کےلئے تاریخی ارتقا کا وہ درجہ موجود ہونا ایک لازمی شرط
ہے جب کہ صرف کسی خاص حکمراں طبقے کی موجودگی ہی نہیں
بلکہ سرے سے حکمراں طبقے کا وجود اور اسی لئے خود طبقاتی
امتیازات کا وجود ہی فرسودہ اور متروک ہو گیا ہو۔ سو طبقات
کے ختم ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ پیداوار کا ارتقا ایک ایسے
مقام تک پہنچ چکا ہو جہاں ذرائع‌پیداوار اور پیداشدہ اشیا پر
سماج کے صرف ایک خاص طبقے کا تسلط اور تصرف اور اسی کے
ساتھ ساتھ صرف ایک ہی طبقے کا سیاسی غلبہ اور تہذیبی اور ذہنی
رہبری کی اجارہ‌داری نہ صرف یہ کہ فضول اور غیرضروری ہو بلکہ
معاشی، سیاسی اور ذہنی ارتقا کی راہ میں رکاوٹ بن چکی ہو۔ اب
عین وہ وقت آن پہنچا ہے۔ بورژوا طبقے کا سیاسی اور ذہنی دیوالیہ‌پن

اب خود اس کےلئے بھی راز نہیں رہا ہے۔ اس کا معاشی دیوالیہ پن دس دس سال کے وقفے سے باقاعدگی کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔ ہر بحران میں سماج کا خود اپنی پیداواری قوتوں اور پیداشدہ اشیا کے بوجھ کے نیچے، جنہیں وہ استعمال نہیں کر سکتا، دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ اس احمقانہ تضاد کے روبرو بےبس و لاچار کھڑا رہ جاتا ہے کہ پیدا کرنےوالوں کے پاس صرف کرنے کو کچھ نہیں ہے کیونکہ صرف کرنےوالے کمیاب ہیں۔ ذرائع پیداوار کی وسیع اور پھیلتی ہوئی قوت ان بندھنوں کو توڑ ڈالتی ہے جن میں سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار نے ان کو جکڑ رکھا تھا۔ ذرائع پیداوار کا ان بندھنوں سے آزاد ہونا پیداواری قوتوں کے مسلسل اور روزافزوں ارتقا کی اور اسی لئے خود پیداوار کی تقریباً لامتناہی افزائش کی اولیں اور لازمی شرط ہے۔ اور یہی نہیں۔ ذرائع پیداوار کا سماجی ملکیت بن‌جانا صرف پیداوار کی موجودہ مصنوعی بندشوں کا خاتمہ ہی نہیں کرتا بلکہ پیداواری قوتوں اور پیداشدہ اشیا کی صریحی فضول‌خرچی اور بربادی کا بھی خاتمہ کر دیتا ہے جو موجودہ زمانے میں پیداوار کا جزو لاینفک ہیں اور بحرانوں کے وقت اپنے عروج کو پہنچ جاتی ہیں۔ علاوہ‌بریں ذرائع پیداوار کا سماجی ملکیت بن جانا موجودہ حکمراں طبقوں اور ان کے سیاسی نمائندوں کے فضول اور احمقانہ اسراف کو ختم کرکے بہت سے ذرائع پیداوار اور اشیائےپیداوار کو پورے سماج کے استعمال کےلئے بچا لیتا ہے۔ سماجی پیداوار کے ذریعے سماج کے ہر فرد کےلئے نہ صرف ایک ایسی زندگی مہیا کرنے کا امکان پیدا ہوتا ہے جو مادی لحاظ سے مکمل طور پر موزوں اور بھرپور ہے اور روزبروز زیادہ بھرپور ہوتی جاتی ہے بلکہ ایک ایسی زندگی بھی ممکن ہوتی ہے جس میں ہر شخص کےلئے اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے آزادانہ ارتقا اور استعمال کا پورا موقع ہو۔ یہ امکان اب پہلی دفعہ پیدا ہوا ہے لیکن اس وقت یہ واقعی موجود ہے۔ *

---

* یہ چند اعداد و شمار جدید ذرائع پیداوار کے سرمایہ‌دارانہ دباؤ کے نیچے دبے ہونے کے باوجود ان کی انتہائی بڑی اور وسیع قوت کا کم‌وبیش صحیح اندازہ لگانے میں مدد دے سکتے ہیں۔

جب سماج ذرائع پیداوار پر قبضہ کر لیتا ہے تو جنس تجارت کی پیداوار ختم ہو جاتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اشیائے پیداوار کا پیدا کرنےوالے پر غلبہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ سماجی پیداوار میں ایک باقاعدہ، واضح اور معین تنظیم نراج اور بدنظمی کی جگہ لے لیتی ہے۔ انفرادی زندگی کےلئے جدوجہد غائب ہو جاتی ہے۔ تب انسان پہلی دفعہ ایک معنی میں ہمیشہ کےلئے باقی حیوانی دنیا سے بالکل الگ اور ممتاز ہو جاتا ہے اور محض حیوانی حالات زندگی سے نکل کر واقعی انسانی حالات زندگی میں قدم رکھتا ہے۔ حالاتِ زندگی کا پورا دائرہ جو انسان کے گردوپیش موجود ہوتا ہے اور جو اب تک انسان پر حکومت کرتا آیا تھا اب انسان کے — جو پہلی دفعہ فطرت کا اصلی اور باشعور فرماں روا بنتا ہے — قبضہ قدرت میں آجاتا ہے کیونکہ اب وہ اپنی سماجی تنظیم کا مالک و مختار ہو جاتا ہے۔ انسان کے خود اپنے سماجی عمل کے قوانین جو اب تک اس کے روبرو قوانین فطرت کی طرح استادہ تھے، جو انسان کےلئے اجنبی ہوتے ہیں اور اس پر حکومت کرتے ہیں، اب انھیں انسان پورے فہم وادراک کے ساتھ استعمال کرےگا اور اسی لئے ان پر غالب بھی آجائےگا۔ انسان کی خود اپنی سماجی تنظیم جو اب تک اس کو ایک ناگزیر ضرورت معلوم ہوتی تھی جسے فطرت

مسٹر گفن کے نزدیک برطانیہ عظمی اور آئرلینڈ کی کل دولت تخمیناً اتنی تھی:

۱۸۱۴ء میں دو ارب بیس کروڑ پاؤنڈ
۱۸۶۵ء میں چھ ارب دس کروڑ پاؤنڈ
۱۸۷۵ء میں آٹھ ارب پچاس کروڑ پاؤنڈ

اقتصادی بحران کے زمانے میں ذرائع پیداوار اور پیداشدہ اشیا کی فضول خرچی اور بےدردی سے ضائع کرنے کی ایک مثال کے طور پر دوسری جرمن صنعتی کانگرس (برلن، ۲۱ فروری ۱۸۷۸ء) میں بتایا گیا تھا کہ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۷۸ء تک کے اقتصادی بحران میں محض جرمنی کی لوہے کی صنعت میں ۲ کروڑ ۲۷ لاکھ ۵۰ ہزار پاؤنڈ کا نقصان ہوا۔ (اینگلس کا نوٹ)

اور تاریخ نے اس کے اوپر ٹھونس دیا تھا اب خود انسان کے آزادانہ عمل کا نتیجہ بن جاتی ہے۔ غیرمتعلق خارجی قوتیں جنھوں نے اب تک تاریخ پر حکومت کی ہے اب خود انسان کے قبضے اور اختیار میں آجاتی ہیں۔ صرف اسی وقت سے خود انسان زیادہ سے زیادہ شعوری طور پر اپنی تاریخ خود بنائےگا۔ صرف اسی وقت سے انسان کے حرکت میں لائے ہوئے سماجی اسباب سے زیادہ‌تر اور روزافزوں طور پر وہی نتائج حاصل ہوں‌گے جو انسان چاہتا ہے۔ یوں گویا انسان حلقۂ‌جبر سے بلند ہوکر حلقۂ اختیار میں قدم رکھتا ہے۔

آئیے ہم مختصراً اپنے تاریخی ارتقا کے خاکے کا خلاصہ بیان کریں:

۱۔ ازمنۂ وسطی کا سماج — چھوٹے پیمانے پر انفرادی پیداوار۔ ذرائع پیداوار انفرادی صرف و استعمال کےلئے موزوں اور مناسب ہیں۔ اسی لئے ابتدائی شکل کے، بھدے، بھونڈے اور ادنی درجے کے ہیں اور صرف محدود طور پر کام دے سکتے ہیں۔ پیداوار براہ‌راست استعمال کےلئے ہے۔ یا تو خود پیدا کرنےوالے کے یا اس کے جاگیردار آقا کے استعمال کےلئے۔ جہاں کہیں پیداوار اس استعمال کی ضرورت سے زائد ہو جاتی ہے صرف وہیں یہ زائد پیداوار فروخت کےلئے پیش کی جاتی ہے اور تبادلے میں شامل ہو جاتی ہے۔ لہذا جنس تجارت (مال) کی پیداوار ابھی عالم طفلی میں ہے۔ لیکن وہ اپنے اندر ابھی سے پورے سماج کی پیداوار میں نراج کے بیج لئے ہوئے ہے۔

۲۔ سرمایہ‌دارانہ انقلاب — صنعت کی کایاپلٹ شروع میں سادہ امدادباهمی اور کارخانہ‌داری کے ذریعے۔ اب تک منتشر ذرائع پیداوار کا بڑے بڑے کارخانوں میں مرکوز ہونا۔ اس کے نتیجے کے طور پر ان ذرائع پیداوار کا انفرادی سے سماجی ذرائع پیداوار میں تبدیل ہونا۔ ایک ایسی تبدیلی جو مجموعی طور پر تبادلے کی شکل پر اثرانداز نہیں ہوتی۔ تصرف کی پرانی شکلیں برقرار رہتی ہیں۔ سرمایہ‌دار نمودار ہوتا ہے۔ ذرائع پیداوار کے مالک کی حیثیت سے وہ اشیائے پیداوار پر بھی قبضہ کرلیتا ہے اور انھیں جنس تجارت میں تبدیل کردیتا ہے۔ پیداوار اب ایک سماجی عمل ہوگئی

ہے۔ تبادلہ اور تصرف اب تک انفرادی عمل ہیں، الگ الگ افراد کا عمل ہی ہیں۔ سماجی اشیائے پیداوار پر انفرادی سرمایہ‌دار کا قبضہ اور تصرف ہوتا ہے۔ یہ بنیادی تضاد ہے جس سے وہ تمام تضادات نکلتے ہیں جن کے اندر ہمارا موجودہ سماج حرکت کرتا ہے اور جو جدید صنعت میں واضح ہوجاتے ہیں۔

الف۔ پیدا کرنےوالے کا ذرائع پیداوار سے بالکل قطع تعلق اور جدائی۔ مزدور کا زندگی‌بھر کےلئے اجرتی محنت کرنے پر مجبور ہو جانا۔ پرولتاری اور بورژوا طبقوں کے درمیان معاندت۔

ب۔ ان قوانین کا روزافزوں غلبہ و اقتدار اور مسلسل بڑھتا ہوا اثر جو جنس تجارت کی پیداوار پر حاوی ہیں۔ بےلگام مقابلہ۔ فرداً فرداً ہر فیکٹری کی سماجی تنظیم اور مجموعی طور پر پیداوار کے سماجی نراج کے درمیان تضاد۔

ج۔ ایک طرف تو مشینوں کی ترقی اور تکمیل جسے مقابلے نے ہر کارخانہ‌دار کےلئے لازمی اور جبری بنادیا ہے اور اس کے پہلو بہ پہلو مزدوروں کا کام سے اخراج یعنی صنعتی ریزرو فوج۔ اور دوسری طرف پیداوار کی بے کراں توسیع، اسے بھی مقابلے نے ہر کارخانہ‌دار کےلئے لازمی بنا دیا ہے۔ دونوں طرف پیداواری قوتوں کا غیرمعمولی ارتقا، رسد کا طلب سے زیادہ ہونا، ضرورت سے زیادہ پیداوار، منڈیوں کا مال سے ٹھساٹھس بھرجانا، ہر دس سال کے بعد معاشی بحران اور برائی کا ایک چکر: ادھر ذرائع پیداوار اور اشیائے پیداوار کی افراط — ادھر ایسے مزدوروں کی افراط جن کے پاس نہ روزگار ہے نہ ذرائع زندگی۔ لیکن پیداوار اور سماجی خوش‌حالی کو بڑھانے کے یہ دو وسیلے ایک ساتھ کام کرنے کے ناقابل ہیں کیونکہ پیداوار کی سرمایہ‌دارانہ شکل پیداواری قوتوں کے کام کرنے میں اور اشیائے پیداوار کی گردش میں مانع ہوتی ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ پہلے سرمائے کی شکل میں تبدیل ہو چکی ہوں۔ اور ان کی حد سے زیادہ افراط ان کے سرمائے میں تبدیل ہونے میں مانع ہے۔ تضاد بڑھ کر حماقت بن گیا ہے: طرز پیداوار تبادلے کی شکل کے خلاف علم بغاوت بلند کرتی ہے۔ بورژوا طبقے کی اس سے آگے خود اپنی سماجی پیداواری قوتوں کا انتظام کرنے کی نااہلی ثابت ہو جاتی ہے۔

د ۔ خود سرمایہ‌داروں کا ایک حد تک پیداواری قوتوں کے سماجی کردار کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جانا ۔ پیداوار اور رسل و رسائل کے عظیم اداروں کا پہلے سرمایۂ مشترک کی کمپنیوں کے، پھر ٹرسٹوں کے اور اس کے بعد ریاست کے ہاتھ میں آنا ۔ بورژوا طبقے کا ایک فضول اور بے کار طبقہ ثابت ہونا ۔ اب بورژوا طبقے کے تمام سماجی کام تنخواہ‌دار ملازمین انجام دیتے ہیں ۔

۳ ۔ پرولتاری انقلاب — تضادوں کا حل ہو جانا : پرولتاری طبقہ پبلک اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے اور اس کے توسط سے سماجی ذرائع پیداوار کو، جو بورژوا طبقے کے ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں، پبلک ملکیت بنا دیتا ہے ۔ اس عمل کے ذریعے پرولتاری طبقہ ذرائع پیداوار کو ان کے سرمائے والے کردار سے نجات دیتا ہے جو اب تک ان کے اوپر نازل تھا اور ان کے سماجی کردار کو تشکیل و توسیع کی پوری پوری آزادی عطا کرتا ہے ۔ اس وقت سے ایک طے‌شدہ اور معین منصوبے پر مبنی سماجی پیداوار ممکن ہو جاتی ہے ۔ پیداوار کا ارتقا اس وقت سے سماج کے مختلف طبقوں کے وجود کو ایک شئے متروک بنا دیتا ہے ۔ جس تناسب سے سماجی پیداوار کی افراتفری غائب ہوتی ہے اسی تناسب سے ریاست کا سیاسی اقتدار ختم ہوتا ہے ۔ انسان، جو آخرکار خود اپنی سماجی تنظیم کا مالک و مختار ہو جاتا ہے، ساتھ ہی فطرت کا فرماں روا، خود اپنا مالک بنتا ہے اور آزاد ہو جاتا ہے ۔

یہ عالمگیر آزادی حاصل کرنے کا کام انجام دینا جدید پرولتاریہ کا تاریخی فریضہ ہے ۔ اس کام کی تاریخی شرائط اور اس طرح اس کی پوری فطرت کو بخوبی سمجھ لینا اور پرولتاری طبقے کی طرف، جو اس وقت مظلوم و مجبور ہے، اس اہم اور عظیم کام کی شرائط اور معانی کا بھرپور علم منتقل کرنا جو اسے انجام دینا ہے — یہ سائنسی سوشلزم کا فرض ہے جو پرولتاری تحریک کا نظریاتی مظہر ہے ۔

جنوری اور وسط مارچ
۱۸۸۰ء کے درمیان لکھا گیا ۔

اینگلس

لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ (۲۵)

(اقتباس)

لیکن جو کچھ فطرت کےلئے صحیح ہے جس کو ہم اب ارتقا کا تاریخی عمل مانتے ہیں وہی سماج کی تاریخ کےلئے اس کی ساری شاخوں میں اور ان تمام سائنسوں کی کلیت کےلئے بھی صحیح ہے جو انسانی (اور الوہی) چیزوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں بھی فلسفۂ تاریخ، فلسفۂ حق اور فلسفۂ مذہب وغیرہ اس پر مشتمل رہے ہیں کہ اس حقیقی ربط باہمی کی جگہ جس کو واقعات میں دریافت کرنا تھا اس من گھڑت ربط باہمی کو دے دی گئی تھی جو فلسفی کے دماغ کی پیداوار تھا۔ تاریخ، حق اور مذہب وغیرہ کا فلسفہ اس پر بھی مشتمل رہا ہے کہ تاریخ کو مجموعی طور پر اور اس کے الگ الگ حصوں کو بھی خیالات کی اور اسی لئے ہر ایک معین فلسفی کے صرف محبوب خیالات کی، رفتہ رفتہ تکمیل سمجھا گیا۔ اس کے مطابق تاریخ غیر شعوری لیکن ضروری طور پر ایسے معینہ مثالی مقصد کےلئے کام کر رہی تھی جو پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ مثلاً ہیگل کے یہاں ایسا ہی مقصد تھا مطلق خیال کی تکمیل، اور اس مطلق خیال کی طرف آنےوالا اٹل رجحان تھا تاریخی واقعات کا اندرونی باہمی ربط۔ اس طرح حقیقی اور ابھی تک انجانے ربط باہمی کی جگہ ایک نئی اور پراسرار پیش بینی کو دی گئی جو غیرشعوری تھی یا رفتہ رفتہ شعور حاصل کر رہی تھی۔ اس لئے فطرت کے شعبے کی طرح یہاں بھی اس کی ضرورت تھی کہ ان

من گھڑت اور مصنوعی روابط باهمی کو اصلی روابط کی دریافت کے ذریعه ختم کر دیا جائے۔ یه حرکت کے ایسے عام قوانین کی دریافت کا فریضه تھا جو غالب عناصر کی حیثیت سے انسانی سماج کی تاریخ میں اپنا راسته هموار کرتے هیں۔

بهرحال ایک لحاظ سے سماج کے ارتقا کی تاریخ فطرت کی تاریخ سے قطعی مختلف هے۔ فطرت میں (اس حد تک جتنا که هم فطرت پر انسان کے اثر کو نظرانداز کر دیں) صرف اندهی اور بےشعور قوتیں ایک دوسرے پر اثرانداز هوتی هیں جن کے باهمی ردعمل سے عام قوانین ظهور میں آتے هیں۔ جو کچھ بھی هوتا هے (خواه بے شمار عیاں اتفاقات میں هو جو آسانی هی سے دیکھے جا سکتے هیں یا ان مختتم نتائج میں هو جو ان اتفاقات کے اندر پنهاں باقاعدگی کی تصدیق کرتے هیں) وه کسی ایسے مقصد کے مطابق نهیں هوتا جس کی خواهش شعوری طور پر کی جاتی هو۔ اس کے برعکس سماج کی تاریخ میں سارے اداکار باشعور اور ایسے لوگ هوتے هیں جو سوچ سمجھ کر یا جوش کے تحت واضح مقاصد کے لئے عمل کرتے هیں۔ کسی باشعور تهیے کے بغیر، کسی باارادہ مقصد کے بغیر کچھ نهیں هوتا۔ لیکن یه امتیاز تاریخی تحقیقات کے لئے خصوصاً الگ الگ ادوار اور واقعات کی تحقیقات کے لئے اهم هونے کے باوجود اس حقیقت کو نهیں بدل سکتا که تاریخ کے دهارے پر اندرونی عام قوانین هی کا راج هے۔ کیونکه یهاں بھی مجموعی طور پر هر ایک فرد کے باشعور اور حسب خواهش مقاصد کے باوجود سطح پر غالباً اتفاق هی کا راج هے۔ جس کی خواهش کی جاتی هے وه شاذ و نادر هی هوتا هے۔ زیادہ‌تر صورتوں میں بهت سے خواهش‌شده مقاصد ایک دوسرے سے متصادم هوتے هیں یا یه مقاصد اپنے جوهر کے لحاظ سے ناقابل تکمیل هوتے هیں یا ان کے حصول کے ذرائع ناکافی هوتے هیں۔ اس طرح تاریخ کی دنیا میں بےشمار انفرادی خواهشوں اور انفرادی اقدامات کے تصادم بالکل ایسے حالات پیدا کر دیتے هیں جو بےشعور فطرت کی دنیا کے حالات سے مشابهه هوتے هیں۔ اقدامات کے مقاصد تو ارادی هوتے هیں لیکن ان اقدامات سے جو نتائج واقعی برآمد هوتے هیں وه ارادی نهیں هوتے۔ اور اگر وه پهلی نظر میں ارادی مقصد سے مطابقت رکھتے هوئے معلوم هوتے

ہیں تو بالآخر ان کے سب سے آخری نتائج اس سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جن کا ارادہ کیا گیا تھا۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی واقعات پر بھی مجموعی طور سے اتفاق کی چھاپ ہے۔ لیکن جہاں سطحی طور پر اتفاق کا راج ہوتا ہے وہاں یہ اتفاقات ہمیشہ اندرونی اور پنہاں قوانین کے تحت ہوتے ہیں۔ سارا کام صرف ان قوانین کو دریافت کرنا ہے۔

تاریخ کے ارتقا کی روش کچھ بھی ہو انسان تاریخ کو یوں تخلیق کرتے ہیں: ہر شخص اپنے باشعور پرمطلوب مقصد کی پیروی کرتا ہے اور انسانوں کی مختلف سمتوں میں کارفرما خواہشوں اور خارجی دنیا پر ان کے نوع بنوع اثرات کا نتیجہ ہی تاریخ کی تشکیل ہے۔ اس لئے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے افراد کی خواہش کیا ہے۔ مرضی کا تعین جذبے یا فکر سے کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ محرکات جو جذبے یا فکر کا براہ‌راست تعین کرتی ہیں بہت ہی نوع بنوع ہوتی ہیں۔ جزوی طور پر یہ خارجی اشیا ہو سکتی ہیں اور جزوی طور پر ذہنی محرکات: جاہ‌طلبی، ”حق و انصاف کا جوش“، ذاتی نفرت یا کسی نہ کسی طرح کی خالص انفرادی من کی موج۔ لیکن ایک طرف ہم دیکھ چکے ہیں کہ تاریخ میں کارفرما بہت سی انفرادی مرضیاں زیادہ‌تر ایسے نتائج پیدا کرتی ہیں جو ان سے بالکل مختلف بلکہ اکثر مخالف ہوتے ہیں جن کے حصول کا ارادہ کیا گیا تھا۔ اسی لئے ان کے محرکات بھی مجموعی نتیجے کے لحاظ سے صرف ثانوی اہمیت کے رہ جاتے ہیں۔ دوسری طرف، ایک نیا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے — کون سی محرک قوتیں ان محرکات کی پشت پر ہوتی ہیں؟ وہ تاریخی اسباب کیا ہیں جو اپنے آپ کو سرگرم کار لوگوں کے دماغوں میں معینہ محرک قوتوں کی شکل میں تبدیل کر لیتے ہیں؟

پرانی مادیت نے اپنے سے یہ سوال کبھی نہیں کیا۔ اس لئے اس کا تاریخ کا نظریہ (اگر اس کے پاس کوئی تھا تو) بنیادی طور پر نظریۂ عملیت (pragmatism) تھا — وہ ہر چیز کا اندازہ اقدام کے مقاصد سے لگاتا ہے اور تاریخی ہستیوں کو شریف اور رذیل میں تقسیم کرتا ہے اور پھر یہ انکشاف کرتا ہے کہ عام طور پر شرفا دھوکا کھاتے ہیں اور رذیلوں کی جیت ہوتی ہے۔ اس سے

پرانی مادیت کےلئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تاریخ کے مطالعہ سے کوئی ذہنی بالیدگی نہیں ہوتی اور ہمارے لئے تاریخ کی دنیا میں پرانی مادیت خود اپنے لئے جھوٹی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کارفرما ذہنی محرک قوتوں کو واقعات کے مختتم اسباب سمجھتی ہے، بجائے یہ تحقیقات کرنے کے کہ ان محرک قوتوں کی پشت پر کیا ہے اور ان محرک قوتوں کی محرک قوتیں کیا ہیں۔ بےاصولی یہ نہیں ہے کہ ذہنی محرک قوتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے بلکہ یہ کہ انہیں پر قناعت کی جاتی ہے اور آگے بڑھ کر ان کے محرک اسباب کی تحقیقات نہیں کی جاتی۔ اس کے برعکس تاریخ کا فلسفہ خصوصاً ہیگل کے یہاں اس کو تسلیم کرتا ہے کہ تاریخی ہستیوں کے ظاہری اور واقعی عملی محرکات کسی طرح بھی تاریخی واقعات کے مختتم اسباب نہیں ہوتے۔ ان محرکات کے پیچھے دوسری محرک قوتیں ہوتی ہیں جن کو دریافت کرنا چاہئے۔ لیکن تاریخ کا فلسفہ ان قوتوں کو خود تاریخ میں نہیں تلاش کرتا بلکہ ان کو باہر سے فلسفیانہ نظریے سے تاریخ میں لاتا ہے۔ مثلاً ہیگل قدیم یونان کی تاریخ کی وضاحت اس کے اندرونی باہمی روابط سے کرنے کی بجائے صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ ''حسین انفرادیت کی شکلوں،، کی ترتیب، اپنی جگہ ''فنی تخلیق،، کی تکمیل کے سوا اور کچھ نہیں ہے (۲۶)۔ اس سلسلے میں وہ قدیم یونانیوں کے بارے میں بہت سی عمدہ اور بلیغ باتیں کہتا ہے لیکن ایسی توضیح سے جو محض لفاظی ہے آج ہم مطمئن نہیں ہو سکتے۔

اس لئے جب سوال ان محرک قوتوں کی تحقیقات کا آتا ہے جو شعوری یا غیرشعوری طور پر (اور واقعی زیادہ‌تر غیرشعوری طور پر) تاریخی ہستیوں کے مقاصد کی پشت پر ہوتی ہیں اور جو آخرکار تاریخ کی حقیقی محرک قوتیں مرتب کرتی ہیں تب سوال اتنا الگ الگ افراد کے مقاصد کا نہیں ہوتا — چاہے وہ کتنے ہی ممتاز افراد کیوں نہ ہوں — جتنا ان مقاصد کا جو کثیرتعداد لوگوں کو، پوری کی پوری قوموں کو اور پھر ہر قوم پر پورے کے پورے طبقوں کو حرکت میں لاتے ہیں۔ اور یہاں بھی وقتی عمل اہم نہیں ہے جو گھاس پھوس کی طرح ذرا دیر بھڑک کر جلتا ہے اور خاک ہو جاتا ہے بلکہ ایک مسلسل اقدام جس کا نتیجہ

عظیم تاریخی تبدیلی ہوتی ہے۔ ان محرک اسباب کی تحقیقات کرنا جو سرگرم کار عوام اور ان کے رہنماؤں، نام نہاد عظیم ہستیوں کے ذہنوں میں باشعور مقاصد کی حیثیت سے صاف یا مبہم، براہ‌راست یا نظریاتی حتی کہ عظیم الشان شکل میں معکوس ہوتے ہیں — یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہمیں ان قوانین کے ادراک کی طرف لے جاتا ہے جن کا راج ساری تاریخ میں اور الگ الگ ادوار اور ممالک میں ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو آدمی کو حرکت میں لاتی ہے اسے اس کے ذہن سے ضرور گذرنا چاہئے۔ لیکن وہ ذہن میں کیا شکل اختیار کریگی اس کا انحصار بڑی حد تک حالات پر ہوتا ہے۔ مزدور اب مشینیں نہیں توڑتے جیسا کہ ۱۸۴۸ء میں وہ رائن کے صوبے میں کرتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ انہوں نے سرمایہ‌دارانہ مشینی صنعت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

تمام پچھلے ادوار میں تاریخ کے ان محرک اسباب کی تحقیقات ناممکن تھی (ان کے اور ان کے نتائج کے درمیان پیچیدہ اور پنہاں روابط باہمی کی وجہ سے)۔ لیکن ہمارے موجودہ دور نے ان روابط باہمی کو اتنا آسان بنا دیا ہے کہ بالآخر یہ معمہ حل کیا جا سکتا ہے۔ بڑے پیمانے کی صنعت کے قیام کے زمانے سے یعنی کم از کم ۱۸۱۵ء کی یورپی صلح کے وقت سے (۲۷) انگلستان میں کسی کےلئے بھی یہ بات راز نہیں رہی کہ وہاں کی ساری سیاسی جدوجہد کا مرکز دو طبقوں کے درمیان برتری کا دعوی تھا۔ یہ طبقات جاگیردار شرفا اور بورژوازی (middle class) تھے۔ فرانس میں بھی شاہی خاندان بوربون کی بحالی نے لوگوں کو یہ حقیقت سمجھنے میں مدد دی۔ بادشاہت کی بحالی (۲۸) کے دور کے مؤرخ تئیری سے لیکر گیزو، مینئے اور تیئر تک اس حقیقت کا ذکر ہر جگہ ازمنۂ وسطی سے ساری فرانسیسی تاریخ کو سمجھنے کی کنجی کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ اور ۱۸۳۰ء سے مزدور طبقے کو، پرولتاریہ کو ان دونوں ملکوں میں اقتدار کے لئے تیسرا دعویدار تسلیم کر لیا گیا ہے۔ حالات اتنے سیدھے سادے ہو گئے کہ اگر کوئی ان تین بڑے طبقوں کی جدوجہد اور ان کے مفادات کے تصادم میں جدید تاریخ کی محرک قوت کو (کم از کم دو انتہائی ترقی‌یافتہ ملکوں

میں) دیکھنا نہیں چاہتا تھا تو اس کو اپنی آنکھیں جان بوجھکر بند کرنی پڑتی تھیں۔

لیکن یہ طبقات کیسے وجود میں آئے؟ اگر پہلی نظر میں اس بڑی جائیداد کے آغاز کو جو کبھی جاگیردارانہ تھی کم از کم سب سے پہلے سیاسی اسباب سے، زبردستی قبضہ کرنے سے منسوب کیا جا سکتا تھا تو اب بورژوازی اور پرولتاریہ کے سلسلے میں ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ یہ صاف ہو گیا کہ ان دو بڑے طبقات کے آغاز و ارتقا کے اسباب خالص معاشی تھے۔ اور یہ بات بھی اتنی ہی صاف تھی کہ بڑے زمین‌داروں اور بورژوازی کے درمیان جدوجہد کی طرح بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان جدوجہد میں بھی معاشی مفادات کا سوال سب سے پہلا تھا جن کے حصول کےلئے سیاسی اقتدار کو محض ذریعے کی حیثیت سے کام کرنا تھا۔ بورژوازی اور پرولتاریہ دونوں معاشی حالات میں تبدیلی بلکہ یہ کہنا زیادہ ٹھیک ہوگا کہ پیداوار کے طریقے میں تبدیلی کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ پہلے گلڈوں کی دستکاری سے کارخانہ‌داری تک اور پھر کارخانہ‌داری سے بھاپ اور مشینی طاقت سے لیس بڑے پیمانے کی صنعت تک عبور ان دو طبقوں کے ارتقا کا سبب تھا۔ ارتقا کی ایک منزل پر پہنچ کر وہ نئی پیداواری قوتیں جو بورژوازی حرکت میں لائی تھی (سب سے پہلے محنت کی تقسیم اور ایک عمومی فیکٹری میں بہت سے الگ الگ مزدوروں کو متحد کرنا) اور تبادلے کے وہ حالات اور تقاضے جو ان پیداواری قوتوں کی بدولت وجود میں آئے تھے اس وقت کے نظام پیداوار سے نامطابق ہو گئے جو تاریخ سے وراثت میں ملا تھا اور جس کو قانون نے مقدس بنا دیا تھا یعنی جاگیردارانہ نظام میں رائج دستکاروں کی گلڈ کی مراعات اور متعدد دوسری ذاتی اور مقامی مراعات سے (جو مراعات نہ رکھنےوالے حلقوں کے لئے اتنی ہی متعدد زنجیریں بن گئی تھیں) نامطابق تھے۔ پیداواری قوتوں نے بورژوازی کے روپ میں اس نظام پیداوار کے خلاف بغاوت کردی جس کی نمائندگی جاگیردار اور دستکار استاد کرتے تھے۔ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ معلوم ہے یعنی انگلستان میں رفتہ رفتہ اور فرانس میں بیک ضرب جاگیردارانہ زنجیریں توڑ ڈالی گئیں۔ جرمنی میں یہ عمل ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ لیکن بالکل اسی طرح جیسے اپنے ارتقا کی

ایک معینہ منزل پر کارخانہ‌داری اور جاگیردارانہ نظام پیداوار کے درمیان تصادم ہوا تھا اسی طرح اب بڑے پیمانے کی صنعت کا ٹکراؤ بورژوا نظام پیداوار سے ہو رہا ہے جو جاگیردارانہ نظام کی جگہ قائم ہوا ہے۔ اس نظام سے بندھی ہوئی، سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کی تنگ حدود میں گھری ہوئی یہ صنعت ایک طرف کثیرتعداد لوگوں کو روزافزوں پرولتاریہ بنا رہی ہے اور دوسری طرف بہت زیادہ ناقابل فروخت سامان تیار کر رہی ہے۔ فاضل پیداوار اور کثیرتعداد لوگوں کی خستہ‌حالی (جو ایک دوسرے کا سبب ہیں) ایسا لغو تضاد ہے جو بڑے پیمانے کی صنعت کا نتیجہ ہے اور ضروری مطالبہ کرتا ہے کہ طرز پیداوار میں تبدیلی کے ذریعے پیداواری قوتوں کو آزاد کرایا جائے۔

اس طرح کم از کم جدید تاریخ میں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہر سیاسی جدوجہد طبقاتی جدوجہد ہوتی ہے اور آزادی کےلئے ہر طبقاتی جدوجہد اپنی لازمی سیاسی شکل کے باوجود (کیونکہ ہر طبقاتی جدوجہد سیاسی جدوجہد ہوتی ہے)بالآخر معاشی آزادی کا سوال بن جاتی ہے۔ اس لئے کم از کم جدید تاریخ میں ریاست (سیاسی نظام) ماتحت ہوتی ہے اور مدنی سماج (معاشی رشتوں کا دائرہ) فیصلہ کن عنصر بن جاتا ہے۔ روایتی نظریہ، جس کو ہیگل بھی خراج عقیدت پیش کرتا ہے، ریاست کو فیصلہ کن عنصر اور مدنی سماج کو ایسا عنصر سمجھتا ہے جس کا تعین ریاست کرتی ہے۔ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح کسی فرد کے اقدامات کی ساری محرک طاقتوں کو اس کے دماغ سے گذرنا اور اس کی مرضی کے مقاصد کی شکل میں اپنے کو تبدیل کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ فرد سرگرم عمل ہو سکے اسی طرح مدنی سماج کی تمام ضروریات کو (خواہ اس وقت کوئی بھی طبقہ حکمراں ہو) ریاست کی مرضی سے گذرنا چاہئے تاکہ قوانین کی شکل میں وہ عام طور پر جائز ہو جائیں۔ یہ معاملے کا رسمی پہلو ہے جو بجائے خود عیاں ہے۔ لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس محض رسمی مرضی کا مغز کیا ہے (فرد یا پوری ریاست کی مرضی کا مغز) اور یہ مغز کہاں سے حاصل کیا جاتا ہے اور صرف اسی چیز کی خواہش کیوں کی جاتی ہے، کسی دوسری کی کیوں نہیں؟ اگر ہم اس کی چھان بین کریں

تو پته چلتا ہے کہ جدید تاریخ میں ریاست کی مرضی کا مجموعی طور پر تعین مدنی سماج کی بدلتی ہوئی ضرورتوں سے، اس یا اس طبقے کی برتری سے اور آخری صورت میں پیداواری قوتوں کے ارتقا اور تبادلے کے رشتوں سے ہوتا ہے۔

لیکن اگر ہمارے جدید دور میں بھی جو پیداوار اور رسل و رسائل کے زبردست ذرائع رکھتا ہے ریاست آزاد ارتقاوالا آزاد منطقہ نہیں ہے بلکہ بالآخر اپنے وجود اور نشوونما کے لئے سماجی زندگی کے معاشی حالات پر منحصر ہے تو یہی اس سے پہلے کے زمانوں کےلئے اور زیادہ صحیح ہوگا جبکہ انسان کی مادی زندگی کی پیداوار ایسے پرافراط امدادی ذرائع سے نہیں ہوتی تھی اور اسی لئے ایسی پیداوار کی ضرورت انسان پر زیادہ حاوی رہی ہوگی۔ اگر ریاست آج بھی، بڑی صنعت اور ریلوے کے دور میں، مرکوز طور سے عکس ہے اس طبقے کی معاشی ضرورتوں کا جو پیداوار کو کنٹرول کرتا ہے تو اس دور میں ریاست کا یہ رول اس سے بھی زیادہ ایسا رہا ہوگا جب انسان کی ہر پشت اس بات پر مجبور تھی کہ وہ اپنی زندگی کا نسبتاً زیادہ بڑا حصہ مادی ضرورتوں کو پورا کرنے پر صرف کرے اور اسی لئے وہ ان کی اس سے کہیں زیادہ محتاج تھی جتنے آج ہم ہیں۔ پہلے کے ادوار کی تاریخ کا جائزہ (اگر اس پر ذرا سنجیدگی کے ساتھ اس زاوئے سے غور کیا جائے) اس کی بھرپور تصدیق کرتا ہے۔ لیکن بہر حال ایسا جائزہ ہم یہاں نہیں لے سکتے۔

اگر ریاست اور ریاستی قانون کا تعین معاشی رشتوں سے ہوتا ہے تو شہری قانون کا تعین بھی اسی طرح ہوتا ہے جس کا نچوڑ حقیقی طور پر یہ ہے کہ وہ افراد کے درمیان موجود معاشی رشتوں کی تصدیق کرتا ہے جو ان حالات میں حسب معمول ہوتے ہیں۔ جس شکل میں یہ تصدیق ہوتی ہے وہ بہرنوع مختلف قسم کی ہو سکتی ہے۔ یہ ممکن ہے، جیساکہ انگلستان میں ہوا، کہ پوری قومی ترقی کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے پرانے جاگیردارانہ قوانین کی زیادہ‌تر شکلوں کو برقرار رکھا جائے جبکہ ان کو نیا بورژوا مافیہ فراہم کیا جائے بلکہ درحقیقت جاگیردارانہ نام میں براہ‌راست بورژوا معنی پڑھ لئے جائیں۔ لیکن رومن قانون کو جو جنس تجارت پیدا کرنےوالوں کے سماج کا پہلا عالمی قانون تھا اور

8—980

جس نے ابتدائی اجناس تجارت کے مالکوں کے درمیان تمام اهم قانونی رشتوں (خرید اور فروخت کرنےوالوں، قرض لینے اور دینےوالوں، قرارناموں اور ذمہداریوں وغیرہ) کی لاجواب وضاحت کی تھی بنیاد کی حیثیت سے لیا جا سکتا ھے جیساکہ براعظمی مغربی یورپ میں کیا گیا۔ اس صورت میں ایسے سماج کے فائدے کے لئے جو ابھی تک پٹیبورژوا اور نیم جاگیردارانہ ھے اس قانون کو یا تو عدالتی کارروائی کے ذریعے اس سماج کی سطح تک (کل جرمن قانون) گرایا جا سکتا ھے یا مبینہ روشن خیال اور اخلاق کی تلقین کرنےوالے قانوندانوں کی مدد سے ایک مخصوص ضابطۂ قانون تیار کیا جا سکتا ھے جو سماجی ترقی کی اس سطح کے مطابق ھو یعنی ایسا ضابطہ جو ان حالات میں قانونی نقطۂ نظر سے بھی برا ھوگا (مثلاً پروشیائی قانون)۔ آخرکار عظیم بورژوا انقلاب کے بعد یہ بھی ممکن ھے کہ فرانسیسی ضابطۂ دیوانی (Code Civil) (۲۹) جیسے بورژوا سماج کے کلاسیکی ضابطۂقانون کو اسی رومن قانون کی بنیاد پر مرتب کیا جائے۔ اس لئے اگر شہری قانون کے قاعدے صرف سماجی زندگی کے معاشی حالات کا اظہار قانونی شکل میں کرتے ھیں تو وہ صورت حال کی بنا پر یہ اظہار اچھی یا بری طرح کرسکتے ھیں۔

ریاست اپنے کو انسان کے اوپر پہلی نظریاتی طاقت کی حیثیت سے پیش کرتی ھے۔ سماج اپنے لئے ایک ادارے کی تشکیل کرتا ھے تاکہ وہ اندرونی اور بیرونی حملوں سے اپنے مشترکہ مفادات کی حفاظت کرسکے۔ یہ ادارہ ریاستی اقتدار ھے۔ وجود میں آتے ھی یہ ادارہ اپنے کو سماج سے خودمختار کرلیتا ھے اور وہ سماج سے اتنا ھی زیادہ خودمختار ھوتا ھے جتناکہ وہ ایک مخصوص طبقے کا ادارہ بن جاتا ھے اور جتنا براہراست اس طبقے کی برتری کو مسلط کرتا ھے۔ حکمراں طبقے کے خلاف مظلوم طبقے کی لڑائی لازمی طور پر ایک سیاسی لڑائی بن جاتی ھے، سب سے پہلے اس طبقے کے سیاسی غلبے کے خلاف لڑائی۔ اس سیاسی جدوجہد اور اس کی معاشی بنیاد کے درمیان ربط باھمی کا شعور دھندلا پڑ جاتا ھے اور معدوم بھی ھو سکتا ھے۔ اگرچہ اس لڑائی کے شرکا اس کو بالکل نہیں گنوا بیٹھتے پھر بھی مؤرخوں کے ساتھ یہ ھمیشہ ھوتا ھے۔

روسن ریپبلک کے اندر جو لڑائیاں ہوئیں ان کے بارے میں قدیم مؤرخوں میں سے صرف آپین ھی یه صاف اور واضح طور پر بتاتا ھے که بالآخر متنازعه مسئله کیا تھا یعنی زمینی جائیداد۔

لیکن ریاست سماج سے خودمختار طاقت بن کر فوراً نئی آئیڈیالوجی پیدا کر دیتی ھے۔ پیشه‌ور سیاست دانوں، ریاستی قانون کے نظریه‌دانوں اور قانون عامه کے ماھروں میں معاشی حقیقتوں کا رابطه مختتم طور پر کھو جاتا ھے۔ چونکه ھر منفرد معاملے میں معاشی حقیقتوں کو قانونی تصدیق حاصل کرنے کےلئے قانونی مقاصد کی شکل اختیار کرنی چاھئے، اور چونکه ایسا کرنے میں واقعی اس سارے قانونی نظام کا جائزہ لینا پڑتا ھے جو رائج ھے اس لئے نتیجے میں قانونی شکل سب کچھ ھو جاتی ھے اور معاشی مغز کچھ بھی نہیں رھتا۔ ریاستی قانون اور قوانین‌دیوانی ایسے الگ الگ شعبے تصور کئے جاتے ھیں جن میں سے ھر ایک اپنا الگ الگ تاریخی ارتقا رکھتا ھو اور ھر ایک سارے اندرونی تضادات کو استدلال کے ساتھ دور کرکے ضروری باقاعدہ تشریح کی صلاحیت بھی رکھتا ھو اور ضرورت بھی۔

اس سے زیادہ اونچے درجے کے نظریات جو مادی معاشی بنیاد سے اور بھی دور ھوتے ھیں فلسفے اور مذھب کی شکل اختیار کر لیتے ھیں۔ یہاں نظریات اور ان کے وجود کے مادی حالات کے درمیان ربط باھمی درمیانی کڑیوں کی وجه سے زیادہ پیچیدہ اور دھندلا ھوتا جاتا ھے۔ لیکن ربط باھمی برقرار رھتا ھے۔ جس طرح نشاۃ ثانیه کا پورا دور پندرھویں صدی کے وسط سے لازمی طور پر شہروں اور اسی لئے شہریوں (bürghers) کی پیداوار تھا اسی طرح وہ فلسفه بھی تھا جو اس کے بعد نیا نیا ابھرا تھا۔ اس کا نچوڑ صرف ان خیالات کا فلسفیانه اظہار تھا جو چھوٹے اور اوسط درجے کے شہریوں کے بڑی بورژوازی میں تبدیل ھونے سے مطابقت رکھتے تھے۔ یه پچھلی صدی کے انگریزوں اور فرانسیسیوں میں کافی صاف طور پر نظر آتا ھے جو اکثر سیاسی معاشیات کے اتنے ھی ماھر تھے جتنے که فلسفی۔ جہاں تک یه سوال ھیگلی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ھے ھم اس کو اوپر ثابت کر چکے ھیں۔

اب ھم ایک سرسری نظر مذھب پر ڈالینگے کیونکه وہ مادی

زندگی سے سب سے زیادہ دور اور سب سے زیادہ بیگانہ معلوم ہوتا ہے۔ مذہب بہت ہی قدیم زمانے میں آدمیوں کے ان ابتدائی اور لاعلم تصورات سے پیدا ہوا جو وہ خود اپنی فطرت اور اردگرد کی خارجی فطرت کے بارے میں رکھتے تھے۔ ہر نظریہ جب ایک بار پیدا ہوجاتا ہے تو اس کا ارتقا سارے موجود تصورات کے مطابق ہوتا ہے اور پھر وہ ان تصورات کو اور فروغ دیتا ہے۔ ورنہ وہ نظریہ نہیں ہو یعنی اس کا تعلق آزاد وجودوں کی حیثیت سے خیالات سے نہیں رہتا جن کا ارتقا آزادانہ ہوتا ہے اور جو صرف اپنے قوانین کے تحت کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی مادی زندگی کے حالات جن کے دماغوں میں یہ فکری عمل ہوتا ہے بالآخر اس عمل کے راستے کا تعین کرتے ہیں۔ لیکن لوگوں کو اس عمل کا قطعی پتہ نہیں چلتا ورنہ سارے نظریے کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ابتدائی مذہبی تصورات جو عام طور پر یک‌جدی قوموں کے ہر گروہ میں مشترکہ ہوتے ہیں اس گروہ کے تقسیم ہونے کے بعد ہر قوم کے مخصوص طریقے سے ان حالاتِ‌زندگی کے مطابق فروغ پاتے ہیں جو ان کے حصے میں آتے ہیں۔ قوموں کے ایسے کئی گروہوں کے سلسلے میں خصوصاً آریہ نسل کے لوگوں کے سلسلے میں (جو انڈویوروپی کہلاتے ہیں) یہ عمل تقابلی دیوسالا کے ذریعے تفصیل سے دکھایا گیا ہے۔ اس طرح ہر قوم کے اندر جو دیوتا بنائے گئے وہ قومی دیوتا تھے جن کا راج اس قومی علاقے سے آگے نہیں بڑھتا تھا جس کی وہ حفاظت کرتے تھے۔ ان سرحدوں کے پار دوسرے دیوتاؤں کی اپنی عملداری تھی۔ ان کا وجود لوگوں کے تصور میں قوم کے وجود تک رہتا تھا اور اس قوم کے زوال کے ساتھ وہ بھی ختم ہو جاتے تھے۔ عالمی رومن سلطنت جس کے آغاز کے معاشی حالات کا جائزہ یہاں لینے کی ضرورت نہیں ہے پرانی قومیتوں کے زوال کا باعث بنی۔ پرانے قومی دیوتا، حتی‌کہ رومنوں کے دیوتا بھی جو شہر روم کی تنگ حدود سے مناسبت رکھتے تھے زوال‌پذیر ہو گئے۔ عالمی مذہب کے ذریعے اس عالمی سلطنت کے تکملے کی ضرورت کا صاف انکشاف ان کوششوں سے ہوا جو روم میں مقامی دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ ان تمام بیرونی دیوتاؤں کو ماننے اور ان کے لئے قربان‌گاہیں فراہم کرنے کےلئے کی گئیں جو ذرا بھی قابل احترام تھے۔ لیکن اس طرح

شاهی فرمانوں کے ذریعے نیا عالمی مذهب نہیں بنایا جا سکتا۔ نیا عالمی مذهب عیسائیت خاموشی سے وجود میں آ چکا تھا۔ وہ تعمیمی مشرقی خصوصاً یہودی دینیات اور بگاڑے هوئے یونانی خصوصاً زاهدانه رواقی (Stoic) فلسفے* کا سرکب تھا۔ یه دریافت کرنے کے لئے بڑی محنت کی ضرورت ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی شکل کیسی تھی کیونکہ اس کی سرکاری شکل، جس طرح وہ همیں دیا گیا ہے، محض وہ ہے جس میں اس نے ریاستی مذهب کی شکل اختیار کی اور اس مقصد کے لئے اس کو مجلس نیکائیا (۳۰) نے ڈھالا تھا۔ ۲۵۰ سال بعد عیسائی مذهب کا ریاستی مذهب بن جانا ایسا واقعه ہے جو اس بات کو اچھی طرح دکھاتا ہے کہ اس مذهب نے حالات‌زمانه سے مطابقت رکھی۔ ازمنۂ وسطی میں جاگیردارانه نظام کے مذهبی جز کی حیثیت سے عیسائیت کا بھی اتنا هی ارتقا هوا جتنا خود جاگیردارانه نظام سراتب کا اور اسی کے مطابق جاگیردارانه کلیسائی اقتدار کا بھی۔ اور جب شہری خوش‌حال هوئے تو جاگیردارانه کیتھولک مذهب کے خلاف پروٹسٹنٹ بدعت ابھری جو سب سے پہلے جنوبی فرانس میں آلبیگینیوں (۳۱) کے درمیان ایسے وقت ظہور میں آئی جب وهاں کے شہر اپنی ترقی کے انتہائی عروج پر تھے۔ ازمنۂ وسطی نے دینیات میں هر طرح کے نظریات — فلسفه، سیاست، قانون — جوڑ دئے تھے اور ان کو دینیات کی تحتی شاخیں بنا دیا تھا۔ اس طرح اس نے هر سماجی اور سیاسی تحریک کو مذهبی شکل اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ عوامی جذبات کی غذا مذهب کے سوا اور کچھ نه تھی۔ اس لئے عوام میں اپنے مفادات کے لئے جوشیلی

---

*هیلینک زمانے کے یونانی فلسفے کا ایک رجحان۔ اس کا خاص خیال یه تھا کہ هماری دنیا کے دو ابتدائی عناصر تھے: بلاخصوصیت مجهول ماده اور فاعل۔ اهل رواق صرف ''خیر،، (نیکی) کو مقصد حیات مان کر، بدی کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کی، ضبط جذبات کی اور آرام و تکلیف کے تصور سے بےنیاز هو جانے کی تلقین کرتے تھے اور اسی سے ان کی تعلیم اور ان کے عمل میں وہ زاهدانه پہلو پیدا هوا جو تکلیف میں زندگی بسر کرنے هی کو اصل دینداری سمجھنے لگا۔ (ایڈیٹر)

تحریک برپا کرنے کی غرض سے ان کے جذبات کو مذہبی روپ میں پیش کرنا ضروری ہو گیا۔ اور بالکل اسی طرح جیسے شہری ابتدا ہی سے اپنی جلو میں بےملکیت کے شہری غریب، روز کے روز کام کرنےوالے اور ہر طرح کے نوکر ساتھ لائے جن کی کوئی مسلمہ سماجی پوزیشن نہیں تھی اور ان لوگوں کے متقدمین میں سے تھے جو بعد کو پرولتاریہ بنے، اسی طرح مذہبی بدعت بھی شہریوں کی معتدل بدعت اور غریبوں کی انقلابی بدعت میں جلد ہی تقسیم ہو گئی اور مؤخرالذکر خود شہری (bürgher) ملحدوں کےلئے قابل نفرت بن گئی۔

پروٹسٹنٹ بدعت کا اسٹ ہونا شہریوں (bürghers) کی ناگزیر ترقی سے مطابقت رکھتا تھا۔ جب شہریوں کا یہ حصہ کافی مضبوط ہو گیا، تو جاگیردار اشراف کے خلاف اس کی جدوجہد جو ہنوز مقامی تھی قومی پیمانے تک پہنچنے لگی۔ پہلا بڑا اقدام جرمنی میں کیا گیا جو ریفارمیشن کہلایا۔ یہ شہری ابھی نہ تو اتنے طاقتور تھے اور نہ اتنے ترقی‌یافتہ کہ وہ اپنے جھنڈے کے نیچے باقی تمام باغی طبقوں — شہری غریبوں اور دیہات میں نچلے درجے کے شرفا اور کسانوں کو جمع کر سکتے۔ پہلے شرفا کو شکست ہوئی۔ کسانوں نے بغاوت کی جو اس پوری انقلابی تحریک کا نقطۂ عروج تھی۔ لیکن شہروں نے کسانوں کی حمایت نہیں کی اور حکمراں شہزادوں کی فوجوں نے انقلاب کو کچل دیا جس سے شہزادوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس وقت سے جرمنی تین صدیوں کے لئے ان ملکوں کی صف سے غائب ہو گیا جو تاریخ میں آزادی کے ساتھ عملی حصہ لے رہے تھے۔ لیکن جرمن لوتھر کے ساتھ فرانسیسی کالوین بھی پیدا ہوا۔ خالص فرانسیسی شدت کے ساتھ وہ ریفارمیشن کے بورژوا کردار کو سامنے لایا اور اس نے کلیسا کو رپبلکن اور جمہوری بنایا۔ لوتھری ریفارمیشن تو جرمنی میں مبتذل ہوکر ملک کو تباہی کی طرف لے گیا لیکن کالوینی ریفارمیشن نے جنیوا، ہالینڈ اور اسکاٹ‌لینڈ میں رپبلکنوں کے لئے پرچم کا کام کیا اور ہالینڈ کو اسپین اور جرمن سلطنت سے نجات دلائی اور بورژوا انقلاب کے اس دوسرے ایکٹ کے لئے نظریاتی پوشاک فراہم کی جو انگلستان میں ہو رہا تھا۔ یہاں کالوین‌ازم نے اس زمانے کی بورژوازی کے

مفادات کے مذہبی بھیس کا کردار ٹھیک سے ادا کیا۔ اور اسی وجہ سے اس کو اس وقت پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا جب ۱۶۸۹ء میں انقلاب (۳۲) کا خاتمہ اشرافیہ کے ایک حصے اور بورژوازی کے درمیان سمجھوتے پر ہوا۔ انگلستان کا ریاستی کلیسا پھر قائم ہو گیا لیکن کیتھولک‌ازم کی پچھلی شکل میں نہیں جس میں اسقف اعظم بادشاہ ہوتا تھا — اب اس پر کالوین‌ازم کا رنگ کافی چڑھ چکا تھا۔ پرانا ریاستی چرچ پرمسرت کیتھولک اتوار مناتا تھا اور افسردہ کالوینی اتوار کی مخالفت کرتا تھا۔ لیکن بورژوا اثرات سے بھرپور نئے چرچ نے مؤخرالذکر ہی کو رائج کیا جو ابھی تک انگلستان کو زینت بخش رہا ہے۔

فرانس میں کالوینی اقلیت کو ۱۶۸۵ء میں دبا دیا گیا اور اس کے لوگوں کو یا تو کیتھولک بنا لیا گیا یا ملک سے باہر نکال دیا گیا۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس وقت آزاد خیال پیئر بیئل کی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور ۱۶۹۴ میں والتیئر پیدا ہو چکا تھا۔ لوئی چہاردہم کے پرتشدد اقدامات نے فرانسیسی بورژوازی کے لئے یہ محض آسان بنا دیا کہ وہ اپنے انقلاب کو غیرمذہبی اور بالکل سیاسی شکل میں کرسکے جو ترقی‌یافتہ بورژوازی کے‌لئے واحد موزوں بات تھی۔ قومی اسمبلیوں میں پروٹسٹنٹوں کی بجائے آزادخیال پہنچ گئے۔ اس طرح عیسائیت اپنی مختتم منزل میں داخل ہو گئی۔ اب وہ اس قابل نہیں رہی تھی کہ آگے چل کر کسی ترقی‌پسند طبقے کی نظریاتی پوشاک کا کام دے سکے۔ وہ روز بروز زیادہ حکمراں طبقوں کی قطعی ملکیت بنتی گئی اور وہ اس کو محض ذریعۂ حکومت کی حیثیت سے نچلے طبقوں کو اپنی حدود کے اندر رکھنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ مزیدبرآں مختلف حکمراں طبقوں میں سے ہر ایک اس مذہب کو استعمال کرتا ہے جو اس کے لئے موزوں ہے جاگیردار اشراف — کیتھولک جیسوئٹ‌ازم یا پروٹسٹنٹ قدامت‌پرستی کو، اعتدال‌پرست اور ریڈیکل بورژوازی — عقلیت (rationalism) کو۔ اور اس سے بہت کم فرق پڑتا ہے کہ آیا یہ حضرات خود بھی اپنے اپنے مذہبوں پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب ایک بار ظہور میں آنے کے بعد ہمیشہ پچھلے زمانے سے وراثت میں ملے ہوئے تصورات کے ذخیرے

محفوظ رکھتا ہے کیونکہ تمام نظریاتی شعبوں میں روایت ایک بڑی قداست‌پرست طاقت ہوتی ہے۔ لیکن ان تصورات کے ذخیرے میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ طبقاتی تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں یعنی ان لوگوں کے معاشی تعلقات سے جو یہ تبدیلیاں کرتے ہیں۔ اب یہاں اتنا کافی ہے۔

اوپر تاریخ کے مارکسی نظرئے کا صرف ایک مختصرسا خاکہ پیش کیا جا سکا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ کچھ وضاحتی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ رہا اس کا ثبوت تو وہ خود تاریخ ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ یہ ثبوت دوسری تحریروں میں کافی دیا جا چکا ہے۔ بہرحال یہ تصور تاریخ کے شعبے میں فلسفے کا خاتمہ اسی طرح کر دیتا ہے جس طرح فطرت کا جدلیاتی تصور سارے فلسفۂ فطرت کو غیرضروری اور ناممکن بناتا ہے۔ اب کہیں بھی یہ سوال ربط باہمی کو اپنے دماغ سے اختراع کرنے کا نہیں بلکہ ان کو واقعات میں تلاش کرنے کا ہے۔ فلسفے کے لئے، جو فطرت اور تاریخ سے خارج کیا جا چکا ہے صرف خالص فکر کا میدان باقی رہ جاتا ہے کیونکہ وہ اس حد کو پہنچ کر خود فکری عمل کے قوانین کا نظریہ، منطق اور جدلیات ہی رہ جاتا ہے۔

۱۸۸۶ء کی ابتدا میں لکھا گیا۔

اینگلس
”سوشلزم: یوٹوپیائی اورسائنسی“ کے ۱۸۹۲ءکے انگریزی ایڈیشن کی خاص تمہید

(اقتباس)

مجھے امید ہے کہ خود برطانوی رکھ رکھاؤ کو بھی ضرورت سے زیادہ صدمہ نہیں پہنچےگا اگر میں اور بہت سی زبانوں کی طرح انگریزی میں بھی تاریخ کی رفتار کے اس نظرئے کو ”تاریخی مادیت“ کی اصطلاح سے موسوم کروں جو تمام اہم تاریخی واقعات کے سبب اول اور عظیم قوت محرکہ کو تلاش کرتا ہے سماج کے معاشی ارتقا میں، طرز پیداوار اور طرز تبادلہ کے اندر ہونےوالی تبدیلیوں میں، ان تبدیلیوں کے نتیجے کے طور پر الگ الگ طبقات میں سماج کے تقسیم ہونے میں اور ان طبقات کی باہمی کشمکش میں۔

اور اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ تاریخی مادیت شاید خود برطانوی رکھ رکھاؤ کےلئے بھی مفید چیز ہو سکتی ہے تو غالباً مجھے اور زیادہ آسانی سے معاف کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اس حقیقت کا تذکرہ کیا ہے کہ تقریباً چالیس یا پچاس سال قبل انگلستان میں بسنےوالے ہر مہذب غیرملکی کو وہ چیز بہت ناگوار لگ رہی تھی جسے وہ لازمی طور پر انگلستان کے عزت دار متوسط طبقے کی ظاہری مذہبی عصبیت اور حماقت سمجھتا تھا۔ اب میں اس امر کی وضاحت کروں‌گا کہ اس زمانے کا انگریز عزت‌دار متوسط طبقہ اتنا بیوقوف ہرگز نہیں تھا جتنا کہ وہ ایک ذہین غیرملکی کو معلوم ہوتا تھا۔ اس کے مذہبی رجحانات کی توجیہہ کی جا سکتی ہے۔

جس وقت یورپ ازمنۂ وسطی سے نکلا اس وقت شہروں کا ابھرتا ہوا متوسط طبقہ اس کا انقلابی عنصر تھا۔ اس طبقے نے ازمنۂ وسطی کی جاگیردارانہ تنظیم کے درمیان ایک مانا ہوا مقام حاصل کر لیا تھا لیکن یہ مقام بھی اس کی توسیع پذیر طاقت کےلئے بہت تنگ و محدود ہو چکا تھا۔ متوسط طبقے یا بورژوا طبقے کا ارتقا اور جاگیردارانہ نظام اب ایک دوسرے کے لئے قطعی بےمیل اور بےآہنگ ہو چکے تھے۔ لہذا جاگیردارانہ نظام کا زوال ہونا ہی تھا۔

لیکن جاگیردارانہ نظام کا عظیم بین الاقوامی مرکز رومن کیتھولک کلیسا تھا۔ اس نے ساری اندرونی جنگوں کے باوجود جاگیردارانہ نظام رکھنےوالے سارے مغربی یورپ کو ایک واحد عظیم الشان سیاسی نظام میں متحد کر رہا تھا جو کیتھولک کلیسا سے الگ ہوجانےوالی مشرقی کلیسا کے بھی اسی قدر خلاف تھا جتنا کہ اسلامی ملکوں کے۔ اس کلیسا نے جاگیردارانہ اداروں کے ارد گرد الوہی تقدیس کا ایک ہالۂ نورسا بنا رکھا تھا۔ اس نے خود اپنے نظام مراتب کی تنظیم جاگیردارانہ نمونے پر کی تھی۔ مزیدبرآں وہ خود سب سے کہیں زیادہ طاقتور جاگیردار تھا کیونکہ وہ تمام کیتھولک دنیا کی پوری ایک تہائی زمینوں پر قابض تھا۔ اس سے پیشتر کہ ایک ایک ملک میں دنیوی نظام جاگیرداری پر کامیابی سے حملہ کیا جا سکے اس کلیسا کو جو اس کا مقدس مرکزی ادارہ تھا نیست و نابود کرنا ضروری تھا۔

علاوہ‌بریں متوسط طبقے کے عروج کے پہلو بہ پہلو سائنس کی شاندار حیات ثانیہ بھی تھی۔ علم ہیئت، میکانیات، طبیعیات، علم تشریح، عضویات کی ایک دفعہ پھر توسیع و تزئین ہونے لگی۔ اور بورژوا طبقے کو اپنی صنعتی پیداوار کی ترقی کےلئے ایک ایسی سائنس کی ضرورت تھی جو طبیعی اجسام کی صفات اور فطرت کی قوتوں کے طریقۂ عمل کو ٹھیک طور پر سمجھ سکے۔ اس وقت تک سائنس محض کلیسا کی ایک ناچیز لونڈی تھی اور ایمان و عقیدے کی عائد کی ہوئی حدود سے آگے جانے کی مجاز نہیں تھی اور اسی وجہ سے وہ دراصل سائنس کہلائی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ اب سائنس نے کلیسا کے خلاف بغاوت کی اور بورژوا طبقہ چونکہ سائنس کے بغیر کام نہیں چلا سکتا تھا لہذا اسے بھی اس بغاوت میں شریک ہونا پڑا۔

مندرجۂ بالا مثالوں سے گو صرف ایسے دو ہی نقطوں پر روشنی پڑتی ہے جہاں رائج الوقت مذہب سے ابھرتے ہوئے متوسط طبقے کی ٹکر ہونی ناگزیر تھی لیکن اتنی ہی بات یہ دکھانے کےلئے کافی ہے کہ اول تو جس طبقے کو رومن کلیسا کے دعووں کے خلاف جدوجہد میں سب سے زیادہ براہ‌راست دل‌چسپی تھی وہ بورژوا طبقہ ہی تھا، اور دوسرے یہ کہ اس زمانے میں جاگیرداری کے خلاف ہر جدوجہد کےلئے مذہبی جامہ پہننا اور سب سے پہلے کلیسا کے خلاف جنگ‌آزما ہونا ضروری تھا۔ لیکن جب شہروں کے تاجر اور یونی‌ورسٹیاں نعرۂ‌جنگ لگاتے تھے تو دیہاتی عوام کے، کسانوں کے دلوں سے بھی اس نعرے کی پرزور گونج نکلتی تھی کیونکہ انھیں ہر جگہ اپنی جان و تن یکجا رکھنے کےلئے اپنے روحانی اور دنیوی جاگیردار آقاؤں کے مقابلے پر نکلنا پڑتا تھا۔

جاگیرداری کے خلاف بورژوا طبقے کی طویل جنگ تین عظیم اور فیصلہ کن مجادلوں میں اپنے عروج کو پہنچی۔

پہلا مجادلہ وہ تھا جو جرمنی میں ''پروٹسٹنٹ اصلاح دین'' کے نام سے موسوم ہے۔ لوتھر نے کلیسا کے خلاف جو نعرۂ جنگ بلند کیا تھا اس کو دو سیاسی کردار رکھنے‌والی بغاوتوں نے لبیک کہا: پہلے ۱۵۲۳ء میں فرانز فون زی‌کنگین کی قیادت میں طبقۂ اشراف کے نچلے حصے کی بغاوت ہوئی اور پھر ۱۵۲۵ء میں کسانوں کی عظیم جنگ۔ دونوں ہی کو شکست ہوئی اور اس شکست کا سب سے اہم سبب اس جنگ میں سب سے زیادہ دل‌چسپی رکھنے‌والے فریق یعنی شہریوں کا تذبذب اور تلون تھا — اس تذبذب و تلون کے اسباب سے ہم یہاں بحث نہیں کر سکتے۔ اس لمحے سے یہ جدوجہد اپنے مقام سے گرکر مقامی شہزادوں اور مرکزی اقتدار کے درمیان جنگ میں تبدیل ہو گئی اور آنے‌والے دو سو برسوں کےلئے یورپ کی سیاسی اعتبار سے زندہ و باعمل قوموں کی صف سے جرمنی کا نام مٹاکر ہی ختم ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ لوتھر کی اصلاح دین نے جرمنی میں ایک نئے عقیدے کو، ایک ایسے مذہب کو جنم دیا جو مطلق‌العنان شہنشاہیت کےلئے موزوں اور مناسب تھا۔ جیسے ہی شمال مشرقی جرمنی کے کسانوں نے لوتھری عقیدہ قبول کیا اسی وقت سے وہ آزاد انسانوں کے مقام سے گرکر زرعی غلام بن گئے۔

لیکن جہاں لوتھر ناکام رہا وہاں کالوین نے میدان جیت لیا۔ کالوین کا عقیدہ اس دور کے بےباک‌ترین بورژوا طبقے کےلئے بھی موزوں تھا۔ اس کا عقیدۂ قضا و قدر اس حقیقت کا ایک مذہبی اظہار تھا کہ مقابلے کی تجارتی دنیا میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار انسان کے جوش و سرگرمی یا ھوشیاری پر نہیں ھوتا بلکہ اس کا دارومدار ایسے حالات پر ھوتا ھے جو انسان کے قبضۂ قدرت سے باھر ھیں۔ کامیابی یا ناکامی کسی فرد کی دوڑبھاگ یا ارادہ اور خواھش کے قابو میں نہیں بلکہ نامعلوم اور برتر معاشی طاقتوں کے رحم و کرم پر ھوتی ھے۔ اور یہ چیز معاشی انقلاب کے اس دور پر اور بھی زیادہ صادق آتی تھی جب سارے پرانے تجارتی راستوں اور مرکزوں کی جگہ نئے راستوں اور مرکزوں نے لے لی تھی، جب امریکہ اور ھندوستان کے دروازے دنیا کےلئے کھل گئے تھے اور جب مقدس‌ترین معاشی اصول دین یعنی سونے اور چاندی کی قدر و قیمت میں بھی تزلزل پیدا ھو چلا تھا۔ کالوین کا کلیسائی نظام پوری طرح جمہوری اور ریپبلکن تھا اور جب اقلیم خداوندی جمہوری رنگ میں رنگ گئی تو پھر بھلا اس دنیا کی اقلیمیں شہنشاھوں، اسقفوں اور جاگیرداروں کی حلقہ‌بگوش کیسے رہ سکتی تھیں؟ اس وقت میں جبکہ جرمن لوتھری عقیدہ خوشی شہزادوں کا آلۂ کار بن گیا تھا کالوینی عقیدے نے ھالینڈ میں ایک جمہوریہ قائم کی اور انگلستان اور سب سے بڑھ کر اسکاٹ‌لینڈ میں باعمل اور سرگرم ریپبلکن پارٹیوں کی بنیاد ڈالی۔

کالوینی عقیدے میں بورژوا طبقے کے دوسرے انقلاب عظیم کو اپنا بنا بنایا تیارشدہ نظریہ مل گیا۔ یہ انقلاب عظیم انگلستان میں واقع ھوا۔ شہر کا متوسط طبقہ اسے بروئے کار لایا اور دیہاتی اضلاع کے زراعت‌پیشہ متوسط طبقے نے اسے لڑائی لڑکر حاصل کیا۔ یہ دلچسپ بات ھے کہ تینوں عظیم بورژوا بغاوتوں میں کسانوں ھی نے وہ فوج مہیا کی جسے لڑنے کا کام کرنا پڑا اور فتح کے بعد کسانوں ھی کے طبقے کو اس فتح کے معاشی نتائج نے پوری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ کرامویل کے سو سال بعد انگلستان کا زراعت پیشہ متوسط طبقہ تقریباً غائب ھو چکا تھا۔ بہرحال اگر اسی زراعت پیشہ متوسط طبقے اور شہروں کے عامی عناصر کا دم قدم نہ ھوتا تو بورژوا

طبقه تنہا ہرگز اس معاملے کو انتہا تک نہ پہنچاتا اور کبھی بھی چارلس اول کو موت کے گھاٹ نہ اتارتا۔ بورژوا طبقے کی جو فتوحات اس وقت بالکل مکمل ہو چکی تھیں ان کو استوار کرنے کے لئے بھی اس انقلاب کو اور کافی آگے لے جانے کی ضرورت تھی، ٹھیک اسی طرح جیسے ۱۷۹۳ء میں فرانس میں اور ۱۸۴۸ء میں جرمنی میں ایسا کرنا ضروری تھا۔ غالباً یہ دراصل بورژوا سماج کے ارتقا کے قوانین میں سے ایک ہے۔

پھر انقلابی جوش و سرگرمی کی یہ افراط لازمی طور پر ایک ناگزیر رجعت‌پرستی کو اپنی جلو میں لائی اور پھر یہ رجعت پرستی بھی اس نقطۂ اعتدال سے آگے نکل گئی جہاں وہ خود کو قائم رکھ سکتی تھی۔ چند در چند جنبشوں اور پینگوں کے بعد آخرکار نیا مرکز ثقل دستیاب ہو ہی گیا اور پھر وہ ایک نیا نقطۂ آغاز بن گیا۔ انگریزی تاریخ کے اس شاندار دور کا، جسے عزت‌دار لوگ ''بغاوت عظیم،، کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور اس کے بعد کی جدوجہد کا خاتمہ ایک نسبتاً حقیر و غیراہم واقعہ پر ہوا جسے لبرل مؤرخوں نے ''شاندار انقلاب،، (۳۳) کا نام دے رکھا ہے۔

نیا نقطۂ آغاز ابھرتے ہوئے بورژوا طبقے اور سابق جاگیردار زمین‌داروں کے درمیان ایک سمجھوتہ تھا۔ آخرالذکر کو اب کی طرح اس وقت بھی طبقۂ امرا کہلاتے تھے لیکن دراصل بہت مدت سے وہ اس راستے پر پڑ چکے تھے جو ان کو ''سلطنت کے اولیں بورژوا،، بننے کی طرف لے جاتا تھا جیسا کہ ایک بہت بعد کے دور میں فرانس میں لوئی فلپ بن گیا تھا۔ انگلستان کی خوش قسمتی تھی کہ پرانے جاگیردار نوابوں نے گلاب‌والی جنگوں (۳۴) کے دوران میں ایک دوسرے کو قتل کر دیا تھا۔ ان کے ورثا زیادہ‌تر قدیم خاندانوں کے چشم و چراغ ہونے کے باوجود سیدھے خاص سلسلۂ نسب سے اس قدر دور جا پڑے تھے کہ اب وہ ایک بالکل ہی نیا گروہ بن گئے تھے جو عادات اور میلانات کے لحاظ سے جاگیردار سے زیادہ بورژوا تھا۔ وہ پیسے کی اہمیت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اور انھوں نے فوراً ہزاروں چھوٹے کاشتکاروں کو بےدخل کرکے ان کی جگہ بھیڑوں کو زمینوں پر چھوڑ دیا اور اس طرح اپنا لگان بڑھانے لگے۔ ہنری ہشتم نے کلیسائی زمینوں کو اونے پونے

بیچنے اور اڑانے کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر نئے بورژوا زمین داروں کی تخلیق بھی کی۔ جاگیروں کی بےشمار ضبطیاں اور ان جاگیروں کا بالکل یا کم وبیش نودولتیوں کو عطا کئے جانے کا سلسلہ پوری سترھویں صدی میں چلتا رہا اور اس کا بھی نتیجہ یہی ہوا۔ لہذا ہنری ہفتم ھی کے وقت سے انگریز ''طبقۂ اسرا،، صنعتی پیداوار کا توڑ کرنا تو الگ رہا اور الٹا اس سے بالواسطہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا رہا۔ اور ویسے تو ھمیشہ سے بڑے زمین‌داروں کا ایک حصہ موجود رہا تھا جو معاشی یا سیاسی اسباب کی بنا پر صنعتی اور مالیاتی بورژوازی کے ممتاز افراد کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار رہتا تھا۔ اسی لئے ۱۶۸۹ء کا سمجھوتہ خاصی آسانی سے ھو گیا۔ ''عہدہ و زر،، کی سیاسی لوٹ بڑے زمین‌دار خاندانوں کےلئے چھوڑ دی گئی تھی — بشرطیکہ مالیاتی، صنعتی اور تجارتی متوسط طبقے کے معاشی مفادوں کا پہلے ھی خوب اچھی طرح خیال کرلیا گیا ھو۔ اور یہ معاشی مفاد اس وقت اتنے طاقتور تھے کہ قوم کی عام پالیسی انھیں کے اشاروں پر چلتی تھی۔ تفصیلات کے سلسلے میں تو کچھ لڑائی جھگڑا ھونا ممکن بھی تھا لیکن مجموعی طور پر طبقۂ اسرا کا حکمراں گروہ اچھی طرح جانتا تھا کہ خود اس کی معاشی خوش‌حالی صنعتی اور تجارتی متوسط طبقے کی معاشی خوش حالی کے ساتھ اٹوٹ بندھنوں میں بندھی ھوئی ھے۔

اس وقت سے بورژوا طبقہ انگلستان کے حکمراں طبقوں کا ایک خاکسار لیکن مسلمہ جزو ترکیبی بن گیا۔ قوم کے لاتعداد محنت‌کش عوام کو حلقہ‌بگوش رکھنے میں اس کا اور باقی حکمراں طبقوں کا مفاد مشترک تھا۔ خود تاجر یا کارخانہ‌دار اپنے کلارکوں، مزدوروں اور گھریلو ملازموں کے مالک یا جیسا کہ ابھی کچھ دن پہلے تک کہا جاتا تھا ان سے ''فطری طور پر برتر،، کا مرتبہ رکھتا تھا۔ اس کا فائدہ اسی میں تھا کہ ان لوگوں سے حتی الامکان زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھا کام لے اور اس مقصد کےلئے ان کو ایک مناسب اطاعت‌کیشی کی تربیت دینی ضروری تھی۔ یہ تاجر یا کارخانہ‌دار خود مذہبی تھا، اس کے مذھب نے اسے وہ پرچم عطا کیا تھا جس کے نیچے اس نے بادشاہ اور اسرا پر فتح پائی۔ اور اب اسے یہ معلوم کرتے دیر نہیں لگی کہ اسی مذھب نے اسے اس بات

کے سنہرے موقعے بھی عطا کئے ھیں کہ وہ فطری طور پر اپنے سے گھٹیا لوگوں کے ذھنوں پر اثرانداز ھو اور انھیں بے چون‌وچرا اپنے ان آقاؤں کے فرمان بجا لانے پر مجبور کرے جنھیں مشیت الٰہی نے ان کے سروں پر متمکن کیا ھے۔ قصہ مختصر یہ کہ انگریز بورژوا طبقے کو اب ''نیچ ذاتوں،، کو — قوم کے دولت پیدا کرنےوالے بےشمار عوام کو — محکوم و مجبور رکھنے کے کام میں حصہ لینا تھا اور اس مقصد کے حصول کےلئے جو وسیلے استعمال کئے گئے ان میں مذھب کا بڑا ھاتھ تھا۔

اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی تھی جس نے بورژوا طبقے کے مذھبی میلانات کو تقویت بخشنے میں مدد دی۔ اور وہ چیز تھی انگلستان میں مادیت کا فروغ ۔ اس نئے نظرئے نے نہ صرف متوسط طبقے کے دین‌دارانہ جذبات کو ٹھیس پہنچائی بلکہ اس نے تو یہ اعلان بھی کر دیا کہ وہ محض باذوق، تعلیم‌یافتہ آدمیوں اور عالموں کےلئے موزوں فلسفہ ھے۔ اس کے برخلاف مذھب غیرتعلیم‌یافتہ عوام کے لئے ھے جن میں بورژوا بھی شامل ھیں۔ ھوبس کے یہاں یہ نظریہ شہنشاھیت کے بےروک اختیار اور قدرت مطلق کے حامی کی حیثیت سے منظر عام پر آیا۔ اس نے مطلق‌العنان شہنشاھیت کو ھدایت کی کہ اس ھٹے کٹے مگر بدباطن لڑکے (puer robustus sed malitiosus) یعنی عوام کو محکوم و مجبور رکھے (۳۵)۔ اسی طرح ھوبس کے جانشینوں بولنگ‌بروک اور شافٹسبری کے یہاں بھی مادیت مذھب فطرت (۳۶) کی نئی شکل منتخب لوگوں اور امرا تک محدود نظریہ ھی رھی جو اپنے کفر والحاد اور اپنے بورژوادشمن سیاسی تعلقات دونوں ھی چیزوں کے سبب متوسط طبقے کے لئے نفرت‌انگیز تھی یہی وجہ ھے کہ جن پروٹسٹنٹ فرقوں نے اسٹوارٹ خاندان شاھی کے خلاف جنگ کا پرچم بلند کیا تھا اور لڑنےوالے سپاھی فراھم کئے تھے وھی بعد میں طبقۂ‌امرا کے فلسفۂ مادیت اور مذھب فطرت کے مقابلے میں بھی ترقی‌پسند متوسط طبقے کی طاقت و قوت کا سب سے اھم حصہ فراھم کرتے رھے اور آج بھی وہ ''عظیم لبرل پارٹی،، کی پشت‌پناہ بنے ھوئے ھیں۔

اسی اثنا میں فلسفۂ مادیت انگلستان سے فرانس کی طرف منتقل ھو گیا۔ وھاں وہ فلسفیوں کے ایک اور مادیت پسند مکتب فکر

سے، جو کارٹیزینزم (۳۷) کی ایک شاخ تھا، دوچار ھوکر اس کے ساتھ مربوط و متحد ھو گیا۔ شروع شروع میں فرانس میں بھی یہ نظریہ صرف طبقۂ امرا ھی تک محدود نظریہ رھا۔ لیکن جلد ھی اس کے انقلابی کردار نے اپنے آپ کو منوا لیا۔ فرانسیسی مادیت پسندوں نے اپنی تنقید کو مذھبی عقائد ھی تک محدود نہیں رکھا، انھوں نے اسے توسیع دے کر ھر اس سائنسی روایت یا سیاسی ادارے پر، جس سے ان کا واسطہ پڑتا تھا، چسپاں کر دیا۔ اپنے نظرئے کے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے کہ وہ ھر جگہ صادق آتا ھے، انھوں نے سب سے چھوٹا راستہ اختیار کیا اور بڑی بےباکی سے اپنی عظیم و ضخیم تصنیف ''انسائکلوپیڈیا،، («Encyclopédie») میں — جس کے نام پر ان کا نام انسائکلوپیڈیائی پڑگیا ھے — علم کے تمام شعبوں پر اس نظرئے کا اطلاق کردیا۔ اور اس طرح اپنی دو شکلوں — کھلی مادیت یا مذھب فطرت — میں سے کسی ایک شکل میں یہ نظریہ فرانس کے تمام تہذیب‌یافتہ نوجوانوں کا عقیدہ بن گیا، یہاں تک کہ جب انقلاب عظیم کے سوتے پھوٹے تو انگریز شاہ‌پرستوں کے تیار کئے ھوئے نظریے نے فرانسیسی رپبلکنوں اور دھشت پسندوں کو ایک نظریاتی پرچم دیا اور اسی نے ''حقوق انسانی کے اعلان‌نامے،، (۳۸) کے لئے مضمون مہیا کیا۔

عظیم انقلاب فرانس بورژوا طبقے کی تیسری بغاوت تھی لیکن یہ وہ پہلی بغاوت تھی جس نے مذھبی جامہ پوری طرح اتار پھینکا تھا اور جو کھلم کھلا سیاسی اصول پر لڑ گئی تھی۔ اسی طرح یہ پہلی ایسی بغاوت تھی جو اس وقت تک جاری رھی جب تک کہ فریقین میں سے ایک یعنی طبقۂ امرا بالکل تباہ‌وبرباد اور دوسرا یعنی بورژوا طبقہ مکمل طور پر فتح یاب اور کامراں نہ ھو گیا۔ انگلستان میں انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد کے اداروں کے تعلق و تسلسل اور بڑے زمین‌داروں اور سرمایہ‌داروں کی باھمی مفاھمت کا اظہار قانونی نظیروں کے اسی طور پر باقی رھنے اور قانون کی جاگیردارانہ شکلوں کو برقرار رکھنے میں ھوا۔ فرانس میں انقلاب نے ماضی کی روایات سے مکمل طور پر ناتا توڑ لیا۔ اس نے جاگیردارانہ نظام کی بچی کھچی باقیات کو بھی نکال پھینکا اور ضابطۂ دیوانی (Code Civil) بنا کر پرانے رومی قانون کو جدید

سرمایہ‌دارانہ حالات کے مطابق اس قدر استادی سے ڈھالا کہ آج بھی فرانس کا یہ انقلابی مجموعۂ قوانین سارے ملکوں کےلئے — اور انگلستان بھی اس سے مستثنی نہیں ہے — قوانین ملکیت کی اصلاحات کے سلسلے میں نمونہ کا کام دیتا ہے۔ اور یہ قانون اس معاشی دور سے، جسے مارکس نے جنس تجارت کی پیداوار کا دور کہا ہے، میل اور مطابقت رکھنےوالے قانونی تعلقات کا تقریباً کامل اظہار ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ انگریزی قانون ابھی تک سرمایہ‌دارانہ سماج کے معاشی تعلقات کا اظہار اس بربری جاگیردارانہ زبان میں کرتا ہے جو شئے مذکورہ سے اسی قدر مطابقت رکھتی ہے جس قدر انگریزی ہجے انگریزی تلفظ سے۔ ''آپ لندن لکھتے ہیں اور اسے قسطنطنیہ پڑھتے ہیں،، ایک بار ایک فرانسیسی نے کہا تھا۔ لیکن یہی انگریزی قانون وہ واحد قانون ہے جس نے قدیم جرمن آزادیوں کے بہترین حصے یعنی ذاتی آزادی، مقامی خود انتظامیہ اور قانونی عدالتوں کے علاوہ اور ہر قسم کی مداخلت سے آزادی کو صدیوں سے اپنے اندر محفوظ اور زندہ رکھا اور امریکہ اور نوآبادیات کی طرف منتقل کیا ہے۔ یورپ میں یہ آزادیاں مطلق‌العنان شہنشاہیت کے دور میں بالکل ہی کھوئی گئی تھیں اور اب تک کسی جگہ مکمل طور پر دستیاب نہیں ہو سکی ہیں۔

ہم اب اپنے برطانوی بورژوا طبقے کی طرف لوٹتے ہیں۔ انقلاب فرانس نے اسے یہ سنہرا موقع دیا کہ یورپ کی شہنشاہیتوں کی مدد سے فرانسیسی بحری تجارت کو تباہ و برباد کردے، فرانسیسی نوآبادیات پر قبضہ کرلے اور فرانس کی طرف سے بحری رقابت کے آخری دعووں کو کچل ڈالے۔ ایک تو یہ وجہ تھی جس کی بنا پر برطانوی بورژوا طبقے نے انقلاب فرانس کی مخالفت کی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس انقلاب کے طریقے اس کے مزاج و طبیعت کے خلاف تھے۔ صرف انقلاب کی ''قابل نفرت،، دہشت‌پسندی ہی نہیں بلکہ بورژوا حکمرانی کو آخری حد تک لے جانے کی کوشش بھی اس کی طبیعت کے خلاف تھی۔ برطانوی بورژوا اپنے طبقۂ امرا کے بغیر بھلا کیسے گذارہ کرتا؟ اس طبقے کے بغیر جس نے اسے آداب و اطوار سکھائے، خواہ وہ جیسے کچھ بھی ہوں، جس نے اس کےلئے فیشن ایجاد کئے، جو ملک کے اندر نظم قائم رکھنےوالی بری فوج کےلئے اور ملک

سے باہر نوآبادیاتی مقبوضات اور نئی منڈیاں فتح کرنےوالی بحری فوج کےلئے افسر مہیا کرتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ بورژوا طبقے کی ایک ترقی‌پسند اقلیت بھی تھی اور یہ بورژوا طبقے کا وہ حصہ تھا جس کے مفاد کا اس سمجھوتے میں اچھی طرح خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ اس حصے کو، جو زیادہ‌تر متوسط طبقے کے کم دولت‌مند لوگوں پر مشتمل تھا، انقلاب فرانس (۳۹) سے واقعی ہمدردی تھی لیکن وہ پارلیمنٹ میں بےبس تھا۔

لہذا فلسفۂ مادیت جتنا زیادہ انقلاب فرانس کا عقیدہ بنتا گیا خوف خدا رکھنےوالا برطانوی بورژوا اپنے مذہب کا دامن اتنی ہی مضبوطی سے پکڑتا گیا۔ کیا پیرس میں دہشت‌گردی نے ثابت نہیں کر دیا تھا کہ عوام کی مذہبی جبلتیں دب جائیں تو کیا انجام ہوتا ہے؟ جتنا زیادہ فلسفۂ مادیت فرانس سے نکل کر آس‌پاس کے ملکوں میں پھیلتا گیا اور اپنے سے ملتے جلتے دوسرےنظریاتی رجحانات سے، خاص طور پر جرمن فلسفے سے، کسب فیض کر کے مضبوط ہوتا گیا اور فلسفۂ مادیت اور عام طور پر آزاد خیالی یورپ میں ہر تہذیب‌یافتہ اور باذوق آدمی کا طرۂ امتیاز بنتے گئے اسی قدر ہٹ‌دھرمی سے برطانوی متوسط طبقہ اپنے بےشمار مذہبی عقائد سے لپٹتا چلا گیا۔ یہ عقائد ایک دوسرے سے مختلف بھلے ہی ہوں لیکن وہ سب کے سب تھے نمایاں طور پر مذہبی، عیسائی عقائد۔

فرانس میں انقلاب نے بورژوا طبقے کی سیاسی فتح کی ضمانت کی اور انگلستان میں واٹ، آرک رائٹ، کارٹ رائٹ اور دوسرے لوگوں نے ایک صنعتی انقلاب شروع کیا جس نے معاشی طاقت کے مرکز ثقل کو بالکل ہی بدل ڈالا۔ بورژوا طبقے کی دولت زمین‌دار طبقۂ امرا کی دولت سے بہت زیادہ تیزی سے بڑھنے لگی۔ خود بورژوا طبقے میں مالی امرا اور بینکروں وغیرہ کو کارخانہ‌دار زیادہ سے زیادہ پس‌منظر میں دھکیلنے لگے۔ گو ۱۶۸۹ء کے سمجھوتے میں بتدریج اس قسم کی تبدیلیاں ہوئی تھیں جو بورژوا طبقے کے حق میں تھیں، تاہم یہ سمجھوتہ اپنے فریقوں کی طاقتی توازن سے اب ہم‌آہنگ نہیں رہا تھا۔ ان فریقوں کا کردار بھی بدل گیا تھا۔ ۱۸۳۰ء کا بورژوا طبقہ پچھلی صدی کے بورژوا طبقے سے بہت مختلف تھا۔ وہ سیاسی اقتدار جو اب تک طبقۂ امرا کے پاس باقی رہ گیا تھا اور جسے وہ

نئے صنعتی بورژوا طبقے کے دعووں کے توڑ کےلئے استعمال کرتا تھا، نئے معاشی مفاد سے ہم آہنگ نہیں رہا تھا۔ طبقۂ امرا کے خلاف ایک نئی جدوجہد ضروری ہو گئی تھی اور اس کا انجام نئی معاشی قوت کی فتح کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اول تو ہر قسم کی مخالفت کے باوجود ۱۸۳۰ء کے فرانسیسی انقلاب کے زیراثر قانون اصلاحات (۴۰) (Reform Act) منظور کرایا گیا۔ اس نے بورژوا طبقے کےلئے پارلیمنٹ میں ایک مضبوط اور مسلم مقام مہیا کر دیا۔ اس کے بعد ''اناج کے قوانین،، (۴۱) کی تنسیخ ہوئی جس نے ہمیشہ ہمیشہ کےلئے زمیندار طبقۂ امرا پر بورژوا طبقے کی اور خاص طور پر اس کے سب سے زیادہ سرگرم و باعمل حصے یعنی کارخانہ داروں کی فوقیت مسلم کر دی۔ یہ بورژوا طبقے کی سب سے بڑی فتح تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ آخری فتح تھی جو اس نے بلاشرکت غیرے محض اپنے مفاد کےلئے حاصل کی تھی۔ بعد میں اسے جو کچھ فتوحات حاصل ہوئیں ان سب کو اسے ایک نئی سماجی طاقت کے ساتھ بانٹنا پڑا، جو شروع میں اس کی حلیف تھی لیکن جلد ہی حریف بن گئی۔

صنعتی انقلاب نے بڑے بڑے سرمایہ دار کارخانہ داروں کے طبقے کو جنم دیا لیکن ساتھ ہی اس نے ایک اور طبقے — کارخانے میں کام کرنےوالے محنت کشوں کے طبقے — کو بھی جنم دیا جو تعداد میں اول الذکر سے کہیں زیادہ تھا۔ جس تناسب سے صنعتی انقلاب یکے بعد دیگرے صنعت کی تمام شاخوں پر چھاپہ مارتا گیا اسی تناسب سے یہ طبقہ رفتہ رفتہ تعداد اور طاقت کے اعتبار سے بڑھتا گیا۔ ۱۸۲۴ء ہی میں اس طبقے نے اپنی اس طاقت کا ثبوت دے دیا جب کہ اس نے پارلیمنٹ کو مجبور کرکے اس سے بادل ناخواستہ ان قوانین کو منسوخ کروا لیا جن کی رو سے مزدوروں کا سنگھٹن بنانا منع تھا۔ ریفارم ایجی ٹیشن کے دوران میں مزدور ہی ریفارم پارٹی کا بنیادی تبدیلی کی حمایت کرنےوالا بازو تھے۔ ۱۸۳۲ء کے قانون نے انھیں حق رائے دہندگی سے محروم کر دیا تھا۔ سو انھوں نے اپنی مانگوں کو حقوق نامۂ عوام (People's Charter) (۴۲) میں مرتب کیا اور اناج کے قوانین کی مخالف طاقتور بورژوا لیگ (۴۳) کے مقابلے میں اپنی ایک جداگانہ حیثیت رکھنےوالی پارٹی — چارٹسٹ پارٹی — بنائی جو جدید زمانے میں مزدوروں کی پہلی جماعت تھی۔

اس کے بعد فروری اور مارچ ۱۸۴۸ء کے یورپی انقلابات آئے جن میں مزدوروں نے بہت نمایاں حصہ لیا اور کم از کم پیرس میں تو انھوں نے ایسی مانگیں رکھیں جو سرمایہ‌دارانہ سماج کے نقطۂ نظر سے قطعی ناقابل قبول تھیں۔ پھر عام رجعت پرستی کا دور آیا۔ پہلے تو ۱۰ اپریل ۱۸۴۸ء کو چارٹسٹ لوگوں کو شکست ہوئی۔ پھر اسی سال کے ماہ جون میں پیرس کے مزدوروں کی بغاوت کو کچل دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۴۹ء میں اٹلی، ھنگری اور جنوبی جرمنی میں بغاوتوں کی ناکامیاں واقع ھوئیں اور آخرکار ۲ دسمبر ۱۸۵۱ء کو لوئی بوناپارٹ نے پیرس پر فتح پائی (۴۴)۔ کم از کم کچھ عرصے کےلئے تو مزدور طبقے کے مطالبات سے نجات حاصل کرلی گئی۔ لیکن یہ چیز کس قدر مہنگی پڑی تھی! برطانوی بورژوا پہلے ھی عوام پر مذھبیت کا رنگ چڑھائے رکھنے کی ضرورت کا قائل تھا اور ان تمام تجربوں کے بعد تو وہ اس ضرورت کو جتنی شدت سے محسوس کرتا کم تھا! اپنے یورپی ھم‌چشموں کے طنزواستہزا کی پروا کئے بغیر وہ مسلسل لاکھوں روپے عوام کے درمیان مسیحی عقیدے کی تبلیغ و اشاعت پر خرچ کرتا رھا۔ اپنے دیسی مذھبی نظام پر قناعت نہ کرکے اس نے ’’برادر جوناتھن،، (۴۵) کی طرف رجوع کیا جس کا مذھب کو تجارتی حیثیت سے منظم کرنے میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ برطانوی بورژوا نے امریکہ سے موڈی، سانکی اور ان جیسوں کے احیائے مذھب (Revivalism) (۴۶) کی درآمد کی اور آخرکار نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے ’’فوج نجات،، (۴۷) کی خطرناک مدد بھی قبول کرلی، جو ابتدائی مسیحیت کی تعلیمات کا احیا کرتی ھے، غریبوں کو خدا کے برگزیدہ بندوں کی حیثیت سے مخاطب کرتی ھے، مذھبی طریقے سے سرمایہ‌داری کے خلاف لڑتی ھے اور اس طرح ایک حد تک مسیحیت کے ابتدائی دور کی طبقاتی آویزش کے بعض پہلوؤں کو پروان چڑھاتی ھے۔ اور یہ ایک روز انھیں خوشحال لوگوں کےلئے دردسر بن سکتی ھے جو آج اس کے واسطے بےدریغ روپیہ صرف کر رھے ھیں۔

یہ تاریخی ارتقا کا قانون معلوم ھوتا ھے کہ کسی یورپی ملک میں بھی بورژوا طبقہ اس طور پر بلاشرکت غیرے سیاسی اقتدار پر قابض نہیں ھو سکتا جس طرح جاگیردار طبقۂ امرا ازمنۂ وسطی

میں اس پر قابض رہا تھا۔ کم از کم زیادہ مدت کےلئے تو بورژوا
طبقہ ایسا کر نہیں سکتا۔ فرانس تک میں، جہاں جاگیرداری کا
بالکل ہی قلع قمع ہو چکا تھا، مجموعی طور پر بورژوا طبقہ ہر دفعہ
صرف بہت ہی قلیل مدت کےلئے حکومت پر پوری طرح قابض رہ سکا
ہے۔ لوئی فلپ کے دور حکومت میں (۱۸۳۰ء سے ۱۸۴۸ء تک)
بورژوا طبقے کا ایک بہت ہی چھوٹا حصہ سلطنت کرتا تھا اور اس
کی بہت بڑی اکثریت حق رائے دھندگی پر بہت اونچی شرائط ہونے
کے باعث اس سے محروم تھی۔ دوسری ریپبلک کے زمانے میں (۱۸۴۸ء
سے ۱۸۵۱ء تک) پورے بورژوا طبقے کی حکومت تھی لیکن صرف تین
سال کےلئے۔ ان کی نااہلی کے سبب دوسری سلطنت معرض وجود میں
آ گئی۔ اور یہ صرف اب، تیسری ریپبلک کے وقت میں ہی ہو سکا
ہے کہ بیس سال سے زائد سے عنان حکومت پورے بورژوا طبقے کے
ہاتھ میں ہے۔ مگر اس میں ابھی سے انحطاط کے بھرپور آثار نظر
آنے لگے ہیں۔ بورژوا طبقے کی پائدار حکومت تو صرف امریکہ ہی
جیسے ملکوں میں ممکن ہو سکی ہے جہاں جاگیرداری ہمیشہ سے
ناپید تھی اور سماج کا قیام شروع ہی سے بورژوا بنیادوں پر ہوا تھا۔
اور فرانس اور امریکہ تک میں بورژوا طبقے کے جانشین یعنی مزدور
ابھی سے دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔

انگلستان میں بورژوا طبقے کو کبھی بھی مکمل اقتدار حاصل
نہیں ہوا — ۱۸۳۲ء کی فتح کے بعد بھی سارے سرکاری ادارے
تقریباً مکمل طور پر جاگیردار طبقۂ امرا کے قبضے میں رہے۔ دولتمند
متوسط طبقے نے جس مسکینی کے ساتھ اس صورتحال کے سامنے سر
جھکا دیا تھا وہ میرے لئے اس وقت تک بالکل ناقابل تصور تھی،
جب تک کہ ایک بڑے لبرل کارخانہ‌دار مسٹر ولیم فارسٹر نے
اپنی ایک پبلک تقریر میں یہ کہہ کر بریڈفورڈ کے نوجوانوں کو
فرانسیسی زبان سیکھنے کی پراصرار ہدایت نہیں کی کہ وہ ان کی
دنیوی ترقی کا ایک وسیلہ ہے اور اس نے اس سلسلے میں اپنا تجربہ
پیش کیا کہ جب اسے وزیرکابینہ کی حیثیت سے ان سماجی حلقوں
سے رسم و راہ رکھنی پڑتی تھی جن کے یہاں فرانسیسی زبان کم از کم
انگریزی جتنی ضروری چیز تھی، تو وہ کس قدر کھسیایا ہوا دکھائی
دیتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کا انگریز متوسط طبقہ عام

طور پر بالکل جاہل نودولتیوں پر مشتمل تھا اور اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ وہ ان بہتر اور اونچی قسم کے حکومتی عہدوں کو طبقۂ امرا کےلئے چھوڑ دے جن کے واسطے محض کنویں کے مینڈک کی سی تنگ‌نظری اور خودپسندی جس میں کاروباری* تیزفہمی کی تھوڑی سی چاشنی بھی ہو، کافی نہیں ہے بلکہ اور دوسری اہلیتوں کی ضرورت ہے۔ اب بھی متوسط طبقے کی تعلیم کے متعلق اخباروں میں جو لامتناہی بحث مباحثے ہوتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز متوسط طبقہ اب تک خود کو بہترین تعلیم کے قابل نہیں سمجھتا اور کسی اس سے کم درجہ چیز کی تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ اناج کے قوانین کی تنسیخ کے بعد بھی اس چیز کو بالکل ٹھیک اور مناسب سمجھا گیا کہ وہ لوگ جنھوں نے یہ معرکہ سر کیا تھا یعنی کوبڈن، برائٹ اور فارسٹر وغیرہ ملک کی سرکاری حکومت میں حصہ لینے سے محروم رہیں۔ تاوقتیکہ بیس سال بعد ایک نیا قانون اصلاحات (۴۸) ان کےلئے کابینہ کے دروازے وا نہ کر دے۔ انگریز بورژوا طبقے کو آج تک اپنی سماجی کم‌مائگی کا اس قدر شدید احساس ہے کہ اس نے اپنے اور قوم کے خرچ پر محض آرائشی احدیوں کی ایک پوری فوج رکھ چھوڑی ہے جو تمام ریاستی تقریبوں میں قوم کے شایان شان نمائندگی کرتی ہے اور بورژوا طبقے کے لوگوں میں سے اگر کوئی اس منتخب اور برگزیدہ جماعت میں شامل ہونے کا اہل سمجھا جاتا ہے، جس کی خود انھوں نے ہی تخلیق کی ہے، تو پورا طبقہ اس کو اپنی بڑی عزت افزائی سمجھتا ہے۔

تو گویا صنعتی اور تجارتی متوسط طبقے نے زمین‌دار طبقۂ امرا کو سیاسی اقتدار سے پوری طرح نکالا بھی نہیں تھا کہ ایک اور مدمقابل یعنی مزدور طبقہ منظر پر نمودار ہو گیا۔ چارٹسٹ تحریک اور یورپی انقلابوں کے بعد کی رجعت پرستی نے اور اس کے علاوہ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۶۶ء تک انگریز تجارت کی غیرمعمولی توسیع نے (جسے عامیانہ طریقے سے صرف آزاد تجارت کا مرہون‌منت سمجھا

---

*اس جگہ اینگلس کے کچھ نوٹ ہیں جو زیرنظر ایڈیشن میں چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

جاتا ہے لیکن جو دراصل اس سے کہیں زیادہ ریلوں، بحری جہازوں اور عموماً سبھی ذرائع آمد و رفت کی شاندار توسیع و ترقی کی شرمندۂ احسان ہے) ایک دفعہ پھر مزدور طبقے کو لبرل پارٹی کا محتاج بنا دیا تھا جس کا وہ چارٹسٹ زمانے سے پہلے کی طرح اب بھی ریڈیکل بازو تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ مزدوروں کی حق رائےدہندگی کی مانگ کو ٹالنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اور جبکہ لبرل پارٹی کے وہگ لیڈروں نے ''بزدلی،، دکھائی تو ڈزرائیلی نے ٹوریوں (۴۹) کو ٹھوکے دے دے کر ان سے صحیح اور مناسب موقع پر نشستوں کی نئی تقسیم کے ساتھ بلدیوں (boroughs) میں رہائشی مکان رکھنےوالے خاندان کے حق رائےدہندگی کی بنا بھی ڈلوا دی اور اس طرح وہگ لیڈروں پر اپنی فوقیت ثابت کر دی۔ اس کے بعد پوشیدہ رائےدہندگی شروع ہوئی۔ ۱۸۸۴ء میں خاندان کے حق رائے دہندگی کو بڑھا کر اس کا اطلاق اضلاع بلدہ (کاؤنٹی) پر بھی ہونے لگا اور نشستوں کی ایک اور تقسیم نو عمل میں لائی گئی جس کی وجہ سے انتخابی اضلاع میں کسی حد تک مساوات قائم ہو گئی (۵۰)۔ ان سب تدابیر نے خاصی بڑی حد تک مزدور طبقے کی انتخابی طاقت کو بڑھایا یہاں تک کہ آج کم از کم ڈیڑھ، دو سو انتخابی حلقوں میں رائے دہندگان کی اکثریت مزدور طبقے پر مشتمل ہے۔ لیکن پارلیمانی طرز حکومت روایات کا احترام سکھانے کےلئے بہترین تعلیم‌گاہ ہے۔ جب متوسط طبقہ اس طبقے کو جسے لارڈ جان مینرس مذاق میں ''ہمارا پرانا اشرافیہ،، کہتا تھا، رعب و احترام کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھتا تھا، اس وقت محنت‌کش عوام اس طبقے کو جسے ''ان سے بالاتر،، کہا جاتا تھا یعنی متوسط طبقے کو اسی طرح عزت و تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ پندرہ سال پہلے تک برطانوی مزدور مثالی مزدور تھا جس کا حفظ مراتب کا خیال، اپنے آقا کے مرتبے کا احترام اور اپنے حقوق منوانے کے سلسلے میں جس کا ضبط و اعتدال — یہ چیزیں ہمارے ''کتھیڈر سوشلسٹ،، (Katheder — Socialist) (۵۱) مدرسۂ خیال کے پیرو جرمن ماہرین معاشیات کے آنسو پونچھ دیتی تھیں جو خود اپنے ہم‌قوم مزدوروں کے ناقابل علاج کمیونسٹ اور انقلابی رجحانات سے نالاں تھے۔

لیکن انگریز متوسط طبقے کے لوگ — جو بڑے اچھے کاروباری

ہوتے ہیں — جرمن پروفیسروں سے زیادہ دوربین تھے۔ انھوں نے محض بدرجۂ مجبوری مزدور طبقے کو اپنے اقتدار میں شریک کیا تھا۔ انھوں نے چارٹسٹ زمانے ہی میں دیکھ لیا تھا کہ یہ ''ہٹا کٹا لیکن بدباطن لڑکا،، یعنی عوام کیا کچھ کر سکتا ہے۔ اس کے بعد سے وہ حقوق‌نامۂ عوام کے زیادہ‌تر حصے کو سلطنت متحدہ برطانیہ کے تحریری قوانین میں شامل کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اب تو ہمیشہ سے بھی زیادہ اس بات کی ضرورت تھی کہ عوام کو اخلاقی ذرائع سے قابو میں رکھا جائے اور ان تمام اخلاقی ذرائع میں جن کی مدد سے عوام پر اثر ڈالا جاتا ہے مذہب ہمیشہ سے اولیں اور سب سے زیادہ موثر حربہ رہا ہے۔ یہی سبب تھا کہ اسکول بورڈوں میں پادریوں کی اکثریت ہوگئی اور یہی سبب تھا کہ رسوم‌پرستی (۵۲) سے لےکر ''فوج نجات،، تک ہر قسم کی احیائے مذہب کی تحریکوں کو مدد پہنچانے کےلئے بورژوا طبقے نے روزافزوں طور پر اپنے اوپر ٹیکس لگایا۔

اور اب یورپی بورژوا کی آزادخیالی اور مذہب کی طرف سے بےپروائی پر برطانوی عزت داروں کی فتح کا وقت آیا۔ فرانس اور جرمنی کے مزدور باغی ہو گئے تھے۔ وہ سوشلزم کی بیماری کا بری طرح شکار ہو چکے تھے اور خاصی معقول وجوہ کی بنا پر انھیں اس چیز کی قطعی فکر نہیں تھی کہ اپنا اقتدار قائم کرنے کےلئے وہ جو ذرائع اختیار کریں وہ قانونی ہی ہوں۔ اس موقع پر وہ ہٹا کٹا لڑکا روز بروز زیادہ بدباطن ہوتا گیا۔ فرانسیسی اور جرمن بورژوا طبقے کےلئے بس ایک یہی آخری چارۂکار رہ گیا تھا کہ وہ اپنی آزادخیالی کو خاموشی سے اس طرح خیرباد کہہ دے، جس طرح ایک نوعمر لڑکا، جو بڑی شان سے اکڑتا ہوا اپنا جلتا ہوا سگار لےکر جہاز پر آتا ہے، متلی اور دوران سر شروع ہوتے ہی خاموشی سے سگار گرا دیتا ہے۔ مذہب کی تضحیک کرنےوالوں نے ایک کے بعد ایک مذہبی جامہ پہن لیا اور کلیسا کا اور اس کے عقیدوں اور رسوم کا احترام سے ذکر کرنے لگے۔ اور وہ ان رسوم کی پابندی بھی کرنے لگے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ فرانسیسی بورژوا جمعے کے دن گوشت کھانے سے پرہیز کرنے لگا اور جرمن بورژوا اتوار کے روز اپنی گرجا کی نشست پر بیٹھ‌کر لمبے لمبے پروٹسٹنٹ

وعظ سننے لگا۔ فلسفۂ مادیت کے ہاتھوں انھوں نے زک اٹھائی تھی۔ «Die Religion muss dem Volk erhalten werden» (''مذہب کو عوام کےلئے زندہ رکھنا چاھئے،،)۔ یہ سماج کو مکمل تباھی سے بچانے کا واحد اور آخری ذریعہ تھا۔ بدقسمتی سے ان لوگوں کو یہ نکتہ اس وقت تک نہیں سوجھ سکا جب تک کہ وہ مذہب کو کمزور کرنے کے لئے اپنی تمام‌تر بہترین کوششیں صرف نہیں کر چکے۔ اور اب برطانوی بورژوا کے پھبتی کسنے کی اور یہ کہنے کی باری آئی ''احمقو، میں تو تمھیں دو سو سال پہلے ھی یہ گر سکھا سکتا تھا!،،

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو برطانوی بورژوا کا مذہبی اڑیل‌پن اور نہ ھی یورپی بورژوا کی بعد ازوقت (Post festum) تبدیلیٔ عقائد پرولتاری دھارے کو روکنے کی اھلیت رکھتی ھے۔ روایت سست‌رفتاری پیدا کرنےوالی ایک اھم قوت ھے، وہ تاریخ کی جامدوساکن طاقت (vis inertiae) ھے، لیکن چونکہ وہ محض ایک مفعول قوت ھے اس لئے کبھی نہ کبھی ضرور توڑ دی جائےگی اور اس طرح مذہب بھی سرمایہ‌دارانہ سماج کا لازوال پشت‌پناہ نہیں رہ سکتا۔ اگر کسی سماج میں قانونی، فلسفیانہ اور مذہبی خیالات و نظریات اس سماج میں رائج وموجود معاشی تعلقات کا کم‌وبیش دور یا نزدیک کا نتیجہ ھیں تو ان تعلقات میں ایک مکمل تبدیلی واقع ھونے کی صورت میں وہ آخرکار اس تبدیلی کے اثرات اور نتائج سے متاثر ھوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور اگر ہم مافوق الفطری الہام و وحی پر اعتقاد رکھتے ھوں تو الگ بات ھے ورنہ ھمیں تسلیم کرنا ھی پڑےگا کہ کوئی مذہبی اصول وعقائد ایک گرتے ھوئے سماج کی عمارت کو تھامنے کےلئے کافی نہیں ھو سکتے۔

واقعہ یہ ھے کہ انگلستان میں بھی ایک دفعہ پھر مزدوروں میں زندگی کے آثار پیدا ھو چلے ھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ طرح طرح کی روایات میں جکڑے ھوئے ھیں۔ ایک طرف بورژوا روایات ھیں مثلاً یہ عام عقیدہ کہ دو پارٹیوں یعنی قدامت پرست اور اعتدال پرست پارٹیوں کے علاوہ اور کوئی تیسری جماعت ھو ھی نہیں سکتی اور مزدور طبقے کو عظیم اعتدال‌پرست پارٹی کے وسیلے اور توسط ھی سے اپنی نجات تلاش کرنی ھوگی۔ اور دوسری

طرف مزدوروں کی روایات ھیں جو ان کی آزادانه اور بطورخود میدان عمل میں کودنے کی آزمائشی کوششوں کا ورثه ھیں - مثلاً بہت سی پرانی مزدور سبھاؤں (ٹریڈیونینوں) میں ان تمام امیدواروں کا داخله بند ھونا جو باقاعدہ نوآموزی کے دور سے نہیں گزرے ھیں اور اس طرح ھر ایسی مزدور سبھا میں اس کے اپنے غدار ھڑتال توڑ مزدوروں کا پیدا ھونا اور پروان چڑھنا - لیکن ان سب باتوں کے باوجود انگریز مزدور طبقه برابر آگے بڑھ رھا ھے جیسا که خود پروفیسر برنٹانو کو رنج و افسوس کے ساتھ اپنے روحانی بھائیوں ''کتھیڈر سوشلسٹوں،، کو بتانا پڑا تھا - انگریز مزدور طبقه، انگلستان کی اور تمام چیزوں کی طرح دھیرے دھیرے اور نپے تلے قدموں سے آگے بڑھ رھا ھے، اس کے یہاں کہیں جھجک اور تامل ھے تو کسی جگه کچھ آزمائشی قسم کی، کم و بیش بےثمر اور بےنتیجه کوششیں ھیں - یه کبھی کبھی سوشلزم کے نام سے انتہائی محتاط قسم کی بداعتقادی دکھاتا ھوا آگے بڑھتا ھے مگر ساتھ ھی ساتھ سوشلزم کے جوھر کو جذب بھی کرتا جاتا ھے - یه تحریک بڑھ رھی ھے اور یکے بعد دیگرے مزدوروں کے مختلف حصوں کو اپنی گرفت میں لا رھی ھے - اب اس نے لندن کے ایسٹ اینڈ (٥٣) کے اونگھتے ھوئے غیرھنرمند مزدوروں کو بھی جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا ھے اور ھم سب جانتے ھیں که ان نئی قوتوں نے اس کے عوض اس تحریک کو کیسی تڑپ اور توانائی عطا کی ھے - اگر اس تحریک کی رفتار بعض بےصبر لوگوں کے نزدیک کافی تیز نہیں ھے تب بھی انھیں یه نہیں بھولنا چاھئے که مزدور طبقے ھی نے انگریز کردار کی بہترین خصوصیات کو زندہ رکھا ھے اور انھیں یه بات بھی نہیں بھولنی چاھئے که انگلستان میں جب ایک بار ترقی کی راہ میں کوئی قدم اٹھا لیا جاتا ھے تو پھر وہ عام طور پر پیچھے نہیں ھٹتا - اگر چارٹزم کے پرانے علم برداروں کے بیٹے ــ ان وجوہ کی بنا پر جن کی اوپر تشریح کر دی گئی ھے ــ ان کے معیار پر پورے نہیں بھی اترے تو ان کے پوتوں کی ھونہاری تو صاف بتا رھی ھے که وہ اپنے اجداد کے سپوت ثابت ھوں گے -

لیکن یورپ کے مزدور طبقے کی فتح کا انحصار صرف انگلستان ھی پر نہیں ھے - اس کے حصول کے لئے کم از کم انگلستان، فرانس

اور جرمنی کا تعاون لازمی شرط ہے۔ فرانس اور جرمنی دونوں ملکوں میں مزدور طبقے کی تحریک انگلستان سے کہیں آگے ہے۔ اور جرمنی میں تو تحریک کامیابی سے کچھ ایسی بہت دور نہیں رہ گئی ہے۔ اس نے پچھلے پچیس سال میں وہاں جو ترقی کی ہے اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ یہ تحریک روزافزوں تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ اگر جرمن متوسط طبقے نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ افسوسناک حد تک سیاسی صلاحیت، ڈسپلن، ہمت، زور و توانائی اور مستقل مزاجی سے محروم ہے تو دوسری طرف جرمن مزدور طبقے نے ان ساری صفات کا حامل ہونے کے فراواں ثبوت دئے ہیں۔ تقریباً چار سو سال پہلے جرمنی یورپ کے متوسط طبقے کے پہلے انقلاب کا نقطۂ آغاز تھا اور اب جو حالات ہیں ان کے پیش نظر کیا یہ چیز بالکل خارج ازممکنات ہے کہ جرمنی یورپ کے پرولتاری طبقے کی پہلی عظیم فتح کا گہوارہ بھی ہو؟

۲۰ اپریل ۱۸۹۲ء۔

اینگلس

کارل مارکس کی کتاب ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء — ۱۸۵۰ء'' کا مقدمہ(۵۴)

جو کتاب یہاں دوبارہ شائع کی جا رہی ہے وہ اپنے مادی تصور کلی کے وسیلے سے متعلقہ معاشی حالت کی بنیاد پر معاصرانہ تاریخ کے ایک حصے کی وضاحت کرنے کے لئے مارکس کی پہلی کوشش ہے۔ ''کمیونسٹ مینی‌فسٹو''، میں اس نظرئے کا اطلاق وسیع طور سے پوری موجودہ تاریخ پر کیا گیا ہے۔ «Neue Rheinische Zeitung» (۵۵) میں جو مضامین مارکس اور میں نے لکھے ہیں ان میں اس کو اپنے وقت کے سیاسی واقعات کی وضاحت کرنے کےلئے متواتر استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں یہ مقصود تھا کہ کچھ برسوں پر پھیلے ہوئے تاریخی ارتقا کے اندر، جو سارے یورپ کےلئے نازک اور ساتھ ہی مثالی تھے، اندرونی سببی تعلق دکھایا جائے۔ چنانچہ مصنف کے تصور کے مطابق سیاسی واقعات کو ان کے حقیقی اسباب تک لے جایا جائے جو آخری تجزئے میں معاشی اسباب ہیں۔

اگر موجودہ تاریخ کے واقعات اور واقعات کے سلسلوں کو جانچا جائے تو بنیادی معاشی اسباب تک پہنچنا ممکن نہ ہوگا۔ حتی کہ فی‌الحال جبکہ متعلقہ مخصوص پریس کے ترجمان اتنا زیادہ مواد شائع کر رہے ہیں، انگلستان میں بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ عالمی منڈی میں صنعت اور تجارت کی رفتار اور پیداوار کے طریقوں میں ہونےوالی تبدیلیوں کا روزبروز اس طرح جائزہ لیا جا سکے کہ ان بہت سی تہوں‌والے، پیچیدہ اور متواتر متبدل عناصر سے کسی

معینه مدت کےلئے ایک عام نتیجه اخذ هو سکے جن میں اهم ترین
عناصر عام طور پر طویل مدت تک چپکے چپکے سلگتے رهتے هیں
اور پھر اچانک زوروں سے بھڑک کر منظر عام پر آجاتے هیں۔
کسی معینه مدت کی معاشی تاریخ کا واضح جائزه هم‌عصر حالات
سے کبھی نهیں حاصل کیا جا سکتا۔ یه صرف بعد هی کو مواد
جمع کرکے اس کی چھان‌بین کے ذریعے ممکن هے۔ یهاں اعداد و شمار
جن کی مدد کی لازمی طور پر ضرورت هوتی هے همیشه پچھڑے رهتے
هیں۔ اسی لئے رواں حالات کے جائزے میں یه ضروری هے که
اس عنصر کو جو سب سے زیاده فیصله کن هے اکثروبیشتر مستقل
سمجھا جائے اور اس معاشی حالت کو جو اس متعلقه مدت کی ابتدا
میں موجود هوتی هے ساری مدت کےلئے ناقابل تبدیل خیال کیا جائے
یا پھر اس صورت حال میں صرف ایسی هی تبدیلیوں کو پیش نظر
رکھا جائے جو خود مخصوص نمایاں واقعات سے پیدا هوتی هیں اور
اسی لئے خاص طور پر نمایاں بھی هوتی هیں۔ اسی لئے مادی طریقۂ کار
اکثر اپنے کو یهاں محدود کر لیتا هے اور سیاسی تصادم کا
سراغ معاشی ارتقا کے پیدا کئے هوئے موجوده سماجی طبقوں اور طبقوں
کے فرقوں کے مفادات کی جدوجهد میں لگاتا هے اور ثابت کرتا هے
که مخصوص سیاسی پارٹیاں ان طبقوں اور طبقوں کے فرقوں کا
کم و بیش موزوں سیاسی اظهار هیں۔

یه بجائے خود واضح هے که معاشی صورت حال میں هم عصر
تبدیلیوں کو ناگزیر طور پر نظرانداز کرنا جو ان تمام عوامل
کی حقیقی بنیاد هیں جن کا جائزه لینا هے یقینی غلطی کا سرچشمه
هوگا۔ لیکن رواں تاریخ کو جامع طور پر پیش کرنے کی تمام شرائط
میں لازمی طور پر غلطیوں کی جڑیں پوشیده هیں۔ بهرحال یه وجه
کسی کو بھی رواں تاریخ لکھنے سے باز نهیں رکھتی۔

جب مارکس نے یه کتاب لکھنی شروع کی تو مذکورۂ بالا
غلطی پهلے سے زیاده ناقابل گزیر تھی۔ ۴۹ — ۱۸۴۸ء کے انقلاب
کے دوران میں جو معاشی تبدیلیاں هو رهی تھیں ان کا مطالعه کرنا
بلکه انهیں پیش نظر رکھنا بھی ناممکن تھا۔ یهی صورت لندن
میں جلاوطنی کے دوران میں ۵۰ — ۱۸۴۹ء کی خزاں اور جاڑوں میں
تھی۔ لیکن یه وهی زمانه تھا جب مارکس نے اپنی تصنیف شروع کی

اور ان ناسازگار حالات کے باوجود، اس صحیح علم کیوجہ سے جو وہ فروری انقلاب سے پہلے فرانس کی معاشی حالت کی اور اس کے بعد اس ملک کی سیاسی تاریخ کی بابت رکھتے تھے ان کے لئے یہ ممکن ہوا کہ وہ واقعات کی ایسی تصویرکشی کر سکیں جس سے ان کے اندرونی روابط اس طرح عیاں ہو جائیں جیسے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے اور جو بعد کو اس دوہری آزمائش پر بھی لاجواب طور سے پوری اتری جو مارکس نے خود کی۔

پہلی آزمائش اس بات کا نتیجہ تھی کہ ۱۸۵۰ء کی بہار کے بعد مارکس کو ایک بار پھر معاشیات کے مطالعے کی مہلت مل گئی اور انھوں نے سب سے پہلے پچھلے دس سال کی معاشی تاریخ کا جائزہ شروع کیا۔ چنانچہ ابھی تک انھوں نے غیرمکمل سواد سے جو نیم قیاس اخذ کیا تھا وہ خود واقعات سے ان کے لئے بالکل صاف ہو گیا یعنی ۱۸۴۷ء کے عالمی تجارتی بحران ھی نے فروری اور مارچ انقلابوں کو جنم دیا اور وہ صنعتی خوش حالی، جو ۱۸۴۸ء کے وسط سے رفتہ رفتہ شروع ہوئی تھی اور ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء میں پورے شباب پر پہنچ گئی تھی، نئی مضبوط شدہ یورپی رجعت‌پرستی کو تازہ قوت بخشنےوالی طاقت تھی۔ یہ فیصلہ کن بات تھی۔ جبکہ پہلے تین مضامین میں* (جو «Neue Rheinische Zeitung. Politisch—ökonomische Revue» (۵۶) میں شائع ہوئے، ھمبرگ جنوری، فروری، مارچ ۱۸۵۰ء) انقلابی جوش کی نئی لہر کی توقع تھی، تو آخری دوھرے شمارے کے لئے جس کی اشاعت ۱۸۵۰ء کی خزاں میں ہوئی مارکس نے اور میں نے جو تاریخی تبصرہ (مئی سے اکتوبر تک) لکھا اس نے ھمیشہ کے لئے ان خوش فہمیوں کو پاش پاش کردیا: ’’نیا انقلاب صرف نئے بحران کے بعد ھی ممکن ہے۔ بہرحال یہ بھی اس بحران کی طرح ناگزیر ہے۔،،** لیکن یہی واحد اہم تبدیلی تھی جو ھمیں کرنی تھی۔ پچھلے مضامین میں واقعات کی جو ترجمانی کی گئی تھی اس میں یا مقررکردہ سببی تعلقات میں

---

* کارل مارکس ’’فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۰ء،،۔ (ایڈیٹر)

** کارل مارکس ’’فرانس میں طبقاتی جدوجہد،،۔ (ایڈیٹر)

بالکل کوئی تبدیلی نہیں کرنی تھی جیسا کہ اس تبصرے میں ۱۰ مارچ سے ۱۸۵۰ء کی خزاں تک کے واقعات کی مزید تشریح سے ظاہر ہوتا ہے - اسی لئے میں نے اس اضافے کو موجودہ نئی اشاعت کے چوتھے مضمون کی حیثیت سے شامل کر لیا ہے -

دوسری آزمائش اور بھی سخت تھی - ۲ دسمبر ۱۸۵۱ء کو لوئی بوناپارٹ کے ہاتھ میں اقتدار آ جانے کے فوراً بعد مارکس نے فروری ۱۸۴۷ء سے اس واقعہ تک، جس پر فی‌الوقت انقلابی دورکا خاتمہ ہو گیا، فرانس کی تاریخ ازسرنو لکھی (''لوئی بوناپارٹ کی اٹھارویں بروسیئر،،، تیسرا ایڈیشن، ھمبرگ، میئسنیر، ۱۸۸۵ء) - اس پمفلٹ میں اس دور پر پھر روشنی ڈالی گئی ہے، اگرچہ زیادہ مختصر طور سے، جس کا ذکر ھماری موجودہ اشاعت میں کیا گیا ہے - سال بھر سے زیادہ بعد کے فیصلہ کن واقعات کی روشنی میں لکھی ہوئی اس دوسری پیش کش کا مقابلہ ھماری پہلی تحریر سے کیجئے تو یہ پتہ چلےگا کہ مصنف کو بہت کم تبدیلی کرنے کی ضرورت پڑی -

اس کے علاوہ اس تخلیق کو جو بات خاص طور پر اھم بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اس فارمولے کو پیش کرنے میں پہل کی جس میں دنیا کے تمام ملکوں کی مزدور پارٹیاں مشترکہ مفاھمت سے معاشی تبدیلی کے لئے اپنے مطالبے کا نچوڑ پیش کرتی ھیں: ذرائع پیداوار پر سماج کا قبضہ - دوسرے باب میں ''کام کرنے کے حق،، کے سلسلے میں جس کو ''پرولتاریہ کے انقلابی مطالبات کو مختصر طور پر پیش کرنےوالا پہلا بھونڈا فارمولا،، قرار دیا جاتا ہے، یہ کہا گیا ہے ''لیکن کام کرنے کے حق کے پیچھے سرمائے پر اختیار حاصل کرنا، سرمائے پر اختیار کے پیچھے ذرائع پیداوار پر قبضہ کرنا، ان کو متحد مزدور طبقے کے ماتحت لانا اور اس طرح اجرتی محنت، سرمائے اور ان کے باھمی رشتوں کو ختم کرنا ہے،،* - اس طرح یہاں پہلی بار ایسا اصول مرتب کیا گیا ہے جس کے ذریعے جدید مزدوروں کے سوشلزم کو بین طور پر جاگیردارانہ،

* کارل مارکس کی کتاب ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۰ء،، - (ایڈیٹر)

بورژوا اور پٹی بورژوا وغیرہ کے رنگ برنگ سوشلزم سے اور اس ''سامان کی مشترکہ ملکیت والے،، گڈمڈ نظریے سے بھی تمیز کیا جا سکتا ہے جو مزدوروں کی خودرو اور یوٹوپیائی کمیونزم کی پیداوار ہے۔ اگر بعد میں مارکس نے اس اصول کی توسیع کرکے ذرائع تبادلہ پر قبضے کو بھی اس میں شامل کر دیا جو بہرصورت ''کمیونسٹ مینیفسٹو،، کی اشاعت کے بعد واضح ہو گیا تھا تو یہ مرکزی اصول ہی کی ضمنی شاخ تھی۔ حال میں انگلستان کے کچھ داناؤں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ''تقسیم کے ذرائع،، بھی سماج کو منتقل کر دئے جائیں۔ ان حضرات کےلئے یہ بتانا مشکل ہوگا کہ ذرائع پیداوار اور ذرائع تبادلہ سے الگ یہ تقسیم کے معاشی ذرائع آخرکار ہیں کیا۔ شاید ان کے پیش نظر تقسیم کے سیاسی ذرائع ہیں یعنی ٹیکس اور غربا کی امداد جن میں سیکسن والڈ (۵۷) اور دوسرے اوقاف شامل ہیں۔ لیکن اول تو یہ ذرائع تقسیم مجموعی طور پر سماج کی یعنی ریاست یا برادری کی ملکیت ہوچکے ہیں اور دوسرے ہم انہیں کے خاتمے کے تو خواہاں ہیں۔

* * *

جب فروری کا انقلاب شروع ہوا تو اس وقت ہم سب، جہاں تک انقلابی تحریکوں کے حالات اور رفتار کے بارے میں ہمارے تصورات کا تعلق ہے، پچھلے تاریخی تجربے خصوصاً فرانس کے تجربے سے متاثر تھے۔ درحقیقت موخرالذکر ہی ۱۷۸۹ء سے پوری یورپی تاریخ پر حاوی رہا تھا اور اب پھر اسی سے عام انقلابی تبدیلی کا سگنل دیا گیا تھا۔ اسی لئے یہ بات قدرتی اور لازمی تھی کہ فروری ۱۸۴۸ء میں پیرس میں جس ''سماجی،، انقلاب کا، پرولتاریہ کے انقلاب کا اعلان کیا گیا اس کی نوعیت اور رفتار کے بارے میں ہمارے تصورات پر ۱۷۸۹ء اور ۱۸۳۰ء کی قسم کے انقلابوں کی یادوں کی گہری چھاپ تھی۔ مزیدبرآں جب پیرس کی بغاوت کی گونج ویانا، میلان اور برلن کی فاتحانہ بغاوتوں میں سنائی دی، جب سارا یورپ روس کی سرحدوں تک اس تحریک کی لپیٹ میں آگیا، جب اس کے بعد پیرس میں جون کے دوران میں پرولتاریہ اور بورژوازی کے درمیان اقتدار کےلئے پہلی بڑی لڑائی (۵۸) ہوئی، جب خود

اپنے طبقے کی فتح نے تمام ملکوں کی بورژوازی کو اتنا بوکھلا دیا کہ وہ واپس بھاگ کر اس شاہ‌پرست اور جاگیردارانہ رجعت‌پرستی کے آغوش میں جا گری جس کا تختہ ابھی الٹا ہی گیا تھا۔ اس وقت جو حالات تھے ان کے تحت ہمارے لئے اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ عظیم اور فیصلہ‌کن لڑائی شروع ہوگئی ہے، اس کو ایک واحد، طویل اور نشیب و فراز کی انقلابی مدت میں لڑنا ہے، اس کا انجام صرف پرولتاریہ کی مختتم فتح ہی ہوگا۔

۱۸۴۹ء کی شکستوں کے بعد ہم اس عامیانہ جمہوریت کی خوش‌فہمیوں کے کسی طرح بھی شریک نہیں تھے جو مستقبل کی نام‌نہاد عارضی حکومتوں کو گھیرے ہوئے تھیں۔ اس عامیانہ جمہوریت نے یہ بھروسہ کر رکھا تھا کہ ''ظالموں،، پر ''عوام،، کی فوری اور فیصلہ‌کن فتح ہوگی۔ ہم لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ''ظالموں،، کے خاتمے کے بعد بھی ان مخاصمانہ عناصر سے ایک طویل جدوجہد ہوگی جو ان ''عوام،، کے درمیان پوشیدہ تھے۔ عامیانہ جمہوریت کو یہ توقع تھی کہ بغاوت پھر کسی دن پھوٹ پڑے‌گی۔ ہم نے ۱۸۵۰ء کی خزاں ہی میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ انقلابی دور کا کم از کم پہلا باب ختم ہوچکا ہے اور نئے عالمی معاشی بحران کے شروع ہونے سے پہلے کسی بات کی توقع نہ کرنی چاہئے۔ اسی لئے انہیں لوگوں نے انقلاب کے غداروں کی طرح ہمیں مرتد قرار دے دیا جو بعد میں تقریباً بلااستثنا سب بسمارک سے جاملے، اس حد تک جتنی کہ بسمارک ان پر عنایت کرسکا۔

لیکن تاریخ نے دکھایا کہ ہم بھی غلطی پر تھے۔ اس نے دکھایا کہ ہمارا اس وقت کا نقطۂ نظر ایک فریب خیال تھا۔ تاریخ نے کچھ اور بھی کیا۔ اس نے ہمارے غلط خیالات ہی کو نہیں دور کیا بلکہ ان حالات کو بھی بالکل بدل دیا جن کے تحت پرولتاریہ کو اپنی لڑائی لڑنی ہے۔ ۱۸۴۸ء کا لڑنے کا طریقہ آج ہر طرح سے فرسودہ ہوچکا ہے اور یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کا موجودہ موقع پر زیادہ گہرا جائزہ لینا چاہئے۔

آج تک جتنے انقلاب ہوئے ہیں ان کے نتیجے میں ایک طبقے کی حکومت کی جگہ دوسرے طبقے کی حکومت آئی ہے۔ لیکن ابھی

تک کثیرتعداد محکوم لوگوں کے مقابلے میں سب حکمراں طبقے چھوٹی اقلیتیں ھی رھے ھیں۔ اس طرح ایک حکمراں اقلیت کا تختہ الٹ دیا جاتا اور اس کی جگہ دوسری اقلیت ریاستی اقتدار پر قبضہ جماکر ریاستی اداروں کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھال لیتی۔ ہر بار یہ وھی اقلیتی گروپ ھوتا جو اس وقت کے معاشی ارتقا کی سطح کے مطابق حکومت کرنے کا اھل تھا اور اس کے لئے مقصود تھا۔ اور اسی سبب سے (اور محض اسی سبب سے) ایسا ھوتا کہ محکوم اکثریت یا تو انقلاب میں اول الذکر کے مفاد کے لئے حصہ لیتی یا خاموشی سے اس کو قبول کر لیتی۔ لیکن اگر ہر معاملے کے ٹھوس مافیہ کو نظرانداز کر دیں تو ان میں سے ہر انقلاب کی مشترکہ شکل یہی تھی کہ وہ اقلیت کے انقلاب تھے۔ حتی کہ جب اکثریت ان میں، شعوری یا غیرشعوری طور پر، حصہ لیتی تب بھی وہ صرف اقلیت کی خدمت گذاری ھی کرتی۔ لیکن شاید اسی وجہ سے، محض اکثریت کے مجہول اور غیر مزاحمتی رویے کیوجہ سے ایسا معلوم ھوتا کہ اقلیت ھی سارے لوگوں کی نمائندہ ھے۔

عام طور پر پہلی بڑی کامیابی کے بعد فتحیاب اقلیت میں تفریق پڑ جاتی۔ آدھا حصہ اسی سے مطمئن ھوجاتا جو کچھ حاصل کیا گیا ھوتا، دوسرا حصہ اور آگے جانا چاھتا اور نئے مطالبات پیش کرتا جو کم از کم جزوی طور پر کثیرتعداد عوام کے حقیقی یا ظاھری مفاد میں ھوتے۔ الگ الگ معاملات میں یہ زیادہ انتہا پسند مطالبات پورے کروا لئے جاتے لیکن ایسا اکثر وقتی طور پر ھوتا۔ زیادہ اعتدال پسند پارٹی پھر حاوی ھو جاتی اور پچھلی بار جو کچھ حاصل کیا گیا ھوتا وہ پھر کلی یا جزوی طور پر کھو جاتا۔ تب شکست خوردہ لوگ چیخنے لگتے کہ ان کے ساتھ غداری کی گئی ھے یا اپنی شکست کو اتفاق پر محمول کرتے۔ بہرنوع حقیقت میں زیادہ‌تر یہ ھوتا کہ پہلی فتح کی حاصلات کو صرف زیادہ انتہا پسند پارٹی کی دوسری فتح ھی محفوظ رکھ سکتی۔ یہ حاصل ھونے اور اس طرح وقت کا تقاضہ پورا ھو جانے کے بعد انتہاپسند اور ان کی حاصلات پھر میدان سے غائب ھو جاتیں۔

سترھویں صدی کے عظیم برطانوی انقلاب سے لیکر موجودہ زمانے کے تمام انقلابوں تک نے انھیں خصوصیتوں کا اظہار کیا

جو ہر انقلابی جدوجہد کا جزو لاینفک معلوم ہوئیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کا پرولتاریہ کی جدوجہد آزادی پر بھی اطلاق ہے۔ یہ یہاں اور بھی قابل اطلاق معلوم ہوئیں کیونکہ ٹھیک ۱۸۴۷ء میں صرف چند ہی لوگ ایسے تھے جو اس کو پوری طرح سمجھتے تھے کہ اس آزادی کے لئے کیا رخ اختیار کرنا ہے۔ خود پرولتاری عوام پیرس تک میں اپنی جیت کے بعد بھی اس راستے کے بارے میں نہیں جانتے جس پر گامزن ہونا تھا۔ پھر بھی تحریک موجود تھی جو فطری اور بیساختہ تھی اور جسے مغلوب نہ کیا جا سکتا تھا۔ کیا ایسی صورت‌حال انقلاب کی کامیابی کےلئے سازگار نہ تھی، اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس کی قیادت اقلیت کر رہی تھی لیکن اس بار یہ اقلیت کے مفاد میں نہیں بلکہ اکثریت کے انتہائی مفاد میں تھا؟ اگر تمام زیادہ طویل انقلابی دوروں میں آگے بڑھنےوالی اقلیتوں کی محض دل فریب اور جھوٹی لفاظی سے کثیر تعداد عوام کو دھوکا دیکر اتنی آسانی کے ساتھ جیتا جا سکتا تھا تو عوام کو کیوں ایسے خیالوں کا کم اثر قبول کرنا چاہئے تھا جو ان کی معاشی حالت کے سچے آئینہ‌دار تھے اور جو ان کی ایسی ضرورتوں کے صاف اور معقول اظہار تھے جن کو وہ ابھی تک سمجھتے تو نہ تھے لیکن انھیں ان کا دھندلا سا احساس تھا؟ یہ سچ ہے کہ عوام کا یہ انقلابی مزاج فریب خیال کا جادو ٹوٹتے اور ناامیدی کا شکار ہوتے ہی تقریباً ہمیشہ اور عام طور پر بڑی تیزی سے تھکن میں بدل جاتا یا یہاں تک کہ جذبات میں کایاپلٹ ہو جاتی۔ لیکن یہاں سوال دل‌فریبی کا نہیں تھا بلکہ خود ایک بڑی اکثریت کے حقیقی مفادات کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ ایسے مفادات کو جو واقعی اس وقت تک اس بڑی اکثریت کےلئے واضح نہ تھے لیکن جن کو جلد ہی عملی جامہ پہنانے کے دوران میں اس کے لئے معقول طور پر واضح ہونا تھا۔ اور جب ۱۸۵۰ء کی بہار میں اس بورژوا رپبلک کے فروغ نے جو ۱۸۴۸ء کے ''سماجی،، انقلاب سے پیدا ہوئی تھی ایک طرف حقیقی اقتدار بڑی بورژوازی کے ہاتھوں میں مرکوز کردیا (جو شاہی کی طرف جھکی ہوئی تھی) اور دوسری طرف تمام دوسرے سماجی طبقوں، کسانوں اور حتی کہ پٹی‌بورژوازی کو بھی پرولتاریہ کے گرد اس طرح مجتمع کر دیا کہ مشترکہ فتح کے دوران میں اور اس کے بعد ان

کو نہیں بلکہ پرولتاریہ کو اپنے تجربے سے ھوشمند بنکر فیصلہ کن عنصر بننا چاھئے تھا تو کیا ان حالات میں اس کا ھر طرح سے امکان نہ تھا کہ اقلیت کے انقلاب کو اکثریت کے انقلاب میں بدل دیا جائے ؟

تاریخ نے ھمیں اور ھمارے ھم خیالوں کو غلط ثابت کر دیا۔ اس نے یہ بات صاف کردی کہ براعظم یورپ پر اس وقت معاشی ارتقا کی حالت دور دور تک سرمایہ‌دارانہ طریقۂ پیداوار کو ختم کرنے کے لئے پختہ نہیں ھوئی تھی۔ تاریخ نے اس کو اس معاشی انقلاب کے ذریعے ثابت کر دیا جو ۱۸۴۸ء سے سارے براعظم پر چھا گیا ھے اور فرانس، آسٹریا، ھنگری، پولینڈ اور حال میں روس میں بڑی صنعت کی جڑیں پکڑنے کا سبب بنا ھے جبکہ جرمنی کو اس نے قطعی طور پر اول درجے کا صنعتی ملک بنا دیا ھے۔ یہ سب سرمایہ‌دارانہ بنیاد پر ھوا ھے جو ۱۸۴۸ء میں بھی توسیع کی بہت بڑی صلاحیت رکھتی تھی۔ لیکن اسی صنعتی انقلاب نے ھر جگہ طبقاتی تعلقات واضح کر دئے ھیں، ایسی متعدد درمیانی شکلیں دور کر دی ھیں جو چھوٹی کارخانہ‌داری کے زمانے سے اور مشرقی یورپ میں تو دستکاروں کی انجمنوں (گلڈ) کے زمانے سے چلی آتی تھیں، اصلی بورژوازی اور بڑے پیمانے کی صنعت کے اصلی پرولتاریہ کی تخلیق کی ھے اور ان دونوں کو سماجی ارتقا کے پیش منظر میں لے آیا ھے۔ اس وجہ سے ان دو بڑے طبقوں کے درمیان جدوجہد، ایسی جدوجہد جو ۱۸۴۸ء میں برطانیہ کے علاوہ صرف پیرس میں تھی اور زیادہ سے زیادہ چند بڑے صنعتی مرکزوں میں بھی، اب سارے یورپ میں پھیل گئی ھے اور اتنی شدت اختیار کر چکی ھے جس کا تصور ۱۸۴۸ء میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت طرح طرح کے فرقوں کے مبلغ اپنے اپنے نسخے پیش کر رھے تھے اور آج عام طور پر تسلیم شدہ واحد مارکس کا شفاف نظریہ ھے جس میں جدوجہد کے مختتم مقاصد کو واضح طور پر مرتب کیا گیا ھے۔ اس وقت عوام جگہ اور قومیت کے لحاظ سے منتشر تھے، اختلاف رائے رکھتے تھے اور صرف مشترکہ مصیبتوں کے احساس سے باھم مربوط تھے۔ یہ غیرترقی‌یافتہ عوام بےچارگی کے عالم میں آس اور یاس کے درمیان جھولتے رھتے تھے۔ آج سوشلسٹوں کی واحد اور عظیم بین‌الاقوامی

فوج ہے جو دراتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے اور دن بدن اس کی تعداد، تنظیم، ڈسپلن، طبقاتی شعور اور فتح کے یقین میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اگر پرولتاریہ کی یہ زبردست فوج ابھی تک اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکی، اگر ایک ضرب کاری کے ذریعے فتح حاصل کرنے کی بجائے اس کو ایک سخت اور دشوار جدوجہد میں قدم بقدم ایک مورچے سے دوسرے مورچے تک آگے بڑھنا پڑ رہا ہے تو اس سے صرف یہی قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۴۸ء میں ایک سادہ اچانک حملے کے ذریعے سماجی تبدیلی کا حصول کتنا نا ممکن تھا۔

شاہی خاندان کے دو حامی گروہوں میں بٹی ہوئی بورژوازی (۵۹) جس کا مطالبہ بہرحال سب سے پہلے اپنے مالی معاملات کےلئے امن اور سلامتی تھا اس پرولتاریہ سے دوچار تھی جو حقیقت میں شکست خوردہ تو تھا لیکن اب بھی خطرناک تھا، ایسا پرولتاریہ جس کے گرد پٹی بورژوا اور کسان زیادہ سے زیادہ جمع ہورہے تھے، تشدد کے پھوٹ پڑنے کا متواتر خطرہ تھا جس سے مسئلے کے مختتم حل کا بہر نوع قطعی کوئی امکان نہ تھا — یہ تھی صورت حال جو گویا حکومت پر تیسرے اور نقلی جمہوری دعویدار لوئی بوناپارٹ کے قبضے کے لئے خاص طور سے تیار کی گئی تھی۔ ۲ دسمبر ۱۸۵۱ء کو فوج کے ذریعے اس نے کشیدہ صورت حال کا خاتمہ کرکے یورپ کو اندرونی سکون دے دیا تاکہ اس پر جنگوں کے ایک نئے دور (۶۰) کی رحمت نازل کر سکے۔ فی الوقت نیچے سے شروع ہونےوالے انقلابوں کا دور ختم ہوگیا اور اوپر سے ہونےوالے انقلابوں کا دور آیا۔

۱۸۵۱ء میں شہنشاہیت کی طرف رجعت قہقری نے اس وقت کے پرولتاریہ کی تمناؤں کی ناپختہ کاری کا ثبوت پیش کیا۔ لیکن خود شہنشاہیت کو وہ حالات پیدا کرنے تھے جن کے تحت ان میں پختگی پیدا ہوتی۔ اندرونی امن چین نے نئی صنعتی ترقی کی پوری ضمانت دی۔ فوج کو مصروف رکھنے اور انقلابی دھاروں کو خارجہ پالیسی کی طرف موڑنے کی ضرورت نے جنگوں کو جنم دیا جن میں بوناپارٹ نے ''قومیت کے اصول،، (۶۱) کے مدعی ہونے کے بہانے فرانس کےلئے مقبوضہ علاقے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کی تقلید

کرنے والے بسمارک نے یہی پالیسی پرشا کے لئے اختیار کی۔ اس نے اپنا ریاستی الٹ پلٹ، اوپر سے اپنا انقلاب جرمن کنفڈریشن (۶۲) اور آسٹریا کے خلاف ۱۸۶۶ء میں کیا اور اتنا ھی پرشائی ایوان کے خلاف بھی جو حکومت کا مخالف تھا۔ لیکن یورپ دو بوناپارٹوں کے لئے چھوٹا تھا اور تاریخ نے یہ ستم ظریفی کی کہ بسمارک نے بوناپارٹ کا تختہ الٹ دیا اور پرشا کے شاہ ولہلم نے نہ صرف کوچک جرمن سلطنت (۶۳) بلکہ فرانسیسی ریپبلک بھی قائم کی۔ بہر حال اس کا عام نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں پولینڈ کے سوا بڑی قوموں کی آزادی اور اندرونی اتحاد حقیقت بن گیا، نسبتاً مختصر حدود کے اندر لیکن اتنی وسیع حدود میں جنھوں نے مزدور طبقے کو بڑھنے کا موقع دیا اور قومی پیچیدگیاں سنجیدہ رکاوٹ نہیں بنیں۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب کی قبر کھودنے والے اب اس کی وصیت کو پورا کرنے والے بن گئے اور ان کے ساتھ ۱۸۴۸ء کا وارث یعنی پرولتاریہ ایک خطرہ بن کر انٹرنیشنل کی شکل میں اٹھ کھڑا ہوا۔

۱۸۷۰ء — ۷۱ کی جنگ کے بعد بوناپارٹ میدان سے غائب ہوجاتا ھے اور بسمارک کا مشن بھی پورا ہو چکا ھے۔ اس لئے وہ پھر معمولی یونکر بن سکتا ھے۔ بہرحال اس دور کا خاتمہ پیرس کمیون پر ہوجاتا ھے۔ پیرس کے نیشنل گارڈ کے توپخانے کو چرانے کی جو ذلیل کوشش تیئر نے کی اس کی وجہ سے فتحیاب بغاوت پھوٹ پڑی۔ ایک بار پھر یہ ثابت ہوا کہ پیرس میں اب پرولتاری انقلاب کے سوا کوئی اور انقلاب ممکن نہیں ھے۔ فتح کے بعد اقتدار مزدور طبقے کے ھاتھ میں خود بخود اور مسلمہ طور پر آگیا۔ اور ایک بار پھر یہ ثابت ہوا کہ اس وقت کے بیس سال بعد بھی جس کا ذکر ھمارے پمفلٹ میں کیا گیا ھے مزدور طبقے کا یہ اقتدار ممکن نہ تھا۔ ایک طرف فرانس نے پیرس کو مصیبت میں چھوڑ دیا اور جب پیرس میک موھن کی گولیوں سے خون میں نہا رہا تھا تو وہ اس کو بے پروائی سے دیکھتا رھا۔ دوسری طرف دو پارٹیوں میں بٹا ہوا کمیون ان کے درمیان بے سود جھگڑے میں مبتلا ہوکر روزافزوں کمزور پڑنے لگا۔ یہ پارٹیاں بلانکیسٹ (۶۴) (اکثریت) اور پرودھونسٹ (۶۵) (اقلیت) تھیں اور ان میں سے کسی کو بھی یہ پتہ نہ تھا کہ کرنا کیا ھے۔ ۱۸۷۱ء میں جو فتح

تحفے کے طور پر حاصل ہوئی تو وہ بھی اسی طرح بےسود رہی جیسے ۱۸۴۸ء کا اچانک حملہ رہا تھا۔

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پیرس کمیون کے ساتھ مجاہد پرولتاریہ کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کےلئے دفن کر دیا گیا۔ لیکن اس کے قطعی برخلاف اس کا نیا ابھار ہی کمیون اور فرانسیسی پرشن جنگ کے بعد ہوا۔ ہتھیار سنبھالنے کے قابل پوری کی پوری آبادی کی ایسی فوجوں میں بھرتی جن کا شمار اب دسیوں لاکھ میں ہو سکتا تھا اور ایسے آتش گیر اسلحہ جات کے رواج نے جن کی کارگری کا ابھی تک تصور بھی نہ کیا جا سکتا سارے طریقۂ جنگ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ ان تمام باتوں نے ایک طرف بوناپارٹ کے جنگی دور کا خاتمہ کردیا اور بے مثال ظلم و ستم اور قطعی ناقابل اندازہ نتیجےوالی عالمی جنگ کے سوا ہر جنگ کو ناممکن بناکر پرامن صنعتی ترقی کی ضمانت دی۔ دوسری طرف اس نے فوجی اخراجات کو بے حد بڑھاکر محصولوں کو اتنی اونچی سطح تک پہنچا دیا کہ لوگوں کے زیادہ غریب طبقے سوشلزم کے آغوش میں آن گرے۔ الزاس لارین کے الحاق نے، جو اسلحہبندی کی دوڑ کا فوری سبب تھا، فرانسیسی اور جرمن بورژوازی کو جارحانہ قومپرستی کے جذبے کے تحت ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے پر آمادہ کر دیا۔ لیکن ان دونوں ملکوں کے مزدوروں کے لئے یہ اتحاد کا ایک نیا رشتہ بن گیا اور پیرس کمیون کی سالگرہ نے پورے پرولتاریہ کے لئے پہلی عالمی تقریب کی صورت اختیار کر لی۔

۷۱—۱۸۷۰ء کی جنگ اور کمیون کی شکست نے مارکس کی پیش گوئی کے مطابق یورپ کی مزدور تحریک کے مرکز کو عارضی طور پر فرانس سے جرمنی میں منتقل کردیا۔ مئی ۱۸۷۱ء کی خونریزی سے بحال ہونے میں فرانس کو قدرتی طور پر برسوں لگ گئے۔ دوسری طرف جرمنی میں، جہاں صنعت نے فرانسیسی دولت کی عنایت سے (۶۶) اور زیادہ فروغ پاکر بڑی تیزی سے ترقی کی، سوشل ڈیموکریسی میں بھی زیادہ تیزی کے ساتھ مستحکم اضافہ ہوا۔ ۱۸۶۶ء میں رائج کئے ہوئے عام حق رائے دہندگی کو جرمن مزدوروں نے ہوشمندانہ طور سے استعمال کیا اور اس وجہ سے پارٹی میں جو حیرت انگیز اضافہ ہوا اس کے مسلمہ اعداد و شمار ساری دنیا کے

سامنے آگئے۔ یہ تھے سوشل ڈیموکریٹک ووٹ — ۱۸۷۱ء میں ۱۰۲۰۰۰، ۱۸۷۴ء میں ۳۵۲۰۰۰ اور ۱۸۷۷ء میں ۴۹۳۰۰۰۔ اس ترقی کو صاحبان اقتدار و اختیار نے سوشلسٹ دشمن ہنگامی قانون (۶۷) بنا کر تسلیم بھی کیا۔ پارٹی عارضی طور پر ٹوٹ گئی اور ۱۸۸۱ء میں اس کے ووٹوں کی تعداد گر کر ۳۱۲۰۰۰ رہ گئی۔ لیکن اس پر جلد ہی قابو پالیا گیا اور ہنگامی قانون کے دباؤ کے باوجود، پریس، قانونی تنظیم اور اتحاد و اجتماع کے حق کے بغیر پھر واقعی تیزرفتار توسیع شروع ہو گئی: ۱۸۸۴ء میں ۵۵۰۰۰۰، ۱۸۸۷ء میں ۷۶۳۰۰۰ اور ۱۸۹۰ء میں ۱۴۲۷۰۰۰ ووٹ ملے۔ اب ریاست کے ہاتھ مفلوج ہو گئے اور سوشلسٹ دشمن قانون غائب ہو گیا۔ سوشلسٹ ووٹ بڑھکر ۱۷۸۷۰۰۰ تک پہنچ گئے جو ڈالے جانے والے تمام ووٹوں کے ایک چوتھائی سے زیادہ تھے۔ حکومت اور حکمراں طبقوں نے اپنے سارے ہتھکنڈے استعمال کئے لیکن وہ سب بے سود، بیکار اور ناکام ثابت ہوئے۔ صاحبان اختیار کی لاچاری کے وہ ٹھوس ثبوت جو ذلیل و حقیر مزدوروں نے پیش کئے دسیوں لاکھ میں گنے گئے اور انھیں چوکیدار سے لیکر ریاستی چانسلر تک کو ماننا پڑا۔ ریاست کا نزع کا عالم تھا اور مزدور اب اپنے راستے کی ابتدا کر رہے تھے۔

لیکن جرمن مزدوروں نے اس کے علاوہ تمام مزدور طبقے کے کاز کے لئے ایک اور خدمت کی۔ پہلی خدمت تو ان کی انتہائی مستحکم، بہت ہی منضبط اور تیزی سے بڑھتی ہوئی سوشلسٹ پارٹی کا وجود تھا۔ اور اب انہوں نے یہ دکھا کر کہ عام حق رائے دہندگی کو کیسے استعمال کرنا چاہئے دنیا کے سارے ملکوں میں اپنے رفیقوں کو ایک نیا اور بہت ہی تیز ہتھیار فراہم کیا۔

عام حق رائے دہندگی فرانس میں تو بہت زمانے سے تھا لیکن بوناپارٹ کی حکومت نے جس غلط طریقے سے اس کو استعمال کیا اس کی وجہ سے وہ بدنام ہو گیا۔ کمیون کے بعد مزدوروں کی کوئی پارٹی ہی نہ تھی جو اس کا استعمال کر سکتی۔ اسپین میں بھی یہ ریپبلک کے زمانے سے تھا (۶۸) لیکن وہاں انتخابات کا بائیکاٹ تمام سنجیدہ مخالف پارٹیوں کے لئے ایک معمول بن گیا تھا۔ سوئٹزرلینڈ میں عام حق رائے دہندگی کا تجربہ بھی مزدور پارٹی کے لئے ہمت افزا

نہ تھا۔ لاطینی ممالک کے انقلابی مزدور عام حق رائے دہندگی کو
جال اور حکومت کی چال سمجھتے تھے۔ لیکن جرمنی میں صورت
دوسری تھی۔ ''کمیونسٹ مینی فسٹو''، عام حق رائے دہندگی اور
جمہوریت کے حصول کو مجاہد پرولتاریہ کا پہلا اور اہم ترین
فریضہ قرار دے چکا تھا۔ اور لاسال نے اس مطالبہ کو دوبارہ
پیش کیا تھا۔ جب بسمارک عام حق رائے دہندگی (٦٩) کو رائج
کرنے پر مجبور ہوا کیونکہ یہی ایسا طریقہ تھا جس کے ذریعے وہ
کثیرتعداد لوگوں کو اپنے منصوبوں میں دلچسپی لینے کی ترغیب
دے سکتا تھا تو ہمارے مزدوروں نے فوراً اس پر سنجیدہ رویہ اختیار
کیا اور آگسٹ بیبل کو پہلے آئین ساز رائخشٹاگ میں بھیجا۔ اور
اس دن کے بعد سے انھوں نے عام حق رائے دہندگی کو اس طرح استعمال
کیا جس سے ان کو ہزارگنا فائدہ ہوا اور تمام ملکوں کے مزدوروں
کے لئے ایک مثال قائم ہو گئی۔ فرانسیسی مارکسی پروگرام کے
الفاظ میں مزدوروں نے عام حق رائے دہندگی کو دھوکہ بازی کی
ایک چال کی بجائے جو وہ ابھی تک تھی اپنی نجات کے آلے میں بدل
دیا (٧٠)۔ اور اگر عام حق رائے دہندگی سے ہمیں اس کے سوا اور
کوئی فائدہ نہ ہوتا کہ اس نے ہمیں ہر تین سال میں اپنی تعداد
شمار کرنے کی سہولت دی، کہ ہمارے ووٹوں کی تعداد میں پائدار
اور غیرمتوقع اضافے کی بدولت عام حق رائے دہندگی نے اتنے ھی پیمانے
پر مزدوروں میں فتح کا یقین بڑھایا جتنی ان کے مخالفین میں گھبراھٹ،
اور اس طرح ہمارے لئے پروپگنڈے کا بہترین ذریعہ بن گئی، کہ
اس نے صحیح طریقے پر ہمیں اپنی اور سب مخالف پارٹیوں کی طاقت
سے مطلع کیا اور اس طرح اس نے ہمارے اقدامات کے تناسب کے لئے
بہترین پیمانے کا کام کیا اور ہم کو بےموقع بزدلی اور اس کے
ساتھ بےموقع بہادری سے بچایا — اگر عام حق رائے دہندگی سے صرف
یہی سہولت ملی ہوتی تو یہ بھی کافی سے زیادہ ہوتی۔ لیکن اس
نے اس سے زیادہ بہت کچھ کیا۔ انتخابی پرچار کے دوران میں اس
نے یہ موقع دیا کہ ہم وہاں عوام سے رابطہ قائم کر سکیں جہاں
وہ ابھی تک ہم سے الگ تھلگ تھے، کہ تمام پارٹیاں ہمارے حملوں
کے خلاف سارے عوام کے سامنے اپنے خیالات اور اقدامات کی صفائی
دینے پر مجبور ہوں اور مزیدبرآں اس نے رائخشٹاگ میں ہمارے

نمائندوں کےلئے ایک ایسا پلیٹ‌فارم فراهم کیا جس سے وہ پارلیمنٹ کے اندر اپنے مخالفین کے خلاف اظهار رائے کر سکیں اور باهر کثیر تعداد عوام کے سامنے اس اعتماد اور آزادی کے ساتھ اپنی بات کہہ سکیں جو پریس یا جلسوں کے ذریعے ممکن نه تھی۔ بھلا حکومت اور بورژوازی کےلئے سوشلسٹ‌دشمن قانون کس کام کا تھا جب انتخابی مہمیں اور رائخشٹاگ میں سوشلسٹ تقریریں متواتر اس کو توڑتی ہوئی گونجتی تھیں؟

لیکن عام حق رائے دهندگی کے اس کارآمد استعمال کے ساتھ ساتھ پرولتاری جدوجہد کا ایک نیا طریقه بروئے کار آیا اور اس طریقے نے بڑی تیزی کے ساتھ مزید فروغ حاصل کیا۔ معلوم هوا که وہ ریاستی ادارے جن کے ذریعے بورژوازی اپنی حکمرانی منظم کرتی ہے مزدور طبقے کو انہیں ریاستی اداروں کے خلاف لڑنے کے لئے مزید مواقع فراهم کرتے هیں۔ مزدور بعض قانون‌ساز اسمبلیوں، میونسپل کونسلوں اور حرفتی عدالتوں کے انتخابوں میں حصه لینے لگے، انهوں نے بورژوازی سے هر اس انتخابی جگه کےلئے مقابله کیا جس میں پرولتاریه کے کافی حصے کی آواز تھی۔ اس کا نتیجه یه نکلا که بورژوازی اور حکومت مزدور پارٹی کے غیرقانونی اقدام کے مقابلے میں اس کی قانونی کارروائیوں سے اور بغاوت کے مقابلے میں انتخابات کے نتائج سے زیادہ خوفزدہ هو گئیں۔

اس کا سبب یه تھا که یہاں بھی جدوجہد کے حالات بنیادی طور پر بدل گئے تھے۔ پرانی طرز کی بغاوت اور سڑکوں پر مورچے کھڑے کرکے لڑائی جو ۱۸۴۸ء تک معاملات کو طے کرنے کےلئے هر جگه هوتی تھی اب کافی حد تک فرسودہ هو چکی تھیں۔

همیں اس کے متعلق کسی مغالطے میں نه رهنا چاهئے: سڑکوں پر لڑائی میں فوج پر کسی بغاوت کی حقیقی فتح یعنی ایسی فتح جیسے دو فوجوں کی ٹکر میں حاصل هوتی هے بہت کم هوتی هے اور مسلح باغی بھی اس پر شاذ و نادر هی بھروسه کرتے هیں۔ وہ محض اس پر امید کرتے هیں که اخلاقی اثر کے ذریعے فوجوں کو سر جھکا دینے پر مجبور کر دیں حالانکه دو لڑنےوالے ملکوں کی فوجوں کے درمیان جنگ میں اخلاقی اثر بالکل هی بروئے کار نہیں آتا یا پھر بہت هی معمولی حد تک هوتا هے۔ اگر وہ اس میں

کامیاب ہوتے ہیں تو فوجیں حکم نہیں مانتیں یا کمانڈر سر پھرے ہو جاتے ہیں اور بغاوت فتحیاب ہوتی ہے۔ جب باغیوں کو اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو اگر فوج اقلیت میں بھی ہو تب بھی اس کے ہتھیاروں اور تربیت، واحد قیادت، فوجی طاقت اور ضابطے کا منصوبہ‌بند استعمال موثر ثابت ہوتے ہیں۔ حقیقی مورچہ‌بندی کے سلسلے میں کوئی بغاوت عملی طریقۂ کار میں زیادہ سے زیادہ جو حاصل کر سکتی ہے وہ واحد مورچے کا مناسب استحکام اور اس کی دفاع ہے۔ باہمی امداد، محفوظ فوجی طاقت کی تقسیم اور استعمال، مختصر یہ کہ منفرد دستوں کا مرکوز اور مربوط اقدام جو شہر کے کسی ایک حصے کی دفاع کےلئے بھی ضروری ہے (پورے شہر کی بات تو جانے دیجئے) صرف بہت ہی محدود حد تک ممکن ہے اور اکثر ممکن ہی نہیں ہے۔ درحقیقت یہاں کسی فیصلہ‌کن جگہ پر فوجی طاقتوں کے مرکوز کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ اس لئے مجہول مدافعت لڑائی کی غالب شکل ہے۔ جگہ بجگہ حملے بھی ہوں‌گے، کہیں دھاوے اور بغلی چھاپے مارے جائیں‌گے لیکن یہ صرف استثنا کی شکل میں ہوں‌گے۔ عام طور پر ایسا حملہ پیچھے ہٹتی ہوئی فوج کے چھوڑے ہوئے مورچوں پر قبضہ کرنے تک محدود ہوگا۔ مزیدبرآں فوج کے پاس توپخانہ، سامان سے لیس تربیت‌یافتہ انجینیروں کے دستے، جنگ کے ایسے وسائل ہوتے ہیں جو تقریباً ہر معاملے میں باغیوں کے پاس نہیں ہوتے۔ تو پھر اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ پیرس (جون ۱۸۴۸ء)، ویانا (اکتوبر ۱۸۴۸ء) اور ڈریسڈن (مئی ۱۸۴۹ء) میں جیسے ہی حملے کے لیڈر سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر خالص فوجی نقطۂ نظر سے کارروائی کرنے لگے اور انہیں اپنے سپاہیوں پر پورا بھروسہ رہا ویسے ہی سڑکوں کے مورچوں پر بہادرانہ لڑائیوں کا انجام باغیوں کی شکست پر ہوا۔

۱۸۴۸ء تک باغیوں کی متعدد کامیابیوں کی بہت سی وجوہ تھیں۔ جولائی ۱۸۳۰ء اور فروری ۱۸۴۸ء میں پیرس میں اور اسی طرح اسپین میں زیادہ‌تر سڑکوں کی لڑائیوں کے دوران میں باغیوں اور فوج کے درمیان شہری گارڈ حائل رہا۔ اس گارڈ نے یا تو براہ‌راست باغیوں کا ساتھ دیا یا پھر ٹھنڈے اور ڈھلمل رویے سے فوج کو

بھی مذبذب کر دیا اور اس کے علاوہ باغیوں کو ہتھیار فراہم کئے۔ جب اس شہری گارڈ نے بغاوت کی ابتدا سے مخالفت کی جیسا کہ جون ۱۸۴۸ء میں پیرس میں ہوا تو بغاوت کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ۱۸۴۸ء میں برلن میں عوام کی فتح کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ ۱۹ مارچ کی رات اور صبح کے دوران میں باغیوں کی صفوں میں کافی نئے لڑنے والے آ گئے تھے اور کچھ یہ بھی کہ فوج تھک گئی تھی اور اس کے لئے رسد کا انتظام اچھا نہ تھا اور سب سے آخر میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فوجی کمان مفلوج ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن تمام صورتوں میں باغیوں کی جیت اس لئے ہوئے کہ فوج نے حکم ماننے سے انکار کر دیا، کہ کمانڈر افسروں کی قوت فیصلہ مفلوج ہو گئی یا پھر وہ لاچار تھے۔

اس لئے سڑکوں پر لڑائی کے کلاسیکی زمانے میں بھی سڑکوں کی مورچہ‌بندی کا اثر مادی سے زیادہ اخلاقی تھا۔ یہ فوج کے استقلال کو متزلزل کرنے کا ذریعہ تھی۔ اگر مورچہ‌بندی لڑائی کو اس وقت تک جاری رکھ سکی جب تک یہ مقصد حاصل کر لیا گیا تو جیت اس کی ہوئی اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ہے وہ خاص نکتہ جسے آئندہ سڑکوں پر لڑائی کے امکانات پر غور کرتے وقت پیش‌نظر رکھنا چاہئے۔

۱۸۴۹ء ہی میں ایسے امکانات بہت کم رہ گئے تھے۔ ہر جگہ بورژوازی حکومت کا ساتھ دے رہی تھی، بغاوت کے خلاف کارروائی کرنے والی فوج کو ''ثقافت اور جائیداد،، کے نمائندے خوش‌آمدید کہتے تھے اور اس کی خاطر تواضع کرتے تھے۔ سڑکوں کی مورچہ‌بندی کا جادو ٹوٹ چکا تھا۔ اب سپاہیوں کو اس کے پیچھے ''عوام،، نہیں بلکہ باغی، ہنگامہ پرور، لوٹ‌مار کرنے اور تباہی پھیلانے والے، سماج کے گندے لوگ ہی نظر آتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ فوجی افسر نے سڑکوں کی لڑائی کی چالیں اور پینترے سیکھ لئے تھے۔ اب وہ سیدھے اور اوٹ کے بغیر عارضی مورچوں کی طرف نہیں جھپٹتا تھا بلکہ باغوں، احاطوں اور مکانوں کا چکر کاٹ کر ان تک آتا تھا۔ اور اگر یہ تھوڑی سی بھی مہارت کے ساتھ کیا جاتا تو دس میں سے نو معاملوں میں کامیابی ہوتی۔

اس وقت سے اب تک مزید تبدیلیاں ہوئی ہیں جو سب کی

سب فوج کے حق میں ہیں ۔ اگر بڑے شہر کافی زیادہ بڑے ہو گئے ہیں تو فوجیں اور بھی زیادہ بڑی ہو گئی ہیں ۔ ۱۸۴۸ء سے پیرس اور برلن کی آبادی چار گنی سے کچھ کم بڑھی ہے لیکن ان کی چھاؤنیوں میں اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ہے ۔ ریلوے کے ذریعے ان فوجوں کو چوبیس گھنٹے کے اندر دگنا کیا جا سکتا ہے اور ۴۸ گھنٹے میں ان کو زبردست فوجوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ۔ ان کثیرتعداد فوجیوں کی اسلحہ‌بندی کہیں زیادہ موثر ہو چکی ہے ۔ ۱۸۴۸ء میں چکنی نال‌والی توڑےدار بندوق تھی اور اب چھوٹے دھانے اور گولیوں کی پیٹی رکھنےوالی رائفل ہے جو پہلےوالی کے مقابلے میں چار گنی دور مار ہے اور دس گنا زیادہ صحیح نشانہ لگاتی ہے اور تیزی سے کام کرتی ہے ۔ اس زمانے میں توپوں کے بڑے اور چھوٹے گولے نسبتاً اتنے کارگر نہ تھے لیکن اب ایسے شیل ہیں جن میں سے صرف ایک ہی بہترین سڑک کے مورچے کو توڑ پھوڑ دینے کےلئے کافی ہے ۔ اس زمانے میں سرنگ اڑانےوالوں کے پاس دیوار کو توڑنے کےلئے صرف کدال ہوتی تھی اور آج اس کے پاس ڈائناسائٹ کے کارتوس ہوتے ہیں ۔

دوسری طرف باغیوں کے حالات اور زیادہ خراب ہو گئے ہیں ۔ ایسی بغاوت جس سے لوگوں کی ساری پرتوں کو اتفاق ہو اب مشکل ہی سے ہوگی ۔ طبقاتی جدوجہد میں اوسط درجے کی پرتیں اپنے کو پرولتاریہ کے گرد غالباً اس طرح قطعی طور پر کبھی بھی یکجا نہیں کرینگی کہ بورژوازی کے گرد جمع ہونےوالی رجعت‌پرست پارٹی غائب ہو جائے ۔ اس لئے ”عوام“ ہمیشہ بٹے رہیں‌گے جس کی وجہ سے وہ بہت ہی مضبوط پیچ جو ۱۸۴۸ء میں غیرمعمولی طور پر موثر تھا اب ختم ہو چکا ہے ۔ اگر فوجی خدمات کا تجربہ رکھنےوالے زیادہ سپاہی باغیوں کے ساتھ ہو جائیں تو ان کو مسلح کرنا کافی دشوار ہوگا ۔ اسلحہ کی دوکانوں پر ملنےوالی شکاری اور خوبصورت بندوقیں، اگر پہلے ہی پولیس کے حکم سے ان کے گھوڑے کا ایک حصہ نکالکر ان کو ناقابل استعمال نہیں بنا دیا گیا ہے، تب بھی وہ قریب کے فاصلے تک کی لڑائی میں فوجیوں کی میگزین‌والی رائفل کا مقابلہ کبھی نہیں کر سکتیں ۔ ۱۸۴۸ء تک کوئی بھی بارود اور سیسے سے کارتوس خود بنا سکتا تھا، آج مختلف بندوقوں

کے لئے مختلف کارتوس ہوتے ہیں اور صرف ایک بات میں وہ ہر جگہ یکساں ہوتے ہیں یعنی وہ بڑی صنعت کی پیچیدہ پیداوار ہیں اور اس لئے وہ تیزی سے نہیں بنائے جا سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زیادہ‌تر بندوقیں بیکار ہیں اگر ان کے مخصوص کارتوس موجود نہ ہوں۔ اور آخری بات یہ ہے کہ ۱۸۴۸ء سے بڑے شہروں کے محلوں میں ایسی لمبی چوڑی اور سیدھی سڑکیں بنائی گئی ہیں کہ گویا وہ نئی توپوں اور رائفلوں کا خاص طور سے نشانہ بن سکیں۔ اگر کوئی انقلابی سڑکوں پر مورچوں‌والی لڑائی کے لئے شمالی یا مشرقی برلن کے مزدوروں کے نئے محلوں کو انتخاب کرے تو یہ پاگل پن ہوگا۔

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ آئندہ سڑکوں کی لڑائی کا کوئی رول نہیں رہ گیا ہے؟ ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ۱۸۴۸ء سے شہری مجاہدوں کے لئے حالات زیادہ ناسازگار ہو گئے ہیں جبکہ وہ فوج کے لئے زیادہ آسان بن گئے ہیں۔ اس لئے آئندہ سڑکوں پر لڑائی میں اسی وقت جیت ہو سکتی ہے جب اس ناسازگار صورت حال کا ازالہ دوسرے عناصر سے ہو۔ چنانچہ ایسی لڑائی کسی بڑے انقلاب کی ابتدا میں شاذ و نادر ہی ہوگی بمقابلہ اس کے مزید ارتقا کے دور میں اور اس میں زیادہ طاقتیں بھی استعمال کرنی ہونگی۔ ممکن ہے کہ اس وقت یہ طاقتیں سڑکوں کی مورچہ‌بندی کے دفاعی طریقوں کے مقابلے میں کھلے حملے کو ترجیح دیں جیسا کہ پورے عظیم فرانسیسی انقلاب میں یا ۴ ستمبر اور ۳۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء میں پیرس میں (۷۱) ہوا۔

کیا اب قاری کی سمجھ میں آگیا کہ صاحب اقتدار لوگ ہمیں کیوں ایسی جگہوں پر دیکھنا چاہتے ہیں جہاں بندوقوں کی باڑیں چل رہی ہوں اور تلواریں چمک رہی ہوں؟ وہ آج ہمیں بزدل کیوں ٹھہراتے ہیں کیونکہ ہم کھلم کھلا سڑکوں پر نہیں کود پڑتے جہاں ہمیں پہلے ہی سے اپنی شکست کا یقین ہے؟ وہ کیوں اتنے خلوص کے ساتھ ہم سے التجا کرتے ہیں کہ صرف ایک بار ہم ان کی توپوں کا چارہ بننے کے لئے تیار ہو جائیں؟

ان حضرات کی التجائیں اور چیلنج بالکل بے‌سود اور بیکار ہیں۔ ہم اتنے بیوقوف نہیں ہیں۔ وہ اسی طرح آئندہ جنگ میں اپنے

دشمن سے بھی مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ بوڑھے فریتس* کی صف‌آرائی کے طریقے یا واگرام اور واٹرلو (۷۲) کے طریقوں میں پورے پورے ڈویژنوں کو قطار در قطار کرکے لڑائی لڑے اور وہ بھی چقماق پتھر سے چلنے‌والی بندوقوں سے۔ اگر قوموں کے درمیان جنگ کے حالات بدل گئے ہیں تو طبقاتی جدوجہد کے حالات پر بھی یہی صادق ہوتا ہے۔ اچانک حملوں کا زمانہ، چھوٹی باشعور اقلیتوں کی قیادت میں کثیر تعداد شعور نہ رکھنے‌والے لوگوں کے انقلابوں کا زمانہ اب ماضی کی بات ہو چکا ہے۔ جہاں سماجی تشکیل کی قطعی تبدیلی کا سوال اٹھتا ہو وہاں عوام کو خود بھی ہونا چاہئے، ان کو پہلے ہی سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کس بات پر تن من کی بازی لگاکر آگے بڑھ رہے ہیں۔ پچھلے پچاس سال کی تاریخ نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔ لیکن اس کے واسطے کہ عوام یہ سمجھ سکیں کہ کیا کرنا ہے طویل اور اٹل کام کی ضرورت ہے اور یہی وہ کام ہے جو ہم اب کر رہے ہیں اور ایسی کامیابی سے جس سے دشمن ہراساں ہے۔

لاطینی ممالک میں بھی یہ بات زیادہ سے زیادہ محسوس کی جانے لگی ہے کہ پرانے طریقۂ کار میں تبدیلی کرنی چاہئے۔ ہر جگہ عام حق رائے دہندگی کو استعمال کرنے اور ہماری دسترس میں جتنے عہدے ہیں ان کو حاصل کرنے کی جرمن مثال کی پیروی کی جا رہی ہے۔ ہر جگہ بلا تیاری کئے ہوئے حملے کے خیال کو پس‌پشت ڈال دیا گیا۔ فرانس میں جہاں ایک صدی سے زیادہ سے یکے بعد دیگرے کئی انقلاب ہوتے رہے ہیں، جہاں کوئی بھی ایسی پارٹی نہیں ہے جس نے سازشوں، مسلح بغاوتوں اور تمام دوسرے انقلابی اقدامات میں اپنا پارٹ نہ ادا کیا ہو، جہاں اس کے نتیجے میں حکومت کو کسی طرح فوج پر بھروسہ نہیں رہا اور جہاں عام طور پر بمقابلہ جرمنی کے ناگہانی بغاوت کے امکانات زیادہ سازگار ہیں، وہاں بھی سوشلسٹ روزافزوں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کےلئے کسی پائدار فتح کے امکانات نہیں ہیں جب تک کہ وہ عوام کی کثیرتعداد کو اپنی طرف نہ کرلیں جو اس صورت میں کسان ہیں۔

---

*فریڈرک دوم — پرشا کا بادشاہ (۱۷۴۰ — ۸۶ء)۔ (ایڈیٹر)

یہاں بھی صبروتحمل کے ساتھ پروپگنڈے اور پارلیمانی سرگرمی کو پارٹی کے فوری فریضوں کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس میں کامیابیاں بھی ہوئی ہیں۔ صرف متعدد میونسپل کونسلوں ہی میں کامیابی نہیں حاصل کی گئی ہے بلکہ پچاس سوشلسٹ پارلیمانی ایوانوں میں بھی پہنچ گئے ہیں اور وہ رپبلک کی تین وزارتوں اور رپبلک کے ایک صدر کا تختہ الٹ چکے ہیں۔ پچھلے سال بلجیم میں مزدوروں نے عام حق رائے دھندگی کی منظوری زور ڈال کر کرا لی اور ان کو ایک چوتھائی انتخابی حلقوں میں جیت ہوئی۔ سوئٹزرلینڈ، اٹلی، ڈنمارک اور یہاں تک کہ بلغاریہ اور رومانیہ کی پارلیمنٹوں میں بھی سوشلسٹوں کی اپنی نمائندگی ہے۔ آسٹریا میں تمام پارٹیاں یہ تسلیم کرتی ہیں کہ وہاں کی پارلیمنٹ (Reichsrat) میں ہمارے داخلے کو اب روکنا ممکن نہیں ہے۔ ہمارا داخلہ وہاں تو قطعی ہے لیکن زیربحث صرف یہ سوال ہے کہ کس دروازے سے؟ اور روس میں بھی جب مشہور ''زیمسکی سوبور،، یعنی اس نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہوگا جس کے خلاف نوجوان زار نکولائی بے سود مزاحمت کر رہا ہے تو ہمارا یقینی خیال ہے کہ وہاں بھی ہماری نمائندگی ہوگی۔

یہ واضح ہے کہ اس وجہ سے ہمارے غیرملکی رفقاء اپنے انقلاب کرنے کے حق سے ذرا بھی دست‌بردار نہیں ہوتے۔ آخر کو انقلاب کا حق ہی حقیقی ''تاریخی حق،، ہے، وہ واحد حق جس پر موجودہ زمانے کی ساری ریاستیں بلا استثنا تکیہ کرتی ہیں جن میں میکلین برگ بھی شامل ہے جس کے امیر طبقےوالے انقلاب کو ۱۷۵۵ء میں ''پشتینی بندوبست،، (Erbvergleich) نے ختم کر دیا تھا۔ وہاں جاگیردارانہ نظام کا یہ شاندار منشور (۷۳) آج بھی رائج ہے۔ انقلاب کے حق کو اب اتنا مسلمہ سمجھا جانے لگا ہے کہ جنرل فون بوگوسلافسکی تک محض اس عوامی حق کی بنا پر اپنے شہنشاہ قیصر کےلئے حکومت کا تختہ الٹنے کو جائز ٹھہراتا ہے۔

لیکن دوسرے ملکوں میں جو کچھ بھی پیش آئے، جرمن سوشل ڈیموکریسی کا ایک مخصوص مقام ہے اور اسی بنا پر کم از کم مستقبل قریب میں اس کے ذمے ایک مخصوص فریضہ ہے۔ وہ بیس لاکھ ووٹر جن کو وہ ووٹ دینے بھیجتی ہے اور ان کے ساتھ وہ

نوجوان اور عورتیں جو ان کی پشت پر ووٹ نہ دینےوالوں کی حیثیت سے کھڑے ہیں یہ سب ملکر انتہائی کثیر تعداد، انتہائی گٹھے ہوئے عوام اور بین الاقوامی پرولتاری فوج کے آگے بڑھے ہوئے فیصلہ کن ''چوٹ کرنےوالے دستے،، ہیں۔ یہ عوام اس وقت بھی تمام ووٹوں کا ایک چوتھائی سے زیادہ حصہ ہیں۔ اور جیساکہ رائخشٹاگ کے ضمنی انتخابوں، الگ الگ ریاستوں میں اسمبلیوں، میونسپل کونسلوں، حرفتی عدالتوں کے انتخابوں نے دکھایا ہے اس حصے میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اضافہ اتنا فطری، اتنا مسلسل اور اتنا ناگزیر ہے اور ساتھ ہی ایسا پرسکون بھی جیسا کسی قدرتی عمل کو ہونا چاہئے۔ اس کے خلاف حکومت کی ساری مداخلت بیکار ثابت ہوئی ہے۔ آج بھی ہم ساڑھے بائیس لاکھ ووٹروں پر تکیہ کر سکتے ہیں۔ اگر یہ بات اسی طرح چلتی رہی تو ہم اس صدی کے خاتمے تک سماج کی درمیانی پرتوں کے زیادہتر حصے کو پٹی بورژوازی اور چھوٹے کسانوں کو اپنی طرف کھینچ لیںگے اور ملک میں ایسی فیصلہ کن طاقت بن جائیںگے جس کے سامنے تمام دوسری طاقتوں کو جھکنا پڑیگا خواہ وہ اس کو پسند کریں یا نہ کریں۔ اس اضافے کو مسلسل جاری رکھنا یہاں تک کہ وہ خود بخود موجودہ نظام حکومت کے بس سے باہر ہو جائے، اس روزافروں بڑھتی ہوئی زبردست طاقت کو محض ہراولی جھڑپوں میں ضائع نہ کرنا بلکہ اس کو فیصلہ کن دن تک برقرار رکھنا یہی ہمارا خاص فریضہ ہے۔ اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے جس سے جرمنی میں مسلسل بڑھتی ہوئی سوشلسٹ مجاہدانہ طاقتوں کو عارضی طور پر روکا جا سکتا ہے، حتی کہ ان کو کچھ وقت کےلئے پیچھے بھی ڈھکیلا جا سکتا ہے۔ یہ ہے فوج سے ایک بڑا تصادم جیسا کہ پیرس میں ۱۸۷۱ء کے خون آشام تصادم میں ہوا تھا۔ بہرحال آخرکار اس پر بھی قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ایسی پارٹی کو جو دسیوں لاکھ ممبروں پر مشتمل ہو گولیوں سے اڑا دینا یورپ اور امریکہ کی ساری میگزین‌والی رائفلوں کےلئے بھی ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اس سے ترقی کی معتدل تحریک میں رکاوٹ پیدا ہوگی، شاید سنگین لمحے میں ہمیں یہ زبردست طاقت نہ مل سکےگی اور فیصلہ کن لڑائی میں تاخیر اور طوالت ہوگی اور زیادہ بھاری قربانیاں دینی ہونگی۔

عالمی تاریخ کی ستم ظریفی سب کچھ الٹ پلٹ کر رکھ دیتی ہے۔ ہم ''انقلابی،، اور ''تختہ الٹنےوالے،، غیرقانونی طریقوں اور حتی کہ تختہ الٹنے کے مقابلے میں قانونی طریقوں میں زیادہ کامیاب ہو رہے ہیں۔ وہ پارٹیاں جو اپنے کو ضابطے کی پارٹیاں کہتی ہیں وہ قانونی حالات کے تحت تباہ ہو رہی ہیں جو خود ان کی تخلیق ہیں۔ وہ اودی‌لوں بارو کے ساتھ آواز ملاکر نااسیدی سے چیخ رہے ہیں : la légalité nous tue یعنی قانونیت ہماری موت ہے جبکہ اسی قانونیت کے تحت ہمارے بازو مضبوط ہو رہے ہیں، ہمارے رخسار گلابی ہو رہے ہیں اور ہم ابدی زندگی کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم اتنے بیوقوف نہ بن‌جائیں کہ ان پارٹیوں کو خوش کرنے کے لئے سڑکوں پر لڑائی میں کود پڑیں تو آخر میں ان کےلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہےگا کہ وہ خود اس سہلک قانونیت کو توڑ دیں۔

اسی زمانے میں وہ حکومت کا تختہ الٹنے کے خلاف قانون بناتے ہیں۔ پھر ہر چیز الٹ پلٹ جاتی ہے۔ یہ جنونی لوگ جو آج حکومت کا تختہ الٹنے کے دشمن ہیں کیا وہ کل تک خود حکومتوں کا تختہ الٹنےوالے نہیں تھے؟ کیا یہ ہم تھے جنھوں نے ۱۸۶۶ء کی خانہ جنگی بھڑکائی تھی؟ کیا یہ ہم تھے جنھوں نے ہنوور کے بادشاہ، ہیسن کے شہزادے اور نساؤ کے ڈیوک کو ان کی پشتینی اور قانونی قلمروؤں سے نکال کر ان قلمروؤں پر قبضہ کر لیا (۷۴)؟ اور جرمن یونین اور تین سلطنتوں کا خدا کی عنایت سے تختہ الٹ دینےوالے یہ لوگ حکومت کا تختہ الٹنے کے خلاف شاکی ہیں۔ Quis tulerit Gracchos de seditione querentes? * بھلا بسمارک کی پوجا کرنےوالوں کو کون حکومت کا تختہ الٹنے کے بارے میں برا بھلا کہنے کی اجازت دیگا؟

بہرحال انھیں حکومت کا تختہ الٹنے کے خلاف قوانین منظور کرنے دیجئے، انھیں اور بھی سخت بنانے دیجئے، سارے ضابطۂ فوجداری کو ربر کی طرح لوچدار بنانے دیجئے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ

---

*بھلا اس کو کون برداشت کریگا کہ گراسکی برادران بغاوت کی شکایت کریں؟ (جووینال کا طنزیہ ۲)۔ گراسکی برادران کے بارے میں کتاب کے آخر میں ناموں کا اشاریہ ملاحظہ ہو۔ (ایڈیٹر)

هوگا بلکه ان کی لاچاری کا نیا ثبوت ملے گا۔ اگر انھیں سوشل ڈیمو کریسی پر کوئی کاری ضرب لگانی ہے تو انھیں اس کے علاوہ بالکل دوسرے اقدامات کرنے ہوں گے۔ وہ سوشل ڈیمو کریسی کے ہاتھوں حکومت کا تختہ الٹنے کا مقابلہ جو اس وقت قانون پر عمل درآمد کرکے کامیاب ہو رہی ہے صرف اسی طرح کر سکتے ہیں کہ باقاعدہ اور منضبط پارٹیاں خود تختہ الٹیں اور یہ قانون کی خلاف ورزی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پرشن نوکر شاہ ہر ریوسلر اور پرشن جنرل ہر فون بوگوسلافسکی نے ان کو مزدوروں کے خلاف جو سڑکوں پر لڑائی کے بہکاوے میں آنے والے نہیں ہیں اقدام کا واحد ممکن راستہ دکھایا ہے۔ یہ ہے آئین شکنی، آمریت اور مطلق العنانی کی طرف واپسی اور regis voluntas suprema lex! * ۔ اسی لئے حضرات ذرا ہمت سے کام لیجئے، یہاں لفاظی سے کچھ نہ ہوگا، یہاں تو سب کچھ بھرپور کرنا پڑے گا۔

لیکن یہ نہ بھولئے کہ جرمن سلطنت تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی طرح اور عام طور پر تمام جدید ریاستوں کی طرح سمجھوتے کی پیداوار ہے: اول شہزادوں کے درمیان اور پھر شہزادوں اور عوام کے درمیان سمجھوتوں کی۔ اگر ایک فریق سمجھوتے کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پورا سمجھوتہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرا فریق بھی اس کا پابند نہیں رہتا جیسا کہ بسمارک نے ہمیں ۱۸۶۶ء ہی میں بڑی خوبصورتی سے دکھا دیا۔ اس لئے اگر آپ ریاست کا آئین توڑتے ہیں تو سوشل ڈیمو کریسی بھی آزاد ہے اور وہ جو چاہے آپ کے بارے میں کرسکتی ہے۔ لیکن وہ آج کبھی آپ کے سامنے منہ نہیں کھولے گی کہ وہ کیا کرنے والی ہے۔

کوئی سولہ صدی پہلے رومن سلطنت میں بھی ایک خطرناک پارٹی نے حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے کارروائیاں کی تھیں۔ اس نے مذہب اور ریاست کی تمام بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور یہ ماننے سے قطعی انکار کردیا کہ شہنشاہ کی مرضی ہی قانون اعلی ہے۔ اس کا کوئی وطن نہ تھا، وہ بین الاقوامی تھی اور رومن سلطنت کے تمام ملکوں میں گل سے لیکر ایشیا تک اور سلطنت کی سرحدوں کے باہر بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے طویل عرصے تک خفیہ طور

---

*بادشاہ کی مرضی ہی قانون اعلی ہے! (ایڈیٹر)

سے باغیانہ سرگرمیاں کی تھیں لیکن کافی زمانے سے وہ اپنے کو اتنا مضبوط محسوس کرنے لگی تھی کہ کھل کر میدان میں آجائے۔ تختہ الٹنےوالی اس پارٹی کا نام عیسائی (کرسچین) تھا۔ فوج میں بھی اس کی کافی مستحکم نمائندگی تھی اور پورے کے پورے فوجی دستے عیسائی تھے۔ جب ان سپاہیوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ کافروں کے مندر میں قربانی کی رسوم میں شریک ہوکر فوج کی طرف سے اعزاز پیش کریں تو باغی سپاہیوں نے یہ جرأت کی کہ انھوں نے اپنے خودوں پر بطور احتجاج مخصوص نشان یعنی صلیبیں لگالیں۔ بارکوں میں ان کے اعلی افسروں کی سختیاں بھی بیکار ثابت ہوئیں۔ شہنشاہ ڈائیوکلیشین نظم و ضبط، فرماں برداری اور ڈسپلن کی اس خلاف‌ورزی کو زیادہ نہ برداشت کر سکا اور اس نے بروقت اور زبردست مداخلت کی۔ اس نے ایک سوشلسٹ‌دشمن (معاف کیجئے گا میں عیسائی‌دشمن کہنا چاھتا تھا) قانون نافذ کر دیا۔ تختہ الٹنےوالوں کے جلسے ممنوع قرار دئے گئے۔ ان کے جلسوں کے ہال بند کر دئے گئے اور مسمار بھی کئے گئے، عیسائیت کے نشانات مثلاً صلیبیں وغیرہ جیساکہ اب سیکسونیا میں سرخ رومال ممنوع ھیں ممنوع قرار دی گئیں۔ عیسائیوں کو سرکاری عہدوں سے محروم کر دیا گیا۔ ان کو کارپورل تک مقرر کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ چونکہ اس زمانے میں ''بااختیار لوگوں کے احترام'' کا خیال رکھنےوالے ایسے اچھے تربیت‌یافتہ جج نہ تھے جن کا تصور تختہ الٹنےوالوں کے خلاف ھر فون کیولیر کے مسودۂ قانون میں موجود ھے، اس لئے عیسائیوں کےلئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ممانعت کردی گئی۔ لیکن یہ غیرمعمولی قانون بھی بےاثر ثابت ہوا۔ عیسائیوں نے اس کو حقارت کے ساتھ دیواروں سے نوچ کر پھینک دیا۔ ان کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ھے کہ نکومیدیا میں انھوں نے شہنشاہ کی موجودگی میں اس کے محل میں آگ لگادی۔ اور شہنشاہ نے ۳۰۳ء میں اس کا انتقام عیسائیوں پر شدید مظالم توڑکر لیا۔ یہ اپنی قسم کا آخری ظلم تھا اور اتنا موثر ثابت ہوا کہ سترہ سال بعد فوج میں عیسائیوں کی غالب اکثریت ہو گئی اور سلطنت روما کے جانشین ہونےوالے مطلق العنان حکمراں کانستنتین نے جسے پادریوں نے اعظم کا خطاب دیا تھا عیسائیت کو ریاست کا مذہب قرار دیدیا۔

لندن، ٦ مارچ ١٨٩٥ء۔ اینگلس

خطوط

آنینکوف کے نام مارکس کا خط

۲۸ دسمبر ۱۸۴۶ء

محترم آنینکوف صاحب!

آپ کو اپنے یکم نومبر کے خط کا جواب بہت پہلے مل گیا ہوتا لیکن میرے کتب‌فروش نے مجھے پرودھوں صاحب کی کتاب ''افلاس کا فلسفہ،، ابھی پچھلے ہفتے بھیجی ہے۔ میں نے اس کو دو دن میں پڑھ ڈالا تاکہ آپ کو اس کے بارے میں فوراً اپنی رائے لکھ سکوں۔ چونکہ میں نے کتاب بڑی عجلت میں پڑھی ہے اس لئے میں تفصیلات میں نہیں جا سکتا اور صرف ان عام تاثرات کے بارے میں آپ کو بتا سکتا ہوں جو مجھ پر ہوئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں دوسرے خط میں اس کے بارے میں تفصیل سے لکھ سکتا ہوں۔

بغیر کسی تامل کے یہ کہتا ہوں کہ یہ کتاب مجموعی طور پر خراب اور بہت خراب ہے۔ آپ خود اپنے خط میں ''جرمن فلسفے کے اس چیتھڑے،، پر ہنستے ہیں جس کی نمائش پرودھوں صاحب نے اپنی اس بےڈھنگی اور بلند بانگ تصنیف (۷۵) میں کی ہے لیکن آپ کا خیال ہے کہ ان کی معاشی دلیل کو فلسفے کے زہر نے نہیں بگاڑا ہے۔ میرا بھی ایسا ہی خیال ہے کہ معاشیات کی تحقیقات میں پرودھوں صاحب کی جو غلطیاں ہیں ان کا سبب ان کا فلسفہ نہیں ہے۔ پرودھوں صاحب سیاسی معیشت کی جھوٹی تنقید پیش کرتے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ ایک لغو فلسفیانہ نظریے کے حامی ہیں بلکہ وہ لغو فلسفیانہ نظریہ پیش کرتے ہیں اس لئے کہ

وہ آج کے سماجی نظام کو اس کے engrénement یعنی جزویات میں (اگر یہ لفظ استعمال کیا جائے جو اور بہت سی باتوں کی طرح پرودھوں نے فورئے سے لیا ہے) نہیں سمجھتے۔

پرودھوں صاحب خدا یعنی عقل کل، انسانیت کی ایسی غائبانہ عقل کے بارے میں کیوں باتیں بناتے ہیں، جو کبھی غلطی نہیں کرتی، جو تمام ادوار میں آپ اپنی ثانی رہی ہے اور جس کے بارے میں کسی کو صرف صحیح تصور کی ضرورت ہے تاکہ سچائی کو جانا جاسکے؟ وہ اپنے کو دلیر مفکر ظاہر کرنے کے لئے سطحی طور پر ہیگلین ازم کا مطالعہ کرکے اس کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟

وہ خود ہی اپنی اس بیماری کی تشخیص فراہم کرتے ہیں۔ جناب پرودھوں تاریخ میں سماجی ترقیوں کا ایک سلسلہ دیکھتے ہیں، وہ تاریخ میں ترقی کی تکمیل پاتے ہیں اور آخر میں وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ افراد کی حیثیت سے یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور وہ خود اپنی تحریک کے بارے میں غلطی پر تھے یعنی پہلی نظر میں تو ان کی سماجی ترقی ان کی انفرادی ترقی سے ممیز، علحدہ اور خود مختار معلوم ہوتی ہے۔ وہ ان واقعات کی وضاحت نہیں کر سکتے، اسی لئے عقل کل کے مفروضے کا ظہور بہت آسان ہوتا ہے۔ جب عام فہم وضاحت مشکل ہوتی ہے تب پراسرار اسباب کی اختراع یعنی بے معنی فقرے گھڑلینے سے زیادہ آسان اور کوئی کام نہیں ہے۔

لیکن جب پرودھوں صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ انسانیت کے تاریخی ارتقا کے بارے میں کچھ نہیں سمجھتے (وہ اس کو خدا اور عقل کل وغیرہ جیسے بلند بانگ الفاظ استعمال کرکے تسلیم کرتے ہیں) تو کیا وہ اشارتاً اور لازمی طور پر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ معاشی ارتقا کو سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے؟

سماج، خواہ اس کی شکل جو بھی ہو، کیا ہے؟ وہ انسانوں کے باہمی اقدام کا نتیجہ ہے۔ کیا لوگ سماج کی ایک یا دوسری شکل کا انتخاب کرنے کے لئے آزاد ہیں؟ نہیں، کسی طرح نہیں۔ انسان کی پیداواری طاقتوں کے ارتقا میں کسی بھی مرحلہ کو لیجئے — آپ کو لین دین (commerce) اور کھپت کی مخصوص شکل مل جائے گی۔

پیداوار، لین دین اور کھپت کے ارتقا میں کسی خاص مرحلے کو لیجئے — آپ کو خاص سماجی ساخت، طبقوں اور خاندان کی خاص تنظیم یعنی ایک مخصوص انسانی سماج ضرور مل جائے گا۔ کسی خاص سماج کو لے لیجئے اور آپ کو ایک خاص سیاسی نظام مل جائے گا جو سماج کا صرف سرکاری اظہار ہے۔ پرودھوں صاحب یہ کبھی نہیں سمجھیں گے کیونکہ وہ ریاست سے آگے بڑھ کر مدنی سماج میں یعنی سماج کے سرکاری خلاصے سے بڑھ کر سرکاری سماج میں اپیل کرکے اپنے خیال میں بڑا کام کر رہے ہیں۔

یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کا (جو ان کی ساری تاریخ کی بنیاد ہیں) انتخاب کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں کیونکہ ہر پیداواری طاقت ایک حاصل کی ہوئی طاقت ہے جو پچھلی پشت کی سرگرمیوں کا پھل ہے۔ اس طرح پیداواری طاقتیں انسان کی عملی قوت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہ قوت خود پابند ہوتی ہے ان حالات کی جن میں لوگ اپنے کو پاتے ہیں اور ان پیداواری طاقتوں کی جو حاصل کی جا چکی ہیں، اس سماجی ڈھانچے کی جس کا وجود ان لوگوں سے پہلے ہو چکا ہوتا ہے اور جس کو وہ نہیں پیدا کرتے بلکہ ان سے پہلی والی پشت پیدا کرتی ہے۔ اس سیدھے سادے واقعہ کی بنا پر کہ ہر آنے والی پشت ان پیداواری طاقتوں کی مالک ہوتی ہے جو پچھلی پشت نے حاصل کی تھیں اور جو اس کے لئے نئی پیداوار کے واسطے خام اشیا کا کام دیتی ہیں، تاریخ انسانی میں ایک ربط پیدا ہو جاتا ہے اور انسانیت کی تاریخ واضح شکل اختیار کر لیتی ہے جو مزیدبرآں اتنی ہی زیادہ انسانیت کی تاریخ ہوتی جاتی ہے جتنا انسان کی پیداواری طاقتوں اور اس کے سماجی تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہیں سے ہی لازمی طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انسانوں کی سماجی تاریخ ان کے انفرادی ارتقا کی تاریخ کے سوا اور کچھ نہیں ہے خواہ وہ اس کا شعور رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ ان کے مادی تعلقات ان کے سارے تعلقات کی بنیاد ہیں۔ یہ مادی تعلقات وہ ضروری شکلیں ہیں جن کے اندر انسانوں کی مادی اور انفرادی سرگرمی ہوتی ہے۔

پرودھوں صاحب خیالات اور اشیا کو گڈمڈ کرتے ہیں۔ لوگ اس سے کبھی دستبردار نہیں ہوتے جس پر انہوں نے قابو

حاصل کرلیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس سماجی ڈھانچے کو نہیں چھوڑینگے جس کے تحت انھوں نے کچھ پیداواری طاقتیں حاصل کی تھیں ۔ اس کے برعکس حاصل شدہ نتائج کو کھونے اور تہذیب کے پھلوں سے دست‌بردار ہونے سے بچنے کےلئے وہ اسی لمحے اپنے یہاں رائج‌شدہ سماجی ڈھانچوں کو بدلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جب ان کے لین دین حاصل‌شدہ پیداواری طاقتوں کے مطابق نہیں رہتے ۔ میں یہاں لفظ لین‌دین «commerce» اس کے وسیع‌ترین معنی میں استعمال کر رہا ہوں جیسے ہم لفظ «Verkehr» جرمن زبان میں استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً مراعات، گلڈوں اور کارپوریشنوں کی تنظیم اور ازمنۂ وسطی کے ضابطوں کا پورا نظام ایسے سماجی تعلقات تھے جو حاصل‌شدہ پیداواری طاقتوں سے اور اس سماجی نظام سے جو پہلے تھا اور جس سے یہ ادارے پیدا ہوئے تھے، واحد طور پر مطابقت رکھتے تھے ۔ گلڈوں کے ضابطوں کے تحفظ میں سرمایہ اکٹھا ہوا، سمندر پار کی تجارت کو فروغ دیا گیا اور نوآبادیاں بنائی گئیں ۔ لیکن لوگ اس کے پھلوں سے محروم رہتے اگر یہ کوشش کرتے کہ وہ ڈھانچے برقرار رہیں جن کی حفاظت میں یہ پھل پکے تھے ۔ اسی لئے دو طوفان پھوٹ پڑے ۔ یہ تھے ۱۶۴۰ء اور ۱۶۸۸ء کے انقلاب ۔ انگلستان میں سارے پرانے معاشی ڈھانچے، ان سے مطابقت رکھنےوالے سماجی تعلقات اور وہ سیاسی نظام جو پرانے سماج کا سرکاری اظہار تھا یہ سب تباہ ہو گئے ۔ اس طرح وہ معاشی ڈھانچے جن کے تحت لوگ پیداوار کرتے ہیں، اس کا استعمال اور تبادلہ کرتے ہیں تغیرپذیر اور تاریخی ہوتے ہیں ۔ نئی پیداواری طاقتیں حاصل کرکے لوگ پیداوار کا طریقہ بدل دیتے ہیں اور پیداواری طریقے کے ساتھ ساری معاشی تعلقات بھی جو ایک مخصوص طریقۂ پیداوار کے لازمی تعلقات تھے ۔

پرودھوں صاحب یہ بات نہیں سمجھے ہیں اور اس کا اظہار اس سے بھی کم کیا ہے ۔ پرودھوں صاحب تاریخ کی حقیقی روش کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ۔ اس کی بجائے وہ ایک فریب نظریہ پیدا کرکے برخودغلط انداز میں اس کے جدلیاتی ہونے کا دعوی کرتے ہیں ۔ وہ سترہویں، اٹھارہویں یا انیسویں صدی کا ذکر ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی تاریخ تو تصور کے دھندلے

قلمرو میں رہتی ہے اور زمان و مکان کی قید سے بہت بالاتر ہے۔ مختصر طور پر یہ تاریخ نہیں بلکہ ہیگلیائی کوڑا کباڑ ہے۔ یہ دنیوی تاریخ، انسان کی تاریخ نہیں ہے بلکہ مقدس تاریخ، خیالات کی تاریخ ہے۔ ان کے خیال کے مطابق آدمی محض ایک آلۂ کار ہے جس کو ابدی عقل یا خیال اپنے نشو و نما کےلئے استعمال کرتا ہے۔ پرودھوں صاحب جن ارتقاؤں کا ذکر کرتے ہیں وہ ان کی رائے میں ایسے ارتقا معلوم ہوتے ہیں جو مطلق خیال کی پراسرار گہرائیوں ہی میں تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ اگر آپ اس پراسرار زبان کا نقاب چاک کر دیں تو پتہ چلےگا کہ پرودھوں صاحب کی پیش کش وہ ترتیب ہے جس میں معاشی باتیں ان کے ذہن میں مرتب ہوتی ہیں۔ میرے لئے آپ کے سامنے یہ ثابت کرنے میں مشکل نہ ہوگی کہ یہ ترتیب بہت ہی غیرمنظم ذہن کی پیداوار ہے۔

پرودھوں صاحب قدر پر ایک مقالے سے اپنی کتاب شروع کرتے ہیں جو ان کا بہت ہی من بھاتا موضوع ہے۔ میں آج اس مقالے کا جائزہ نہیں لونگا۔

ابدی عقل کے معاشی ارتقاؤں کا سلسلہ محنت کی تقسیم سے شروع ہوتا ہے۔ پرودھوں صاحب کےلئے محنت کی تقسیم بالکل معمولی بات ہے۔ لیکن کیا ذاتوں کا نظام محنت کی تقسیم کا ایک خاص طریقہ نہیں تھا؟ کیا گلڈوں کا نظام محنت کی تقسیم کا ایک اور طریقہ نہ تھا؟ اور کیا چھوٹی کارخانہ‌داری کے نظام کے تحت (جو انگلستان میں ۱۷ ویں صدی کے وسط میں شروع ہوتا ہے اور ۱۸ ویں صدی کے آخری حصے میں ختم ہوتا ہے) محنت کی تقسیم بڑے پیمانے کی جدید صنعت کی محنت کی تقسیم سے بالکل مختلف نہیں ہے؟

پرودھوں صاحب حقیقت کو سمجھنے سے اتنے دور ہیں کہ وہ ایسی باتوں کو بھی نظرانداز کر جاتے ہیں جن کی طرف معمولی ماہرین معاشیات کی توجہ جاتی ہے۔ محنت کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے وہ عالمی منڈی کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ بہت اچھا! لیکن کیا چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں، جب نوآبادیاں نہیں تھیں، جب یورپ کےلئے امریکہ کا وجود نہیں تھا اور مشرقی ایشیا سے رابطہ اس کےلئے صرف قسطنطنیہ کے ذریعے تھا، محنت کی

تقسیم بنیادی طور پر اس سے مختلف نہ رہی ہوگی جو وہ سترھویں صدی میں تھی جب نوآبادیوں کو ترقی دی جاچکی تھی؟

اور یہی نہیں - کیا قوموں کی پوری اندرونی تنظیم، ان کے سارے بین الاقوامی تعلقات ایک خاص قسم کی محنت کی تقسیم کے سوا اور کچھ ہیں؟ اور کیا ان سب کو محنت کی تقسیم میں تبدیلی کے ساتھ نہ بدلنا چاہئے؟

پرودھوں صاحب نے محنت کی تقسیم کے مسئلے کو اتنا کم سمجھا ہے کہ وہ شہروں اور دیہات کے درمیان اس علحدگی کا ذکر بھی نہیں کرتے جو مثال کےلئے جرمنی میں نویں صدی سے بارھویں صدی تک ہوئی ہے - اس طرح پرودھوں صاحب کےلئے یہ علحدگی ابدی قانون کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ وہ نہ تو اس کے آغاز ہی سے واقف ہیں اور نہ اس کے ارتقا کے بارے میں جانتے ہیں - اپنی پوری کتاب میں وہ اس طرح لکھتے ہیں جیسے مخصوص طریقۂ پیداوار کی یہ تخلیق تاحشر برقرار رہےگی - پرودھوں صاحب نے محنت کی تقسیم کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ محض اختصار ہے اور وہ بھی بہت سطحی اور نامکمل اختصار ہے اس کا جو اس سے پہلے ایڈم اسمتھ اور ہزاروں دوسرے کہہ چکے ہیں -

دوسرا ارتقا مشینیں ہیں - محنت کی تقسیم اور مشینوں کا تعلق پرودھوں صاحب کےلئے قطعی پراسرار ہے - محنت کی تقسیم کی ہر قسم اپنے مخصوص پیداواری آلات رکھتی ہے - مثلاً سترھویں صدی کے وسط اور اٹھارھویں صدی کے وسط کے درمیان لوگ ہر چیز ہاتھ سے نہیں بناتے تھے - ان کے پاس آلات تھے اور وہ بھی کافی پیچیدہ جیسے کرگھے، جہاز اور بیرم وغیرہ -

اس طرح یہ سمجھنا قطعی فضول بات ہے کہ مشینوں کا وجود عام طور پر محنت کی تقسیم کا نتیجہ تھا -

برسبیل تذکرہ میں یہ بھی کہہ دوں کہ پرودھوں صاحب مشینری کے آغاز کی تاریخ کے بارے میں بہت کم سمجھے ہیں اور اس کے ارتقا کے بارے میں اس سے بھی کم - یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۸۲۵ء تک (جو پہلے عام بحران کا دور تھا) عام طور پر چیزوں کی مانگ بمقابلہ پیداوار کے زیادہ تیزی سے بڑھی اور منڈی کی ضرورتوں کا لازمی نتیجہ مشینری کا ارتقا ہوا - ۱۸۲۵ء سے مشینری

کی ایجاد اور استعمال مزدوروں اور مالکوں کے درمیان لڑائی کا نتیجہ تھے۔ لیکن یہ صرف انگلستان کےلئے کہا جا سکتا ھے۔ جہاں تک یورپی قوموں کا سوال ھے تو وہ اپنی اندرونی منڈیوں اور عالمی منڈی دونوں میں انگلستان کے مقابلے کیوجہ سے مشینری کو اختیار کرنے پر مجبور ھوئیں۔ اور آخرکار پھر شمالی امریکہ میں مشینری کا رواج دوسرے ملکوں کے ساتھ مقابلے اور کام کرنےوالوں کی کمی دونوں کیوجہ سے ھوا یعنی شمالی امریکہ کی آبادی اور اس کی صنعتی ضروریات کے درمیان تناسب نہ تھا۔ انھیں واقعات سے آپ دیکھ سکتے ھیں کہ پرودھوں صاحب کس عقل و دانش کا مظاھرہ کرتے ھیں جب وہ مقابلے کے بھوت کو تیسرے ارتقا، مشینری کے تضاد کی حیثیت سے پیش کرتے ھیں۔

اور پھر یہ کہ عام طور پر یہ کہنا بےعقلی کی بات ھوگی کہ مشینیں معیشت میں ایسی ھی حیثیت رکھتی ھیں جیسی کہ محنت کی تقسیم، مقابلہ، سود پر قرض۔

مشینری ویسا ھی کم معاشی درجہ رکھتی ھے جیسے ھل کشی کرنےوالا بیل۔ مشینری کا استعمال موجودہ زمانے میں ھمارے معاشی نظام کے تعلقات میں سے ایک ھے لیکن مشینری استعمال کرنے کا طریقہ بالکل الگ چیز ھے اور خود مشینری دوسری چیز۔ بارود تو بارود ھی رھتی ھے خواہ وہ آدمی کو زخمی کرنے کےلئے استعمال کی جائے یا اس کے زخم کو مندمل کرنے کےلئے۔

پرودھوں صاحب تو اپنی حد سے گذر جاتے ھیں جب وہ مقابلے، اجارےداری، ٹیکس یا پولیس، تجارت کے توازن، قرض اور ملکیت کو اپنے دماغ میں اسی طرح ترتیب دینے کی کوشش کرتے ھیں جس ترتیب سے میں نے ان کو یہاں پیش کیا ھے۔ قرض دینے کے تقریباً سارے اداروں کو انگلستان میں اٹھارویں صدی کی ابتدا میں، مشینری کی ایجاد سے پہلے ترقی دی گئی تھی۔ پبلک قرض ٹیکسوں کو بڑھانے اور ان نئی مانگوں کو پورا کرنے کا ایک نیا طریقہ تھا جو بورژوازی کے برسراقتدار آنے سے پیدا ھوئی تھیں۔

آخر میں پرودھوں صاحب کے نظام میں آخری درجہ ملکیت پر مشتمل ھے۔ حقیقی دنیا میں اس کے برعکس ھے: محنت کی تقسیم اور پرودھوں صاحب کے دوسرے مدارج ایسے سماجی تعلقات ھیں

جو مجموعی طور پر اس کی تشکیل کرتے ھیں جو آجکل ملکیت کہلاتی ھے۔ ان تعلقات سے الگ ھوکر بورژوا ملکیت ایک مابعدالطبیعی یا قانونی دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں رھتی۔ ایک مختلف دور کی ملکیت یعنی جاگیردارانہ ملکیت بالکل مختلف سماجی تعلقات کے سلسلے کی پیداوار ھے۔ پرودھوں صاحب ملکیت کو ایک خودمختار چیز ثابت کرکے طریقے میں غلطی سے بھی متجاوز کر جاتے ھیں وہ صاف طور پر یہ دکھا دیتے ھیں کہ اس رابطے پر ان کی گرفت نہیں ھے جو بورژوا پیداوار کی تمام شکلوں کو یکجا رکھتا ھے، کہ انھوں نے کسی معینہ دور میں پیداوار کی شکلوں کے تاریخی اور تغیرپذیر کردار کو نہیں سمجھا ھے۔ پرودھوں صاحب جو ھمارے سماجی اداروں کو تاریخ کی پیدا کی ھوئی چیزیں نہیں سمجھتے، جو نہ تو ان کے آغاز کے بارے میں سمجھتے ھیں اور نہ ان کے ارتقا کے بارے میں، وہ محض ان پر کٹر اصول پرستی‌والی تنقید کر سکتے ھیں۔

اسی لئے پرودھوں صاحب ارتقا کی وضاحت کےلئے من گھڑت باتوں کا سہارا لینے پر مجبور ھوتے ھیں۔ ان کا خیال ھے کہ محنت کی تقسیم، قرض اور مشینری وغیرہ سب ان کے معینہ نظرئے، مساوات کے نظرئے کی خدمت کےلئے ایجاد کئے گئے ھیں۔ ان کی وضاحت انتہائی بھولےپن کی ھے۔ یہ چیزیں مساوات کے مفاد میں بنائی گئی تھیں لیکن بدقسمتی سے وہ مساوات کے خلاف پڑیں۔ یہ ھے ان کی پوری دلیل۔ دوسرے الفاظ میں وہ ایک بےدلیل دعوی پیش کرتے ھیں اور جب حقیقی ارتقا ھر قدم پر ان کی من گھڑت کی تردید کرتا ھے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتے ھیں کہ یہاں تضاد ھے۔ وہ آپ سے یہ بات چھپاتے ھیں کہ یہ تضاد کلی طور پر ان کے معینہ خیالات اور حقیقی تحریک کے درمیان ھے۔

پرودھوں صاحب، زیادہ‌تر اسوجہ سے کہ وہ تاریخی معلومات نہیں رکھتے، یہ نہیں دیکھ سکے کہ جب لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کو ترقی دیتے ھیں یعنی جب وہ رھتے سہتے ھیں تو ایک دوسرے سے خاص قسم کے تعلقات بڑھاتے ھیں اور یہ کہ پیداواری طاقتوں میں تبدیلی اور اضافے کے ساتھ ساتھ ان تعلقات کی نوعیت لازمی طور پر بدلتی جاتی ھے۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکے کہ معاشی مدارج ان

حقیقی تعلقات کے صرف مجرد مظاہر ہیں اور ان تعلقات کے وجود تک حقیقی رہتے ہیں۔ اسی لئے وہ بورژوا ماہرین معاشیات والی غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان معاشی مدارج کو ابدی قوانین سمجھتے ہیں نہ کہ ایسے تاریخی قوانین جو ارتقا کی کسی مخصوص تاریخی منزل، پیداواری قوتوں کی معینہ ترقی کے قوانین ہیں۔ اسی لئے بجائے اس کے کہ پرودھوں صاحب سیاسی معاشی مدارج کو حقیقی، تغیرپذیر تاریخی سماجی تعلقات کے مجرد مظاہر سمجھیں وہ اپنے صوفیانہ اوندھے پن کیوجہ سے حقیقی تعلقات کو ان تجریدوں کی مجسم شکل سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ تجریدیں ایسے فارمولے ہیں جو اس دنیا کے آغاز سے خدا کے قلب میں خفیہ رہے ہیں۔

لیکن یہاں ہمارے نیک‌صفت پرودھوں صاحب بڑے دانش‌ورانہ بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔ اگر یہ تمام معاشی مدارج خدا کے قلب سے ظہور میں آئے ہیں اور انسان کی پنہاں اور ابدی زندگی ہیں تو یہ کیسے ہوتا ہے — اول، یہ کہ ارتقا جیسی چیز کیوں ہے، دوسرے، یہ کیسے ہوتا ہے کہ پرودھوں صاحب قدامت‌پرست نہیں ہیں؟ وہ ان نمایاں تضادوں کی وضاحت معاندتوں کے ایک پورے سسٹم کے ذریعے کرتے ہیں۔

ان معاندتوں کے سسٹم پر روشنی ڈالنے کےلئے ہم ایک مثال پیش کریں گے۔

اجارےداری اچھی چیز ہے کیونکہ یہ ایک معاشی زمرہ ہے اور اس لئے اس کا ظہور خدا سے ہوا ہے۔ مقابلہ بھی اچھی چیز ہے کیونکہ یہ بھی ایک معاشی زمرہ ہے۔ لیکن اجارےداری کی حقیقت اور مقابلے کی حقیقت اچھی نہیں ہیں۔ اور اس سے بھی بری بات یہ ہے کہ مقابلہ اور اجارےداری ایک دوسرے کو نگل جاتے ہیں۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ چونکہ خدا کے یہ دونوں ابدی خیالات ایک دوسرے کی کاٹ کرتے ہیں اس لئے پرودھوں صاحب کےلئے یہ بات صاف ہے کہ خدا کے سینے میں بھی ان دونوں کا امتزاج ہے، جس میں اجارےداری کی برائیوں کو مقابلہ متوازن رکھتا ہے اور اس کے برعکس بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ دو خیالوں کے درمیان جدوجہد کیوجہ سے صرف ان کا اچھا رخ سامنے آتا ہے۔ اس پراسرار خیال کو خدا سے چھین کر استعمال کرنا چاہئے اور

پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس امتزاجی فارمولے کا جو انسان کے غیرشخصی شعور کی تاریکیوں میں چھپا ہوا ہے انکشاف کر دینا چاہئے۔ پرودھوں صاحب انکشاف کرنے والے کی حیثیت سے سامنے آنے میں ایک لمحہ کےلئے بھی باک نہیں کرتے۔

لیکن ایک لمحے کےلئے حقیقی زندگی کو دیکھئے۔ موجودہ زمانے کی معاشی زندگی میں آپ نہ صرف مقابلہ اور اجارےداری پاتے ہیں بلکہ ان کا امتزاج بھی پاتے ہیں، جو کوئی فارمولا نہیں تحریک ہے۔ اجارےداری مقابلے کو جنم دیتی ہے اور مقابلہ اجارےداری کو۔ لیکن یہ مساواتی مشق موجودہ حالات کی دشواریوں کو دور کرنے کی بجائے (جیسا کہ بورژوا ماہرین معاشیات کا خیال ہے) ایسی صورت حال پیدا کر دیتی ہے جو اور زیادہ مشکل اور گڈمڈ ہوتی ہے۔ اس لئے اگر وہ بنیاد بدل دی جائے جس پر موجودہ زمانے کے معاشی تعلقات قائم ہیں، اگر پیداوار کے موجودہ طریقے بدل دئے جائیں تو نہ صرف مقابلہ، اجارےداری اور ان کا تضاد ختم ہو جائےگا بلکہ ان کا اتحاد، ان کا امتزاج یعنی وہ تحریک بھی ختم ہو جائےگی جو مقابلے اور اجارےداری میں حقیقی توازن رکھتی ہے۔

اب میں آپ کے سامنے پرودھوں صاحب کی جدلیات کی ایک مثال پیش کرونگا۔

آزادی اور غلامی متضاد ہیں۔ مجھے نہ تو آزادی کی خوبیوں اور برائیوں کے بارے میں کہنے کی ضرورت ہے اور نہ غلامی کی برائیوں کے بارے میں، صرف اس کے اچھے رخ کی وضاحت کرنی ہے۔ ہم بالواسطہ غلامی یا پرولتاریہ کی غلامی کو نہیں لے رہے ہیں بلکہ براہ‌راست سیاہ نسلوں کی غلامی کو جو کہ سوری‌نام، برازیل اور شمالی امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں ہے۔

آجکل براہ‌راست غلامی ہماری صنعت کاری کی اسی طرح بنیاد ہے جسطرح مشینری اور قرض وغیرہ۔ غلامی کے بغیر کپاس نہیں اور کپاس کے بغیر جدید صنعت نہیں ہے۔ غلامی نے نوآبادیوں کی قدر و قیمت بڑھائی ہے، نوآبادیوں نے عالمی تجارت کو جنم دیا ہے اور عالمی تجارت بڑے پیمانے کی مشین‌کار صنعت کی ضروری شرط ہے۔ غلاموں کی شکل میں نیگروؤں کی خرید و فروخت شروع ہونے سے پہلے نوآبادیاں پرانی دنیا کو صرف چند صنعتی چیزیں فراہم

کرتی تھیں اور کرۂارض کے حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح غلامی اعلی اھمیت رکھنےوالا معاشی درجہ ھے۔ غلامی کے بغیر شمالی امریکہ جو سب سے زیادہ ترقی‌یافتہ ملک ھے ایک سرقبائلی ملک بن جاتا۔ شمالی امریکہ کو قوموں کے نقشے سے مٹا دیجئے تو بس نراج ھو جائیگا، تجارت اور جدید تہذیب بالکل تباہ ھوجائےگی۔ لیکن غلامی کے خاتمے کا مطلب ھوگا دنیا کے نقشے سے امریکہ کو مٹا دینا۔ اور اسی لئے کہ غلامی ایک معاشی زمرہ ھے، ھمیں وہ ھر قوم میں دنیا کے آغاز سے ملتی ھے۔ جدید قومیں اپنے ملکوں کی غلامی کو بھیس بدل کر چھپانا جانتی ھیں جبکہ وہ اس کو نئی دنیا میں علانیہ درآمد کرتی ھیں۔ غلامی کے بارے میں یہ باتیں کہنے کے بعد ھمارے لائق پرودھوں صاحب کیسے آگے بڑھیں‌گے؟ وہ آزادی اور غلامی کے درمیان امتزاج، غلامی اور آزادی کے درمیان سنہرا اوسط یا توازن تلاش کریں‌گے۔

پرودھوں صاحب نے اس واقعہ کو تو بہت اچھی طرح سمجھ لیا ھے کہ لوگ کپڑا، کتان اور ریشم بناتے ھیں اور یہ قابل تعریف بات ھے کہ انھوں نے یہ چھوٹی سی بات سمجھ لی ھے۔ لیکن جو بات وہ نہیں سمجھے وہ یہ ھے کہ لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کے مطابق سماجی رشتے بھی پیدا کرتے ھیں جن کے تحت وہ کپڑا اور کتان تیار کرتے ھیں۔ اور اس سے بھی کم انھوں نے یہ بات سمجھی ھے کہ وہ لوگ جو اپنی مادی پیداوار کے مطابق اپنے سماجی رشتے پیدا کرتے ھیں وہ خیالات اور زمرے بھی پیدا کرتے ھیں یعنی انھی سماجی رشتوں کے مجرد اور معیاری مظاھر۔ اس لئے زمرے ان رشتوں سے زیادہ ابدی نہیں ھیں جن کا وہ اظہار کرتے ھیں۔ وہ تاریخی اور تغیرپذیر ھیں جب‌کہ پرودھوں صاحب کےلئے اس کے برعکس تجریدیں اور زمرے ابتدائی سبب ھیں۔ ان کے خیال کے مطابق لوگ نہیں بلکہ تجریدیں اور زمرے تاریخ‌ساز ھوتے ھیں۔ تجرید یا زمرے کو اگر اصلی معنوں میں لیا جائے یعنی لوگوں اور ان کی ٹھوس سرگرمیوں سے الگ کرکے تو وہ یقیناً لافانی، غیرتغیرپذیر اور غیرمتحرک ھے۔ وہ خالص عقل کے وجود کی صرف ایک شکل ھے جس کا مطلب صرف یہ ھے کہ تجرید اپنی جگہ پر مجرد ھے۔ کیسی لاجواب تکرار معنی ھے۔

اس طرح پرودھوں صاحب معاشی رشتوں کو زمرے سمجھتے ہیں جو بلاکسی آغاز یا ارتقا کے ابدی فارمولے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں پرودھوں صاحب براہ‌راست یہ نہیں کہتے کہ بورژوا زندگی ان کے لئے ایک ابدی حقیقت ہے۔ وہ زمروں کی پرستش کرکے جو خیال کی شکل میں بورژوا رشتوں کا اظہار کرتے ہیں اس بات کی تصدیق بالواسطہ کرتے ہیں۔ وہ بورژوا سماج کی تیار کی ہوئی چیزوں کو خودبخود ظہور میں آنےوالی ابدی ہستیاں سمجھتے ہیں جو ان کے دماغ میں زمروں کی شکل میں، خیال کی شکل میں آتے ہی جاندار ہو جاتی ہیں۔ اس طرح وہ بورژوا افق سے اوپر نہیں اٹھتے۔ چونکہ وہ بورژوا خیالات کو لیکر سوچ رہے ہیں جن کی ابدی سچائی کو پہلے ہی سے مان لیتے ہیں وہ ان خیالات کا امتزاج، توازن ڈھونڈھتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ موجودہ طریقہ جس کے ذریعے یہ خیالات توازن تک پہنچتے ہیں واحد ممکن طریقہ ہے۔

حقیقت میں وہ بھی وہی کرتے ہیں جو سب اچھے بورژوا لوگ کرتے ہیں۔ وہ آپ سے کہتے ہیں کہ اگر اصولی طور پر یعنی مجرد خیالات کی حیثیت سے غور کیا جائے تو مقابلہ اور اجارےداری وغیرہ زندگی کی واحد بنیاد ہیں لیکن عملی طور پر ان میں بڑی کمی ہے۔ وہ سب مقابلہ تو چاہتے ہیں لیکن اس کے مہلک اثرات کے بغیر۔ وہ ایک ناممکن بات چاہتے ہیں یعنی بورژوا وجود کے حالات لیکن ان حالات کے لازمی نتائج کے بغیر۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ بورژوا طریقۂ‌پیداوار تاریخی اور تغیرپذیر ہے جیسے جاگیردارانہ طریقہ تھا۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں بورژوا انسان ہی ہر سماج کی ممکن بنیاد ہو سکتا ہے۔ وہ ایسے سماج کا تصور ہی نہیں کر سکتے جس میں لوگ بورژوا نہ رہیں۔

اسی لئے پرودھوں صاحب لازمی طور پر اصول پرست ہیں۔ ان کے خیال میں وہ تاریخی تحریک جو آج دنیا کو الٹ‌پلٹ کر رہی ہے دو بورژوا خیالوں کا صحیح توازن یا امتزاج دریافت کرنے کے مسئلے تک محدود ہو گئی ہے۔ اسی لئے یہ چالاک آدمی اپنی باریک بینی سے خدا کے پنہاں خیالات، دو الگ الگ خیالات کے اتحاد

کا انکشاف کرتا ہے جو صرف اس لئے الگ الگ ھیں کہ پرودھوں صاحب نے ان کو عملی زندگی، موجودہ زمانے کی پیداوار سے الگ کر دیا ہے جو ان حقیقتوں کا مجموعہ ہے جن کا اظہار یہ خیالات کرتے ھیں ۔ اس زبردست تاریخی تحریک کی جگہ جو لوگوں کی حاصل کی ہوئی پیداواری طاقتوں اور ان کے ایسے سماجی رشتوں کے درمیان تصادم سے پیدا ہوتی ہے جن کی مطابقت ان پیداواری طاقتوں سے ختم ہو جاتی ہے؛ ان خوفناک جنگوں کی جگہ جن کی تیاری ہر قوم کے مختلف طبقوں کے درمیان اور مختلف قوموں کے درمیان ہورہی ہے؛ کثیر تعداد عوام کے اس عملی اور انقلابی سرگرمی کی جگہ جس کے ذریعے ھی ایسے تصادموں کا حل ہو سکتا ہے — اس وسیع، مسلسل اور پیچیدہ تحریک کی جگہ پرودھوں صاحب اپنے ذہن کی من مانی اختراعات (mouvement cacadauphin) پیش کرتے ھیں ۔ اس طرح صاحبان علم تاریخ کی تخلیق کرتے ھیں، ایسے لوگ جو خدا کے خفیہ خیالات کو چرانا جانتے ھیں ۔ عام لوگوں کو یہ انکشافات صرف اپنے استعمال میں لانے ہوتے ھیں ۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ پرودھوں صاحب ہر سیاسی تحریک کے علانیہ دشمن کیوں ھیں؟ ان کےلئے موجودہ مسائل کا حل عوامی اقدام نہیں بلکہ ان کے اپنے دماغ کی جدلیاتی گردش ہے ۔ چونکہ ان کےلئے زمرے ھی محرک طاقتیں ھیں اس لئے زمرے کو بدلنے کےلئے عملی زندگی کو بدلنا ضروری نہیں ہے ۔ اس کے برعکس بس زمرے کو بدل دینا چاہئے اور اس کا نتیجہ موجودہ سماج میں تبدیلی ہوگی ۔

تضادوں کو ہم آہنگ کرنے کے شوق میں پرودھوں صاحب یہ تک نہیں پوچھتے کہ کیا ان تضادوں کو جڑبنیاد سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے؟ وہ بالکل اس سیاسی اصول پرست کی طرح ھیں جو سماجی زندگی کے لازمی اجزا کی حیثیت سے ابدی زمروں کی حیثیت سے بادشاہ، ایوان نمائندگان اور دارالامرا رکھنا چاہتا ہو ۔ بس وہ ایک نیا فارمولا تلاش کر رہا ہے جس کے ذریعے ان طاقتوں کے درمیان توازن قائم کر سکے جن کا توازن ٹھیک اس تحریک پر مشتمل ہے جس میں ایک طاقت ابھی فاتح ہے اور ابھی دوسرے کی غلام ہے ۔ اس طرح اٹھارھویں صدی میں بعض معمولی دماغ والوں نے ایسا فارمولا

تلاش کرنے کی کوشش کی جو سماجی حلقوں، امرا، بادشاہ اور پارلیمنٹ وغیرہ میں توازن قائم کر سکے اور ایک صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو انھوں نے دیکھا کہ بادشاہ، پارلیمنٹ یا امرا سب غائب تھے۔ اس تضاد میں حقیقی توازن ان سماجی رشتوں کا خاتمہ تھا جو اس جاگیردارانہ وجود اور اس کے تضادوں کےلئے بنیاد تھے۔

کیونکہ پرودھوں صاحب ابدی خیالات، خالص عقل کے زمروں کو ایک پلڑے میں اور انسانوں اور ان کی عملی زندگی کو جو ان کے خیال میں ان زمروں کا استعمال ہے دوسرے پلڑے میں رکھتے ہیں اس لئے آپ کو ان کے یہاں ابتدا سے زندگی اور خیالات کے درمیان، روح اور جسم کے درمیان ایک دوئیت (dualism) نظر آتی ہے، ایسی دوئیت جو بہت سی شکلوں میں بار بار ظاہر ہوتی ہے۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ تضاد پرودھوں صاحب کی اس نااہلی کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ان زمروں کا جن کی وہ پرستش کرتے ہیں معمولی آغاز اور معمولی تاریخ نہیں سمجھتے۔

میرا خط طویل ہوچکا ہے اور اب گنجائش نہیں ہے کہ میں اس فضول بکواس کے بارے میں کہوں جو پرودھوں صاحب نے کمیونزم کے خلاف کی ہے۔ فی‌الحال آپ میری یہ بات مان لیں گے کہ ایسے آدمی سے، جس نے سماج کی موجودہ حالت کو نہیں سمجھا ہے، اس کی اور کم توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اس تحریک کو سمجھیگا جو اس سماج کو الٹ دینے کے لئے ہے اور انقلابی تحریک کے ادبی مظاہر کو سمجھیگا۔

واحد نکتہ جس پر میں پرودھوں صاحب سے قطعی متفق ہوں وہ جذباتی سوشلسٹ خوابوں سے ان کی نفرت ہے۔ میں ان سے پہلے اس جذباتی، یوتوپیائی اور احمقانہ سوشلزم کا مذاق اڑا کر بہت دشمنی مول لے چکا ہوں۔ لیکن کیا پرودھوں صاحب اپنے کو عجیب طور سے دھوکا نہیں دیتے جب وہ اپنی پٹی‌بورژوا جذباتیت کو (میں خاندان، ازدواجی محبت اور اسی طرح کی معمولی سی باتوں کے بارے میں ان کی زوردار باتوں کا ذکر کر رہا ہوں) اس سوشلسٹ جذباتیت کے مدمقابل رکھتے ہیں جو مثال کے طور پر فورئیے کے یہاں ہمارے لائق پرودھوں کے بلندبانگ دعووں سے کہیں زیادہ

گھری ہے؟ پرودھوں صاحب خود اپنی دلیلوں کی تہی دامنی، ان چیزوں کے بارے میں بات کرنے کی سخت نااہلی کا اتنا مکمل شعور رکھتے ہیں کہ اچانک وہ غصے میں ابل پڑتے ہیں، چیختے دھاڑتے ہیں اور راست بازانہ غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے منہ میں جھاگ آجاتا ہے، وہ گالیاں دیتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں، شرمناک اور خون خرابے کی باتیں کرتے ہیں اور سینہ کوبی کرکے خدا اور انسان کے سامنے یہ ڈینگ مارتے ہیں کہ وہ سوشلسٹ جذباتیت سے پاک ہیں بلکہ ایسی چیزوں پر جنھیں وہ سوشلسٹ جذباتیت سمجھتے ہیں سنجیدہ تنقید نہیں کرتے۔ وہ کسی مقدس آدمی، پوپ کی طرح غریب گنہگاروں کو نکال باہر کرتے ہیں اور پٹی بورژوازی اور گھربار کے سرقبائلی اور رومانی فریبوں کے گن گاتے ہیں۔ اور یہ کوئی اتفاق کی بات نہیں ہے۔ پرودھوں صاحب سر سے پیر تک پٹی بورژوازی کے فلسفی اور معاشیات‌داں ہیں۔ ترقی‌یافتہ سماج میں پٹی بورژوا آدمی لازمی طور پر اپنی پوزیشن کی وجہ سے ایک طرف سوشلسٹ ہوتا ہے تو دوسری طرف معاشیات‌داں یعنی وہ بڑی بورژوازی کی شان و شوکت سے چوندھیا جاتا ہے اور عام لوگوں کی مصیبتوں سے ہمدردی رکھتا ہے۔ وہ بیک وقت بورژوا اور عوام کا آدمی ہوتا ہے۔ اپنے دل کی گہرائیوں میں وہ اس کی داد دیتا ہے کہ وہ غیرجانبدار ہے اور اس نے وہ صحیح توازن پالیا ہے جو سنہرے اوسط سے مختلف ہونے کا دعوی رکھتا ہے۔ ایسا پٹی بورژوا آدمی تضاد کے گن گاتا ہے کیونکہ تضاد ہی تو اس کے وجود کی بنیاد ہے۔ وہ خود اپنے عمل میں سماجی تضاد کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس کو اپنے کو تھیوری میں بھی وہی ثابت کرنا چاہئے جو وہ عمل میں ہے اور پرودھوں صاحب کو تو فرانسیسی پٹی‌بورژوازی کا ترجمان ہونے کی عزت حاصل ہے جو ایک حقیقی عزت ہے کیونکہ پٹی بورژوازی تمام آنےوالے سماجی انقلابوں کا لازمی جز ہوگی۔

ایوسیف ویڈیمیئر کے نام مارکس کا خط

۵ مارچ ۱۸۵۲ء

...اور جہاں تک میرا سوال ہے میں موجودہ سماج میں طبقات کے وجود یا ان کے درمیان جدوجہد کی دریافت کےلئے تعریف کا مستحق نہیں ہوں۔ مجھ سے بہت پہلے بورژوا مؤرخ اس طبقاتی جدوجہد کے تاریخی ارتقا کے بارے میں بیان کر چکے ہیں اور بورژوا ماہرین معاشیات نے طبقات کی معاشی ساخت کی تشریح کی ہے۔ میں نے یہ ثابت کرکے نئی بات کی: (۱) کہ طبقات کا وجود پیداوار کے ارتقا میں صرف مخصوص تاریخی منزلوں سے مربوط ہے، (۲) کہ طبقاتی جدوجہد لازمی طور پر پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی طرف لے جاتی ہے، (۳) کہ یہ ڈکٹیٹرشپ خود صرف تمام طبقات کے خاتمے اور غیرطبقاتی سماج تک عبور پر مشتمل ہوتی ہے...

کوگلمان کے نام مارکس کا خط

۱۱ جولائی ۱۸۶۸ء

...جہاں تک ''سنترال بلات،، («Centralblatt») کا تعلق ہے، مضمون کے مصنف نے اپنے امکان بھر زیادہ سے زیادہ رعایت کردی ہے کہ اگر قدر سے کوئی شخص ذرا بھی معنی لیتا ہے تو میں نے جو نتیجے اخذ کئے ہیں وہ قبول کئے جانے چاہئیں۔ یہ بدبخت شخص اس بات کو نہیں دیکھتا کہ اگر میری کتاب میں ''قدر،، (۷۶) پر کوئی باب نہ بھی ہوتا تو بھی میں نے حقیقی رشتوں کا جو تجزیہ پیش کیا ہے وہ حقیقی قدری رشتے کے ثبوت اور مثال کا حامل رہےگا۔ قدر کے تصورکلی کو ثابت کرنے کی ضرورت کے بارے میں یہ ساری لایعنی باتیں زیربحث موضوع اور سائنسی طریق کار دونوں سے مکمل ناواقفیت کی پیداوار ہے۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ جو قوم کام کرنا بند کر دےگی، میں تو کہوں‌گا سال‌بھر کے لئے نہیں

بلکه صرف چند هفتوں کے لئے بھی، وہ تباہ ہو جائےگی۔ بچہ بچہ یہ بھی جانتا ہے کہ مختلف ضرورتوں سے مطابقت رکھنےوالی اشیا کی مقدار کے لئے سماج کی کل محنت کی مختلف اور مقداری اعتبار سے معین مقدار درکار ہوتی ہے۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ان معین تناسبات میں سماجی محنت کی تقسیم کی ضرورت کو سماجی پیداوار کی کسی خاص صورت کے ذریعے ختم کیا ہی نہیں جا سکتا بلکہ صرف اس کے ظاہر کی طرز بدل سکتی ہے۔ کسی بھی قدرتی قانون کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخی اعتبار سے مختلف حالات میں جو چیز بدل سکتی ہے وہ صورت ہے جس میں یہ قانون اپنے آپ کو مسلم کرتے ہیں۔ اور جس صورت میں محنت کی یہ تناسبی تقسیم اپنے آپ کو مسلم کرتی ہے، سماج کی ایسی حالت میں جہاں سماجی محنت کا تعلق باہم محنت کی انفرادی پیداوار کے ذاتی تبادلے میں ظاہر ہوتا ہے، وہی ان پیداواروں کی قدر تبادلہ ہوتی ہے۔

سائنس اسی بات کو دکھانے ہی پر مشتمل ہوتی ہے کہ قدر کا قانون کس طرح اپنے آپ کو مسلط کرتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شروع ہی میں ان سارے مظہروں کی ''وضاحت کرنا،، چاہے جو بہ‌ظاہر اس قانون کی تردید کرتے ہیں تو اسے سائنس سے پہلے سائنس کو پیش کرنا پڑےگا۔ ریکارڈو کی غلطی ہی یہ ہے کہ قدر کے بارے میں اپنے پہلے باب میں وہ سارے ممکن اور ایسے زمروں کو جنھیں ابھی وضع کرنا ہے قدر کے قانون سے ان کی مطابقت ثابت کرنے کے لئے طے شدہ مان لیتے ہیں۔

دوسری طرف، جیسا کہ آپ نے صحیح طور پر فرض کیا ہے، نظریے کی تاریخ یقیناً بتاتی ہے کہ قدر کے رشتے کا تصور کلی ہمیشہ ایک ہی رہا ہے — کم‌وبیش واضح، کم‌وبیش ابہام کی حاشیہ آرائی کے ساتھ یا سائنسی اعتبار سے کم‌وبیش قطعی۔ چونکہ فکر کا عمل خود ہی معین حالات سے پیدا ہوتا ہے، خود ہی ایک قدرتی عمل ہے، اس لئے جو فکر سچ سچ سمجھتی ہے اسے بھی ہمیشہ ایک ہی رہنا چاہئے اور ارتقا کے بلوغ کے مطابق، جس میں اس عضو کا بھی ارتقا شامل ہے جس سے فکر کی جاتی ہے، رفتہ رفتہ ہی بدل سکتی ہے۔ باقی تمام چیزیں فضول ہیں۔

عامیانہ معاشیات‌داں کو ذرا بھی اندازہ نہیں ہے کہ روزمرہ کے قدر کے واقعی رشتے قدر کی وسعتوں کے ساتھ براہ‌راست طور پر مماثل نہیں ہو سکتے۔ بورژوا سماج کا جوہر اسی چیز میں مضمر ہے کہ کہنے کو تو پیداوار کا کوئی شعوری سماجی انضباط نہیں ہے۔ جو معقول اور ضروری ہے وہ صرف اندھا دھند کام کرنےوالے اوسط کی حیثیت سے اپنے آپ کو مسلم کر سکتا ہے۔ اور پھر عامیانہ معاشیات‌داں جب وہ اندرونی تعلق باہم کے انکشاف کی بجائے بڑے فخر سے دعوی کرتا ہے کہ مظاہروں میں چیزیں مختلف نظر آتی ہیں تو سوچتا ہے کہ اس نے بہت بڑی دریافت کرلی ہے۔ دراصل وہ ڈینگ مارتا ہے کہ اس نے ظاہر کو دانتوں سے پکڑلیا ہے اور اسے منتہی سمجھ لیتا ہے۔ پھر کسی سائنس کی ضرورت ہی کیا ہے؟

لیکن معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جب ایک بار تعلق باہم کو پوری طرح سمجھ لیا جاتا ہے تو عمل میں موجودہ حالات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ان کی مستقل ضرورت پر سارا نظریاتی یقین ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہاں اس بےمعنی الجھاوے کو دائمی بنانا حکمراں طبقوں کے مفادات کے عین مطابق ہے۔ ان خوشامدی باتیں بنانےوالوں کو آخر کس اور مقصد کے لئے پیسہ دیا جاتا ہے جن کے پاس چلنے کے لئے اور کوئی ترپ نہیں ہے سوائے اس کے کہ معاشیات میں آدمی کو بالکل سوچنا ہی نہ چاہئے۔

لاوروف کے نام اینگلس کا خط

۱۲ تا ۱۷ نومبر ۱۸۷۵ء

(۱) ڈارونیائی نظریے میں سے میں تکامل کے نظریے کو قبول کرتا ہوں لیکن ڈارون کے ثبوت کے طریق کار (زندگی کے لئے جدوجہد، قدرتی انتخاب اصلی) کو میں ایک نودریافت حقیقت کا محض پہلا، عارضی، ناسکمل اظہار سمجھتا ہوں۔ ڈارون کے زمانے تک یہی لوگ جنھیں اب ہر جگہ صرف وجود کے لئے جدوجہد نظر آتی ہے (فوگت، بیوخنر، سولیشوت وغیرہ) نامیاتی فطرت میں تعاون ہی پر، اس حقیقت پر زور دیتے تھے کہ عالم نباتات عالم حیوانات کو

آکسیجن اور تغذیه فراهم کرتا هے اور دوسری طرف سے عالم حیوانات پودوں کو کاربونک ایسڈ اور کهاد فراهم کرتا هے جس پر لیبگ نے خاص طور سے زور دیا تھا۔ بعض حدود کے اندر دونوں تصورات صحیح هیں لیکن دونوں هی یک‌طرفه اور تنگ نظرانه هیں۔ فطرت میں اجسام — بےجان نیز جاندار دونوں — کے عمل باهم میں هم‌آهنگی اور تصادم، جدوجهد اور تعاون دونوں شامل هیں۔ اس لئے جب کوئی بزعم خود نیچری سائنس داں سارے تاریخی ارتقا اور اس کی دولت و تنوع کو کم کرکے یک طرفه اور پوچ فقرے ''وجود کے لئے جدوجهد،، کی صورت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا هے، جو که ایسا فقره هے جسے فطرت کے دائرے میں بھی صرف ذرا نمک کے ساتھ هی حلق سے اتارا جا سکتا هے، تو اس طرح کی کارروائی دراصل خود هی اپنے آپ کو مطعون کردیتی هے...

(۳) میں آپ کے نکته چینی کرنے کے طریقے کو نفسیاتی کهوں‌گا اور میں اس کے فوائد سے انکار نهیں کرتا لیکن میں نے دوسرے طریقے کا انتخاب کیا هوتا۔ هم میں سے هر ایک اس دانشورانه ماحول سے کم‌وبیش متاثر هوتا هے جس میں وه سب سے زیاده رهتا سهتا هے۔ روس کے لئے، جهاں آپ اپنی پبلک کو مجھ سے بهتر جانتے هیں اور ایک ایسے پروپگنڈه رسالے کے لئے جو ''سب کو ساتھ رکھنے کے اثر،،* کو یعنی اخلاقی احساس کو اپیل کرتا هے غالباً آپ کا طریقه هی بهتر هے۔ جرمنی کے لئے، جهاں جھوٹی جذباتیت نے اتنا نقصان پهنچایا هے اور اب بھی پهنچا رهی هے، یه ناموزوں هوگا۔ اسے غلط سمجھا جائےگا اور جذباتی طور پر مسخ کیا جائیگا۔ همارے ملک میں محبت نهیں بلکه نفرت کی — کم سے کم مستقبل قریب میں — اور هر چیز سے زیاده اس بات کی ضرورت هے که جرمن عینیت پرستی کی آخری باقیات کو بھی تج دیا جائے اور مادی حقائق کو ان کے تاریخی حقوق کے مطابق قائم کیا جائے۔ اس لئے مجھے ان بورژوا ڈارونیوں پر تقریباً مندرجه‌ذیل طریقے سے حمله کرنا چاهئے اور شاید وقت آنے پر میں کروں‌گا بھی:

---

*واوین کے درمیان جو الفاظ هیں وه لاوروف کے مضمون سے لئے گئے هیں۔ (ایڈیٹر)

وجود کے لئے جدوجہد کی پوری ڈارونی تعلیم صرف یہ ہے کہ هوبس کے نظریے bellum omnium contra omnes (۷۷) کو اور مقابلے کے بورژوا معاشی نظریے اور اس کے ساتھ مالتھوس کے نظریۂ آبادی کو سماج سے جاندار نیچر پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ جب یہ شعبدہ بازی کردی گئی (اور میں اس کے مطلق روا ہونے پر اعتراض کرتا ہوں، جیساکہ میں نے شق (۱) میں اشارہ کیا ہے، خاص طور سے جہاں تک مالتھوسیائی نظریے کا تعلق ہے) تو پھر انہیں نظریوں کو نامیاتی نیچر سے تاریخ میں منتقل کیا جاتا ہے اور اب یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ انسانی سماج کے دائمی قوانین کی حیثیت سے ان کی صحت ثابت کی جا چکی ہے۔ اس کارروائی کی لغویت اتنی واضح ہے کہ اس کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں اگر اس معاملے میں زیادہ گہرائی کے ساتھ جانا چاہوں تو سب سے پہلے تو انہیں خراب معاشیات‌داں اور صرف بعد کو خراب نیچریت پسند اور فلسفی ثابت کرکے مجھے ایسا کرنا چاہئے۔

(۴) انسانی اور حیوانی سماج کے درمیان بنیادی فرق اس حقیقت میں مضمر ہے کہ حیوانات زیادہ سے زیادہ جو کر سکتے هیں وہ ہے جمع کرنا جبکہ انسان پیداوار کرتے هیں۔ یہ واحد لیکن بنیادی فرق هی اس بات کو بالکل ناممکن بنا دیتا ہے کہ حیوانی سماجوں کے قوانین کو انسانی سماجوں پر منتقل کیا جائے۔ یہ اس بات کو ممکن بنا دیتا ہے، جیسا کہ آپ نے بجا طور پر کہا ہے کہ:

''انسان صرف وجود هی کے لئے نہیں بلکہ خوشیوں کے لئے اور اپنی خوشیوں میں اضافہ کرنے کے لئے* بھی جدوجہد کرے... اپنی پست خوشیوں کو بلندترین خوشی کے لئے تج دینے پر آمادہ ہو''۔ **

آپ نے اس سے جو مزید نتیجے اخذ کئے هیں ان سے اختلاف کئے بغیر اپنے مقدمات کی بنا پر مندرجہ ذیل نتائج بھی اخذ کروں گا:

---

*عبارت کے نیچے خط خود اینگلس نے کھینچا ہے۔ (ایڈیٹر)

**منقولہ عبارت لاوروف کے مضمون سے اقتباس ہے۔ (ایڈیٹر)

ایک خاص مرحلے پر انسان کی پیداوار اتنی بلند سطح حاصل کر لیتی ہے کہ صرف ضروریات ہی نہیں بلکہ تعیشات بھی، شروع میں یہ سچ ہے کہ صرف اقلیت کے لئے، پیدا کی جاتی ہیں۔ وجود کے لئے جدوجہد — اگر ہم وقتی طور پر اس زمرے کو برقرار رہنے دیں — یوں تبدیل ہیئت کرکے خوشیوں کے لئے جدوجہد بن جاتی ہے، نہ صرف جان و تن کو یکجا رکھنے کے ذرائع کے لئے بلکہ ارتقا کے ذرائع کے لئے، ارتقا کے سماجی طور پر پیدا کردہ ذرائع کے لئے جدوجہد بن جاتی ہے۔ اور اس مرحلے پر عالم حیوانات سے مشتق زمرے قابل اطلاق نہیں رہ جاتے۔ لیکن اگر، جیسا کہ اس وقت ہوا ہے، پیداوار اپنی سرمایہدارانہ صورت میں ارتقا کے اور جان و تن کو یکجا رکھنے کے ذرائع کی اس سے کہیں زیادہ مقدار پیدا کرتی ہے جتنی کہ سرمایہدارانہ سماج استعمال کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ اصل پیدا کاروں کے زبردست جم غفیر کو جان‌وتن کو یکجا رکھنے کے اور ارتقا کے ان ذرائع سے مصنوعی طور پر الگ رکھتا ہے، اگر اس سماج کو خود اسکی اپنی زندگی کا قانون اس پیداوار کو بڑھانے پر مجبور کرتا ہے جو اس کے لئے پہلے ہی بہت زیادہ ہے اور اس لئے وہ وقفے وقفے سے، ہر دس سال بعد، اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ صرف پیداوار کے ایک انبار ہی کو نہیں بلکہ خود پیداواری قوتوں کو بھی تباہ کر دیتا ہے — تو ''وجود کے لئے جدوجہد،، کے بارے میں ان ساری باتوں میں کیا معنی رہ جاتے ہیں؟ تو وجود کے لئے جدوجہد صرف اس بات پر مشتمل رہ جاتی ہے کہ پیداوار کرنےوالا طبقہ پیداوار اور تقسیم کے نظم‌ونسق کو اس طبقے سے لے لیتا ہے جس کے سپرد وہ اب تک تھیں لیکن جو اب اسے سنبھالنے کا اہل نہیں رہ گیا۔ اور یوں سوشلسٹ انقلاب ہو جاتا ہے۔

برسر مطلب۔ طبقاتی جدوجہدوں کے ایک سلسلے کی حیثیت سے سابق تاریخ پر صرف غور ہی کرنا ''وجود کے لئے جدوجہد،، کی ایک کمزور قسم کی حیثیت سے اس تاریخ کے تصور کے صریحی چھچھلے پن کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے میں ان جھوٹے نیچریوں پر اس قسم کی عنایت کبھی نہ کروں گا۔

(٥) اسی سبب کی بنا پر میں نے آپ کے بادلیل دعوے

کی عبارت کو اسی کے مطابق بدل دیا ہوتا، جوکہ بنیادی طور پر بالکل درست ہے:

''کہ جدوجہد کو آسان‌تر بنانے کے لئے سالمیت کا خیال بالآخر... اس حدتک نمو حاصل کر سکتا ہے جہاں وہ ساری نوع انسانی کا احاطہ کرلےگا اور اسے سالمیت میں رہنےوالے بھائیوں کے سماج کی حیثیت سے باقی دنیا کے، معدنیات، نباتات اور حیوانات کی دنیا کے مقابل کر دےگا''۔ *

(٦) دوسری طرف میں آپ سے اس بات پر اتفاق نہیں کر سکتا کہ ''سب کے خلاف سب کی جدوجہد انسانی ارتقا کا پہلا دور تھا۔ میری رائے میں سماجی جبلت بن‌مانس سے انسان کے تکامل کی اہم‌ترین کلوں میں تھی۔ اولیں انسان جتھوں میں رہتے رہے ہوں‌گے اور ہم ماضی میں جہاں تک دیکھ سکتے ہیں، ایسا ہی ہوا تھا...

کونراد شمیت کے نام

اینگلس کا خط

٥ اگست ١٨٩٠ء

...میں نے پاؤل بارتھ کی کتاب پر (٧٨) منحوس موریتز ورتھ کا ریویو ویانا کے «Deutsche Worte» (٧٩) میں پڑھا اور اس تنقید نے کتاب کے بارے میں میرے ذہن پر ناخوشگوار اثر کیا۔ میں اس کتاب کو دیکھونگا لیکن میں یہ بتادوں کہ اگر ''چھوٹے موریتز'' نے بارتھ کا حوالہ صحیح دیا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ وجود کے مادی حالات پر فلسفہ کے انحصار وغیرہ کی واحد مثال جو اس کو مارکس کی ساری تصانیف میں ملی وہ یہ ہے کہ دیکارت نے جانوروں کے مشین ہونے کا اعلان کیا ہے، تو مجھے اس شخص کی حالت پر افسوس ہوتا ہے جس نے یہ لکھا ہے۔ اور اگر اس شخص کو ابھی تک یہ پتہ نہیں ہے کہ وجود کے مادی حالات ہی primum agens (ابتدائی سبب) ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے

---

*منقولہ عبارت لاوروف کے مضمون سے اقتباس ہے۔ (ایڈیٹر)

که نظریاتی شعبے اپنی باری میں مادی حالات پر اثرانداز نہیں ہوتے حالانکہ ان کا اثر ثانوی ہوتا ہے، تو غالباً وہ اس موضوع ہی کو نہیں سمجھا ہے جس پر وہ لکھ رہا ہے۔ بہرحال جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یہ سب اطلاعات بالواسطہ ہیں اور چھوٹا سوریتز خطرناک دوست ہے۔ تاریخ کا ایسا مادی نظریہ رکھنے‌والوں کی آجکل کثرت ہے جن کےلئے یہ نظریہ اس بات کا بہانہ بن گیا ہے که وہ تاریخ کا مطالعہ نہ کریں۔ اس لئے ۱۹ ویں صدی کی آٹھویں دھائی کے آخر کے فرانسیسی ''مارکس وادیوں،، پر طنززنی کرتے ہوئے مارکس بھی اسی طرح کہا کرتے تھے ''میں بس اتنا جانتا ہوں که میں مارکس‌وادی نہیں ہوں،،۔

آئندہ سماج میں پیداوار کی تقسیم کے بارے میں «Volks--Tribüne» میں ایک بحث بھی ہوئی ہے کہ آیا یہ کام کی مقدار کے مطابق ہوگی یا کسی اور طرح۔ انصاف کے بارے میں کچھ خیالی لفاظی کے برخلاف اس سوال کو بہت ہی ''مادی طور پر،، لیا گیا ہے۔ لیکن یہ کافی عجیب بات ہے کہ کسی کو یہ خیال تک نہیں آیا کہ آخرکار تقسیم کے طریقے کا انحصار لازمی طور سے اس پر ہوتا ہے کہ مال کی کتنی مقدار تقسیم کرنا ہے اور یہ بھی کہ مال کی یہ مقدار لازمی طور پر پیداوار کی ترقی اور سماجی تنظیم کے ساتھ بدلتی ہے اور اس لئے تقسیم کے طریقے کو بھی بدلنا چاہئے۔ لیکن بحث میں ہر حصہ لینےوالے کےلئے ''سوشلسٹ سماج،، کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو متواتر بدل رہی ہو اور ترقی کر رہی ہو بلکہ ایک قائم بات ہے جو ہمیشہ کےلئے مقرر ہو چکی ہو اور جہاں اسی لئے تقسیم کے طریقے کو بھی ہمیشہ کے لئے قائم ہونا چاہئے۔ بہرحال یہی کرنا معقول ہو سکتا ہے کہ (۱) تقسیم کے اس طریقے کو ڈھونڈا جائے جو ابتدا میں استعمال ہوگا اور (۲) مزید ترقی کے عام رجحان کو معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن پوری بحث میں اس کے بارے میں سجھے ایک لفظ بھی نہیں ملتا۔

عام طور پر جرمنی میں نوجوان مصنفوں کے لئے ''مادی،، کا لفظ محض ایسی بات ہے جس کا ٹھپا ہر چیز پر بغیر مزید مطالعہ کے لگایا جا سکتا ہے یعنی یہ ٹھپا لگاکر وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ سوال ختم ہو گیا۔ لیکن ہمارا تاریخ کا نظریہ سب سے پہلے مطالعہ

کا رہنما ہے نہ کہ ہیگل کی طرز پر کوئی عمارت کھڑی کرنے کا ذریعہ۔ ساری تاریخ کا مطالعہ پھر سے کرنا چاہئے، مختلف سماجی نظاموں کے وجود کے حالات کا جائزہ تفصیل سے لینا چاہئے قبل اس کے کہ ان سے ایسے سیاسی، قانونی، جمالیاتی، فلسفیانہ اور مذہبی خیالات وغیرہ اخذ کئے جائیں جو ان سے مطابقت رکھتے ہوں۔ لیکن ابھی تک اس سلسلے میں بہت کم کام ہوا ہے کیونکہ چند ہی لوگ اس کو سنجیدگی سے کر رہے ہیں۔ اس کام میں ہمیں بہت زیادہ مدد کی ضرورت ہے، یہ میدان بہت زیادہ وسیع ہے اور جو اس میں سنجیدگی سے کام کرے وہ بہت کچھ حاصل کرکے ممتاز بن سکتا ہے۔ لیکن اس کی بجائے نئی نسل کے بہت سے جرمنوں نے تاریخی مادیت کو ایک فقرہ محض اس لئے بنا رکھا ہے (اور ہر چیز کو فقرے میں بدلا جا سکتا ہے) تاکہ وہ اپنی نسبتاً تھوڑی تاریخی معلومات کو (کیونکہ معاشی تاریخ کا ابھی بچپن ہی ہے) ایک سجل سسٹم میں جلدازجلد تبدیل کردیں۔ اس طرح وہ اپنے کو بہت ہی بلندپایہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ کوئی بارتھ آکر اسی چیز پر حملہ کر دے جو اس کے حلقے میں صرف ایک کھوکھلے فقرے تک گرا دی گئی ہے۔

اوٹو فون بیونگک (۸۰) کے نام
اینگلس کا خط

۲۱ اگست ۱۸۹۰ء

میرے خیال میں وہ سماج جو ''سوشلسٹ سماج،، کہلاتا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ تبدیل نہ کیا جاسکے۔ تمام دوسرے سماجی تشکیلات کی طرح اس پر بھی متواتر بہاؤ اور تبدیلی کا اثر ہوتا ہے۔ موجودہ نظام سے اس کا خاص فرق قدرتی طور پر اس پیداوار میں ہے جو پہلے ایک واحد قوم کے تمام ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کی بنا پر منظم کی جاتی ہے۔ اس تنظیم‌نو کو کل ہی شروع کر دینا (لیکن اس کو رفتہ رفتہ کرنا) میرے خیال میں بالکل قابل عمل ہے۔ یہ کہ ہمارے مزدور یہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتے

هیں اس کا ثبوت پیداوار کرنےوالے اور صارفین کے بہت سے کوآپریٹیو اداروں سے ملتا ہے جو، بشرطیکہ ان کو پولیس جان بوجھکر برباد نہ کرے، اپنے انتظام میں بورژوا اسٹاک کمپنیوں کے ٹکر کے ہوتے ہیں اور ان سے کہیں زیادہ ایمانداری سے چلائے جاتے ہیں - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سیاسی پختگی کے اس شاندار ثبوت کے بعد جو مزدوروں نے سوشلسٹ دشمن ہنگاسی قانون کے خلاف اپنی فاتحانہ جدوجہد کے ذریعے پیش کیا ہے آپ جرمنی میں عوام کی جہالت کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہیں - ہمارے نام‌نہاد تعلیم یافتہ لوگوں کے خودپسندانہ اور بےمغز وعظ مجھے زیادہ بڑی رکاوٹ معلوم ہوتے ہیں - ہمارے پاس ابھی تک ماہرین ٹکنیک اور ماہرین زراعت، انجینیروں، کیمیادانوں اور ماہرین فن تعمیر وغیرہ کی کمی ہے - یہ بات سچ ہے لیکن شدید ضرورت کے وقت ہم بھی ان کو اسی طرح خرید سکتے ہیں جیسے سرمایہ‌دار خریدتے ہیں - اور اگر ان کے درمیان چند غداروں کو لیکر (کیونکہ غدار تو ایسے لوگوں میں ضرور ہوں‌گے) دوسروں کےلئے مثال قائم کرنے کی غرض سے ایسی سزائیں دی جائیں جن کے وہ مستحق ہیں تو وہ سمجھ جائیں‌گے کہ ہمارے یہاں مزید چوری نہ کرنا انھیں کے حق میں ہے - لیکن ان ماہرین کے علاوہ جن میں اسکول ٹیچروں کو بھی میں شامل کئے لیتا ہوں، ہم دوسرے ''دانش‌وروں،، کے بغیر اپنا کام بہت اچھی طرح چلا سکتے ہیں - مثلاً ادیبوں اور طالب‌علموں کا جو ریلا آجکل پارٹی میں آ رہا ہے وہ کافی مضرت‌رساں ہو سکتا ہے اگر ان حضرات کو قابو میں نہ رکھا جائے -

دریائے ایلب کے مشرقی کنارے پر واقع یونکروں کی جاگیریں بڑی آسانی سے مناسب ٹکنیکی انتظام کے تحت کھیت مزدوروں اور دیہی عملے کے دوسرے لوگوں کو لگان پر دی جا سکتی ہیں جو ان جاگیروں کو مشترکہ طور پر چلائیں‌گے - اگر اس میں ہنگاسے ہوں تو وہ یونکر ہی موردالزام ہوں‌گے جنھوں نے موجودہ اسکولی قانون کی خلاف‌ورزی کرکے لوگوں کو اس حد تک وحشی بنا دیا ہے -

سب سے بڑی رکاوٹ چھوٹے کاشتکار اور وہ مبرم اور ضرورت سے زیادہ عقلمند دانش‌ور ہیں جو کسی بات کو جتنا ہی کم سمجھتے ہیں اتنا ہی زیادہ یہ دکھاتے ہیں کہ وہ اس کو بہتر سمجھتے ہیں -

ایک بار عوام میں ہمارے پیروؤں کی تعداد کافی ہو جائے تو بڑی صنعتوں اور بڑے پیمانے کی جاگیردارانہ کاشتکاری کو تیزی کے ساتھ اشتراکی بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ ہمیں سیاسی اقتدار حاصل ہوجائے۔ باقی جلد یا بدیر ہوتا رہےگا اور پھر بڑے پیمانے کی پیداوار کو اپنے ہاتھ میں لیکر ہم صورت حال کے مالک ہونگے۔

جوزف بلوخ کے نام اینگلس کا خط

۲۱ (— ۲۲) ستمبر ۱۸۹۰ء

...تاریخ کے مادی نظریے کے مطابق تاریخ میں مختتم فیصلہ کرنےوالا عنصر حقیقی زندگی کی پیداوار اور تجدید پیداوار ہے۔ اس سے زیادہ نہ مارکس نے کبھی کہا ہے اور نہ میں نے۔ اس لئے اگر کوئی اس خیال کو توڑ مروڑ کر یوں بنا دے کہ معاشی عنصر ہی واحد فیصلہ کن عنصر ہے تو وہ اس بات کو محض ایک بےمعنی، مجرد اور فضول فقرہ بنا دیگا۔ معاشی صورت حال بنیاد ضرور ہے لیکن بالائی ڈھانچے کے مختلف عناصر — طبقاتی جدوجہد کی سیاسی شکلیں اور اس کے نتائج (یعنی کامیاب لڑائی وغیرہ کے بعد فاتح طبقے کا قائم کیا ہوا ریاستی نظام وغیرہ)، قانونی صورتیں (حتی کہ ان ساری حقیقی لڑائیوں کی عکاسی جو شرکا کے دماغ میں تشکیل پائی)، سیاسی، قانونی اور فلسفیانہ نظریات، مذہبی خیالات اور ان کا عقائد کے نظام میں مزید ارتقا — یہ سیاسی باتیں بھی تاریخی جدوجہد کی روش پر اثرانداز ہوتی ہیں اور بہت سی صورتوں میں اس کی شکل کو معین کرنے پر حاوی ہوتی ہیں۔ ان تمام عناصر کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا رہتا ہے جس میں معاشی تحریک بےشمار اتفاقات کے درمیان (یعنی ایسی چیزوں اور واقعات کے درمیان جن کا اندرونی باھمی رابطہ اتنا دورافتادہ یا ثبوت فراہم کرنے کے لئے ایسا نا ممکن ہے کہ ہم اس کے وجود کو نہیں کے برابر سمجھتے ہیں) مختتم اور لازمی طور پر حاوی ہوتی ہے۔ ورنہ تاریخ کے کسی دور پر تھیوری کا نفاذ کسی معمولی سوال کو حل کرنے سے بھی زیادہ آسان ہوتا۔

ہم خود اپنی تاریخ بناتے ہیں لیکن سب سے پہلے بہت معین مفروضات اور حالات کے تحت۔ ان میں معاشی حالات مختتم طور پر

فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ لیکن سیاسی حالات وغیرہ، یہاں تک کہ ایسی روایات بھی جو انسانی ذہن میں جاگزیں ہوتی ہیں اپنا رول ادا کرتی ہیں، اگرچہ وہ فیصلہ کن نہیں ہوتیں...

دوسرے، تاریخ اس طرح بنتی ہے کہ آخر نتیجہ ہمیشہ بہت سے لوگوں کی انفرادی مرضیوں کے تصادم سے برآمد ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کی مرضی کی تشکیل زندگی کے بہت سے مخصوص حالات کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس لئے ایک دوسرے کو قطع کرنے والی لاتعداد طاقتیں اور طاقتوں کے خطوط متوازن کے لامتناہی سلسلے ایک نتیجے کے حامل ہوتے ہیں جو تاریخی واقعہ ہوتا ہے۔ اس نتیجے کو پھر ایسی واحد طاقت کی پیداوار کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے جو مجموعی لحاظ سے غیرشعوری اور غیرارادی طور پر کام کرتی ہے۔ کیونکہ ایک فرد جو خواہش کرتا ہے اس کی ہر دوسرا فرد مخالفت کرتا ہے اور اس سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے وہ کسی کی مرضی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس طرح تاریخ ابھی تک قدرتی عمل کے مطابق چلتی رہی ہے اور لازمی طور پر حرکت کے انھیں قوانین کی پیروی کرتی ہے۔ لیکن یہ واقعہ کہ افراد کی مرضیاں جن میں ہر ایک وہی چاہتا ہے جو اس کا جسمانی ڈھانچہ اور خارجی یعنی بالآخر معاشی حالات کا تقاضہ ہے (یا تو اس کے ذاتی حالات یا عام طور پر سماجی حالات) وہ نہیں حاصل کر پاتیں جو وہ چاہتی ہیں بلکہ ایک اوسط میں، ایک مشترکہ نتیجہ میں مدغم ہو جاتی ہیں، پھر بھی اس سے یہ نتیجہ نہ اخذ کرنا چاہئے کہ یہ مرضیاں صفر کے برابر ہوتی ہیں بلکہ اس کے برعکس ان میں سے ہر ایک نتیجے کو کچھ نہ کچھ دیتی ہیں اور اس حدتک اس میں شامل ہوتی ہیں۔

مزید براں میں آپ سے یہ درخواست کرونگا کہ آپ اس نظریے کا مطالعہ اس کے اصلی سرچشموں سے کریں نہ کہ بالواسطہ۔ دراصل یہ زیادہ آسان ہے۔ مارکس نے شاید ہی کوئی ایسی تصنیف کی ہو جس میں اس کا رول نہ ہو۔ خصوصاً ''لوئی بوناپارٹ کی اٹھارھویں بروسیئر،، اس کے استعمال کی بہترین مثال ہے۔ ''سرمایہ،، میں بھی اس کی طرف بہت سے اشارے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا میں آپ کی توجہ اپنی تصانیف ''سائنس میں یوجن ڈیورنگ کا انقلاب،، اور ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ،، کی طرف

13*

دلا سکتا ہوں جن میں میں نے تاریخی مادیت کو اتنی زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جو میرے علم میں کہیں اور موجود نہیں ہے۔

مارکس اور میں خود اس کے لئے قابل الزام ہیں کہ ہمارے نوجوان لوگ کبھی کبھی معاشی پہلو پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ ہمیں خاص اصول پر اپنے مخالفین کے مقابلے میں زور دینا تھا جو اس سے منکر تھے اور ہم کو ہمیشہ اتنا وقت، جگہ یا موقع نہیں ملا کہ ہم ایک دوسرے پر اثرانداز ہونےوالے باقی عناصر کا مناسب جائزہ لے سکتے۔ لیکن جب تاریخ کے کسی دور کو پیش کرنے یعنی اصول کے عملی استعمال کا سوال ہوا تب دوسری بات ہو گئی جہاں کسی غلطی کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ بہر حال بدقسمتی سے یہ اکثر ہوتا ہے کہ کسی نئے نظریے کے خاص اصولوں کو سمجھ لینے کے بعد (انہیں بھی ہمیشہ صحیح نہیں سمجھا جاتا) لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اب ہم پورے عالم ہو گئے اور اسی لمحے سے بغیر زیادہ بکھیڑا مول لئے اسے استعمال میں لا سکتے ہیں۔ میں اس الزام سے زیادہ‌تر حالیہ ''مارکس‌وادیوں،، کو بھی بری نہیں مان سکتا کیونکہ یہاں بھی کافی فضولیات کی تخلیق ہوئی ہے...

کونراد شمیت کے نام اینگلس کا خط

۲۷ اکتوبر ۱۸۹۰ء

میرے خیال میں «Züricher Post» کی پیش کش قبول کر لینا آپ کےلئے بہت اچھا رہیگا۔ آپ وہاں معاشیات کے بارے میں ہمیشہ بہت کچھ معلومات حاصل کر سکیں‌گے، خصوصاً اگر آپ اس کا خیال رکھیں کہ زوریخ بہرحال زر اور سٹے کا تیسرے درجے کا بازار ہے۔ اس لئے وہاں جو تاثرات ہوتے ہیں وہ دو تین بار عکس درعکس ہونے کی وجہ سے کمزور ہو جاتے ہیں یا پھر جان بوجھکر مسخ کر دئے جاتے ہیں۔ لیکن آپ کو پوری مشینری کی عملی معلومات حاصل ہونگی اور آپ لازمی طور پر لندن، نیویارک، پیرس، برلن اور ویانا کے اسٹاک ایکس‌چینج کی رپورٹوں کا مطالعہ کریں‌گے اور اس طرح عالمی بازار اپنے زر اور اسٹاک

کے بازار کے روپ میں آپ کے سامنے آجائیگا۔ معاشی، سیاسی اور دوسرے
عکس بالکل انسانی آنکھ کے عکس کی طرح ہیں۔ وہ ایک سرتکز لینس
سے گذرتے ہیں اور اس لئے سر کے بل کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔
صرف اس اعصابی آلے کی جو ان کو دوبارہ سیدھا کرکے ہمارے
سامنے پیش کرتا ہے یہاں کمی ہے۔ زر بازار کا آدمی صنعت اور
عالمی بازار کی تحریک کو زر اور اسٹاک کے بازار کے الٹے ہی
عکس میں دیکھتا ہے اور اس لئے نتیجہ ہی اس کے لئے سبب بن
جاتا ہے۔ میں نے اس کو مانچسٹر میں پانچویں دہائی ہی میں دیکھ
لیا تھا۔ لندن اسٹاک ایکسچینج کی رپورٹیں صنعت کی ترقی کے رخ
اور اس کے وقتی اتارچڑھاؤ کو سمجھنے کےلئے بالکل بیکار تھیں
کیونکہ وہاں کے حضرات ہر چیز کی وضاحت زر بازار کے بحرانوں
ہی سے کرتے تھے جو درحقیقت محض پہلی علامتیں ہوا کرتے تھے۔
اس وقت اس بات کو ثابت کرنا تھا کہ عارضی طور پر ضرورت
سے زیادہ پیداوار صنعتی بحرانوں کی جڑ نہیں ہے اس لئے اس میں
ایک اور مطلب بھی تھا جو توڑ مروڑ کے لئے اکساتا تھا۔ اب
اس بات کا وجود نہیں رہا، کم از کم ہمارے واسطے ہمیشہ ہمیشہ
کےلئے نہیں رہا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ زر بازار کے اپنے
بحران ہو سکتے ہیں جن میں صنعت کی براہ‌راست گڑبڑ کوئی تحتی
رول ادا کرتی ہیں یا ان کا کوئی رول نہیں ہوتا۔ یہاں ابھی بہت
کچھ ثابت کرنا اور دیکھنا بھالنا ہے خصوصاً پچھلے بیس سال
کی تاریخ میں۔

جہاں سماجی پیمانے پر محنت کی تقسیم ہوتی ہے وہاں محنت
کے الگ الگ عوامل ایک دوسرے سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ بالآخر
پیداوار ہی فیصلہ کن عنصر ہوتی ہے۔ لیکن جیسے ہی مصنوعات
کی تجارت خود پیداوار سے علحدہ رہتی ہے وہ اپنی تحریک سے چلنے
لگتی ہے جو مجموعی طور پر پیداوار کے تحت ہوتی ہے لیکن
خصوصی باتوں میں اور اس عام انحصار کے اندر رہ کر اپنے قوانین
کی پیروی کرنے لگتی ہے جو اس نئے عنصر کی نوعیت ہی میں پنہاں
ہوتے ہیں۔ اس تحریک کے اپنے الگ مراحل ہوتے ہیں جو خود
اپنی باری میں پیداوار کی تحریک پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ امریکہ
کی دریافت کی وجہ وہ سونے کا لالچ تھا جو اس سے پہلے پرتگالیوں

13—980

کو افریقہ لے گیا تھا (دیکھئے زیتبیر کی کتاب ''قیمتی دھاتوں کی پیداوار ،،) کیونکہ چودھویں اور پندرھویں صدی میں بہت زیادہ توسیع پاتی ہوئی یورپی صنعت اور اس سے مطابقت رکھنےوالی تجارت اس سے زیادہ تبادلے کے ذرائع کی مقتضی تھی جتنے جرمنی، جو ۱۴۵۰ء سے ۱۵۵۰، تک بہت بڑا چاندی مہیا کرنےوالا ملک تھا، فراہم کر سکتا تھا۔ ۱۵۰۰ء اور ۱۸۰۰ء کے دوران میں پرتگال، ہالینڈ اور برطانیہوالوں نے ہندوستان میں جو مقبوضات کئے ان کا مقصد ہندوستان سے اپنے یہاں سامان درآمد کرنا تھا۔ کسی نے وہاں کوئی چیز برآمد کرنے کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر بھی ان دریافتوں اور مقبوضات نے جو صرف تجارتی مفادات نے حاصل کئے تھے صنعت پر بہت زبردست اثر ڈالا صرف ان ملکوں میں برآمد کرنے ھی کی ضروریات نے جدید اور بڑے پیمانے کی صنعت قائم کی اور اس کو فروغ دیا۔

یہی صورت زر بازار کی بھی ھے۔ جیسے ھی زر کی تجارت اشیا کی تجارت سے الگ ہوتی ھے پیداوار اور اشیا کی تجارت کے عائد کئے ہوئے بعض حالات میں اور ان کی پابندیوں کے اندر اس کا اپنا ارتقا شروع ھوجاتا ھے، اس کی اپنی نوعیت کے معین کئے ہوئے مخصوص قوانین اور علحدہ مراحل قائم ھوتے ھیں۔ اگر اس میں یہ اضافہ کیا جائے کہ زر کی تجارت زیادہ ترقی کرکے اپنے میں ھنڈیوں کی تجارت کو بھی شامل کرلیتی ھے اور یہ ھنڈیاں نہ صرف سرکاری دستاویزات ھوتی ھیں بلکہ صنعت اور ٹرانسپورٹ کے حصے (share) بھی ان میں شامل ھوتے ھیں اور اس طرح زر کی تجارت پیداوار کے ایک حصے پر براہ‌راست کنٹرول حاصل کر لیتی ھے جبکہ مجموعی طور پر پیداوار ھی تجارت پر حاوی رہتی ھے، تب پیداوار پر زر کی تجارت کا الٹا اثر زیادہ زوردار اور پیچیدہ ھوجاتا ھے۔ زر کی تجارت کرنےوالے ریلوےلائنوں، کانوں، لوھے کے کارخانوں وغیرہ کے مالک ھوتے ھیں۔ ان ذرائع پیداوار کے دو پہلو ھو جاتے ھیں: ان کو کبھی کبھی براہ‌راست پیداوار کے فائدے کےلئے کام کرنا پڑتا ھے اور کبھی کبھی حصے داروں کے فائدے کےلئے جہاں تک کہ وہ بینکر ھوتے ھیں۔ اس کی نمایاں مثال شمالی امریکی ریلوے سے ملتی ھے جس کے چالو رہنے کا پورا انحصار جے گولڈ

یا وانڈیربلٹ وغیرہ کے اسٹاک ایکسچینج کے معاملوں پر ہے جبکہ ریلوے اور ذرائع رسل و رسائل کی حیثیت سے ریلوے کے مفادات سے ان معاملوں کا کوئی سروکار نہیں رہتا۔ یہاں انگلستان میں بھی ہم نے مختلف ریلوے کمپنیوں کے درمیان اپنے اپنے علاقوں کی سرحدوں کے بارے میں دسیوں سال تک جھگڑے چلتے دیکھے ہیں، ایسے جھگڑے جن میں خوب پیسہ پھونکا گیا، پیداوار اور رسل و رسائل کے مفاد میں نہیں بلکہ محض رقابت کیوجہ سے، جس کا واحد مقصد عام طور پر حصہ رکھنےوالے زر کے تاجروں کی اسٹاک ایکسچینج کے لین دین میں آسانی پیدا کرنا تھا۔

سالوں کی تجارت سے پیداوار کے رشتے اور زر کی تجارت سے ان دونوں کے رشتے کے بارے میں اپنے نظریے کی طرف چند اشاروں کے ذریعے میں نے عام طور سے تاریخی مادیت کے بارے میں آپ کے سوالوں کا بنیادی طور پر جواب دے دیا ہے۔ محنت کی تقسیم کے نقطۂنظر سے اس کو سمجھنا زیادہ آسان ہے۔ سماج کچھ ایسے مشترکہ فرائض منصبی پیدا کرتا ہے جن کے بغیر اس کا کام نہیں چل سکتا۔ اس مقصد کےلئے جو اشخاص مقرر ہوتے ہیں وہ سماج کے اندر محنت کی تقسیم کی نئی شاخ قائم کرلیتے ہیں۔ اس سے ان کے مخصوص مفادات پیدا ہوتے ہیں جو ان لوگوں کے مفادات سے علحدہ ہوتے ہیں جنھوں نے ان کو اختیارات دئے ہیں۔ وہ موخرالذکر کے محتاج نہیں رہتے اور اس طرح ریاست وجود میں آتی ہے۔ اب تمام باتیں اسی طرح چلتی ہیں جیسی جنس کی تجارت میں اور بعد کو زر کی تجارت میں۔ نئی خودمختار طاقت جس کو خاص طور پر پیداوار کی تحریک کی پیروی کرنی پڑتی ہے، اپنی پنہاں نسبتی خودمختاری کی بنا پر (یعنی وہ نسبتی خودمختاری جو ایک بار اس کی طرف منتقل کی جاتی ہے اور اس کو مزید فروغ دیا جاتا ہے) پیداوار کے حالات اور اس کی روش پر اثرانداز ہوتی ہے۔ یہ دو نابرابر طاقتوں کا ایک دوسرے پر عمل ہوتا ہے۔ ایک طرف معاشی تحریک ہوتی ہے اور دوسری طرف نئی سیاسی طاقت جو امکانی خود مختاری حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جو ایک بار قائم ہونے کے بعد خود اپنی تحریک حاصل کرلیتی ہے۔ مجموعی طور پر معاشی تحریک اپنے راستے پر گامزن ہوتی ہے لیکن اس کو

اس سیاسی تحریک کے اثرات برداشت کرنے پڑتے ہیں جسے اس نے خود قائم کیا اور نسبتی خودمختاری عطا کی ہے۔ معاشی تحریک کو ایک طرف ریاستی اقتدار کی تحریک اور دوسری طرف اس کے ساتھ ہی پیدا ہونےوالی مخالف پارٹی کے اثر کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح صنعتی بازار کی تحریک خاص طور سے اور ان شرطوں کے ساتھ جن کے بارے میں بتایا جاچکا ہے، زر بازار میں ظاہر ہوتی ہے اور واقعی الٹی شکل میں، اسی طرح ان طبقوں کے درمیان جدوجہد بھی جن کا ابھی وجود ہے اور جو ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، حکومت اور حزب مخالف کی جدوجہد میں ظاہر ہوتی ہے اور اسی طرح الٹی شکل میں، براہ‌راست نہیں بلکہ بالواسطہ، طبقاتی جدوجہد کی حیثیت سے نہیں بلکہ سیاسی اصولوں کے لئے لڑائی کی حیثیت سے اور یہ اتنی مسخ صورت میں ہوا کہ ہمیں اس کو پہچاننے میں ہزاروں سال لگ گئے۔

معاشی ترقی پر ریاستی اقتدار کا رد عمل تین طرح کا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ معاشی ترقی کی سمت چلتا ہے تو ترقی میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ترقی کی لائن کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں آج کے زمانے میں کسی بھی بڑی قوم میں یہ ریاستی اقتدار کسی نہ کسی وقت پاش پاش ہو جائےگا۔ یا پھر وہ معاشی ترقی کو معینہ لائنوں پر چلنے سے روک کر اس کو دوسرے راستے پر لے جا سکتا ہے۔ یہ صورت بالآخر ان پہلی دو صورتوں میں سے کسی پر ختم ہوتی ہے جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ لیکن یہ صاف ہے کہ دوسری اور تیسری صورتوں میں سیاسی اقتدار معاشی ترقی کو بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے اور قوت اور مواد کے بہت زیادہ فضول خرچ ہونے کا باعث بن سکتا ہے۔

اس کے علاوہ معاشی ذرائع پر قبضہ کرکے ان کی وحشیانہ بربادی کی اور بھی صورت ہے جس سے پہلے زمانے میں بعض حالات میں کسی پورے علاقے یا قوم کی معاشی ترقی کے نتائج کی بربادی پوری طور پر کی گئی۔ آجکل ایسی صورت کا اثر عام طور پر الٹا پڑتا ہے خصوصاً بڑی بڑی قوموں پر۔ اکثر انجام کار مفتوح فاتح کے مقابلے میں معاشی، سیاسی اور اخلاقی طور پر زیادہ فائدے میں رہتا ہے۔

یہی صورت قانون کی ہے۔ جیسے ہی محنت کی نئی تقسیم، جو پیشہ‌ور قانون‌دانوں کو جنم دیتی ہے، ضروری ہو جاتی ہے، ایک نیا اور خودمختار شعبہ ظہور میں آجاتا ہے جو پیداوار اور تجارت پر اپنے تمام انحصار کے ساتھ ان شعبوں پر اثرانداز ہونے کی مخصوص صلاحیت رکھتا ہے۔ جدید ریاست میں قانون کو نہ صرف عام معاشی حالت کے مطابق اور اس کا اظہار ہونا چاہئے بلکہ اندرونی طور پر مربوط اظہار جو داخلی تضادات کیوجہ سے اپنے کو صفر نہیں بننے دیتا۔ اور اس کو حاصل کرنے میں معاشی حالات کی صحیح عکاسی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ ایسا ہوتا ہے جتنا شاذ و نادر قانونی ضابطہ کسی طبقے کے تسلط کا درشت، قطعی اور خالص اظہار ہوتا ہے کیونکہ یہ ''حق کے نظریے،، کے خلاف ہوگا۔ ۹۶ — ۱۷۹۲ء کی انقلابی بورژوازی کا حق کے بارے میں خالص اور معقول تصور اب ضابطۂ نپولین (۸۱) میں بہت پہلوؤں سے ملاوٹ کا نشانہ بن چکا ہے اور پرولتاریہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کیوجہ سے حقوق کا یہ نظریہ، جس حد تک وہ ضابطۂ نپولین میں موجود ہے، متواتر نرم تبدیلیوں کی طرف جھکے گا۔ اس کے باوجود ضابطۂ نپولین ایسی آئینی دستاویز ہے جو دنیا کے ہر حصے میں ہر نئے قانونی ضابطے کے لئے بنیاد کا کام دیتا ہے۔ اس طرح بڑی حد تک ''حق کی ترقی،، کا راستہ صرف اس پر مشتمل ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ان تضادوں کو دور کیا جائے جو معاشی رشتوں کو براہ‌راست قانونی اصولوں میں منتقل کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور قانون کا ایک ہم‌آہنگ نظام قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ پھر مزید معاشی ترقی کے اثر اور زور سے اس نظام میں متواتر دراڑیں پڑتی ہیں اور وہ مزید تضادات میں مبتلا ہو جاتا ہے (میں اس وقت صرف شہری قانون کی بات کر رہا ہوں)۔

قانونی اصولوں کی حیثیت سے معاشی رشتوں کا عکس بھی لازمی طور پر الٹا ہوتا ہے۔ یہ عمل عکاسی سرگرم‌کار آدمی کے شعور کے بغیر جاری رہتا ہے۔ قانون‌داں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ پہلے سے طےشدہ دعووں کو لیکر چل رہا ہے جبکہ درحقیقت وہ صرف معاشی رشتوں کے عکس ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر چیز اوندھی

ہوتی ہے۔ اور مجھے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ اوندھاپن، جب تک پہچانا نہیں جاتا، ایسی چیز کی تشکیل کرتا ہے جو نظریاتی نقطۂ نگاہ کہلاتی ہے۔ یہ اوندھاپن اپنی باری میں معاشی بنیاد پر اثرانداز ہوتا ہے اور کچھ حد تک اس کو تبدیل بھی کر دیتا ہے۔ وراثت کے حق کی بنیاد (یہ فرض کرتے ہوئے کہ خاندان کے ارتقا میں حاصل کی ہوئی منزلیں یکساں رہی ہیں) معاشی ہے۔ پھر بھی مثال کےلئے یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ انگلستان میں وصیت کرنےوالے کو قطعی آزادی اور فرانس میں اس پر ہر چھوٹی سی چھوٹی تفصیل میں سخت پابندی کے اسباب معاشی ہیں۔ لیکن دونوں ہی معاشی شعبے پر بڑی حد تک اثرانداز ہوتی ہیں کیونکہ وہ ملکیت کی تقسیم پر اثر ڈالتی ہیں۔

جہاں تک نظریات کے ایسے شعبوں کا سوال ہے جو اب بھی آسمانی خلاؤں میں پنہاں ہیں مثلاً مذہب اور فلسفہ وغیرہ تو ان کے پاس ماقبل تاریخ کا سواد ہے جس کو تاریخی دور نے دریافت کیا اور اپنایا اور جس کو ہمیں اب بکواس کہنا چاہئے۔ قدرت، انسان کی اپنی ہستی، روحوں اور جادو کی طاقتوں وغیرہ کے بارے میں مختلف جھوٹے مفروضات زیادہ‌تر صرف منفی معنی میں معاشی بنیاد رکھتے ہیں۔ ماقبل تاریخی دور کی نیچی سطح کی معاشی ترقی قدرت کے غلط مفروضات سے اور بھی کم ہو گئی اور کچھ حد تک ان سے مشروط رہی اور حتی کہ ان سے پیدا بھی ہوئی۔ اور اس کے باوجود کہ قدرت کی معلومات حاصل کرنے میں ترقی کی خاص محرک طاقت معاشی ضرورت تھی اور اب اور زیادہ ہو گئی ہے پھر بھی ان ساری ابتدائی زمانے کی فضولیات کےلئے کوشش کرکے معاشی اسباب تلاش کرنا محض ادعائے علم ہوگا۔ سائنس کی تاریخ ان فضولیات کو رفتہ رفتہ صاف کرنے یا ان کی جگہ پر تازہ لیکن کچھ کم حماقت‌آمیز باتیں لانے کی تاریخ ہے۔ جو لوگ ان باتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں وہ محنت کی تقسیم میں مخصوص شعبوں کے ہوتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ کسی آزاد شعبے میں کام کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ محنت کی سماجی تقسیم کے تحت اپنا آزاد گروپ بناتے ہیں، اس لئے ان کی تخلیقات، جن میں ان کی غلطیاں بھی شامل ہیں، سماج کے پورے ارتقا پر اثرانداز ہوتی ہیں حتی‌کہ اس کی معاشی ترقی

پر بھی۔ پھر بھی خود ان لوگوں پر معاشی ارتقا کا اثر غالب رہتا ہے۔ مثلاً فلسفے میں اس بات کو بہت آسانی سے بورژوا دور کے لئے سچ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ہوبس پہلا جدید مادیت‌پسند (۱۸ویں صدی کے لحاظ سے) تھا لیکن وہ ایسے دور میں رہتا اور مطلق‌العنانی کی حمایت کرتا تھا جب سارے یورپ میں مطلق‌العنان شاہی اپنے عروج پر تھی اور انگلستان میں عوام کے خلاف جدوجہد پر اتر آئی تھی۔ لاک، مذہب اور سیاست دونوں میں، ۱۶۸۸ء کے طبقاتی سمجھوتے (۸۲) کی پیداوار تھا۔ مذہب فطرت کے انگریز (۸۳) اور ان کے زیادہ بااصول پیرو فرانسیسی مادیت‌پسند بورژوازی کے سچے فلسفی تھے۔ فرانسیسی تو بورژوا انقلاب کے بھی فلسفی تھے۔ جرمن فلسفے میں کانٹ سے لیکر ہیگل تک جرمن تنگ‌نظری کا کبھی مثبت اور کبھی منفی طور سے اظہار ہوتا ہے۔ لیکن محنت کی تقسیم میں واضح شعبے کی حیثیت سے ہر دور کا فلسفه کچھ واضح فکری مواد کو اپناتا ہے جو اس کو متقدمین سے ملا ہے اور اسی سے وہ اپنا آغاز کرتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ معاشی طور پر پسمانده ملک اب بھی فلسفے میں اگوا کا رول ادا کر سکتے ھیں جیسا که اٹھارھویں صدی میں فرانس نے بمقابله انگلستان کے کیا جس کے فلسفے پر فرانسیسیوں نے اپنی بنیاد رکھی اور پھر جرمنی نے ان دونوں کے مقابلے میں ایسا کیا۔ لیکن اس زمانے میں فرانس اور جرمنی میں فلسفے اور ادب کی عام خوشحالی بڑھتی ہوئی معاشی ترقی کا نتیجه تھی۔ میں سمجھتا ہوں که ان شعبوں میں بھی معاشی ترقی کی مختتم برتری ثابت ہو چکی ہے لیکن یه ان حدود کے اندر ہی ہوتی ہے جو وہ خاص شعبه خود عائد کرتا ہے۔ مثلاً فلسفے میں متقدمین کے منتقل کئے ہوئے موجود فلسفیانه مواد پر ان معاشی اثرات کے عمل سے ایسا ہوا (جو عام طور پر سیاسی روپ وغیرہ میں اثرانداز ہوتے ھیں)۔ یہاں معیشت کوئی نئی چیز نہیں پیدا کرتی بلکه اس طریقے کا تعین کرتی ہے جس سے اس فکری مواد کو جو موجود ہوتا ہے تبدیل کرکے مزید فروغ دیا جاتا ہے اور یه بھی زیادہ تر بالواسطه ہوتا ہے جب که سیاسی، قانونی اور اخلاقی انعکاس ہی فلسفه پر سب سے زیادہ براہ‌راست اثر ڈالتے ھیں۔

میں مذہب کے بارے میں ضروری باتیں فائرباخ سے متعلق کتابچے کے آخری حصے میں (۸۴) بتا چکا ہوں۔

اس لئے اگر بارتھ یہ سوچتا ہے کہ خود معاشی تحریک پر معاشی تحریک کے سیاسی وغیرہ عکسوں کے ہر جوابی اثر کو ہم نہیں مانتے تو وہ ہوا میں مکہ مار رہا ہے۔ اس کےلئے مارکس کی کتاب ''اٹھارویں بروسیئر،، ہی کو دیکھنا کافی ہوگا جو تقریباً امتیازی طور پر اس خاص رول کا ذکر کرتی ہے جو سیاسی جدوجہد اور واقعات نے ادا کیا ہے، یہ سچ ہے کہ اس کو معاشی حالات پر ان کے عام انحصار کے مطابق ہی کیا گیا ہے۔ یا ''سرمایہ،، میں اس حصے کو دیکھنا چاہئے جو کام کے دن کے متعلق ہے، مثلاً وہاں جہاں قانون سازی جو یقیناً سیاسی اقدام ہے قطعی اثر رکھتی ہے۔ یا بورژوازی کی تاریخ کے حصے کو (۲۴ واں باب)۔ یا یہ دیکھئے کہ ہم پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے لئے کیوں لڑتے ہیں اگر سیاسی طاقت معاشی لحاظ سے ناکارہ ہے؟ تشدد (یعنی ریاستی اقتدار) بھی تو معاشی طاقت ہی ہے!

ابھی میرے پاس کتاب پر تنقید کرنے کےلئے وقت نہیں ہے (۸۵)۔ مجھے پہلے تیسری جلد (''سرمایہ،، کی) چھپوانا ہے اور اس کے علاوہ میں سوچتا ہوں کہ کوئی دوسرا شخص مثلاً برنشٹائن اس کو سر انجام دے سکتے ہیں۔

ان سب حضرات میں جدلیات کا فقدان ہے۔ وہ ہمیشہ کہیں صرف سبب کو اور کہیں صرف نتیجے کو دیکھتے ہیں۔ وہ یہ کبھی نہیں دیکھ پاتے کہ یہ ایک خالی خولی تجرید ہے، کہ ایسے شدید مابعدالطبیعیاتی قطبی تضادات حقیقی دنیا میں صرف بحرانوں کے دوران ہی میں پیدا ہوتے ہیں، کہ ترقی کا پورا عظیم عمل باہمی رد عمل کی شکل میں چلتا ہے، اگرچہ وہ بہت ہی نابرابر طاقتوں کا ردعمل ہوتا ہے کیونکہ ان میں معاشی تحریک کہیں زیادہ طاقتور، ابتدائی اور فیصلہ کن ہوتی ہے، کہ یہاں ہر چیز نسبتی ہے اور کوئی چیز مطلق نہیں ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کا سوال ہے تو ان کے لئے جیسے ہیگل کا وجود ہی نہیں تھا...

فرانس میرنگ کے نام اینگلس کا خط

۱۴ جولائی ۱۸۹۳ء

''داستان لیسنگ'' بھیجنے کے لئے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنے کا پہلا موقع آج مل رہا ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ملنے کی محض رسمی رسید بھیج دوں بلکہ میں اس کے مواد کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس لئے تاخیر ہوئی۔

میں آخر سے شروع کرونگا یعنی ''تاریخی مادیت کے بارے میں'' ضمیمے سے جس میں آپ نے خاص باتوں کو بہت عمدہ طریقے سے اور اس طرح پیش کیا ہے کہ ہر غیرمتعصب شخص ان کا قائل ہوگا۔ اگر اس میں کوئی قابل اعتراض بات ہے تو یہ کہ آپ نے اس میں مجھے اس سے کہیں زیادہ سراہا ہے، جس کے لائق میں ہوں، چاہے میں اس ہر چیز کا شمار بھی کرلوں جو ہو سکتا ہے کہ وقت کے ساتھ میں خود ڈھونڈھ لیتا لیکن جسے مارکس نے اپنی تیزنگاہی اور وسیع نقطۂ نظر کی وجہ سے زیادہ جلدی دریافت کر لیا۔ جب کسی کو خوش قسمتی سے چالیس سال تک مارکس جیسے انسان کے ساتھ ملکر کام کرنے کا موقع ملتا ہے تو عام طور پر اس کی زندگی میں اس کے کام کا اعتراف حسب توقع نہیں ہوتا۔ اور جب عظیم ہستی کی موت ہو جاتی ہے تو کم اہمیت‌والے آدمی کی قدر و قیمت آسانی کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بڑھ جاتی ہے چاہے وہ اس قابل نہ ہو اور یہی صورت میرے ساتھ یہاں ہوئی۔ تاریخ ان سب باتوں کو آخرکار ٹھیک ٹھاک کر دے گی اور اس وقت تک میں ان تمام باتوں سے بےخبر ابدی نیند سو رہا ہوں گا۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں صرف ایک ہی بات کی کمی ہے جس پر مارکس اور میں نے بھی اپنی تحریروں میں کافی زور نہیں دیا ہے اور اس سلسلے میں ہم سب برابر کے قصوروار ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہم سب نے سب سے پہلے سیاسی، قانونی اور دوسرے نظریاتی تصورات اور ان تصورات کے ذریعے پیدا ہونے‌والے اقدامات کی تشریح پر معاشی واقعات کے پیش نظر ہی خاص زور دیا ہے اور ہمیں ایسا کرنا بھی چاہئے تھا۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے ہم نے مواد کی خاطر ہیئت کے پہلو یعنی ان طریقوں اور ذریعوں کو

نظرانداز کر دیا جن سے یہ تصورات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہمارے مخالفین کو غلطفہمیوں اور توڑ مروڑ کا اچھا موقع مل گیا جس کی نمایاں مثال پاؤل بارتھ (۸۶) ہے۔

نظریہ (آئڈیالوجی) وہ عمل ہے جس کو کوئی مفکر شعور کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ یہ سچ ہے لیکن وہ اس کو غلط شعور کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ اصل محرک طاقتیں جو اس کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہیں اس کے لئے انجانی رہتی ہیں ورنہ یہ پھر کوئی نظریاتی (آئڈیالوجیکل) عمل نہیں رہتا۔ اس لئے یہ شخص کچھ غلط یا مفروضہ محرک تصور کر لیتا ہے۔ چونکہ یہ عمل خیال سے تعلق رکھتا ہے اس لئے وہ اس کی ہیئت اور مواد دونوں خالص خیال ہی سے حاصل کرتا ہے جو یا تو اس کے اپنے یا اس کے متقدمین کے ہوتے ہیں۔ وہ محض خیالات کے مواد سے کام لیتا ہے، جس کا جائزہ لئے بغیر وہ اس کو خیال کی تخلیق کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے اور خیال سے کوئی تعلق نہ رکھنےوالے کسی دوسرے سرچشمے کی تلاش میں دور نہیں جاتا۔ دراصل یہ طریقۂ کار اس کےلئے قدرتی اور آسان بات لگتا ہے کیونکہ اس کے لئے سارا عمل خیال ہی کی پیداوار ہوتی ہے اسی لئے وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی بنیاد مختتم طور سے خیال ہی پر ہے۔

اس طرح تاریخی نظریاتداں (یہاں تاریخ کا تعلق ان سیاسی، قانونی، فلسفیانہ، دینی — غرض سماج کے تمام شعبوں سے ہے نہ کہ صرف قدرت کے شعبوں سے) سائنس کے ہر شعبے میں وہ مواد رکھتے ہیں جس نے پچھلی نسلوں کے خیالات سے خودبخود اپنی تشکیل کی ہے اور ان یکے بعد دیگرے آنیوالی پشتوں کے دماغ میں اپنے آزاد ارتقا کے راستے جاگزیں ہوا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک یا دوسرے شعبے کے خارجی واقعات اس ارتقا پر ثانوی اسباب کی حیثیت سے اثر ڈال سکتے ہیں لیکن مسلمہ مفروضہ یہی ہے کہ یہ واقعات خود بھی محض خیال کے عمل کے پھل ہیں اور اس طرح ہم اب بھی خالص خیال ہی کے دائرے میں رہتے ہیں جس نے بظاہر مشکل سے مشکل واقعات کو اپنے میں سمولیا ہے۔

ریاستی ساختوں، قوانین کے نظاموں اور ہر منفرد شعبے میں نظریاتی تصورات کی آزاد تاریخ کا یہ دکھاوا ہی زیادہ تر لوگوں

کو چکا چوند کر دیتا ہے۔ اگر لوتھر اور کالوین سرکاری کیتھولک مذہب کو ''مغلوب،، کر لیتے ہیں یا ہیگل — فیختے اور کانٹ کو یا روسو اپنے ریپبلکن سماجی قرارنامہ کے ذریعے بالواسطہ آئین کے حامی مونتیسکیو کو ''مغلوب،، کر لیتا ہے تو یہ ایک ایسا عمل ہے جو دینیات، فلسفہ یا سیاسی سائنس کے اندر ہی رہتا ہے، خیال کے ان مخصوص شعبوں کی ترقی میں ایک منزل کی نمائندگی کرتا ہے اور خیال کی حدود سے کبھی باہر نہیں جاتا۔ اور چونکہ اس میں سرمایہ‌دارانہ پیداوار کے ابدی اور قطعی ہونے کے بورژوا دھوکے کا اضافہ ہوا ہے اس لئے اس وقت سے ''طبیعات شاہی،، کے حامیوں (physiocrats) اور ایڈم اسمتھ کے ہاتھوں تجارت‌پرستوں کے ''مغلوب،، ہونے کو بھی محض خیال ہی کی فتح سمجھا جاتا ہے۔ اس کو تبدیل‌شدہ معاشی واقعات کا خیال میں عکس نہیں بلکہ ایسے واقعی حالات کا قطعی اور صحیح ادراک سمجھا جاتا ہے جو ہمیشہ اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر رچرڈ شیردل اور فلپ آگسٹ نے صلیبی جنگوں کے بدلے آزاد تجارت قائم کی ہوتی تو ہم ۵۰۰ سال کی تکلیفوں اور بیوقوفیوں سے بچ جاتے۔

معاملے کے اس پہلو کو جس کی طرف میں نے صرف سطحی طور پر اشارہ کیا ہے میرے خیال میں ہم ضرورت سے زیادہ نظرانداز کرتے آئے ہیں۔ یہ پرانی بات ہے کہ پہلے پہل ہیئت کو مواد کے لئے نظرانداز کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں، میں نے بھی یہی کیا ہے اور غلطی کا یہ احساس ہمیشہ میرے ذہن میں صرف بعد میں آتا ہے۔ اس لئے میں آپ کو کسی طرح ملامت نہیں کر رہا ہوں۔ آپ سے پہلے اس کا قصوروار ہونے کی وجہ سے مجھے یہ حق نہیں پہنچتا۔ نہیں، میں یہ نہیں کروں گا۔ پھر بھی مستقبل کے لئے میں آپ کی توجہ اس نکتے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

اس سے وابستہ نظریات دانوں کا یہ بیہودہ تصور بھی ہے: چونکہ ہم مختلف نظریاتی شعبوں کے آزاد تاریخی ارتقا سے منکر ہیں جو تاریخ میں اپنا رول ادا کرتے ہیں اس لئے ہم تاریخ پر ان کے اثر سے بھی منکر ہیں۔ اس کی بنیاد سبب اور نتیجے کے درمیان بعد القطبین ہونے کا فرسودہ غیرجدلیاتی نظریہ ہے اور ان کا باہمی

رد عمل ایک سرے سے نظرانداز کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات اکثر جان بوجھ کر اس کو بھلا دیتے ہیں کہ ایک بار کوئی سیاسی واقعہ کچھ دوسری قسم کے اسباب کے ذریعے، جو بالآخر معاشی اسباب ہی ہوتے ہیں، دنیا میں وجود میں آتا ہے، تو وہ اپنے ماحول پر حتی کہ ان اسباب پر بھی جن کی وہ پیداوار ہے اثرانداز ہوتا ہے یا اثرانداز ہو سکتا ہے۔

بورگئیس کے نام اینگلس کا خط

۲۵ جنوری ۱۸۹۴ء

۱۔ معاشی رشتوں کو، جنھیں ہم سماج کی تاریخ کی قطعی بنیاد خیال کرتے ہیں، ہم وہ طورطریقہ سمجھتے ہیں جس سے کسی معین سماج میں لوگ اپنے گذربسر کے ذرائع پیدا کرتے ہیں اور آپس میں پیداوار کا تبادلہ (جہاں تک کہ محنت کی تقسیم ہوتی ہے) کرتے ہیں۔ اس طرح اس میں پیداوار اور ٹرانسپورٹ کی پوری ٹکنیک آجاتی ہے۔ ہمارے نظریے کے مطابق یہ ٹکنیک تبادلے کے طورطریقے کا بھی تعین کرتی ہے اور آگے چل کر پیداوار کی تقسیم کا بھی اور اس کے ساتھ ہی، قبائلی سماج ختم ہونے کے بعد، طبقات کی تقسیم کا اور اسی لئے ملکیت اور غلامی کے رشتوں کا اور ان کے ساتھ ریاست، سیاست اور قانون وغیرہ کا تعین کرتی ہے۔ علاوہ بریں معاشی رشتوں میں وہ جغرافیائی بنیاد بھی شامل ہے جس پر یہ تعلقات کارفرما ہوتے ہیں اور معاشی ارتقا کی پچھلی منازل کی وہ باقیات جو درحقیقت منتقل ہوکر آج تک آئی ہیں اور زیادہ‌تر روایت یا جمود کی وجہ سے زندہ رہ گئی ہیں۔ ان معاشی رشتوں میں خارجی ماحول بھی شامل ہے جو اس سماج پر محیط ہے۔

اگر، جیسا کہ آپ کا خیال ہے، ٹکنیک کا بڑی حد تک انحصار سائنس کی حالت پر ہے تو سائنس کا اس سے کہیں زیادہ انحصار ٹکنیک کی حالت اور ضروریات پر ہے۔ اگر سماج کو کوئی ٹکنیکی ضرورت ہوتی ہے تو وہ سائنس کو دس یونیورسٹیوں سے زیادہ آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔ آبی قرار و توازن (hydrostatics) کی پوری سائنس (توری‌چیلی وغیرہ) سولھویں اور سترھویں صدی میں اٹلی

کی پہاڑی ندیوں کو قابو میں لانے کی ضرورت ھی سے پیدا ھوئی۔ برقی توانائی کے بارے میں ھم نے اس کے ٹکنیکی استعمال کی دریافت کے بعد ھی ساری معقول باتیں معلوم کی ھیں۔ لیکن بدقسمتی سے جرمنی میں سائنسوں کی تاریخ کے بارے میں اس طرح لکھنے کا رواج ھو گیا جیسے وہ آسمان سے نازل ھوئی ھیں۔

۲۔ ھم معاشی حالات کے بارے میں یہ خیال رکھتے ھیں کہ وہ بالآخر تاریخی ارتقا کا تعین کرتے ھیں۔ لیکن نسل خود ایک معاشی عنصر ھے۔ بہرنوع یہاں دو نکتوں کو نظرانداز نہ کرنا چاھئے:

(الف) سیاست، قانون، فلسفہ، مذھب، ادب اور فن کی ترقی وغیرہ معاشی ترقی پر مبنی ھے۔ لیکن یہ سب ایک دوسرے پر اور ساتھ ھی معاشی بنیاد پر بھی اثرانداز ھوتے ھیں۔ ایسا نہیں ھے کہ معاشی صورت حال ھی واحد سبب ھو اور صرف وھی سرگرم عمل ھو جبکہ اور تمام چیزیں بےاثر نتائج ھوں بلکہ یہاں معاشی ضرورت کی بنیاد پر جو بالآخر اپنے کو موثر بنا لیتی ھے ان چیزوں کا باھمی ردعمل ھوتا ھے۔ مثلاً ریاست حفاظتی محصولوں، آزاد تجارت، اچھے یا برے مالیاتی نظام کے ذریعے اپنا اثر جماتی ھے۔ حتی کہ جرمن تنگ‌نظروں کی اس سخت بےحسی اور بےبسی نے بھی جو ۱۶۴۸ء سے لیکر ۱۸۳۰ء تک جرمنی کی معاشی خراب حالی کی پیداوار تھیں اور جنھوں نے پہلے اپنا اظہار تقوی‌پرستی (۸۷) کی صورت میں اور پھر جذباتیت اور راجوں اور نوابوں کی غلامانہ خوشامد میں کیا معیشت پر اپنا اثر ڈالا۔ یہ نئے ابھار کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ تھی اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ھلی جب تک کہ انقلابی لڑائیوں اور نپولین کی جنگوں نے اس ناسوری غربت کو انتہائی شدید نہیں بنا دیا۔ چنانچہ ایسا نہیں ھے جیسا کہ سادہ‌لوح لوگ تصور کرلیتے ھیں کہ معاشی صورت حال سے کوئی اثر خود بخود برآمد ھوتا ھے۔ نہیں، لوگ اپنی تاریخ خود بناتے ھیں۔ لیکن وہ ایسا کرتے ھیں کسی معینہ ماحول میں، جو ان پر اثرانداز ھوتا ھے اور ان حقیقی رشتوں کی بنیاد پر جو موجود ھوتے ھیں۔ ان حقیقی رشتوں میں معاشی رشتے (ان پر دوسرے یعنی سیاسی اور نظریاتی تعلقات چاھے جتنا اثرانداز کیوں نہ ھوں) بالآخر فیصلہ کن

ہوتے ہیں اور ارتقا میں یہ شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں - اسی طرح صرف یہی ارتقا کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں -

(ب) لوگ اپنی تاریخ خود بناتے ہیں لیکن ابھی تک اجتماعی مرضی اور اجتماعی منصوبے کے مطابق اس کو نہیں کرتے حتی کہ کسی واضح اور خاص طور پر محدود معینہ سماج میں بھی ایسا نہیں کرتے - ان کی خواہشوں میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور اسی سبب سے ایسے سارے سماج ضرورت کی بنا پر چلتے ہیں جس کا تکملہ اور ظاہری شکل اتفاق ہوتا ہے - یہ ضرورت جو سارے اتفاقات کے بیچ سے اپنا راستہ بناتی ہے آخرکار معاشی ضرورت ہی ہوتی ہے - اور یہی وہ مقام ہے جہاں پر عظیم شخصیات کا تذکرہ ضروری ہو جاتا ہے - یہ بات کہ فلاں یا فلاں شخصیت کسی خاص وقت یا خاص ملک میں ابھرتی ہے محض اتفاق کی بات ہے - لیکن اگر اس شخصیت کو الگ کر دیا جائے تو اس کے مبادل کی مانگ ہوگی اور یہ مبادل، خواہ اچھا ہو یا برا، بہرحال وقت کے ساتھ ڈھونڈھ نکالا جائیگا - فرانسیسی ریپبلک کو جو اپنی لڑائیوں سے خستہ حال ہوچکی تھی ایسے فوجی ڈکٹیٹر کی ضرورت تھی جیسا کہ اتفاق سے کورسیکا کا باشندہ نپولین تھا - لیکن اگر نپولین نہ ہوتا تو اس کی جگہ کوئی اور لیتا - اس بات کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ جس آدمی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمیشہ مل جاتا ہے - مثلاً سیزر، آگسٹس اور کراسویل وغیرہ - مارکس نے تاریخ کے مادی نظریے کی دریافت کی جبکہ تئیری، مینئے، گیزو اور ۱۸۵۰ء تک سارے انگریز مؤرخ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ اس کی تلاش شروع ہوچکی تھی اور مارگن نے اسی نظریے کی دریافت کرکے یہ ثابت کردیا کہ اس کے لئے وقت آچکا ہے اور اب اس کو دریافت ہونا ہی ہے -

یہی صورت تاریخ کے دوسرے اتفاقات اور ظاہری اتفاقات کی ہے - وہ معینہ شعبہ جس کی تحقیقات ہم کرتے ہیں معاشی شعبے سے جتنا زیادہ دور اور مجرد نظریاتی خیالات سے قریب ہو جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس کے ارتقا میں ہم اتفاقات پیش آتے ہوئے پائیں گے، اتنا ہی زیادہ اس کے خط میں اتار چڑھاؤ ملیگا - لیکن اگر آپ اس خط کا اوسط محور مقرر کریں تو آپ دیکھیں گے کہ زیرغور جتنی ہی طویل مدت اور جتنا ہی وسیع میدان ہوگا اتنا

ھی زیادہ یہ محور معاشی ترقی کے محور کے متوازی ھوتا جائیگا۔
جرمنی میں صحیح ادراک کےلئے سب سے بڑی رکاوٹ یہ ھے کہ صاحبان ادب معاشی تاریخ کو غیرذمہدارانہ طور پر نظرانداز کر رھے ھیں۔ تاریخ کے جو خیالات اسکول میں آدمی کے دماغ میں بٹھائے جاتے ھیں ان سے نہ صرف چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ھے بلکہ ایسا کرنے کےلئے ضروری مواد اپنانا اس سے بھی مشکل ھے۔ مثلاً شاید ھی کوئی ایسا ھو جس نے کم از کم بوڑھے فون گولیخ کو پڑھا ھو جن کا جمع کیا ھوا خشک مواد (۸۸) بہرحال بےشمار سیاسی واقعات کی وضاحت کےلئے بہت کچھ رکھتا ھے۔
باقی باتوں کےلئے، میرے خیال میں مارکس نے ''اٹھارھویں بروسیئر،، میں جو عمدہ مثال پیش کی ھے آپ کے سوالوں کےلئے کافی معلومات کا باعث ھوگی کیونکہ یہ عملی مثال ھے۔ میں نے بھی اپنے خیال میں زیادہ تر نکات پر ''قاطع ڈیورنگ،، (پہلا حصہ، ۹ — ۱۱ باب، دوسرا حصہ، ۲ — ۴ باب، تیسرا حصہ، پہلا باب اور مقدمے میں) میں اور ''فائرباخ،، (۸۹) کے آخری حصے میں روشنی ڈالی ھے۔
مہربانی کرکے مندرجہ بالا تحریر کے ھر لفظ پر بہت باریکی سے دھیان نہ دیجئے بلکہ عام نقطۂنظر کو دھیان میں رکھئے۔ مجھے افسوس ھے کہ آپ کو جو کچھ میں لکھ رھا ھوں اس کو زیادہ صحت اور قطعیت کے ساتھ لکھنے کے لئے وقت نہیں ھے جیسا کہ مجھے اشاعت کے لئے کرنا پڑتا۔ ...

ولادیمیر لینن

ВУльянов (Ленин)
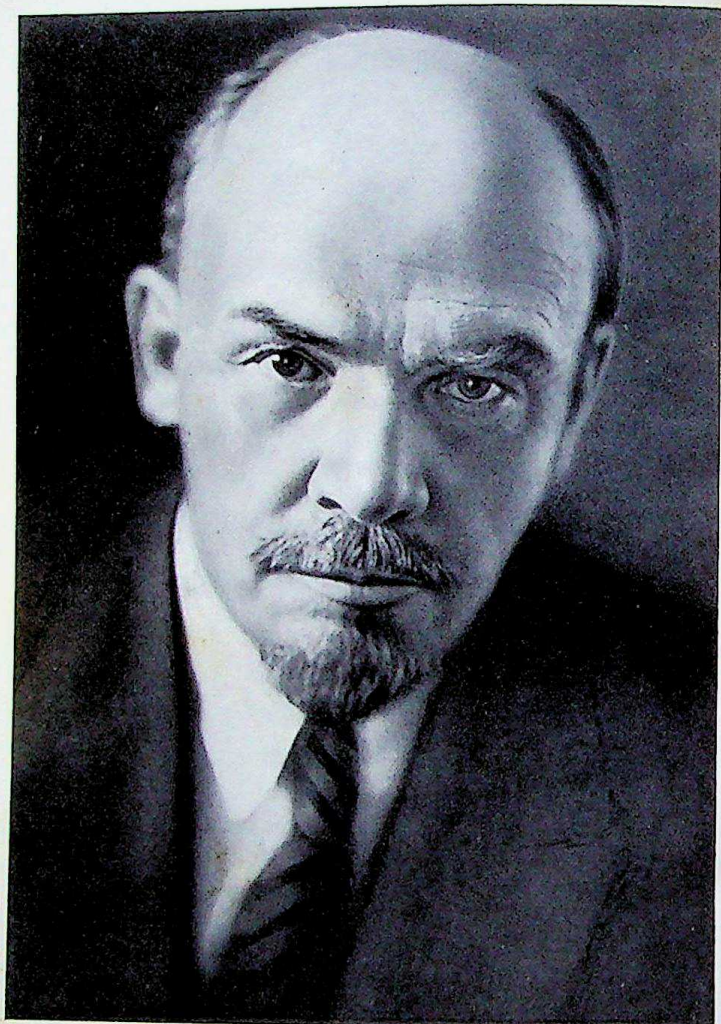
''عوام کے دوست،، کون ہیں اور وہ سوشل ڈیموکریٹوں سے کیسے لڑتے ہیں (۹۰)

(اقتباسات)

مسٹر این ۔ میخائیلوفسکی نے اپنی توجہ خاص طور سے مارکسزم کے نظریاتی اصولوں کے لئے وقف کر رکھی ہے اس لئے انہوں نے تاریخ کے مادی تصور کی ایک خصوصی تفتیش کی ہے ۔ اس نظرئے کی وضاحت کرنےوالے مارکسی ادب کے متن‌وسواد کا عام خاکہ پیش کرنے کے بعد، مسٹر میخائیلوفسکی نے اپنی تنقید مندرجہ‌ذیل شعلہ‌بیانی سے شروع کی ہے : ''سب سے پہلے تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مارکس نے اپنی کس تصنیف میں اپنا تاریخ کا مادی تصور پیش کیا ہے؟ ''سرمایہ،، میں انہوں نے ہمیں تبحر علمی کے ساتھ، سارے معاشی ادب کی اور متعلقہ حقائق کی ایک دقیقہ‌رس تفتیش کے ساتھ منطقی قوت کے امتزاج کی ایک مثال دی ہے ۔ انہوں نے معاشی سائنس کے ان نظریہ دانوں سے روشناس کرایا جنھیں عرصہ ہوا بھلایا جا چکا ہے یا جن سے آج کوئی واقف نہیں ہے اور انہوں نے فیکٹری انسپکٹروں کی رپورٹوں کی یا مختلف خصوصی کمیشنوں کے سامنے ماہرین کی شہادت کی انتہائی جزئی تفصیلات کو بھی نظرانداز نہیں کیا ۔ مختصر یہ کہ انہوں نے کچھ تو اپنے معاشی نظریوں کے لئے دلائل فراہم کرنے کے واسطے اور کچھ ان کی وضاحت کے واسطے حقیقی مواد کے اس زبردست انبار کا جائزہ لیا ۔ اگر انہوں نے تاریخی عمل کا ایک ''مکمل طور پر نیا،، تصور کلی تخلیق کیا ہے، اگر انہوں نے نوع انسانی کے پورے ماضی کی تشریح و توضیح

ایک نئے نقطۂ نظر سے کی ہے اور ابھی تک فلسفۂ تاریخ کے جو نظریے موجود تھے ان کا ماحصل اخذ کیا ہے تو یقیناً انھوں نے یہ بھی اتنے ہی جوش کے ساتھ کیا ہوگا یعنی انھوں نے بلاشبہ تاریخی عمل کے سارے معلوم نظریوں کا تنقیدی تجزیہ کیا ہوگا اور عالمی تاریخ کے حقائق کے ایک انبار پر کام کیا ہوگا۔ ڈارون سے موازنہ بھی، جو مارکسی ادب میں اس قدر عام ہے، اس خیال کی توثیق کرنے کا کام دیتا ہے۔ ڈارون کا سارا کام آخر ہے کیا؟ بعض قریبی طور پر بہم متعلق تعمیماتی خیالات جو حقائق پر مبنی سواد کے ایک دراصل موں‌بلانک کا طرۂ امتیاز ہے۔ لیکن مارکس کی حسب حال تصنیف کہاں ہے؟ اس کا وجود نہیں ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ مارکس کی اس طرح کی کسی تصنیف کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ ایسی کوئی تصنیف سارے مارکسی ادب میں نہیں مل سکتی باوجود اس کے کہ وہ بڑا ضخیم اور جامع نوعیت کا ہے۔ ،،

یہ پوری طول کلامی بہت ہی طرز خاص کی ہے اور ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ لوگ ''سرمایہ،، اور مارکس کو کس قدر کم سمجھتے ہیں۔ مارکس جتنے زبردست قائل کن طریقے سے اپنی بات بیان کرتے ہیں اس سے مرعوب ہوکر یہ لوگ ان کے سامنے سر تعظیم خم کرتے ہیں اور تکریم بجا لاتے ہیں، ان کی تعریفیں کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے نظریے کا بنیادی متن ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ بڑے سکون کے ساتھ ''داخلی عمرانیات،، کا پرانا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں لازمی طور پر اس بہت ہی موزوں پیشانی کا خیال آتا ہے جسے کاؤتسکی نے مارکس کی معاشی تعلیمات کے بارے میں اپنی کتاب کے لئے انتخاب کیا تھا:

اگر کلوپشٹاک ہے تو کون اس کی تعریف نہیں کرے گا؟
لیکن کیا ہر کوئی اسے پڑھے گا بھی؟ نہیں۔
ہم چاہتے ہیں کہ وجد میں کم آئیں،
لیکن پڑھیں زیادہ توجہ سے!*

---

*اصلی اقتباس جرمن نقاد اور ڈرامائی شاعر لیسنگ کا ہے۔ (ایڈیٹر)

بالکل درست! مسٹر میخائیلوفسکی کو چاہئے کہ مارکس کی تعریفیں کم کریں اور اسے زیادہ توجہ سے پڑھیں، بلکہ زیادہ اچھا یہ ہوگا کہ جو کچھ پڑھیں اس پر زیادہ سنجیدگی سے غور کریں۔

مسٹر میخائیلوفسکی کہتے ہیں کہ ''سرمایہ' میں مارکس نے ہمیں تبحرعلمی کے ساتھ منطقی قوت کے امتزاج کی ایک مثال دی ہے''۔ اس جملے میں مسٹر میخائیلوفسکی نے ہمیں ایک چست جملے کے ساتھ جوہر کے فقدان کے امتزاج کی مثال دی ہے، جیسا کہ ایک مارکسی نے کہا ہے۔ اور ان کا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے۔ آخر مارکس کی یہ منطقی قوت کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟ اس کے اثرات کیا تھے؟ مسٹر میخائیلوفسکی کی مندرجہ بالا شعلہ بیانی پڑھ کر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہ قوت محدودترین معنوں میں صرف ''معاشی نظریوں'' پر مرکوز تھی اور بس۔ اور جس میدان میں مارکس نے اپنی منطق کی قوت کو ظاہر کیا ہے اس کی تنگ حدوں پر اور بھی زیادہ زور دینے کے لئے مسٹر میخائیلوفسکی نے ''انتہائی جزئی تفصیلات'' پر، ''دقیقہ رسی'' پر، ''نظریہ داں جن سے آج کوئی واقف نہیں ہے'' پر اور ایسی ہی دوسری چیزوں پر زور دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے مارکس نے ان نظریوں کی ترتیب و توضیع کے طریقوں میں بنیادی طور سے کسی نئی یا قابل ذکر چیز کا اضافہ ہی نہیں کیا، کہ وہ معاشی سائنس کی ان حدود سے تجاوز نہیں کر گئے، جن میں دوسرے معاشیات داں رہے، ان حدود کی توسیع کئے بغیر، خود اس سائنس کے ایک ''بالکل نئے'' تصور کلی کا اضافہ کئے بغیر۔ تاہم جس کسی نے بھی ''سرمایہ'' پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ قطعی غلط ہے۔ اس سلسلے میں لازمی طور پر یاد آتا ہے کہ مسٹر میخائیلوفسکی نے سولہ سال پہلے اس عامی بورژوا مسٹر ژوکوفسکی کے ساتھ بحث کرتے ہوئے مارکس کے بارے میں کیا لکھا تھا۔ شاید وہ زمانہ اور تھا، شاید جذبات تازہ تھے۔ بہر طور اس وقت مسٹر میخائیلوفسکی (۹۱) کے مضمون کا متن اور لہجہ دونوں بالکل مختلف تھے۔

''اس تصنیف کا منتہی مقصد ہے جدید سماج کے ارتقا کے قانون (اصل جرمن میں — حرکت کے معاشی قانون) کو بےنقاب کرنا، یہ کارل مارکس نے اپنی تصنیف 'سرمایہ' کے بارے میں کہا ہے

اور انھوں نے سختی کے ساتھ اس پروگرام کی پابندی کی ہے۔،، مسٹر میخائیلوفسکی نے یہ ۱۸۷۷ء میں کہا تھا۔ آئیے اس پروگرام کو زیادہ اچھی طرح پرکھیں جس کی — جیساکہ ناقد نے اعتراف کیا ہے — سختی کے ساتھ پابندی کی گئی ہے۔ یہ پروگرام ہے ''جدید سماج کے ارتقا کے معاشی قانون کو بےنقاب کرنا،،۔

یہ ترکیب و بندش ہی ہمیں کئی سوالوں سے دوچار کر دیتی ہے جن کی تفصیل و توضیح ضروری ہے۔ مارکس ''جدید،، سماج کی بات کیوں کرتے ہیں جبکہ ان سے پہلے کے سارے معاشیات‌داں بالعموم سماج کی بات کرتے ہیں؟ لفظ ''جدید،، انھوں نے کن معنوں میں استعمال کیا ہے اور کن خصوصیتوں سے وہ اس جدید سماج کی تمیز کرتے ہیں؟ اور پھر یہ کہ سماج کی حرکت کے معاشی قانون سے کیا مطلب ہے؟ ہم تو معاشیات‌دانوں سے یہ سنتے آئے ہیں — اور برسر تذکرہ یہ اس قبیل کے صحافیوں اور معاشیات‌دانوں کے پسندیدہ خیالات میں سے ہے جس سے ''روسکویے بگاتستوو،، (۹۲) کا تعلق ہے — صرف قدروں کی پیداوار کلیتاً معاشی قوانین کی تابع ہوتی ہے جبکہ وہ اعلان کرتے ہیں کہ تقسیم کا دارومدار سیاست پر، اس اثر کی نوعیت پر، جو حکومت سماج پر ڈالتی ہے، دانشوروں وغیرہ وغیرہ پر ہوتا ہے۔ تو پھر مارکس سماج کی حرکت کے معاشی قانون کا ذکر کن معنوں میں کرتے ہیں بلکہ اس کو ایک قانون فطرت بھی کہتے ہیں؟ ہم اس بات کو کس طرح سمجھیں جب ہمارے اتنے بہت سے ملکی عمرانیات‌دانوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کاغذوں کی پوٹ کی پوٹ سیاہ کرڈالی ہے کہ سماجی مظاہر فطری تاریخ کے مظاہر سے خاص طور سے مختلف ہوتے ہیں اور اس لئے اول‌الذکر کی تفتیش ''عمرانیات میں،، ایک قطعی واضح طور سے ''داخلی طریق کار،، سے کام لینے کا تقاضا کرتی ہے۔

یہ ساری الجھنیں قدرتی طور پر اور لازمی طور پر پیدا ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ''سرمایہ،، کی بات کرتے ہوئے کوئی قطعی جاہل ہی ان سے بچ کر نکلنے کی کوشش کرےگا۔ ان سوالوں کی وضاحت کے لئے ہم ''سرمایہ،، کے اس مقدمے سے ایک اور اقتباس نقل کریں‌گے جو چندسطور بعد میں آتا ہے۔

مارکس لکھتے ہیں کہ ''میرے نقطۂ نظر سے سماج کی معاشی

تشکیل کا ارتقا فطری تاریخ کا ایک عمل دکھائی دیتا ہے۔ ،، (۹۳)

مقدسے سے جو دو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں ان کا سوازنہ کرنا ہی یہ دیکھنے کے لئے کافی ہوگا کہ یہ ہے ''سرمایہ،، کا بنیادی خیال جس پر، جیسا کہ ہم نے سنا ہے، بہت استواری کے ساتھ اور بےمثال منطقی قوت کے ساتھ عمل کیا گیا ہے۔ پہلے تو اس سب کے بارے میں دو صورت حالات ذہن نشین کر لیجئے: مارکس صرف ایک ہی ''سماج کی معاشی تشکیل،، کی یعنی سرمایہ‌دارانہ تشکیل کی بات کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے کسی اور کی نہیں بلکہ صرف اسی تشکیل کے ارتقا کے قانون کی تفتیش کی ہے۔ یہ تو ہوئی پہلی صورت حال۔ اور دوسری یہ کہ ان طریق کار کو ذہن نشین کر لیجئے جو مارکس نے اپنے نتائج اخذ کرنے کے لئے استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ابھی مسٹر میخائیلوفسکی سے سنا ہے، یہ طریق کار ''متعلقہ حقائق کی دقیقہ‌رس تفتیش،، پر مشتمل ہیں۔

اب آئیے ''سرمایہ،، کے اس بنیادی خیال کا جائزہ لیں جس سے بچ کر نکلنے کی ہمارے داخلی فلسفی نے اتنی چابکدستی سے کوشش کی ہے۔ سماج کی معاشی تشکیل کا تصور کلی، صحیح معنوں میں کس چیز پر مشتمل ہے؟ اور کس مفہوم میں اس طرح کی تشکیل کے ارتقا کو فطری تاریخ کا ایک عمل سمجھا جا سکتا اور سمجھا جانا چاہئے؟ یہ ہیں وہ سوالات جو اب ہمارے سامنے ہیں۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ پرانے (جو روس کے لئے پرانے نہیں ہیں) معاشیات‌دانوں اور عمرانیات‌دانوں کے موقف کے اعتبار سے سماج کی معاشی تشکیل کا تصور کلی بالکل ہی مد فضول ہے: وہ بالعموم سماج کی بات کرتے ہیں، وہ بالعموم سماج کی فطرت کے بارے میں، بالعموم سماج کے مقصد اور جوہر وغیرہ کے بارے میں اسپنسروں کے ہم‌آواز بن کر دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ اپنی بحثوں میں یہ داخلی عمرانیات‌داں اس طرح کی دلیلوں پر تکیہ کرتے ہیں جیسے کہ سماج کا مقصد ہوتا ہے اپنے سارے اراکین کو فائدہ پہنچانا، کہ اس لئے انصاف اس یا اس طرح کی تنظیم کا تقاضا کرتا ہے، اور یہ کہ جو نظام اس مثالی تنظیم سے ہم‌آہنگ نہ ہو (عمرانیات کو کسی

نہ کسی خیالی دنیا سے شروع کرنا چاھئے،، مسٹر میخائیلوفسکی کے، جو داخلی طریق کار کے بانیوں میں سے ھیں، یہ الفاظ ان لوگوں کے طریق کار کی بڑی شاندار تخصیص کر دیتے ھیں) وہ خلاف عادت ھے اور اسے برطرف کر دینا چاھئے۔ مثلاً مسٹر میخائیلوفسکی دلیل پیش کرتے ھیں کہ ''عمرانیات کا بنیادی کام ھے ان سماجی حالات کی تحقیق کرنا جن کے تحت انسانی فطرت کے کسی خاص تقاضے کی تشفی ھوتی ھو۔،، جیسا کہ آپ دیکھ رھے ھیں، جس چیز سے اس عمرانیات‌داں کو دلچسپی ھے وہ صرف ایک ایسا سماج ھے جو انسانی فطرت کی تشفی کرتا ھو، اور سماج کی کوئی تشکیل ھرگز نہیں جس کی بنیاد کسی ایسے مظہر پر ھو جو ''انسانی فطرت،، سے اتنا بے میل ھو جیسے کہ اقلیت کا اکثریت کو غلام بنا لینا۔ آپ یہ بھی دیکھ رھے ھیں کہ اس عمرانیات داں کے موقف کے اعتبار سے سماج کے ارتقا کو فطری تاریخ کا ایک عمل سمجھنے کا کوئی سوال ھی نہیں ھو سکتا۔ (یہی مسٹر میخائیلوفسکی دلیل پیش کرتے ھیں کہ ''کسی چیز کو پسندیدہ یا ناپسندیدہ مان لینے کے بعد عمرانیات‌داں کو وہ حالات دریافت کرنے چاھئیں جن کے تحت پسندیدہ کو حاصل کیا جا سکے یا نا پسندیدہ کو ختم کیا جا سکے،، — ''جن کے تحت فلاں فلاں آدرشوں کو حاصل کیا جا سکے،،۔) اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ارتقا کی تو بات بھی نہیں ھو سکتی، بات صرف ''پسندیدہ،، سے انحراف کی، ان ''نقائص،، کی ھو سکتی ھے جو اس حقیقت کے نتیجے میں تاریخ میں ھو گئے ھیں کہ لوگ کافی چالاک نہیں تھے، وہ اس بات کو پوری طرح سمجھنے کے لائق نہ تھے کہ انسانی فطرت کس چیز کا تقاضا کرتی ھے، وہ اتنے معقول نظام کے حصول کے لئے حالات دریافت کرنے کے لائق نہ تھے۔ یہ بات بالکل صاف ھے کہ مارکس کا بنیادی خیال کہ سماجی معاشی تشکیلات کا ارتقا فطری تاریخ کا ایک عمل ھے اس بچکانہ اخلاق کی جڑ ھی کاٹ دیتا ھے جو عمرانیات کے خطاب کا دعویدار ھے۔ کن ذرائع سے مارکس اس بنیادی خیال تک پہنچے؟ انھوں نے سماجی زندگی کے مختلف دائروں سے سماجی دائرے کو الگ کرکے، سارے سماجی رشتوں میں سے پیداواری رشتوں کو الگ کرکے، کہ وہ بنیادی اور اولیں ھیں اور دوسرے سارے رشتوں کا تعین کرتے

هیں، یه کام انجام دیا۔ مارکس نے خود اس سوال پر اپنے استدلال کی روش کو مندرجہ‌ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

''جو شکوک مجھے تنگ کر رہے تھے ان کے حل کے لئے میں نے پہلا کام جو کیا وہ تھا حق کے ہیگلی فلسفے کا ایک تنقیدی جائزہ (۹۴)۔ میری تفتیش سے یہ نتیجہ نکلا کہ قانونی رشتوں نیز ریاست کی صورتوں کو نہ خود ان سے سمجھا جا سکتا ہے نہ اس چیز سے جسے انسانی ذہن کا عام ارتقا کہا جاتا ہے۔ ان کی جڑیں زندگی کے مادی حالات میں ہوتی ہیں جن کے مجموعے کو ہیگل اٹھارویں صدی کے انگریزوں اور فرانسیسیوں کی مثال پر عمل کرتے ہوئے ''شہری سماج،، کے نام کے تحت جمع کرتا ہے، یہ کہ بہر حال شہری سماج کی تشریح کو سیاسی معاشیات میں تلاش کرنا چاہئے۔ میں جس عام نتیجے پر پہنچا اسے مختصراً مندرجہ ذیل طریقے پر تشکیل کیا جا سکتا ہے۔ اپنی زندگی کی سماجی پیداوار میں لوگ قطعی رشتے قائم کرتے ہیں پیداواری رشتے۔ یہ رشتے مادی پیداواری قوتوں کے ارتقا کے ایک قطعی مرحلے کے مطابق ہوتے ہیں۔ پیداوار کے ان رشتوں کا ماحصل سماج کے معاشی ڈھانچے کی تشکیل کرتا ہے، اس حقیقی بنیاد کی تشکیل جس پر ایک قانونی اور سیاسی بالائی ڈھانچہ بلند ہوتا ہے اور جس کے مطابق سماجی شعور کی قطعی صورتیں ہوتی ہیں۔ مادی زندگی کی طرز پیداوار زندگی کے بالعموم سماجی، سیاسی اور ذہنی عوامل کو مشروط کرتی ہے۔ لوگوں کا شعور ان کی ہستی کا تعین نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس ان کی سماجی ہستی ان کے شعور کا تعین کرتی ہے۔ سماج کی مادی پیداواری قوتیں اپنے ارتقا کے ایک مخصوص مرحلے پر پیداوار کے موجود رشتوں سے یا — جو کہ اسی چیز کا قانونی اظہار ہے — جائیدادی رشتوں سے متصادم ہوتی ہیں جن کے اندر ابھی تک وہ کام کرتی رہی تھیں۔ یہ رشتے پیداواری قوتوں کے ارتقا کی صورتوں کی بجائے ان کے لئے بیڑیاں بن جاتے ہیں۔ تب سماجی انقلاب کا ایک عہد شروع ہوتا ہے۔ معاشی بنیاد کی تبدیلی کے ساتھ پورے زبردست بالائی ڈھانچے کی کم و بیش جلد ہی تشکیل‌نو ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی تشکیلات نو پر غور کرتے وقت پیداوار کے حالات کی مادی تشکیلات‌نو میں، جنھیں نیچری سائنس کے اعتبار

سے طے کیا جانا چاہئے، اور قانونی، سیاسی، مذہبی، جمالیاتی یا فلسفیانہ ــ مختصر یہ کہ نظریاتی صورتوں میں ہمیشہ امتیاز کرنا چاہئے جن میں لوگ اس تصادم کا شعور حاصل کرتے ہیں اور اس سے جدوجہد کرتے ہیں۔ جس طرح کسی فرد کے بارے میں ہماری رائے اس امر پر نہیں مبنی ہوتی کہ وہ خود اپنے کو کیا سمجھتا ہے، اسی طرح ہم تشکیلاتِ‌نو کے اس طرح کے دور کو خود اس کے اپنے شعور سے نہیں سمجھ سکتے۔ برعکس اس کے اس شعور کی شرح و وضاحت مادی زندگی کے تضادات سے، سماجی پیداواری قوتوں اور پیداوار کے رشتوں کے درمیان موجود تصادم سے کی جانی چاہئے۔ موٹے طور سے ایشیائی، قدیم، جاگیردارانہ اور جدید بورژوا طرز پیداوار سماج کی معاشی تشکیل میں ترقی پسند عہد قرار دئے جا سکتے ہیں۔ ''*

عمرانیات میں مادیت کا یہ خیال بہ‌جائے خود عالی دماغی کا ایک ثبوت تھا۔ قدرتی بات ہے کہ سردست یہ صرف ایک مفروضہ تھا لیکن ایسا مفروضہ جس نے سب سے پہلے تاریخی اور سماجی مسئلوں کے بارے میں ایک پوری طرح سائنسی رویے کا امکان پیدا کیا۔ ابھی تک عمرانیات‌دانوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ پیداوار کے رشتوں جیسے ابتدائی رشتوں کو بھی کس طرح سمجھیں اس لئے انہوں نے سیاسی اور قانونی صورتوں کی براہ‌راست تفتیش اور مطالعہ شروع کر دیا؛ اتفاق سے انہیں یہ حقیقت ہاتھ لگ گئی کہ یہ صورتیں زیر نظر دور میں نوع انسانی کے بعض خیالات سے ابھرتی ہیں اور وہ وہیں رک گئے، ایسا لگا جیسے لوگ سماجی رشتے باشعور طور پر قائم کرتے ہیں۔ لیکن یہ نتیجہ، جو کنترات سوشیال (Contrat Social) (۹۰) کے خیال میں پوری طرح ظاہر کیا گیا ہے (جس کے اثرات یوٹوپیائی سوشلزم کے سارے نظاموں میں بہت نمایاں ہیں)، سارے تاریخی مشاہدات سے بالکل متضاد تھا۔ ایسا کبھی نہیں تھا اور نہ اب ہے کہ سماج کے اراکین ان سماجی رشتوں کے ماحصل کا تصور، جن میں وہ رہتے ہیں، کسی قطعی، سالم، کسی اصول میں رچی بسی ہوئی چیز کی حیثیت سے کر لیتے ہوں۔ اس کے برعکس لوگوں کی

---

*زیرنظر کتاب کے صفحات ۴۸ تا ۵۰ ملاحظہ ہوں۔ (ایڈیٹر)

کثرت لاشعوری طور پر اپنے آپ کو ان رشتوں کے مطابق ڈھالتی ہے اور مختص تاریخی سماجی رشتوں کی حیثیت سے ان کے بارے میں اتنا کم اندازہ رکھتی ہے کہ مثلاً تبادلہ کے رشتوں کے تحت لوگ صدیوں سے رہتے آئے ہیں لیکن ان کی شرح و وضاحت ابھی حال میں حاصل ہوئی ہے۔ مادیت نے تجزیے کو زیادہ گہرائی میں لے جاکر، انسان کے سماجی خیالات ہی کی اصل تک لے جاکر اس تضاد کو دور کردیا ہے۔ اور اس کا یہ نتیجہ، کہ خیالات کی روش کا دارومدار چیزوں کی روش پر ہوتا ہے، واحد صحیح نتیجہ ہے جو سائنسی نفسیات سے مطابقت رکھتا ہے۔ مزیدبرآں، ایک اور پہلو سے بھی اس مفروضے نے عمرانیات کو بلند کرکے پہلی بار ایک سائنس کی سطح پر پہنچا دیا۔ ابھی تک عمرانیات دانوں کو سماجی مظہروں کے پیچ درپیچ جال میں اہم اور غیراہم کے درمیان امتیاز کرنے میں مشکل ہوتی تھی (یہی عمرانیات میں داخلیت پرستی کی جڑ ہے) اور اس طرح کی تفریق کے لئے وہ کوئی معروضی معیار نہ دریافت کرسکے تھے۔ مادیت نے پیداواری رشتوں کو سماج کے ڈھانچے کی حیثیت سے الگ کرکے اور ان رشتوں پر تواتر کے اس عام سائنسی معیار کا اطلاق کرکے جس کے عمرانیات پر قابل اطلاق ہونے سے داخلیت‌پرستوں کو انکار تھا، ایک قطعی طور پر معروضی معیار فراہم کر دیا۔ جب تک داخلیت پرستوں نے اپنے آپ کو نظریاتی سماجی رشتوں تک (یعنی ایسے رشتوں تک جو شکل پذیر ہونے سے پہلے انسان کے شعور* میں سے گذرتے ہیں) محدود رکھا تب تک وہ مختلف ملکوں کے سماجی مظہروں میں تواتر اور باقاعدگی کا مشاہدہ نہ کرسکے اور ان کی سائنس بس زیادہ سے زیادہ ان مظہروں کا بیان، خام مواد کا مجموعہ رہی۔ مادی سماجی رشتوں کے تجزیے نے (یعنی ان رشتوں کے تجزیے نے جو انسان کے شعور سے گذرے بغیر ہی شکل پذیر ہوتے ہیں: پیداوار کا تبادلہ کرتے وقت انسان پیداواری رشتے قائم کرتے ہیں یہ محسوس کئے بغیر بھی کہ اس میں پیداوار کا کوئی سماجی رشتہ ہے) — مادی سماجی رشتوں کے

*ظاہر ہے کہ ہم ہمہ‌وقت کسی اور رشتے کے نہیں بلکہ سماجی رشتوں کے شعور کا حوالہ دے رہے ہیں۔

تجزیے نے تواتر اور باقاعدگی کا مشاہدہ کرنا اور ایک واحد بنیادی تصورکلی یعنی سماجی تشکیل میں مختلف ملکوں کے نظاموں کی تعمیم کرنا فوراً ممکن بنادیا ۔ صرف اسی تعمیم هی نے سماجی مظهروں کے بیان سے (ایک آدرش کے موقف کے اعتبار سے ان کی قدروقیمت کا اندازه لگانے سے) بڑھ کر ان کا قطعی سائنسی تجزیه کرنے کو ممکن بنا دیا جو اس چیز کو الگ کرتا هے جو مثلاً ایک سرمایه‌دار ملک اور دوسرے میں مابه‌الامتیاز هوتی هے اور اس چیز کی تفتیش کرتا هے جو سب میں مشترک هوتی هے ۔

تیسری اور آخری بات یه که اس مفروضے نے کیوں پهلی مرتبه سائنسی عمرانیات کو ممکن بنایا، اس کا ایک اور سبب یه تها که سماجی رشتوں کو پیداواری رشتوں سے اخذ کرکے اور موخرالذکر کو پیداواری قوتوں کی سطح پر لاکر هی اس تصورکلی کے لئے ایک محکم بنیاد فراهم هوئی که سماج کی تشکیلات کا ارتقا فطری تاریخ کا ایک عمل هے ۔ اور یه کهنے کی چنداں ضرورت نهیں که اس طرح کے خیال کے بغیر کوئی سماجی سائنس هو هی نهیں سکتی ۔ (مثلاً داخلیت پرستوں کو اس بات کا اعتراف تها که تاریخی مظاهر قانون کے مطابق هوتے هیں لیکن وه ان کے تکامل کو فطری تاریخ کے ایک عمل کی حیثیت سے سمجھنے کی اهلیت نه رکھتے تھے، ٹھیک اسی لئے که وه انسان کے سماجی خیالات و مقاصد کے سامنے آکر رک جاتے تھے اور انهیں مادی سماجی رشتوں سے اخذ نهیں کر سکتے تھے ۔)

اس کے بعد بهرحال مارکس نے، جنهوں نے اس مفروضے کا اظهار ۱۸۴۰ء کے بعد کی دهائی میں کیا تها، حقیقی (ذهن نشین رهے) مواد کا مطالعه کرنا شروع کیا ۔ انهوں نے سماجی معاشی تشکیلات میں سے ایک کو یعنی جنس تجارت کے نظام کو لیا اور اعدادوشمار کے ایک بهت بڑے انبار کی بنیاد پر (جس کا مطالعه انهوں نے کم سے کم پچیس سال تک کیا) ان قوانین کا ایک انتهائی تفصیلی تجزیه پیش کیا جو اس تشکیل کی کارکردگی اور اس کے ارتقا کو منضبط کرتے هیں ۔ یه تجزیه سماج کے اراکین کے مابین پیداواری رشتوں تک هی محدود هے : شرح و وضاحت کےلئے ان پیداواری رشتوں کے دائرے سے باهر کی خصوصیتوں کا کوئی سهارا لئے بغیر مارکس اس بات کو دیکھ سکنا ممکن بنا دیتے هیں که

سماجی معیشت کی جنس تجارت کی تنظیم کیسے ترقی کرتی ہے، کیسے وہ سرمایہ‌دارانہ تنظیم کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور معاندانہ (پیداواری رشتوں کی حدوں کے اندر) بورژوا اور پرولتاری طبقوں کو جنم دیتی ہے، کیسے وہ سماجی محنت کی پیداواری صلاحیت کو ترقی دیتی ہے اور اس طرح ایک ایسے عنصر کو متعارف کرتی ہے جو خود اس سرمایہ‌دارانہ تنظیم کی بنیاد کے ناقابل مصالحت طور پر متضاد ہوتا ہے۔

یہ ''سرمایہ،، کا خاکہ ہے۔ لیکن ساری بات یہ ہے کہ مارکس اسی خاکے پر قناعت کرکے نہیں بیٹھ رہے، انھوں نے اپنے آپ کو اس اصطلاح کے عام مفہوم میں، ''معاشی نظریے،، تک محدود نہیں رکھا، انھوں نے سماج کی مخصوص تشکیل کے ڈھانچے اور ارتقا کی وضاحت تو صرف پیداواری رشتوں کے ذریعے کی لیکن انھوں نے ہر جگہ اور مسلسل ان پیداواری رشتوں سے مطابقت رکھنےوالے بالائی ڈھانچے کو بھی پرکھا اور اس خاکے کی رنگ آمیزی کی۔ ''سرمایہ،، کو جو اتنی زبردست مقبولیت حاصل ہوئی کہ ایک ''جرمن معاشیات‌داں،، کی اس کتاب نے پوری سرمایہ‌دارانہ سماجی تشکیل کو ایک جاندار چیز کی حیثیت سے قاری کو دکھایا۔ اور یہ بھی اس کے روزمرہ پہلوؤں کے ساتھ، اس طبقاتی معاندت کے واقعی سماجی اظہار کے ساتھ جو پیداواری رشتوں کے خمیر میں ہوتی ہے، بورژوا سیاسی بالائی ڈھانچے کے ساتھ جو سرمایہ‌دار طبقے کی حکومت کی حفاظت کرتا ہے، آزادی، برابری، وغیرہ کے بورژوا خیالات کے ساتھ، بورژوا خاندانی رشتوں کے ساتھ دکھایا۔ اب یہ واضح ہو جائےگا کہ ڈارون کے ساتھ موازنہ پوری طرح صحیح ہے۔ ''سرمایہ،، ''بعض قریبی طور پر باہم متعلق تعمیماتی خیالات جو حقائق پر مبنی مواد کے ایک دراصل موں بلانک کا طرۂ امتیاز،، ہی ہے۔ اور اگر کسی شخص نے ''سرمایہ،، پڑھا ہے اور کچھ ایسی ترکیب کی ہے کہ ان تعمیماتی خیالات کو نہیں دیکھا تو یہ مارکس کا قصور نہیں ہے جنھوں نے، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، مقدمے میں بھی ان خیالات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اتنا ہی نہیں، اس طرح کا موازنہ صرف خارجی ہی پہلو سے نہیں (جس سے کسی نامعلوم سبب کی بنا پر مسٹر میخائیلوفسکی کو خاص طور سے دلچسپی ہے) بلکہ داخلی پہلو سے

بھی صحیح ہے - جس طرح ڈارون نے اس خیال کو ختم کر دیا کہ حیوانات و نباتات کی انواع بے تعلق، اتفاقی، ''خدا کی پیدا کی ہوئی،، اور ناقابل تغیر ہیں اور جس طرح اس نے انواع کی تغیرپذیری اور توارث کو مسلم کرکے حیاتیات کو ایک بالکل سائنسی بنیاد پر قائم کیا اسی طرح مارکس نے اس خیال کو ختم کر دیا کہ سماج افراد کا ایک میکانیکی مجموعہ ہے جو ارباب اقتدار کی مرضی کے مطابق (یا آپ چاہیں تو کہہ لیجئے کہ سماج اور حکومت کی مرضی پر) ہر قسم کے رد و بدل کو روا رکھتا ہے اور جو اتفاقی طور پر وجود میں آتا اور بدلتا ہے، اور انہوں نے مخصوص پیداواری رشتوں کے ماحصل کی حیثیت سے سماج کی معاشی تشکیل کے تصورکلی کو مسلم کرکے، اس حقیقت کو مسلم کرکے کہ اس طرح کی تشکیلات کا ارتقا فطری تاریخ کا ایک عمل ہے، سب سے پہلے عمرانیات کو ایک سائنسی بنیاد پر قائم کیا۔

اب ''سرمایہ،، کے منظر عام پر آنے کے بعد سے تاریخ کا مادی تصور کلی کوئی مفروضہ نہیں ہے بلکہ ایک سائنسی طور پر ثابت کیا ہوا بادلیل دعوی ہے۔ اور تاریخ کا مادی تصور کلی اس وقت تک سماجی سائنس کا مترادف رہےگا جب تک ہم سماج کی کسی تشکیل کی — واضح رہے کہ سماج کی تشکیل نہ کہ کسی ملک، قوم یا طبقے کی طرز زندگی — کارکردگی اور ارتقا کی سائنسی شرح و وضاحت پیش کرنے کی کوشش نہ دیکھیں جو کسی قطعی تشکیل کی بالکل سائنسی توضیح کرنے کے ساتھ اس کی ایسی ہی جاندار تصویر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ مادیت ''بنیادی طور پر تاریخ کا ایک سائنسی تصورکلی،، نہیں ہے، جیسا کہ مسٹر میخائیلوفسکی سمجھتے ہیں، بلکہ یہ اس کا واحد سائنسی تصور کلی ہے۔

اور اب کیا آپ کسی اس سے زیادہ مضحکہ خیز چیز کا تصور کر سکتے ہیں کہ ایسے بھی لوگ ہیں جنھوں نے ''سرمایہ،، پڑھا ہے اور انہیں وہاں مادیت ملی ہی نہیں! مسٹر میخائیلوفسکی بڑی مخلصانہ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ ہے کہاں وہ؟

انہوں نے ''کمیونسٹ مینی فسٹو،، بھی پڑھا ہے اور یہ دیکھنے سے قاصر رہے کہ وہاں جدید — قانونی سیاسی، خاندانی، مذہبی

اور فلسفیانہ — نظاموں کی جو توضیح کی گئی ھے وہ مادی توضیح ھے، اور یہ کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ نظریات کی تنقید بھی ان کی جڑیں فلاں فلاں پیداواری رشتوں میں تلاش کرتی ھے اور دریافت کرتی ھے۔

انھوں نے ''فلسفہ کا افلاس،، پڑھا ھے اور یہ دیکھنے سے قاصر رھے ھیں کہ اس میں پرودھوں کی عمرانیات کا جو تجزیہ کیا گیا ھے وہ مادی موقف سے کیا گیا ھے، کہ پرودھوں نے مختلف النوع تاریخی مسائل کے لئے جو حل بتائے ھیں ان کی تنقید مادیت کے اصولوں پر مبنی ھے اور مصنف نے جو اشارے کئے ھیں کہ ان مسائل کے حل کے لئے اعداد و شمار کہاں تلاش کرنے چاھئیں وہ سب پیداواری رشتوں ھی کے حوالے ھیں۔

انھوں نے ''سرمایہ،، پڑھا ھے اور یہ دیکھنے سے قاصر رھے کہ ان کے سامنے سماج کی ایک — سب سے پیچیدہ — تشکیل کے سائنسی، مادی تجزیے کا ایک نمونہ ھے، ایسا نمونہ جس کو سب تسلیم کرتے ھیں اور جس سے بہتر نمونہ کوئی اور نہیں ھے۔ اور وہ ھیں کہ بیٹھے ھوئے اس عمیق مسئلے پر اپنا مغز عالی کھپا رھے ھیں کہ ''مارکس نے اپنی کس تصنیف میں تاریخ کا اپنا مادی تصور کلی پیش کیا ھے؟،،

جو شخص بھی مارکس سے واقف ھے وہ اس سوال کے جواب میں ایک اور سوال کرے گا کہ مارکس نے اپنی کس تصنیف میں تاریخ کا اپنا مادی تصورکلی نہیں پیش کیا ھے؟ لیکن مسٹر میخائیلوفسکی کو غالباً مارکس کی مادی تفتیش کا پتہ اس وقت چلے گا جب کسی کارئیف کی تاریخ کے بارے میں سوفسطائی کتاب میں ان کی درجہ‌بندی کردی جائے گی اور ''معاشی مادیت،، کی سرخی کے تحت اس کا صحیح طریقے سے اشاریہ بنا دیا جائے گا۔

لیکن سب سے مضحکہ‌خیز چیز یہ ھے کہ مسٹر میخائیلوفسکی مارکس پر الزام لگاتے ھیں کہ انھوں نے ''تاریخی عمل کے سارے معلوم نظریوں کا جائزہ،، (یعنی چہ!) نہیں لیا۔ یہ سچ مچ بڑی دلچسپ بات ھے۔ ان نظریوں کا دس میں سے نو حصے کس چیز پر مشتمل ھیں؟ سماج کیا ھے، ترقی کسے کہتے ھیں اور ایسے ھی دوسرے خالص قیاسی، لکیر کے فقیر، تجریدی مباحث پر۔ (میں

نے جان بوجھ کر ایسی مثالیں لی ہیں جو مسٹر میخائیلوفسکی کے دل ودماغ کو بہت عزیز ہیں۔) لیکن اس طرح کے نظریے اسی حقیقت کی بنا پر بیکار ہیں کہ ان کا وجود ہے، وہ بیکار ہیں اپنے بنیادی طریق کار کی بنا پر، اپنی ٹھوس استوار مابعد الطبیعیات کی بنا پر۔ اس لئے کہ سماج کیا ہے اور ترقی کسے کہتے ہیں جیسے سوالات سے شروع کرنے کا مطلب ہے انجام سے آغاز کرنا۔ اگر آپ نے کسی ایک سماجی تشکیل کا خاص طور سے مطالعہ نہیں کیا، اگر آپ اس تصور کلی کو مسلم کرنے کے لائق ہی نہیں ہوئے، اگر آپ ایک سنجیدہ مبنی بر حقائق تفتیش کے، کسی قسم کے سماجی رشتوں کے ایک معروضی تجزیے کے آس پاس پہنچنے کے لائق بھی نہیں ہوئے تو عام طور سے سماج اور ترقی کا تصور کلی آپ کو ملے گا کہاں سے؟ یہ مابعدالطبیعیات کی ایک سب سے واضح علامت ہے جس سے ہر سائنس شروع ہوئی ہے یعنی جب تک لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ حقائق کا مطالعہ کیسے شروع کریں اسوقت تک انھوں نے ہمیشہ قیاسی عام نظریے ایجاد کئے جو ہمیشہ بانجھ ہوتے تھے۔ مابعدالطبیعیاتی کیمیاداں کیمیاوی عوامل کی مبنی بر حقائق تفتیش کرنے کے لائق نہ تھا تو قوت کی حیثیت سے کیمیاوی مماثلت کے بارے میں ایک نظریہ گھڑ لیتا ہے۔ مابعدالطبیعیاتی حیاتیات‌داں زندگی کی نوعیت اور حیات بخش قوت کی بات کرتا ہے۔ مابعد الطبیعیاتی نفسیات‌داں روح کی نوعیت کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ ان معاملوں میں طریق کار ہی لغو ہے۔ آپ روح کے بارے میں اس وقت تک بحث نہیں کر سکتے جب تک خاص طور پر نفسی عوامل کی وضاحت نہ کردیں۔ اس معاملے میں ترقی اسی بات پر مشتمل ہونی چاہئے کہ روح کی نوعیت کے بارے میں عام نظریوں اور فلسفیانہ مباحث کو ترک کر دیا جائے اور مخصوص نفسی عوامل کے بارے میں حقائق کے مطالعے کو سائنسی بنیاد پر رکھا جائے۔ اس لئے مسٹر میخائیلوفسکی کا الزام بالکل اس مابعدالطبیعیاتی نفسیات‌داں کی طرح کا ہے جس نے اپنی ساری زندگی روح کی نوعیت کے بارے میں ''تفتیشات،، لکھنے میں صرف کردی (ٹھیک طریقے سے یہ بھی جانے بغیر کہ کسی ایک، سادہ‌ترین نفسی مظہر کی وضاحت بھی کیسے کی جائے) اور پھر وہ کسی سائنسی نفسیات‌داں پر یہ

اعتراض کرنا شروع کرے کہ اس نے روح کے سارے معلوم نظریوں کا جائزہ نہیں لیا۔ اس سائنسی نفسیات‌داں نے تو روح کے فلسفیانہ نظریوں کو رد کر دیا ہے اور نفسی مظاہر کی مادی زیریں پرت یعنی اعصابی عوامل کا براہ‌راست مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور اس نے، فرض کیجئے کہ، ایک یا زیادہ نفسیاتی عوامل کا تجزیہ و توضیح پیش کی ہے۔ اور ہمارا مابعد الطبیعیاتی نفسیات‌داں اس تصنیف کو پڑھتا ہے اور اس کی تعریف کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ عوامل کا بیان اور حقائق کا مطالعہ اچھا ہے، لیکن وہ مطمئن نہیں ہے۔ اور جب وہ اپنے اردگرد کے لوگوں کو اس سائنس‌داں کے تخلیق کردہ نفسیات کے بالکل نئے تصور کلی کی اور اس کے خاص سائنسی نفسیات‌والے طریق کار کی باتیں کرتے سنتا ہے تو بڑے جوش میں آکر کہتا ہے، ''معاف کیجئے گا!،،۔ وہ چیخ پڑتا ہے ''معاف کیجئے گا، آخر کس تصنیف میں یہ طریق‌کار بیان کیا گیا ہے؟ آخر اس تصنیف میں سوائے حقائق کے اور دھرا کیا ہے؟ اس میں ''روح کے سارے معلوم فلسفیانہ نظریوں،، کے جائزوں کا تو نام‌ونشان تک نہیں ہے۔ یہ تو مناسب اور صحیح تصنیف ہرگز نہیں ہے!،،

اور اسی طرح سے ظاہر ہے کہ ''سرمایہ،، کسی ایسے مابعدالطبیعیاتی عمرانیات‌داں کے لئے بھی مناسب تصنیف نہیں ہے جو سماج کی نوعیت کے بارے میں اپنی قیاسی دلیلوں کے بانجھپن کو نہیں سمجھتا اور یہ نہیں سمجھتا کہ اس طرح کے طریق کار، مسئلے کے مطالعے اور وضاحت میں معاون ہونے کی بجائے، بس یہ کام انجام دیتے ہیں کہ ''سماج،، کے تصورکلی میں یا تو انگریز دکاندار کے بورژوا خیالات کو داخل کر دیں یا روسی ڈیموکریٹ کے پٹی‌بورژوا سوشلسٹ آدرشوں کو اور بس۔ اس لئے تاریخ کے فلسفے کے یہ سارے نظریات صابون کے بلبلوں کی طرح اٹھے اور پھوٹ گئے اور ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ اپنے زمانے کے سماجی خیالات اور رشتوں کی ایک علامت کی تھی اور انھوں نے چند ہی لیکن حقیقی (نہ کہ ''انسانی فطرت سے ہم‌آہنگ ہونےوالے،،) سماجی رشتوں کے بارے میں انسان کی سمجھ میں بال برابر بھی اضافہ نہیں کیا۔ اس سلسلے میں مارکس نے جو زبردست قدم آگے بڑھایا وہ ٹھیک اسی امر پر مشتمل تھا کہ انھوں نے بالعموم سماج اور ترقی کے بارے میں

ان ساری دلیلوں کو رد کردیا اور ایک سماج اور ایک ترقی یعنی سرمایہ‌دارانہ سماج و ترقی کا ایک سائنسی تجزیہ پیش کیا۔ اور مسٹر میخائیلوفسکی ان پر الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے انجام سے نہیں بلکہ آغاز سے ابتدا کی، آخری نتائج کی بجائے حقائق کے تجزیے سے ابتدا کی، مخصوص، تاریخی طور پر متعین سماجی رشتوں کے مطالعے سے ابتدا کی نہ کہ ان عام نظریوں سے جو اس چیز کے بارے میں ہیں کہ سماجی رشتے بالعموم کس شے پر مشتمل ہیں۔ اور وہ سوال کرتے ہیں کہ ''مناسب اور صحیح تصنیف کہاں ہے؟''، اف، یہ حد سے زیادہ دانشمند داخلیت پرست عمرانیات‌داں!!

اگر ہمارے داخلیت‌پرست فلسفی نے صرف اس حیرانی ہی تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہوتا کہ مادیت کے لئے استدلال کہاں، کس تصنیف میں کیا گیا ہے، تو بھی اتنا برا نہ ہوتا۔ لیکن اس حقیقت کے باوجود کہ انھیں تاریخ کے مادی تصور کلی کا استدلال تو کیا اس کا بیان بھی کہیں نہیں ملا (اور ہو سکتا ہے اسی وجہ سے کہ انھیں نہیں ملا) وہ اس نظریے کے سر ایسے دعوے منڈھنے لگتے ہیں جو اس نے کبھی کئے ہی نہیں انھوں نے بلوس سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مارکس نے تاریخ کے ایک بالکل نئے تصورکلی کا اعلان کیا اور بغیر کسی پس و پیش کے یہ منادی کر بیٹھتے ہیں کہ اس نظریے کا دعوی ہے کہ اس نے ''نوع انسانی کے لئے اس کے ماضی کی شرح و وضاحت''، ''نوع انسانی کے پورے (یعنی چہ!!؟) ماضی'' کی شرح و وضاحت کی ہے۔ لیکن یہ صریحی جھوٹ ہے! اس نظریے کا دعوی صرف یہ ہے کہ اس نے سرمایہ‌دارانہ سماجی تنظیم کی وضاحت کی ہے اور کسی دوسری سماجی تنظیم کی نہیں۔ اگر ایک سماجی تشکیل کے تجزیہ و توضیح پر مادیت کے اطلاق سے اتنے شاندار نتائج برآمد ہو سکتے ہیں تو یہ قدرتی بات ہے کہ تاریخ میں مادیت صرف ایک مفروضہ نہیں رہ گئی بلکہ ایک سائنسی طور پر آزمودہ نظریہ ہو گئی ہے۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ اس طرح کے طریق کار کی ضرورت دوسری سماجی تشکیلات کا بھی احاطہ کر لیتی ہے اگرچہ انھیں کسی خاص مبنی بر حقائق تفتیش اور تفصیلی تجزیے کا موضوع نہیں بنایا گیا — جیسے کہ تقلیب صورت کا خیال، جسے حقائق کی کافی

بڑی تعداد کے سلسلے میں ثابت کیاجا چکا ہے، حیاتیات کی پوری کائنات کا احاطہ کرتا ہے اگرچہ بعض حیوانات و نباتات کے لئے ان کی تقلیب صورت کی حقیقت کو صحت کے ساتھ طے کرنا ابھی تک ممکن نہیں ہوا۔ اور جیسے کہ تقلیب صورت کے خیال کو یہ دعوی نہیں ہے کہ وہ انواع کی تشکیل کی ''پوری،، تاریخ کی وضاحت کرتا ہے بلکہ اس کا دعوی صرف یہ ہے کہ وہ اس وضاحت کے طریق کار کو ایک سائنسی بنیاد پر رکھتا ہے، اسی طرح مادیت نے ہر چیز کی وضاحت کرنے کا کبھی دعوی نہیں کیا بلکہ اسے مارکس (''سرمایہ'') کے الفاظ میں، تاریخ کی وضاحت کا ''واحد سائنسی طریق کار،، دکھانے کا دعوی ہے۔ اس سے یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مسٹر میخائیلوفسکی نے بحث کے جو طریقے اختیار کئے وہ کس قدر طبعزاد، مخلصانہ اور موزوں ہیں۔ پہلے تو انہوں نے تاریخ میں مادیت کے سر ''ہر چیز کی وضاحت،، کا ''سارے تاریخی تالوں کی کنجی،، ڈھونڈ نکالنے کے احمقانہ دعوے منڈھ دئے (ایسے دعوے جن کی تردید مارکس نے میخائیلوفسکی کے مضامین پر اپنے ''خط،، (۹۶) میں فوراً اور بہت ہی تیکھے انداز میں کردی تھی) اور پھر اپنے ہی گھڑے ہوئے ان دعووں پر منہ بنانے لگے اور آخر میں انہوں نے اینگلس کے خیالات کا صحیح صحیح حوالہ دے دیا — صحیح اس لئے کہ اس بار انہوں نے اقتباس نقل کیا ہے اور اپنے الفاظ میں مفہوم نہیں پیش کیا — جس میں یہ کہا گیا ہے کہ مادیت‌پسند سیاسی معاشیات کو جس طرح سمجھتے ہیں اس طرح اسے ''ابھی وجود میں لانا ہے،، اور یہ کہ ''ابھی تک ہمارے پاس جو معاشی سائنس ہے وہ تقریباً کل کی کل،، سرمایہ‌دارانہ سماج کی تاریخ تک محدود ہے (۹۷) — اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ ''یہ الفاظ معاشی مادیت کے میدان کار کو بہت زیادہ محدود کر دیتے ہیں،،! جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کی اس طرح کی چالبازیاں کسی کی سمجھ میں نہ آئیں گی وہ یا تو ازلی سادہ‌لوح ہے یا تو پھر ازلی خردماغ! پہلے تو وہ مارکس کی غلط نمائندگی کرتے ہیں، پھر اپنی ہی جھوٹ کی پوٹ پر منہ بناتے ہیں، پھر صحت کے ساتھ صحیح خیالات نقل کرتے ہیں اور اب بڑی دریدہ‌دہنی سے اعلان کرتے ہیں کہ ان سے معاشی مادیت کا میدان کار محدود ہو جاتا ہے!

مسٹر میخائیلوفسکی کے توڑمروڑ کا انداز اور اس کی نوعیت مندرجہ ذیل مثال سے دیکھی جا سکتی ہے۔ مسٹر میخائیلوفسکی فرماتے ہیں کہ ''مارکس نے کہیں بھی ان کے لئے استدلال نہیں فراہم کیا''، یعنی معاشی مادیت کے نظریے کی بنیادوں کےلئے۔ ''سچ ہے کہ مارکس اور اینگلس نے فلسفے کی تاریخ اور تاریخ کے فلسفے سے متعلق ایک کتاب لکھنے کے بارے میں سوچا تھا اور (۱۸۴۵ء — ۱۸۴۶ء میں) لکھی بھی تھی لیکن وہ شائع نہیں ہوئی۔ اینگلس کا کہنا ہے کہ اس کتاب (۹۸) کا ختم‌شدہ حصہ تاریخ کے مادی تصورکلی کے بیان پر مشتمل ہے جس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت ہمارا معاشی تاریخ کا علم کتنا نامکمل تھا''۔ مسٹر میخائیلوفسکی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ''سائنسی سوشلزم کے اور معاشی مادیت کے نظریے کے بنیادی نکات ایسے وقت دریافت کئے گئے اور پھر مینی‌فسٹو میں بیان کئے گئے جب، جیسا کہ اس کا ایک مصنف اعتراف کرتا ہے، وہ ایسے علم سے بہت معمولی طور پر لیس تھے جو اس طرح کے کام کے لئے درکار تھا''۔

تنقید کا کس قدر دلفریب انداز ہے، ہے نہ؟ اینگلس یہ کہتے ہیں کہ ان کا معاشی ''تاریخ'' کا علم معمولی تھا اور اس سبب سے انھوں نے فلسفے کی تاریخ پر ایک، ''عام''، نوعیت کی کتاب نہیں شائع کی۔ مسٹر میخائیلوفسکی اس کو توڑمروڑ کر یہ مطلب نکالتے ہیں کہ ان کا علم ''اس طرح کے کام'' کے لئے معمولی تھا جیسے کہ ''سائنسی سوشلزم کے بنیادی نکات''، کی توضیح یعنی بورژوا نظام کی ایک سائنسی تنقید، جوکہ مینی‌فسٹو میں پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ دو میں سے ایک بات ہے: یا تو مسٹر میخائیلوفسکی تاریخ کے پورے فلسفے کا احاطہ کرنے کی کوشش اور بورژوا دور کی سائنسی طور پر وضاحت کرنے کی کوشش کے مابین فرق کو نہیں سمجھ سکتے یا پھر وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ مارکس اور اینگلس سیاسی معیشت کی تنقید کےلئے علم نہیں رکھتے۔ اگر ایسا ہے تو یہ ان کی سخت ناانصافی ہے کہ وہ ہمیں اس ناکافی علم کے بارے میں اپنے خیالات سے، اپنی ترمیمات اور اضافوں سے روشناس نہیں کر رہے ہیں۔ فلسفے کی تاریخ کے بارے میں اپنی کتاب نہ شائع کرنے کا اور اپنی ساری کوششوں کو ایک سماجی تنظیم کے سائنسی

تجزیے پر سرکوز کرنے کے بارے میں مارکس اور اینگلس کا فیصلہ بہت بلند درجے کے سائنسی احساس ذمہ‌داری کا ثبوت ھے۔ مسٹر میخائیلوفسکی کا یہ فیصلہ کہ اسے مسخ کرکے اس میں ایک ذرا سا اضافہ کر دیں کہ مارکس اور اینگلس نے اپنے نظریے ایسے وقت بیان کئے جب ان کا علم ان نظریوں کی توضیح کےلئے ناکافی تھا، بحث کے ان طریقوں کا ثبوت ھے جو نہ ذھانت کی گواھی دیتے ھیں نہ شرافت نفس کی۔

ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ مسٹر میخائیلوفسکی کہتے ھیں کہ ''تاریخ کے ایک نظریے کی حیثیت سے معاشی مادیت کے استدلال کےلئے مارکس کے ھمزاد اینگلس نے زیادہ کچھ کیا ھے۔ انھوں نے ایک خاص تاریخی کتاب لکھی ''خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز مارگن کی تحقیقات (im Anschluss) کی روشنی میں،،۔ یہ «Anschluss» سچ سچ مد نظر رکھنے کے قابل ھے۔ امریکی مارگن کی کتاب مارکس اور اینگلس کے معاشی مادیت کے اصولوں کے اعلان کے برسوں بعد اور اس سے بالکل بے تعلق رھتے ھوئے منظر عام پر آئی تھی۔ ،، اور پھر مسٹر میخائیلوفسکی کہتے ھیں کہ ''معاشی مادیت پسندوں نے اپنے آپ کو اس کتاب سے وابستہ کر لیا،،۔ مزیدبرآں، چونکہ ماقبل تاریخ زمانے میں کوئی طبقاتی جدوجہد نہیں تھی اس لئے انھوں نے تاریخ کے مادی تصور کلی کے کلیے میں ایک ''ترمیم،، کردی اور یہ اشارہ کیا کہ مادی قدروں کی پیداوار کے علاوہ ایک فیصلہ کن عنصر خود انسان کی پیدائش یعنی تناسل ھے جس نے ابتدائی دور میں، جب محنت کی پیداواری صلاحیت بہت کم ترقی یافتہ تھی، ایک اھم رول ادا کیا ھے۔

اینگلس کا کہنا ھے کہ ''مارگن کا بڑا کارنامہ یہ ھے کہ انھوں نے شمالی امریکی انڈینوں کی جنس کے رشتوں پر مبنی جماعتوں میں قدیم ترین یونانی، روسی اور جرمن تاریخ کی اھم‌ترین اور ابھی تک لاینحل پہیلیوں کی کنجی ڈھونڈ نکالی،،۔ (۹۹)

اس سلسلے میں مسٹر میخائیلوفسکی فرماتے ھیں کہ ''تو ۱۸۴۰ء کے بعد کی دھائی کے ختم پر تاریخ کا ایک بالکل ھی نیا، مادی اور صحیح معنوں میں سائنسی تصورکلی دریافت کیا گیا اور اس کا اعلان کیا گیا اور اس نے تاریخی سائنس کے لئے وھی کیا

جو ڈارون کے نظریے نے جدید نیچری سائنس کے لئے کیا تھا۔ لیکن اس تصورکلی کے لئے، مسٹر سیخائیلوفسکی ایک بار پھر کہتے ہیں، کبھی سائنسی استدلال نہیں فراہم کیا گیا۔ ''نہ صرف یہ کہ اسے کبھی مبنی بر حقائق مواد کے بڑے اور متنوع میدان میں آزمایا نہیں گیا،، (''سرمایہ،، تو ''مناسب اور صحیح،، تصنیف نہیں ہے اس لئے کہ اس میں صرف حقائق اور دقیقہ رس تفتیشات ہیں!) ''بلکہ تاریخ کے فلسفے کے دوسرے نظاموں کی کم از کم تنقید اور تردید کرکے اس میں کافی جان بھی نہیں پیدا کی گئی۔،، اینگلس کی کتاب «Herrn E. Dührings Umwälzung der Wissenschaft»* ''ایسی چست کوششوں کی نمائندگی کرتی ہے جو رواروی میں کی گئی ہیں،، اور مسٹر سیخائیلوفسکی ان بنیادی سوالوں کے انبار کو پوری طرح نظرانداز کر دینا ممکن سمجھتے ہیں جن سے اس تصنیف میں بحث کی گئی ہے، باوجود اس کے کہ ان ''چست کوششوں،، نے بڑی چستی کے ساتھ ان عمرانیات کے کھوکھلے پن کو اجاگر کیا ہے جو ''یوٹوپیاؤں سے شروع'' کرتی ہیں اور باوجود اس حقیقت کے کہ اس تصنیف میں ''نظریہ قوت،، کی تفصیلی تنقید شامل ہے جس کا دعوی یہ ہے کہ سیاسی اور قانونی نظام معاشی نظاموں کا تعین کرتے ہیں اور جسے ''روسکویے بگاتستوو،، میں لکھنے والے حضرات اس جوش و خروش کے ساتھ اپنا رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی تصنیف میں جو مسائل مادی طور پر حل کئے گئے ہوں ان میں سے کسی ایک کی سنجیدہ جانچ کرنے کے مقابلے میں اس کے بارے میں چند بےمعنی فقرے کس دینا زیادہ آسان ہے۔ اور اس میں کوئی خطرہ بھی نہیں ہے اس لئے کہ سنسر اس کتاب کے ترجمے کو تو کبھی چھپنے کی اجازت دےگا نہیں اور مسٹر سیخائیلوفسکی اپنے داخلیت‌پرستانہ فلسفے کے لئے کوئی خطرہ محسوس کئے بغیر اسے ایک چست کتاب کہہ سکتے ہیں۔

مارکس کے ''سرمایہ،، پر ان کا تبصرہ ان خصوصیات کا اور بھی زیادہ حامل اور کہیں زیادہ سبق‌آموز ہے (اس کہاوت کی ایک

---

*سائنس میں الٹ‌پلٹ جو جناب ایوگینی ڈیورنگ کی تخلیق ہے۔ (ایڈیٹر)

مثال کی حیثیت سے کہ انسان کو زبان دی گئی ہے اپنے خیالات کو چھپانے کےلئے یا خلائے ذہنی کو خیال کی شکل دینے کےلئے) : ''سرمایہ'' میں تاریخ کے وقیع صفحات ہیں، لیکن (یہ کمال کا ''لیکن''! یہ ''لیکن'' سے کہیں بڑھ کر وہ مشہور و معروف «mais» ہے جس کا اگر روسی میں ترجمہ کیا جائے تو مطلب ہوگا کہ ''کان کبھی بھی پیشانی سے اوپر نہیں بڑھتے'') کتاب کے مقصد ھی کی بنا پر وہ صرف ایک قطعی تاریخی دور سے متعلق ہیں اور وہ معاشی مادیت کے بنیادی بادلیل دعوؤں کی اتنی توثیق نہیں کرتے جتنا کہ تاریخی مظہروں کے ایک مجموعے کے معاشی پہلو کا صرف ذکر کرتے ہیں''۔ دوسرے لفظوں میں ''سرمایہ'' میں جو صرف سرمایہ‌دارانہ سماج کے مطالعے کے لئے وقف ہے اس سماج کا اور اس کے بالائی ڈھانچوں کا مادی تجزیہ کیا گیا ہے ''لیکن'' مسٹر میخائیلوفسکی اس تجزیے کو نظرانداز کرنا پسند کرتے ہیں۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں کہ یہ تو صرف ''ایک'' دور سے بحث کرتا ہے جبکہ مسٹر میخائیلوفسکی سارے ادوار کا احاطہ کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح احاطہ کرنا چاہتے ہیں. کہ ان میں سے کسی ایک کا مخصوص طور پر ذکر نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ان سارے ادوار کا احاطہ تو کیا جائے لیکن عملی طور پر کسی سے بھی بحث نہ کی جائے یعنی صرف سطحی باتیں اور فقرے، ''پھڑکتے ہوئے اور کھوکھلے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ اور معاملات کو فقروں میں اڑانے کے فن میں مسٹر میخائیلوفسکی کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ مارکس کی تفتیشات سے (الگ) بحث کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ مارکس ''معاشی مادیت کے بنیادی بادلیل دعوؤں کی اتنی توثیق نہیں کرتے جتنا کہ تاریخی مظہروں کے ایک مجموعے کے معاشی پہلو کا صرف ذکر کرتے ہیں''۔ کیا گہرائی ہے! ''توثیق نہیں کرتے''، بلکہ ''صرف ذکر کرتے ہیں''! کسی سوال کو فقرےبازی میں خبط کر دینا کتنا آسان ہے! مثلاً مارکس جب باربار یہ دکھاتے ہیں کہ کیسے شہری برابری، آزادانہ قرار اور قانون کی پابند ریاست کے ایسے ہی دوسرے اصولوں کی بنیاد جنس تجارت پیدا کرنےوالوں کے مابین رشتوں پر ہوتی ہے،

تو یہ کیا ہے؟ وہ اس مادیت کی توثیق کرتے ہیں یا ''صرف'' اس کا ذکر کرتے ہیں؟ اس انکسار کے ساتھ جو اس کا خاصہ ہے ہمارا فلسفی اصل بات کا جواب دینے سے باز رہتا ہے۔ اور بڑے پھڑکتے ہوئے انداز میں باتیں کرنے اور کچھ نہ کہنے کی اپنی ''چست کوششوں'' سے براہ‌راست نتائج اخذ کرتا ہے۔

اور نتیجہ یہ اخذ کیا گیا ہے کہ ''تبھی تو اس نظریے کا اعلان کئے جانے کے چالیس سال بعد بھی، جس نے عالمی تاریخ کی تشریح کرنے کا دعوی کیا تھا، قدیم یونانی، رومی اور جرمن تاریخ اس کےلئے لاینحل پہیلیاں تھیں۔ اور ان پہیلیوں کی کنجی فراہم کی سب سے پہلے تو ایسے آدمی نے جس کا معاشی مادیت سے کوئی تعلق نہیں تھا اور جو اس سے بالکل ناواقف تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ کام اس نے ایک ایسے عنصر کی مدد سے انجام دیا جو معاشی نہیں تھا۔ ''خود انسان کی پیداوار'' (یعنی تناسل) کی اصطلاح سے ایک قدرے دلچسپ تاثر پیدا ہوتا ہے، جسے اینگلس نے اپنا لیا تاکہ معاشی مادیت کے بنیادی فارمولے کے ساتھ کم سے کم ایک لفظی تعلق تو برقرار رہے۔ لیکن وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ بہت سے ادوار تک نوع انسانی کی زندگی اس کلیے کے مطابق نہیں چلی۔'' مسٹر میخائیلوفسکی آپ کا انداز بحث واقعی ایک ''عجوبہ'' ہے۔ نظریہ یہ تھا کہ تاریخ کی ''تشریح'' کے لئے بنیاد نظریاتی نہیں بلکہ مادی سماجی رشتوں میں تلاش کرنی چاہئے۔ مبنی برحقائق مواد کی کمی نے اس طریق کار کا اطلاق قدیم یورپی تاریخ کے بعض اہم مظہروں، مثلاً ہم‌نسبی تنظیم (۱۰۰) کے تجزیے پر کرنا ممکن نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ پہیلی رہے*۔ لیکن پھر

---

*یہاں بھی مسٹر میخائیلوفسکی منہ بنانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں آخر آپ کا مطلب کیا ہے ایک تو تاریخ کا سائنسی تصور کلی اور پھر بھی قدیم تاریخ ایک پہیلی بنی ہوئی ہے۔ مسٹر میخائیلوفسکی کوئی بھی درسی کتاب اٹھا لیجئے اور آپ کو معلوم ہوجائےگا کہ ہم نسبی تنظیم کا مسئلہ مشکل‌ترین مسئلوں میں سمجھا جاتا ہے اور اس کی وضاحت کےلئے بےشمار نظریے پیش کئے گئے ہیں۔

مارگن نے امریکہ میں جو مواد کی دولت جمع کی اس نے ان کو اس لائق بنا دیا کہ وہ ہم‌نسبی تنظیم کی نوعیت کا تجزیہ کر سکیں؛ اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی وضاحت نظریاتی (مثلاً قانونی یا مذہبی) رشتوں میں نہیں بلکہ مادی رشتوں میں تلاش کرنی چاہئے۔ صریحی طور پر یہ حقیقت مادی طریق کار کی ایک قابل قدر توثیق ہے اور بس۔ اور جب مسٹر میخائیلوفسکی اس نظریے کو ہدف ملامت بناتے ہیں کہ اول تو بہت مشکل تاریخی پہیلیوں کے لئے کنجی ایک ایسے شخص نے دریافت کی جس کا معاشی مادیت کے نظریے سے ''کوئی تعلق،، نہیں تھا، تو بس اس بات پر حیرت کی جا سکتی ہے کہ لوگوں کو یہ تمیز کیوں نہیں رہ جاتی کہ کون‌سی چیز ان کے حق میں اور کون‌سی چیز انہیں بالکل مات دے دیتی ہے۔ دوسرے، ہمارا فلسفی دلیل پیش کرتا ہے، تناسل کوئی معاشی عنصر نہیں ہے۔ لیکن آپ نے مارکس اور اینگلس کی تصنیفات میں یہ کہاں پڑھا ہے کہ وہ لازمی طور پر صرف معاشی مادیت ہی کی بات کرتے ہیں؟ جب انہوں نے اپنے عالمی انداز نظر کو بیان کیا تو اسے صرف مادیت کہا۔ ان کا بنیادی خیال (جو مثلاً مارکس کے مندرجہ‌بالا اقتباس میں خاصی‌قطعیت کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے) یہ تھا کہ سماجی رشتے مادی اور نظریاتی رشتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ موخرالذکر محض اول‌الذکر کا بالائی ڈھانچہ ہوتے ہیں جو انسان کی مرضی اور اس کے شعور سے بے‌تعلق رہتے ہوئے اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے انسان کی سرگرمی کی صورت (نتیجے) کی حیثیت سے شکل پذیر ہوتے ہیں۔ سیاسی اور قانونی صورتوں کی توضیح (مارکس نے نقل کردہ عبارت میں کہا ہے) ''زندگی کے مادی حالات،، میں تلاش کی جانی چاہئے۔ مسٹر میخائیلوفسکی یہ تو یقیناً نہ سمجھتے ہوں‌گے کہ تناسل کے رشتے نظریاتی ہوتے ہیں؟ اس سلسلے میں مسٹر میخائیلوفسکی نے جو وضاحت کی ہے وہ ان کے خاص انداز کی اس قدر نمائندگی کرتی ہے کہ اس پر زور دیا جانا چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ '' 'تناسل، کے سوال پر ہم اپنا زور طبع چاہے جس قدر صرف کریں اور اس میں اور معاشی مادیت میں ایک لفظی تعلق قائم کرنے کی چاہے جس قدر کوشش کریں، سماجی زندگی کے مظہروں کے پیچ درپیچ جالے میں دوسرے، جن

میں معاشی بھی شامل ہے، مظہروں میں وہ چاہے جس قدر الجھا
ہوا ہو، اس کی اپنی عضویاتی اور نفسیاتی جڑیں ہیں۔ (مسٹر
میخائیلاوفسکی، کیا آپ ننھے منوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ تناسل
کی عضویاتی جڑیں ہوتی ہیں؟ آپ کسے بیوقوف بنا رہے ہیں؟)
اور اس سے ہمیں پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ معاشی مادیت کے نظریہ دانوں
کو نہ صرف تاریخ سے بلکہ نفسیات سے بھی معاملات طے کرنے میں
ناکامی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم‌نسبی رشتوں
کی وہ اہمیت اب مہذب ملکوں کی تاریخ میں نہیں رہی لیکن براہ‌راست
جنسی اور خاندانی رشتوں کے بارے میں یہ بات اسی یقین کے ساتھ
مشکل ہی سے کہی جا سکتی ہے۔ ان میں بالعموم زندگی کی روزافزوں
پیچیدگی کے دباؤ کے تحت ظاہر ہے کہ کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں
لیکن یک‌گونہ جدلیاتی چابکدستی سے یہ دکھایا جا سکتا ہے کہ
صرف قانونی ہی نہیں بلکہ معاشی رشتوں کی حیثیت بھی جنسی اور
خاندانی رشتوں پر ایک بالائی ڈھانچے کی ہے۔ ہم اس کی تفصیل
میں نہیں جائیں گے لیکن پھر بھی توارث کے ادارے کی طرف کم
سے کم اشارہ کریں گے۔"

بالآخر ہمارے فلسفی نے یہ خوش نصیبی حاصل کرلی کہ
کھو کھلی فقرے بازی* کے دائرے کو چھوڑ کر حقائق، قطعی
حقائق تک آگیا جن کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور جو اصل معاملے
کے بارے میں لوگوں کو بیوقوف بنانے کو نسبتاً زیادہ مشکل بنا
دیتے ہیں۔ تو آئیے دیکھیں کہ ہمارا مارکس کا ناقد یہ کیسے
ثابت کرتا ہے کہ توارث کا ادارہ جنسی اور خاندانی رشتوں پر

---

*واقعہ یہ ہے کہ ایسی ترکیب کو اور کس نام سے یاد
کیا جا سکتا ہے جس کو استعمال کرکے مادیت پسندوں پر الزام
لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے تاریخ کے ساتھ معاملہ طے نہیں کیا،
لیکن اس طرح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی کہ مادیت‌پسندوں
نے مختلف تاریخی مسائل کی جو متعدد مادی توضیحات پیش کی ہیں
ان میں سے کسی ایک کا بھی جائزہ لیا جائے؟ — یا جس کو استعمال
کرکے یہ بیان دیا جاتا ہے کہ ہم اسے ثابت تو کر سکتے ہیں
لیکن ہم اس چکر میں نہیں پڑیں گے؟

ایک بالائی ڈھانچہ ہے۔ مسٹر میخائیلوفسکی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ''جو چیز توارث سے منتقل کی جاتی ہے وہ معاشی پیداوار کی پیداوار ہوتی ہے (''معاشی پیداوار کی پیداوار،،!! کس قدر عالمانہ انداز ہے! کیا گونج ہے! کتنی شائستہ زبان ہے!) اور توارث کے ادارے ہی کا تعین ایک حدتک معاشی مقابلے سے ہوتا ہے۔ لیکن پہلی بات تو یہ کہ توارث سے غیرمادی قدریں بھی منتقل ہوتی ہیں — جیسا کہ اپنے آبا کے انداز پر بچوں کی پرداخت کی فکر سے ظاہر ہوتا ہے۔ ،، تو بچوں کی پرداخت توارث کے ادارے کا حصہ ہے! مثلاً روسی ضابطۂ دیوانی میں ایک دفعہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''والدین کو گھریلو پرداخت کے ذریعے ان کے (یعنی اپنے بچوں کے) اخلاق کی تربیت کرنے اور حکومت کے مقاصد کو آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے،،۔ کیا اسی کو ہمارا فلسفی توارث کا ادارہ کہتا ہے؟ — ''اور دوسری بات یہ کہ اگر ہم اپنے آپ کو صرف معاشی دائرے تک محدود رکھیں تو بھی، اگر توارث کے ذریعے پیداوار کی پیداوار کے بغیر توارث کے ادارے کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے تو ٹھیک اسی طرح 'تناسل، کی پیداوار کے بغیر، ان کے بغیر اور اس پیچیدہ اور شدید نفسیات کے بغیر بھی جو براہ راست ان سے وابستہ ہوتی ہے، اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا،،۔ (زبان کی طرف خاص توجہ کیجئے: ایک پیچیدہ نفسیات تناسل کی پیداوار سے ''وابستہ ہوتی ہے،،! سچ مچ بڑی پرکار زبان ہے۔) تو، توارث کا ادارہ خاندانی اور جنسی رشتوں پر ایک بالائی ڈھانچہ ہے اس لئے کہ تناسل کے بغیر توارث کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا! ارے یہ تو امریکہ کی زبردست دریافت کی طرح ہے! ابھی تک ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ تناسل سے توارث کے ادارے کی وضاحت بس اتنی ہی ہو سکتی ہے جیسےکہ کھانے کی ضرورت سے جائیداد کے ادارے کی۔ ابھی تک ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ مثلاً اگر اس زمانے میں جب روس میں باجگذاری کا نظام (۱۰۱) عروج پر تھا اور زمین توارث سے نہیں منتقل ہو سکتی تھی (اس لئے کہ اسے صرف مشروط جائیداد سمجھا جاتا تھا)، تو اس کی توضیح اس زمانے کی سماجی تنظیم کی خصوصیتوں میں تلاش کرنی چاہئے۔ مسٹر میخائیلوفسکی غالباً،، یہ سمجھتے ہیں کہ اس معاملے

کی توضیح صرف یہ ہے کہ اس زمانے کے جاگیردار کے تناسل کی پیداوار سے جو نفسیات وابستہ تھی اس کا امتیاز یہ تھا کہ وہ کافی پیچیدہ نہیں تھی۔

ہم ایک معروف کہاوت میں ذراسا ترمیم کرکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''عوام کے دوست'' کو کھرچئیے تو اندر سے ایک بورژوا نکلے گا۔ واقعی، توارث کے ادارے اور بچوں کی پرداخت، تناسل کی نفسیات وغیرہ کے درمیان جو تعلق ہے اس کے بارے میں مسٹر میخائیلوفسکی کے افکار کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں سوائے اس کے کہ توارث کا ادارہ اتناہی دائمی، بنیادی اور مقدس ہے جتناکہ بچوں کی پرداخت؟ یہ سچ ہے کہ مسٹر میخائیلوفسکی نے یہ اعلان کرکے اپنے لئے ایک راہ فرار کھلی رکھی ہے کہ ''توارث کا ادارہ ایک حد تک معاشی مقابلے کی حقیقت سے متعین ہوتا ہے'' لیکن یہ سوال کا قطعی جواب دینے سے کترانے کی محض ایک کوشش ہے اور لاحاصل کوشش ہے۔ ہم اس بیان پر کیسے غور کر سکتے ہیں جب ہمیں اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا گیا کہ ٹھیک ٹھیک کس ''ایک حد تک'' توارث کا دارومدار مقابلے پر ہے اور اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ مقابلے اور توارث کے درمیان اس تعلق کو کونسی حقیقت جنم دیتی ہے؟ دراصل توارث کا ادارہ ذاتی جائیداد کے وجود کو فرض کرتا ہے اور ذاتی جائیداد صرف تبادلے کے وجود پذیر ہونے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً جب تک قدیمی ابتدائی امریکی انڈین برادری کے سارے اراکین اپنی ضرورت کی ساری چیزیں مشترکہ طور پر پیدا کرتے تھے تب تک ذاتی جائیداد ناممکن تھی۔ لیکن جب برادری پر تقسیم محنت کا حملہ ہوا اور اس کے اراکین نے انفرادی طور پر کسی ایک چیز کی پیداوار کرنا اور اسے منڈی میں بیچنا شروع کیا تو جنس تجارت کی پیداوار کرنےوالوں کی اس مادی علحدگی کا اظہار ذاتی جائیداد کے ادارے میں ہوا۔ ذاتی جائیداد اور توارث ایک سماجی نظام کے زمرے ہیں جس میں الگ الگ، چھوٹے چھوٹے (یک زوجی) خاندان بن‌چکے تھے اور تبادلے کا ارتقا ہونے لگا تھا۔ مسٹر میخائیلوفسکی اپنی مثال سے جو کچھ ثابت کرنا چاہتے تھے اس کا بالکل الٹا اس سے ثابت ہوتا ہے۔

۔مسٹر میخائیلوفسکی ایک اور مبنی بر حقیقت مثال دیتے ہیں اور وہ بھی اپنی طرح کا جواہر پارہ ہے! مادیت کی حسب دستور تصحیح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ''جہاں تک ہم‌نسبی رشتوں کا تعلق ہے تو وہ مہذب قوموں کی تاریخ میں جزوی طور پر یہ سچ ہے کہ پیداوار کی صورتوں کے اثر کی کرنوں کے تحت مرجھا گئے،، (ایک اور چال، صرف یہ کہ یہ اور بھی زیادہ صریحی ہے۔ پیداوار کی ٹھیک ٹھیک کون‌سی صورتیں؟ ایک اور کھو کھلا فقرہ!) ''لیکن جزوی طور پر وہ خود اپنے تسلسل اور تعمیم میں یعنی قومی رشتوں میں محلول ہو گئے،،۔ تو قومی رشتے ہم‌نسبی رشتوں کا تسلسل اور تعمیم ہیں! لگتا ہے مسٹر میخائیلوفسکی سماج کی تاریخ کے بارے میں اپنے خیالات ان کہانیوں سے مستعار لیتے ہیں جو اسکولی بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ اسکولی کاپیوں کا کلیہ یوں ہے کہ سماج کی تاریخ اس طرح ہے کہ پہلے خاندان تھا، جو ہر سماج کا مرکزہ ہے*، پھر ہمیں بتایا جاتا ہے کہ خاندان بڑھ کر قبیلہ ہوا اور قبیلہ بڑھ کر ریاست بنا۔ اگر مسٹر میخائیلوفسکی بڑے ثقہ انداز میں اس بچکانہ لغویت کو دھراتے ہیں تو ہر چیز سے قطع نظر اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو روسی تاریخ کی روش کا بھی موہوم سا اندازہ تک نہیں ہے۔ قدیم روس کی تاریخ میں تو ہم‌نسبی رشتوں کی بات خیر کی جاسکتی ہے لیکن اس بات میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ ازمنۂ وسطی یعنی ماسکو کے زاروں کے عہد تک میں ریاست کی بنیاد ایسی وابستگیوں پر تھی جو ہم‌نسبی ہرگز نہیں تھیں بلکہ مقامی تھیں: زمینداروں اور خانقاہوں نے مختلف بستیوں سے کسان حاصل کر لئے تھے اور اس طرح جو برادریاں بنی تھیں وہ خالص خطہ‌واری وابستگیاں تھیں۔ لیکن اس زمانے میں صحیح معنوں میں قومی رشتوں کی بات مشکل ہی

---

*یہ ایک بورژوا خیال ہے۔ دراصل الگ الگ، چھوٹے خاندانوں کا زور صرف بورژوا عہد میں ہوا ہے۔ زمانہ ماقبل تاریخ میں ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ بورژوا کی یہ سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ وہ جدید نظام کے خدوخال کا اطلاق سارے زمانوں اور ساری قوموں پر کرتا ہے۔

سے کی جا سکتی ہے: ریاست الگ الگ ''علاقوں،، میں، کبھی کبھی رجواڑوں تک میں بٹ جاتی تھی، جو سابق خوداختیاری کے گہرے اثرات، انتظامیہ کی خصوصیتیں، کبھی کبھی خود اپنی فوجیں (مقامی بویار خود اپنی ٹکڑیوں کی سالاری کرتے ہوئے جنگ میں جاتے تھے)، چنگی کی اپنی سرحدیں وغیرہ برقرار رکھتے تھے۔ یہ روسی تاریخ کے صرف جدید دور کی (تقریباً سترھویں صدی سے) خصوصیت ہے کہ اس طرح کے سارے علاقے تعلقے اور رجواڑے ایک واحد کل میں واقعی طور پر یکجا ہو گئے۔ محترم مسٹر میخائیلوفسکی یہ یکجائی ہم‌نسبی رشتوں کی لائی ہوئی نہیں تھی، نہ ان کے تسلسل اور تعمیم کی۔ یہ علاقوں کے درمیان بڑھتے ہوئے تبادلے کی اور اجناس تجارت کے بتدریج بڑھتے ہوئے دوران کی اور چھوٹی چھوٹی مقامی منڈیوں کے ایک واحد کل‌روس منڈی میں مرکوز ہو جانے کی لائی ہوئی تھی۔ چونکہ اس عمل کے رہنما اور مالک سوداگر سرمایہ‌دار تھے اس لئے ان قومی رشتوں کی تخلیق بورژوا رشتوں کی تخلیق کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ اپنے دونوں مبنی بر حقیقت حوالوں سے مسٹر میخائیلوفسکی نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی ماری ہے اور ہمیں بورژوا سوقیانہ‌پن کے علاوہ اور کچھ نہیں دیا۔ ''سوقیانہ‌پن،، اس لئے کہ انہوں نے توارث کے ادارے کی توضیح تناسل اور اس کی نفسیات سے کی اور قومیت کی توضیح ہم‌نسبی رشتوں سے کی، ''بورژوا،، اس لئے کہ انہوں نے ایک تاریخی اعتبار سے قطعی سماجی تشکیل (جو تبادلے پر مبنی تھی) کے زمروں اور بالائی ڈھانچوں کو ایسے عام اور دائمی زمرے کی طرح سمجھ لیا جیسے کہ بچوں کی پرداخت اور ''براہ‌راست،، جنسی رشتے۔

اس سلسلے میں جو چیز انتہائی مخصوص انداز کی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے داخلیت پرست فلسفی نے جیسے ہی فقروں سے گذرکر ٹھوس حقیقتوں تک پہنچنے کی کوشش کی ویسے ہی وہ آلائش میں جاپھنسے۔ اور لگتا یہ ہے کہ وہ اس مقام پر، جو کچھ زیادہ صاف نہیں ہے، بہت مزے میں ہیں۔ وہاں بیٹھے ہوئے وہ اپنے پر پھلا رہے ہیں اور چاروں طرف گندگی اچھال رہے ہیں۔ مثلاً وہ اس مقالے کو رد کرنا چاہتے ہیں کہ تاریخ طبقاتی جدوجہد کے پے‌درپے واقعات کا نام ہے۔ اور اس لئے بڑی گہری بات کہنے

کے انداز میں وہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ انتہاپسندی ہے اور کہتے ہیں کہ ''محنت کش عوام کی بین‌الاقوامی انجمن جو مارکس نے بنائی تھی اور طبقاتی جدوجہد کے مقاصد کے لئے منظم کی گئی تھی فرانسیسی اور جرمن مزدوروں کے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے اور ایک دوسرے کو لوٹنے میں مانع نہیں ہوئی''— یہ ایسی چیز ہے جو، ان کے فرمانے کے مطابق، ثابت کرتی ہے کہ مادیت نے ''قومی غرور اور قومی نفرت کے دیو سے'' بھی معاملے طے نہیں کیا۔ اس طرح کا دعوی یہ ظاہر کرتا ہے کہ ناقد اتنی سی بات سمجھنے سے بالکل قاصر رہا ہے کہ تجارتی اور صنعتی بورژوازی کے حقیقی مفاد ہی اس نفرت کی خاص بنیاد ہیں اور قومی جذبے کی بات ایک بے تعلق عنصر کی حیثیت سے کرنے کا مطلب ہے اصل معاملے کو مبہم بنا دینا۔ برسرتذکرہ ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ قومیت کے بارے میں ہمارے فلسفی کا خیال کس قدر گہرا ہے۔ مسٹر میخائیلوفسکی انٹرنیشنل کا ذکر اور کسی طرح کر ہی نہیں سکتے سوائے اس کے کہ بورینن (۱۰۲) کی طرح کے طنز کے ساتھ کریں۔ ''مارکس محنت کش عوام کی بین‌الاقوامی انجمن کے سربراہ تھے جو یہ سچ ہے کہ بکھر چکی ہے لیکن اسے دوبارہ زندہ کیا جانےوالا ہے۔'' ظاہر ہے کہ اگر بین‌الاقوامی سالمیت کے nec plus ultra* کو ''عادلانہ'' تبادلے کے ایک نظام میں دیکھنا ہے، جس پر امور داخلہ کے وقائع نگار نے ''روسکویے بگاتستوو'' کے شمارہ ۲ میں بدتہذیب سوقیانہ‌پن کے ساتھ زورقلم صرف کیا ہے، اور اگر یہ نہ سمجھا جائے کہ تبادلہ، وہ عادلانہ ہو یا غیرعادلانہ، بورژوازی کی حکمرانی کو مان کر آگے بڑھتا ہے، اسے شامل رکھتا ہے اور بین الاقوامی تصادموں کا رکنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک تبادلے پر مبنی معاشی تنظیم نہ تباہ ہو جائے، تو یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ انٹرنیشنل کا صرف مذاق ہی اڑایا جاتا ہے۔ پھر یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ مسٹر میخائیلوفسکی کی عقل میں یہ سادہ سی سچائی نہیں آسکتی کہ محکوم و مجبور طبقے کو

---

*انتہائی منزل۔ (ایڈیٹر)

حاکم و جابر طبقے کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے ہر الگ الگ ملک میں منظم کرنے کے علاوہ، بین‌الاقوامی سرمائے سے لڑنے کے لئے اس طرح کی مزدور طبقے کی قومی تنظیموں کو مزدور طبقے کی ایک واحد بین‌الاقوامی فوج میں متحد کرنے کے علاوہ قومی نفرت کا مقابلہ کرنے کا اور کوئی راستہ ھی نہیں ھے۔ رھا یہ بیان کہ انٹرنیشنل مزدوروں کے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مانع نہیں ھوا تو مسٹر میخائیلوفسکی کو کمیون کے واقعات یاد دلانا ھی کافی ھوگا جس نے برسرجنگ حکمراں طبقوں کے بارے میں منظم پرولتاریہ کے اصل رویہ کو دکھا دیا تھا۔

مسٹر میخائیلوفسکی کے اس پورے مناظرے میں جو چیز خاص طور سے نفرت‌خیز ھے وہ ھے وہ طریقے جو انھوں نے استعمال کئے ھیں۔ اگر وہ انٹرنیشنل کی تدبیروں سے غیرمطمئن ھیں، اگر وہ ان خیالات کے حامی نہیں ھیں جن کے نام پر یورپی مزدور منظم ھو رھے ھیں تو وہ کم از کم ان پر دوٹوک اور علانیہ تنقید تو کریں اور اپنے خیالات بیان کریں کہ زیادہ مناسب تدبیریں کیا ھوں‌گی اور زیادہ صحیح خیالات کیا ھوں‌گے۔ لیکن صورت یہ ھے کہ کوئی قطعی اور واضح اعتراضات نہیں کئے جاتے اور ھمیں ملتا کیا ھے بس فقرےبازیوں کے انبار میں یہاں وھاں بکھرے ھوئے بےمعنی طعن وتشنیع۔ اسے سوائے گندگی کے اور کیا کہا جا سکتا ھے خاص طور سے اگر ھم اس بات کو ذھن میں رکھیں کہ انٹرنیشنل کے خیالات اور طریق کار کی مدافعت کی روس میں قانونی طور پر اجازت نہیں ھے؟ اور ایسے ھی طریقے مسٹر میخائیلوفسکی روسی مارکسیوں کے خلاف بحث کرنے میں بھی استعمال کرتے ھیں۔ ان کے کسی بھی مقالے کو ذمہ‌داری کے احساس اور صحت کے ساتھ بیان کرنے کی زحمت کئے بغیر، تاکہ ان پر براہ‌راست اور قطعی تنقید کی جا سکے، وہ اس بات کو ترجیح دیتے ھیں کہ مارکسی دلیلوں کے جو حصے انھوں نے اتفاق سے سن لئے انھیں پر تکیہ کریں اور انھیں توڑ مروڑ کر پیش کریں۔ آپ خود ھی فیصلہ کر لیجئے: ’’مارکس اتنے ذھین اور اتنے عالم تھے کہ وہ یہ خیال ھی نہ کر سکتے تھے کہ تاریخی ضرورت اور سماجی مظہروں کے قانون سے مطابقت کا

خیال انھوں نے دریافت کیا ھے... نچلے زینے (مارکسی سیڑھی کے)*
اس بات کو نہیں جانتے،، (کہ ''تاریخی ضرورت کا خیال کوئی
نئی چیز نہیں ھے جسے مارکس نے ایجاد یا دریافت کیا ھو بلکه
ایک عرصے سے مسلمه سچائی ھے،،)، ''یا کم سے کم یه که اس
سچائی کو مسلمه بنانے میں جو صدیوں کی ذھنی کوشش اور توانائی
صرف ھوئی ھے اس کا انھیں مبہم ھی سا اندازہ ھے۔،،

ظاھر ھے که اس قسم کے بیانات ان لوگوں کو خاصا متاثر
کر سکتے ھیں جنھوں نے مارکسزم کے بارے میں پہلی بار سنا ھے
اور ان کے معاملے میں مصنف کا مقصد آسانی سے پورا ھو سکتا ھے
جو یه ھے که مسخ کیا جائے، مذاق اڑایا جائے اور ''فتح،، کر
لیا جائے۔ (کہا جاتا ھے که ''فتح،، کا لفظ ،،روسکویے بگاتستوو،،
کے معاونین نے مسٹر میخائیلوفسکی کے مضامین کے بارے میں استعمال
کیا ھے)۔ جس شخص کو مارکس کا کچھ بھی علم ھے وہ اس طرح
کے طریقوں کے صریحی جھوٹ اور عیاری کو فوراً بھانپ لےگا۔ یه
تو ھو سکتا ھے که کوئی شخص مارکس سے متفق نه ھو لیکن
وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا که انھوں نے اپنے ان خیالات
کی تشکیل انتہائی صحت کے ساتھ کی ھے جو سابق سوشلسٹوں کے
مقابلے میں ''کسی نئی چیز،، کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ نئی چیز
اس حقیقت پر مشتمل تھی که سابق سوشلسٹ یه سمجھتے تھے که

---

*اس بےمعنی اصطلاح کے بارے میں یه کہنا ضروری ھے که
مسٹر میخائیلوفسکی نے مارکس کو ایک خاص مرتبه دیا ھے (جو
اتنے ذھین اور اتنے عالم ھیں که ھمارا ناقد ان کے کسی بھی
بادلیل دعوے کی علانیه اور براہ‌راست تنقید نہیں کر سکتا)، اس
کے بعد وہ اینگلس کو رکھتے ھیں (''جو اس طرح کا تخلیقی ذھن
نہیں ھے،،)، اسکے بعد کم‌وبیش آزاد لوگ جیسے کاؤتسکی اور پھر
دوسرے مارکسی۔ تو کیا اس طرح کی درجه‌بندی کوئی سنجیدہ وقعت
رکھ سکتی ھے؟ اگر ناقد مارکس کو مقبول بنانےوالوں سے غیرمطمئن
ھے تو وہ مارکس کی بنیاد پر ان کی تصحیح کیوں نہیں کرتا؟ لیکن
انھوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ غالباً وہ بس ایک فقرہ چست
کرنا چاھتے تھے لیکن وہ پھسپھسا کر رہ گیا۔

اپنے خیالات کے استدلال کے لئے موجودہ طرز حکومت کے تحت عام لوگوں کی محکومی اور مجبوری کو دکھا دینا ہی، ایک ایسے نظام کی برتری دکھا دینا ہی، جس کے تحت ہر شخص کو وہ ملے گا جو اس نے خود پیدا کیا ہے، یہ دکھا دینا ہی کافی ہوگا کہ یہ مثالی نظام ''انسانی فطرت،، سے ہم‌آہنگ ہے وغیرہ وغیرہ — مارکس کےلئے اس طرح کے سوشلزم پر قناعت کرنا ناممکن تھا۔ انھوں نے اپنے آپ کو موجودہ نظام کو بیان کرنے، اس کو پرکھنے اور اس کی مذمت کرنے ہی تک محدود نہیں رکھا۔ انھوں نے اس کی ایک سائنسی شرح و وضاحت پیش کی، اس موجودہ نظام کو، جو مختلف یورپی اور غیریورپی ملکوں میں مختلف ہے، ایک مشترکہ بنیاد یعنی سرمایہ‌دارانہ سماجی تشکیل پر لائے جس کی کارکردگی اور ترقی کے قوانین کا انھوں نے ایک معروضی تجزیہ کیا (اور یہ دکھایا کہ اس نظام کے تحت استحصال لازمی ہے)۔ اسی طرح سے ان کے لئے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ وہ صرف یہ دعوی کرنے پر قناعت کرکے بیٹھ رہیں کہ صرف سوشلسٹ نظام ہی انسانی فطرت سے ہم‌آہنگ ہوتا ہے جیسا کہ عظیم یوٹوپیائی سوشلسٹوں اور ان کے بدبخت نقلچیوں، داخلی عمرانیات دانوں نے کیا ہے۔ سرمایہ‌دارانہ نظام کے اسی معروضی تجزیے سے انھوں نے ثابت کیا کہ اس کا بدل کر سوشلسٹ نظام ہو جانا بھی لازمی ہے۔ (انھوں نے کیسے یہ ثابت کیا اور کیسے مسٹر میخائیلوفسکی نے اس پر اعتراض کیا، یہ ایسی بات ہے جس کا ذکر ہم پھر کریں‌گے۔) یہ ہے لزوم (ضرورت) کے ان حوالوں کا ماخذ جو مارکسیوں کی تحریروں میں اکثر ملتے ہیں۔ مسٹر میخائیلوفسکی نے اس سوال میں جو توڑمروڑ کردی ہے وہ بالکل عیاں ہے۔ انھوں نے نظریے کے پورے مبنی بر حقائق مواد کو، اس کے پورے جوہر کو ترک کردیا ہے اور معاملے کو اس طرح پیش کیا ہے جیسے کہ پورا نظریہ بس ایک ہی لفظ ''لزوم،، پر موقوف ہے (''پیچیدہ عملی امور میں صرف اسی کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا،،)، جیسے کہ نظریے کا ثبوت یہ ہو کہ تاریخی لزوم کا تقاضا یہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں نظریے کے مواد کے بارے میں کچھ نہ کہتے ہوئے انھوں نے صرف اس کے لیبل کو جھپٹ لیا اور پھر لگے منہ بنانے اس چیز پر جو ''محض گھسا ہوا سکہ،،

تھی جس کو مارکس کی تعلیمات کا روپ دینے کےلئے انھوں نے بڑی محنت کی تھی۔ ہم ظاہر ہے کہ ان کی مسخرہ‌بازی کی طرف مزید توجہ نہ کریں‌گے اس لئے کہ اس چیز سے ہم پہلے ہی کافی واقف ہو چکے ہیں۔ انھیں مسٹر بورینن کے اطمینان اور ان کی خوشی کے لئے (جنھوں نے ''نوویسے وریمیا،، (۱۰۳) میں مسٹر میخائیلوفسکی کی پیٹھ بلاوجہ ہی تو نہیں ٹھونکی ہے) کرتب بازی کرنے دیجئے، انھیں مارکس کی تعظیم و تکریم کرنے کے بعد بھاگ نکلنے کے راستے پر کھڑے ہوکر ان پر بھونکنے دیجئے کہ ''یوٹوپیائیوں اور داخلیت‌پرستوں کے ساتھ ان کا مباحثہ بہرحال یک‌طرفہ ہے،، یعنی اس لئے کہ مارکسی اس کی دلیلوں کو دھراتے نہیں ہیں۔ اس طرح کی چوٹوں کو ہم سوائے بھونکنے کے اور کیا کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے اس مناظرے پر ایک بھی مبنی بر حقائق، قطعی اور قابل تصدیق اعتراض نہیں کیا۔ چنانچہ ہم اس موضوع پر بحث کرنے کےلئے چاہے کتنی ہی خواہشمند کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ ہم اس بحث کو روسی سوشلسٹ مسئلوں کے تصفئے کے لئے انتہائی اہم سمجھتے ہیں، ہم بھونکنے کا جواب تو دے ہی نہیں سکتے۔ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنی بےبسی کا اظہار کرتے ہوئے کہیں:

''یہ چھوٹا سا کتا ضرور بڑا طاقتور ہوگا تبھی تو ھاتھی پر بھونکتا ہے۔،، (۱۰۴)

مسٹر میخائیلوفسکی تاریخی لزوم کے بارے میں جو اگلی بات کہتے ہیں وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ وہ جزوی ہی طور پر سہی ''ہمارے معروف عمرانیات‌داں،، (یہ لقب مسٹر میخائیلوفسکی کو اور اسی طرح مسٹر وی۔ وی۔ کو ہمارے ''مہذب سماج،، کے لبرل ممبروں میں حاصل ہے) کی واقعی نظریاتی جمع پونجی کو ظاہر کر دیتی ہے۔ وہ ''تاریخی لزوم کے خیال اور انفرادی سرگرمی کی اہمیت کے درمیان تصادم،، کی بات کرتے ہیں۔ سماجی اعتبار سے سرگرم شخصیتیں اپنے آپ کو سرگرم سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتی ہیں جب کہ دراصل وہ ''سرگرم بنائی جاتی ہیں،، ''کٹھ پتلیاں ہوتی ہیں جنھیں تاریخی لزوم کے ناقابل تغیر قوانین ایک پراسرار پاتال سے نچاتے ہیں،،۔ وہ دعوی کرتے ہیں کہ

یہ ہے وہ نتیجہ جو اس خیال سے اخذ کیا جا سکتا ہے اور اس لئے وہ اس خیال کو ''بانجھ'' اور ''دھندلا'' قرار دیتے ہیں۔ شاید ہر قاری کو معلوم نہ ہو کہ مسٹر میخائیلوفسکی کو کٹھ پتلیوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی لغویت ملی کہاں سے۔ بات یہ ہے کہ یہ ــ جبر اور اخلاق کے درمیان، تاریخی لزوم اور فرد کی اہمیت کے درمیان تصادم کا خیال ــ داخلیت پرست فلسفی کا ایک محبوب مشغلہ ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر دفتر کے دفتر سیاہ کئے ہیں اور اس تصادم کو اخلاق اور فرد کے رول کے حق میں طے کرنے کے لئے جذباتی، بدتہذیب لغویت کا بڑا ذخیرہ پیش کیا ہے۔ دراصل یہاں کوئی تصادم ہے ہی نہیں، اسے مسٹر میخائیلوفسکی نے ایجاد کیا ہے کہ انھیں ڈر تھا (جس کا معقول سبب ہے) کہ فلسفۂ جبر اس بدتہذیب اخلاق کے نیچے سے زمین کھسکا دے گا جو انھیں اس قدر عزیز ہے۔ جبر کا خیال، جو یہ کہتا ہے کہ انسانی افعال لازم ہوتے ہیں اور جو اختیار کے بارے میں احمقانہ کہانیوں کو رد کرتا ہے، کسی بھی طرح انسان کی عقل یا اس کے شعور کو یا اس کے اقدامات کی قدروقیمت طے کرنے کو محدود نہیں کرتا۔ اس کے برعکس فلسفۂ جبر پر مبنی نقطۂ نظر ہی ایک سنجیدہ اور صحیح جائزے کو ممکن بنا دیتا ہے بہ‌جائے اس کی کہ اختیار کو ہر من‌مانی چیز کا حامل بنا دیا جائے۔ اسی طرح تاریخی لزوم کا خیال کسی طرح بھی تاریخ میں فرد کے رول کو کم نہیں کرتا۔ ساری تاریخ افراد کے افعال پر مشتمل ہے جو ظاہر ہے کہ سرگرم شخصیتیں ہیں۔ کسی فرد کی سماجی سرگرمی کی قدروقیمت طے کرنے میں جو واقعی سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کون سے حالات اس کے افعال کی کامیابی کو یقینی بناتے ہیں؟ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ افعال اس کے برعکس افعال کے ہجوم میں ایک الگ تھلگ فعل ہوکر نہ رہ جائیں گے؟ یہ بھی ایسا سوال ہے جس کا جواب سوشل ڈیموکریٹ اور دوسرے روسی سوشلسٹ مختلف طریقوں سے دیتے ہیں: وہ افعال، جن کا مقصد سوشلسٹ نظام لانا ہے، کس طرح سے عام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں کہ ان سے اہم ثمرے حاصل ہوں؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کے جواب کا دارومدار براہ‌راست اور بلاواسطہ اس بات پر ہے کہ روس میں سماجی قوتوں کی جماعت‌بندی

کو اور طبقاتی جدوجہد کو جو روسی حقیقت کی روح ہے کس طرح سے سمجھا جاتا ہے، اور یہاں بھی مسٹر میخائیلوفسکی سوال کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں اور صحیح طریقے سے سوال کی تشکیل کرنے اور اس کا جواب فراہم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے۔ اس سوال کا سوشل ڈیموکریٹک جواب، جیسا کہ سب کو معلوم ہے، اس خیال پر مبنی ہے کہ روسی معاشی نظام ایک بورژوا سماج کی حیثیت رکھتا ہے جس سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہو سکتا ہے، وہ راستہ جو بورژوا نظام کی نوعیت ہی سے لازمی طور پر نکلتا ہے، یعنی بورژوازی کے خلاف پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد۔ صریحی بات ہے کہ جو تنقید سنجیدہ ہو اسے یا تو ہمارے اس خیال کے خلاف ہونا چاہئے کہ ہمارے ہاں ایک بورژوا نظام ہے یا اس نظام کی نوعیت اور اس کے ارتقا کے قوانین کے تصورکلی کے خلاف ہونا چاہئے۔ لیکن سنجیدہ سوالوں سے بحث کرنے کا خیال مسٹر میخائیلوفسکی کو تو خواب میں بھی نہیں آتا۔ وہ تو لزوم کے ایک بہت ہی عام دائرہ ہونے اور اسی طرح کی دوسری احمقانہ فقرےبازیوں سے معاملات کو ختم کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن بات یہ ہے مسٹر میخائیلوفسکی کہ آپ کسی بھی خیال کو ایک ایسے انڈے کی طرح سمجھیں جس میں سے اصل چیز آپ پھینک دیں اور خول سے کھیلنا شروع کردیں تو وہ بہت ہی عام دائرہ ہوکر رہ جائےگا۔ یہ اوپری خول، جس کے اندر آج کے واقعی اہم اور فوری سوالات چھپے ہوئے ہیں، مسٹر میخائیلوفسکی کا محبوب دائرہ ہے اور وہ خاص طور سے اس بات پر زور دیتے ہیں مثلاً کہ ''معاشی مادیت سورماؤں اور ہجوم کے سوال کو یا تو نظر انداز کرتی ہے یا اس پر غلط روشنی ڈالتی ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے یہ سوال کہ وہ کونسے متصادم طبقے ہیں جو معاصرانہ روسی حقیقت کی تشکیل کرتے ہیں اور اس حقیقت کی بنیاد کیا ہے تو مسٹر میخائیلوفسکی کے لئے بہت ہی عام ہے اور وہ اس سے کتراتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ سوال کہ سورما اور ہجوم کے درمیان کون سے رشتے کا وجود ہوتا ہے — چاہے وہ ہجوم مزدوروں کا ہو، کسانوں کا ہو، فیکٹری کے مالکوں کا ہو یا زمینداروں کا — ایسا سوال ہے جس سے انھیں بڑی دلچسپی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ سوالات ''دلچسپ،، ہوں لیکن مادیت پسندوں کی تادیب

کرنا که وہ اپنی ساری کوششیں ایسے مسائل کے تصفئیے پر صرف کرتے ھیں جو محنت کش طبقے کی آزادی سے براہ‌راست تعلق رکھتے ھیں، بدتہذیبی کی سائنس کا قصیدہ خواں بننا ھے اور کچھ نہیں۔ اپنی مادیت‌پسندی کی ''تنقید،،(؟) ختم کرتے ھوئے مسٹر میخائیلوفسکی حقائق کی غلط نمائندگی کرنے کی ایک اور کوشش کرتے ھیں اور ایک اور چال چلتے ھیں۔ اینگلس کی اس رائے کے صحیح ھونے کے بارے میں شبہے کا اظہار کرکے که ''سرمایه،، کو سرکاری معاشیات دانوں نے (۱۰۵) دبا دیا (اس شبہے کا جواز وہ اس عجیب و غریب بنیاد پر پیش کرتے ھیں که جرمنی میں متعدد یونیورسٹیاں ھیں)، مسٹر میخائیلوفسکی کہتے ھیں که ''مارکس کے پیش نظر قارئین کا یه مخصوص حلقه (مزدور) نہیں تھا، بلکه انھیں صاحبان علم سے بھی کچھ توقع تھی،،۔ یه قطعاً صحیح نہیں ھے۔ مارکس بہت اچھی طرح سمجھتے تھے که وہ بورژوا سائنس‌دانوں سے کتنی کم غیرجانبداری اور سائنسی تنقید کی توقع کرسکتے ھیں اور ''سرمایه،، کے دوسرے ایڈیشن کے پس لفظ میں انھوں نے اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار بہت قطعی طور پر کیا ھے۔ اس میں انھوں نے کہا ھے که ''سرمایه، کو جرمن مزدور طبقے کے وسیع حلقوں میں جو پسندیدگی فوراً حاصل ھو گئی وہ میری محنتوں کا بہترین انعام ھے۔ ھر میئر نے... جو معاشی معاملات میں بورژوا نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتے ھیں، ایک پمفلٹ میں جو فرانسیسی جرمن جنگ کے دوران میں شائع ھوا تھا، بجا طور پر اس خیال کا اظہار کیا ھے که نظریے کی عظیم صلاحیت (der grosse theoretische Sinn) جسے موروثی جرمن ملکیت سمجھا جاتا تھا، جرمنی کے نام‌نہاد تعلیم‌یافته طبقوں سے تقریباً پوری طرح غائب ھو چکی ھے لیکن اس کے برعکس اس کے مزدور طبقے میں یه صلاحیت اپنے احیاء پر ناز کر رھی ھے۔ ،،

یه چالبازی بھی مادیت ھی سے متعلق ھے اور بالکل پہلے ھی نمونے کے انداز کی ھے۔ ''(مادیت کے) نظریے کا سائنسی اعتبار سے استدلال اور اسکی تصدیق کبھی نہیں کی گئی،، — یه تو ھے مقاله۔ اور ثبوت: ''اینگلس، کاؤتسکی اور بعض دوسرے لوگوں کی تصنیفات جیسے که بلوس کی وقیع تصنیف میں تاریخی مواد کے الگ الگ اچھے صفحات کا کام معاشی مادیت کے لیبل کے بغیر

بھی بہت اچھی طرح چل سکتا ہے چونکہ،، (ملاحظہ ہو ''چونکہ،،!) ''دراصل،، (یعنی چہ!) ''وہ سماجی زندگی کے ماحصل کو ملحوظ رکھتے ہیں، اگرچہ راگ میں معاشی سر ہی حاوی رہتا ہے''۔ اور نتیجہ — ''معاشی مادیت نے سائنس میں اپنا جواز نہیں ثابت کیا،،۔

جانی بوجھی چال ہے! یہ ثابت کرنے کے لئے کہ نظریے کی کوئی بنیاد نہیں ہے، مسٹر میخائیلوفسکی پہلے تو اس کے سر سماجی زندگی کے ماحصل کو ملحوظ نہ رکھنے کی احمقانہ نیت منڈھے دیتے ہیں جبکہ معاملہ اس کے بالکل الٹا ہے: مادیت پسند (مارکسی) پہلے سوشلسٹ تھے جنھوں نے سماجی زندگی کے صرف معاشی * ہی نہیں بلکہ سارے پہلوؤں کا تجزیہ کرنے کی ضرورت

---

* یہ چیز ''سرمایہ،، میں اور سابق سوشلسٹوں کے مقابلے میں سوشل ڈیمو کریٹوں کی تدبیروں میں کافی واضح طور پر ظاہر کردی گئی ہے۔ مارکس نے براہ‌راست یہ مطالبہ کیا کہ معاملات کو صرف معاشی پہلو تک محدود نہ رہنا چاہئے۔ ۱۸۴۳ء میں ایک مجوزہ رسالے کا پروگرام مرتب کرتے ہوئے، مارکس نے روگے کو لکھا تھا کہ ''پورا سوشلسٹ اصول بھی صرف ایک پہلو ہے... ہمیں، اپنی طرف سے، دوسرے پہلو، انسان کے نظریاتی وجود پر بھی یکساں توجہ کرنی چاہئے اور اس کے معنی یہ ہیں مذہب، سائنس وغیرہ کو تنقید کا موضوع بنانا چاہئے... جس طرح مذہب نوع انسانی کے نظریاتی تصادموں کی فہرست اندراجات کی نمائندگی کرتا ہے اسی طرح سیاسی ریاست انسان کے عملی تصادموں کی فہرست اندراجات کی نمائندگی کرتی ہے چنانچہ سیاسی ریاست اپنی صورت کی حدود کے اندر سیاسی نقطۂ نظر سے سارے سماجی تصادموں، ضرورتوں اور مفادات کا اظہار کرتی ہے۔ یہاں ایک انتہائی خاص سیاسی سوال — مثلاً سماجی امارت کے نظام اور نمائندگی کے نظام کے درمیان فرق — کو موضوع تنقید بنانے کا مطلب اصولوں کی بلندی سے اترنا ہرگز نہیں ہوتا چونکہ یہ سوال سیاسی زبان میں انسان کی حکمرانی اور ذاتی جائیداد کی حکمرانی کے درمیان فرق کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ناقد نہ صرف یہ کہ ان سوالوں سے بحث کرسکتا ہے بلکہ اسے ضرور کرنا چاہئے (جنھیں ہٹ دھرم سوشلسٹ ناقابل توجہ سمجھتا ہے)۔ ''

کا سوال اٹھایا۔ پھر وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ''دراصل،، مادیت پسندوں نے سماجی زندگی کے ماحصل کی ''موثر طریقے سے،، توضیح معاشیات کے ذریعے کی ہے (ایک ایسی حقیقت جو مصنف کو غلط ثابت کر دیتی ہے)۔ اور آخر میں وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مادیت نے ''اپنا جواز نہیں ثابت کیا،،۔ لیکن مسٹر میخائیلوفسکی، آپ کی چالوں نے اپنا جواز بڑے شاندار طریقے سے ثابت کر دیا ہے!

یہ ہے وہ سب کچھ جو مسٹر میخائیلوفسکی مادیت کی ''تردید،، میں پیش کرتے ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اس میں کوئی تنقید نہیں ہے، یہ سوائے کھوکھلی اور پرفریب لفاظی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اگر ہم کسی سے یہ پوچھیں کہ مسٹر میخائیلوفسکی نے اس خیال کے خلاف کیا اعتراضات کئے ہیں کہ پیداواری رشتے دوسرے سارے رشتوں کی بنیاد ہوتے ہیں؛ انھوں نے سماجی تشکیل کے تصور کلی کی اور ان تشکیلات کے قدرتی تاریخی ارتقا کی صحت کو کیسے رد کیا ہے جس کی وضاحت مارکس نے مادی طریق کار استعمال کرکے کی ہے؛ مختلف تاریخی مسئلوں کی جو مادی وضاحت مثلاً ان ادیبوں نے پیش کی ہے جن کا ذکر انھوں نے کیا ہے اس کے دراصل غلط ہونے کو انھوں نے کیسے ثابت کیا ہے — تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ مسٹر میخائیلوفسکی نے کوئی اعتراضات نہیں کئے ہیں، کوئی تردید نہیں کی ہے، کسی اصل غلطی کی نشاندھی نہیں کی۔ انھوں نے بس جھکائیاں دی ہیں، معاملے کے جوہر پر فقروں کا ملمع کرنے کی کوشش کی ہے اور رواروی میں مختلف پوچ جعل سازیاں ایجاد کی ہیں۔

اور جب یہ ناقد ''روسکویے بگاتستوو،، کے شمارہ ۲ میں مارکسزم کی تردید کرنا جاری رکھتا ہے تو ہم بہ‌مشکل ہی اس سے کسی سنجیدہ چیز کی توقع کر سکتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ چالبازیوں کے سلسلے میں ان کی اختراع کاری کا خزانہ خالی ہو چکا ہے اور وہ دوسرے لوگوں کی اختراعات کا استعمال کرنے لگے ہیں۔

وہ سماجی زندگی کی ''پیچیدگی،، پر جمے رہنے سے شروع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آخر گلوانزم (حیوانی برقیات) کا تعلق بھی

معاشی مادیت سے کیا جاتا ہے اس لئے کہ گلوانی کے تجربوں نے ہیگل پر بھی ''اثر ڈالا تھا،،۔ کیا دور کی کوڑی لائے ہیں۔ اتنی ہی آسانی سے مسٹر میخائیلوفسکی کا تعلق شہنشاہ چین سے بھی جوڑا جاسکتا ہے۔ اس سے اور کیا نتیجہ نکلتا ہے سوائے اس کے کہ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جنھیں احمقانہ باتیں کرکے خوشی حاصل ہوتی ہے؟!

مسٹر میخائیلوفسکی آگے چل کر کہتے ہیں کہ ''تاریخی عمل کا جوہر ہمیشہ نارسا رہا ہے اور وہ معاشی مادیت کے نظریے کے بھی ہاتھ نہیں آیا، اگرچہ یہ بہ‌ظاہر دو ستونوں پر قائم ہے: پیداوار اور تبادلے کی صورتوں کی ہر چیز کا تعین کرنےوالی اہمیت کی دریافت پر اور جدلیاتی عمل کی ناقابل بحث حیثیت پر۔،،

تو مادیت پسندوں کی ساری دلیلوں کا دارومدار جدلیاتی عمل کی ''ناقابل بحث حیثیت،، پر ہے! دوسرے لفظوں میں وہ اپنے عمرانیاتی نظریوں کی بنیاد ہیگلی تثلیث (۱۰۶) پر رکھتے ہیں۔ یہاں ہم مارکسیوں کے سر ہیگلی جدلیات کا الزام تھوپنے کا آزمودہ طریقہ دیکھ رہے ہیں، ایسا الزام جس کے بارے میں خیال ہوتا ہے کہ مارکس کے بورژوا ناقدوں نے اسے خاصا فرسودہ بنا دیا ہے۔ یہ حضرات جب نظریے کے خلاف کوئی بنیادی دلیل نہ پیش کر سکے تو انھوں نے مارکس کے انداز اظہار کو لے لیا اور اس نظریے کی اصل پر حملے کرنے لگے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یوں وہ اس کے جوہر کو مجروح کردیں گے۔ اور مسٹر میخائیلوفسکی کو بھی اس طرح کے طریقے استعمال کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔ وہ بہانے کے طور پر اینگلس کی ''قاطع ڈیورنگ،، (۱۰۷) کے ایک باب کو استعمال کرتے ہیں۔ ڈیورنگ نے مارکس کی جدلیات پر حملہ کیا تھا اور اس کا جواب دیتے ہوئے اینگلس کہتے ہیں کہ ہیگلی تثلیث کے ذریعے سے کسی چیز کو ''ثابت کرنا،، مارکس کے خواب‌وخیال میں بھی نہ تھا، کہ مارکس نے صرف حقیقی عمل کا مطالعہ کیا اور تفتیش کی اور نظریے کے جس واحد معیار کو انھوں نے تسلیم کیا ہے وہ ہے حقیقت سے اس کی مطابقت۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہوا کہ کسی خاص سماجی مظہر کا ارتقا ہیگلی اسکیم میں بیٹھ گیا یعنی، مقالہ — نفی — نفی کی نفی، تو اس میں

تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہ یہ فطرت میں کوئی نایاب چیز نہیں ہے۔ اور اینگلس نیچری تاریخ سے (ایک بیج کا ارتقا) اور سماجی دائرے سے مثالیں پیش کرتے ھیں — جیسے مثال کے طور پر کہ پہلے ابتدائی کمیونزم تھا، پھر ذاتی جائیداد اور پھر محنت کی سرمایہ‌دارانہ سماج بندی۔ یا یہ کہ پہلے ابتدائی مادیت تھی، پھر عینیت اور پھر سائنسی مادیت وغیرہ۔ ھر شخص کے نزدیک یہ بالکل واضح ہے کہ اینگلس کی دلیل کا اصل زور یہ ہے کہ مادیت پسندوں کو چاھئے کہ وہ واقعی تاریخی عمل کو صحت اور درستی کے ساتھ ظاھر کریں اور یہ کہ جدلیات پر اصرار، تثلیث کی صحت کو ظاھر کرنے کے لئے مثالوں کا انتخاب ھیگلیت کی، جس میں سے سائنسی سوشلزم ابھرا ہے، باقیات، اسکے انداز اظہار کی باقیات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب ایک بار دوٹوک طور پر یہ اعلان کر دیا گیا کہ تثلیث سے کسی چیز کو ”ثابت“ کرنا لغو ہے، اور یہ کہ کسی کو ایسا کرنے کا خیال بھی نہیں ھوا تو ”جدلیاتی“ عوامل کی مثالوں کی کیا اھمیت رہ جاتی ہے؟ کیا یہ بات بالکل صاف نہیں ہے کہ یہ صرف نظریے کی اصل کی طرف اشارہ ہے اور کچھ نہیں؟ یہ مسٹر میخائیلوفسکی کو خود بھی نظر آتا ہے اور وہ کہتے ھیں کہ نظریے کو اس کی اصل کے لئے مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ لیکن اینگلس کی دلیلوں میں نظریے کی اصل سے زیادہ کچھ دیکھنے کے لئے ظاھر ہے کہ اس بات کا ثبوت دیا جانا چاھئے کہ مادیت پسندوں نے متعلقہ حقائق کی بنا پر نہیں بلکہ تثلیث کے ذریعے کم سے کم ایک تاریخی مسئلہ طے کیا ہے۔ کیا مسٹر میخائیلوفسکی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے؟ ھرگز نہیں۔ برعکس اس کے وہ خود یہ اعتراف کرنے پر مجبور ھوئے کہ ”مارکس نے خالی جدلیاتی اسکیم کو مبنی بر حقائق مواد سے اتنا پر کر دیا ہے کہ اسے مواد سے اس طرح ھٹایا جا سکتا ہے جیسے پیالے پر سے ڈھکنا، ذرا بھی کسی چیز کو بدلے بغیر۔“ (یہاں مسٹر میخائیلوفسکی نے جو استثنا کیا ہے مستقبل کے بارے میں اس سے ھم بعد کو بحث کریں گے)۔ اگر ایسا ہے تو پھر مسٹر میخائیلوفسکی اس ڈھکنے کے بارے میں کیوں اتنا شور مچا رہے ھیں جس سے کسی چیز میں کوئی

تبدیلی نہیں آتی؟ وہ یہ کیوں کہتے ھیں کہ مادیت‌پسندوں نے اپنی بات کی ''بنیاد،، جدلیاتی عمل کی ناقابل بحث حیثیت پر رکھی ھے؟ کیوں وہ اس ڈھکنے سے لڑتے ھوئے یہ اعلان کرتے ھیں کہ وہ سائنسی سوشلزم کے ایک ستون سے لڑرھے ھیں جو کہ صریحی جھوٹ ھے؟

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ھے کہ میں اس امر کا جائزہ نہیں لوں‌گا کہ مسٹر میخائیلوفسکی تثلیث کی مثالوں کا تجزیہ کیسے کرتے ھیں کیونکہ، میں پھر کہتا ھوں، اس کا نہ سائنسی مادیت سے کوئی تعلق ھے نہ روسی مارکسزم سے۔ لیکن ایک دلچسپ سوال یہ ھے کہ مسٹر میخائیلوفسکی کے پاس جدلیات کے بارے میں مارکسیوں کے رویے کو یوں مسخ کرنے کی بنیاد کیا ھے؟ دو بنیادیں ھیں۔ پہلی تو، وہ جو کہاوت ھے نا، مسٹر میخائیلوفسکی نے گھنٹی تو بجتی سنی لیکن کدھر سے آواز آ رھی تھی یہ نہیں بتا سکتے؛ دوسری یہ کہ مسٹر میخائیلوفسکی نے ایک اور جعلسازی کی (بلکہ ڈیورنگ سے مستعار لے‌لی)۔

پہلی بنیاد کے سلسلے میں۔ مارکسی ادب پڑھتے وقت مسٹر میخائیلوفسکی نے باربار سماجی سائنس میں ''جدلیاتی طریق‌کار،، کے، پھر سماجی مسائل کے دائرے میں (اور وھی زیر بحث ھیں) ''جدلیاتی فکر،، کے اور اس طرح کے دوسرے حوالے دیکھے۔ اپنی سادہ‌لوحی میں (جو اگر صرف سادہ‌لوحی ھی ھوتی تو اچھا ھوتا) انہوں نے یہ فرض کر لیا کہ یہ طریق کار ھیگلی تثلیث کے قوانین کے مطابق سارے عمرانیاتی مسائل حل کرنے پر مشتمل ھے۔ اگر وہ زیر نظر معاملے کے بارے میں ذرا سی توجہ سے کام لیتے تو انہیں لازمی طور پر اس خیال کی لغویت کا یقین ھو گیا ھوتا۔ مارکس اور اینگلس نے جس چیز کو جدلیاتی طریق‌کار کہا ھے وہ مابعد الطبیعیاتی طریق‌کار کے خلاف عمرانیات میں سائنسی طریق‌کار کے علاوہ اور کچھ نہیں ھے جو اس امر پر مشتمل ھے کہ سماج کو (کوئی ایسی چیز نہیں جسے میکانیکی طور پر جوڑ دیا گیا ھو اور اس لئے وہ الگ الگ سماجی عناصر کے ھر قسم کے من مانے جوڑتوڑ کو روا رکھتا ھے بلکہ) ایک ایسا جاندار نظام جسمانی سمجھا جائے جو مسلسل ارتقا کی حالت میں ھے۔ ایک ایسا نظام جسمانی جس کا مطالعہ پیداواری رشتوں کے ایک معروضی تجزیے

کا اس لئے کہ پیداواری رشتوں ھی سے کوئی مخصوص سماجی تشکیل بنتی ھے اور اس کی کارکردگی اور ارتقا کے قوانین کی تفتیش کا متقاضی ھے۔ ھم مندرجہ‌ذیل عبارت میں خود مسٹر میخائیلوفسکی ھی کی دلیلوں سے جدلیاتی اور مابعد الطبیعیاتی طریق‌کار کے درمیان رشتے کی وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے (اسی مابعد الطبیعیاتی تصور کلی ھی سے عمرانیات میں داخلیت پسندانہ طریق‌کار کا بھی تعلق ھے)۔ سردست ھم صرف یہ عرض کریں‌گے کہ جو شخص بھی جدلیاتی طریق‌کار کی وہ تعریف اور تفصیل پڑھے جو اینگلس نے (ڈیورنگ کے خلاف مناظرے میں ''سوشلزم: یوٹوپیائی اور سائنسی'') یا مارکس نے (''سرمایہ،، میں مختلف تبصروں میں، دوسرے ایڈیشن کے پس‌لفظ میں اور ''فلسفے کا افلاس،، میں) بیان کی ھیں وہ دیکھ لےگا کہ ھیگلی تثلیث کا ذکر تک نہیں کیا گیا اور اس کا مطلب صرف یہ نکلتا ھے کہ سماجی تکامل کو سماجی معاشی تشکیلات کے ارتقا کے فطری تاریخی عمل کی حیثیت سے سمجھنا ھے۔ اس بات کی توثیق کے لئے میں جدلیاتی طریق کار کے اس بیان کو تفصیل کے ساتھ پیش کروں گا جو ''ویستنیک یوروپی،، (۱۰۸)، ۱۸۷۲ء شمارہ ۵ (مضمون ''سیاسی معاشیات کی کارل مارکس کی تنقید کا موقف،،) (۱۰۹) میں دیا گیا ھے جسے مارکس نے ''سرمایہ،، کے دوسرے ایڈیشن کے پس‌لفظ میں نقل کیا ھے۔ مارکس نے کہا ھے کہ انھوں نے ''سرمایہ،، میں جو طریق‌کار اختیار کیا ھے اسے اچھی طرح سمجھا نہیں گیا۔ ''جرمن تبصرے، ظاھر ھے کہ، ھیگلی سوفسطائیت، پر چیخ اٹھتے ھیں۔،، اور اپنے طریق‌کار کو زیادہ واضح طور پر بیان کرنے کےلئے مارکس نے اس کے اس بیان کو نقل کیا ھے جو مندرجہ‌بالا مضمون میں دیا گیا ھے۔ اس میں کہا گیا ھے کہ مارکس کے نزدیک جو ایک چیز اھم ھے وہ ھے زیرتفتیش مظہروں کو منضبط کرنےوالا قانون دریافت کرنا اور ان کے نزدیک خاص طور سے اھم تغیر کا قانون، ان مظہروں کا ارتقا، ایک صورت سے دوسری کی طرف، سماجی رشتوں کے ایک نظام کی طرف سے دوسرے کی طرف ان کا عبور۔ چنانچہ مارکس صرف ایک چیز سے واسطہ رکھتے ھیں: سخت سائنسی تفتیش کے ذریعے سماجی رشتوں کے مخصوص نظام کے لزوم اور جہاں تک ممکن ہو سکے

ان حقائق کو مسلم کرنا جو ان کےلئے بنیادی نقطہ ھائے آغاز کا کام دیتے ھیں - اس مقصد کے لئے موجودہ نظام کا لزوم ثابت کرتے ہوئے اگر وہ ساتھ ھی ساتھ ایک اور نظام کا لزوم بھی ثابت کر دیتے ھیں جو ناگزیر طور پر سابق والے نظام میں سے ابھرےگا، چاھے انسانوں کو اس کا یقین ھو یا نہ ھو، چاھے انھیں اس کا احساس ھو یا نہ ھو، تو یہ بہت کافی ھے - مارکس سماجی حرکت کو فطری تاریخ کا ایک عمل سمجھتے ھیں جو ایسے قوانین سے منضبط ھوتا ھے جو نہ صرف یہ کہ انسانی مرضی، شعور اور ارادوں سے آزاد ھوتے ھیں بلکہ اس کے برعکس انسانوں کی مرضی، شعور اور ارادوں کو متعین کرتے ھیں - (یہ داخلیت پرست حضرات کی اطلاع کے لئے ھے جو سماجی تکامل کو فطری تاریخ کے تکامل سے الگ کرتے ھیں صرف اس لئے کہ انسان اپنے لئے شعوری ''مقاصد،، طے کرتا ھے اور قطعی آدرش اس کی رھنمائی کرتے ھیں -) اگر شعوری عنصر تہذیب کی تاریخ میں اتنا ھی ضمنی حصہ ادا کرتے ھیں تو ظاھر ھے کہ ایسی تنقید جس کا موضوع تہذیب ھو، شعور کی کسی صورت یا نتیجے کو بنیاد کے طور پر سب سے کم لے سکتی ھے - کہنے کا مطلب یہ ھے کہ اس کے نقطۂ آغاز کا کام خیال نہیں بلکہ صرف خارجی، معروضی مظہر ھی دے سکتا ھے - تنقید خیال کے ساتھ نہیں بلکہ دوسری حقیقت کے ساتھ ھی کسی مخصوص حقیقت کے مقابلہ و موازنہ پر مشتمل ھوتی ھے؛ ایک اھم چیز یہ ھے کہ دونوں حقیقتوں کی تفتیش جہاں تک ممکن ھو سکے انتہائی صحت کے ساتھ کی جانی چاھئے اور یہ کہ ایک دوسرے کے تعلق سے وہ واقعی طور پر ارتقا کے دو مختلف مرحلوں کی تشکیل کرتی ھوں - لیکن سب سے اھم چیز یہ ھے کہ معلوم حالتوں، ان کی تقدیم و تاخیر کے سلسلے اور ارتقا کے مختلف مرحلوں کے درمیان رشتے کے پورے سلسلے کی اتنی ھی صحت کے ساتھ تفتیش کی جائے - مارکس اس خیال ھی کو رد کر دیتے ھیں کہ معاشی زندگی کے قوانین ماضی اور حال کےلئے ایک ھی ھیں - اس کے برعکس ھر تاریخی دور کے اپنے قوانین ھوتے ھیں - معاشی زندگی ایک ایسے مظہر کی تشکیل کرتی ھے جو حیاتیات کی دوسری شاخوں میں تکامل کی تاریخ کے مماثل ھوتا ھے - سابق معاشیات دانوں نے انھیں جب طبیعیات

اور کیمیا کے قوانین کے مماثل قرار دیا تھا تو وہ معاشی قوانین کی نوعیت کو غلط سمجھے تھے۔ زیادہ گہرے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ سماجی نظام جسمانی آپس میں اتنے ہی بنیادی طور پر مختلف ہوتے ہیں جتنے کہ پودے یا جانور۔ مارکس نے اس نقطۂ نظر سے سرمایہ‌دارانہ معاشی نظام جسمانی کی تفتیش کا کام اپنے ذمے لے کر اس طرح سے اس مقصد کو انتہائی سائنسی طریقے سے طے کر دیا ہے جو معاشی زندگی کی ہر صحیح تحقیق کا ہونا چاہئے۔ اس تحقیق کی سائنسی قدروقیمت ان خاص (تاریخی) قوانین کا انکشاف کرنے میں مضمر ہے جو کسی مخصوص سماجی نظام جسمانی کی اصل، وجود، ارتقا اور موت کو اور اس کی جگہ دوسرا بلندتر نظام جسمانی لانے کو منضبط کرتے ہیں۔ *

یہ ہے جدلیاتی طریق‌کار کا وہ بیان جو مارکس نے ''سرمایہ،، پر رسالوں اور اخبارات کے تبصرے کے انبار میں سے نکالا اور جرمن زبان میں اس کا ترجمہ کیا اس لئے کہ جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے طریق‌کار کا یہ بیان بالکل صحیح ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تثلیث، تہری تقسیم، جدلیاتی عمل کے ناقابل بحث ہونے اور اسی قسم کی حماقت کے بارے میں ایک لفظ بھی کہاں کہا گیا ہے جن کے خلاف مسٹر میخائیلوفسکی اتنی دلیری کے ساتھ آمادہ بہ پیکار ہیں؟ اس بیان کے بعد مارکس صاف کہتے ہیں کہ ان کا طریق‌کار ہیگل کے طریق‌کار کی ''یکسر ضد،، ہے۔ ہیگل کا کہنا ہے کہ خیال کا ارتقا تثلیث کے جدلیاتی قوانین کے مطابق حقیقت کے ارتقا کا تعین کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صرف اسی صورت میں تثلیث کی اہمیت کی، جدلیاتی عمل کے ناقابل بحث ہونے کی بات کی جاسکتی ہے۔ مارکس کہتے ہیں کہ ''برعکس اس کے میرے نزدیک عین خیال مادیت کے عکس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔،، اور یوں سارا معاملہ ''اشیا کی موجود حالت اور اس کے ناگزیر ارتقا کے مثبت اعتراف،، کا رہ جاتا ہے؛ سوائے ڈھکنے اور خول کی طرح کے رول کے، تثلیث کے لئے اور کوئی رول نہیں رہ

---

* زیرنظر کتاب کے صفحات ۵۲ — ۵۴ ملاحظہ فرمائیے۔ (ایڈیٹر)

جاتا (مارکس نے اسی پس‌لفظ میں کہا ہے کہ ''میں نے ہیگل کے مخصوص طرز اظہار کے ساتھ چہل کی ہے) جس سے صرف بدتہذیبوں کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔ تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ پھر ہم ایسے شخص کے بارے میں کیا فیصلہ کریں جو چلا تو سائنسی سوشلزم کے ایک ''ستون،، کی تنقید کرنے لیکن پھر ہر قسم کی چیزوں کی یہاں تک کہ سینڈ کوں اور نپولین کی باتیں کرنے لگا لیکن جدلیات کی اس نے کوئی بات نہ کی، نہ یہ بتایا کہ تاریخ کا ارتقا سچ مچ فطری تاریخ کا ایک عمل ہے یا نہیں ہے، کہ خاص سماجی نظام جسمانی کی حیثیت سے سماجی معاشی تشکیلات کا مادی تصور کلی صحیح ہے یا نہیں ہے، ان تشکیلات کے معروضی تجزیے کے طریق‌کار صحیح ہیں یا نہیں ہیں، سماجی خیالات سچ مچ سماجی ارتقا کا تعین نہیں کرتے بلکہ خود ان سے متعین ہوتے ہیں یا ایسا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ؟ کیا اس صورت میں صرف سمجھ کی کمی فرض کی جا سکتی ہے؟

دوسری بنیاد کے سلسلے میں۔ جدلیات کی اس ''تنقید،، کے بعد مسٹر میخائیلوفسکی ہیگلی تثلیث ''کے ذریعے،، چیزوں کو ثابت کرنے کے یہ طریق‌کار مارکس کے سر منڈھ دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ فاتحانہ انداز میں ان سے لڑتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''مستقبل کے سلسلے میں سماج کے ناقابل تغیر قوانین خالصتاً جدلیات پر مبنی ہیں،،۔ (یہ مذکورہ بالا استثنا ہے۔) سرمایہ‌داری کے ارتقا کے قوانین کی بنا پر غاصبوں کے مغصوب ہونے کی ناگزیری کے بارے میں مارکس کی دلیلیں ''خالصتاً جدلیاتی ہیں،،۔ زمین اور سرمایہ کی مشترکہ ملکیت کا مارکس کا ''عین خیال،، ''اس کے ناگزیر اور بلاشبہہ ہونے کے معنوں میں پوری طرح سے ہیگلی سہ سلسلہ زنجیر کے سرے پر قائم ہے،،۔

یہ دلیل ڈیورنگ سے من‌وعن لے‌لی گئی ہے جس نے اسے ''قومی معیشت اور سوشلزم کی تنقیدی تاریخ،، (تیسرا ایڈیشن، ۱۸۷۹ء، صفحہ ۸۶ — ۴۸۷) میں پیش کیا ہے۔ لیکن مسٹر میخائیلوفسکی تو ڈیورنگ کا نام تک نہیں لیتے۔ لیکن ہو سکتا ہے وہ مارکس کو اس طرح مسخ کرنے تک آزادانہ طور پر پہنچے ہوں؟

اینگلس نے ڈیورنگ کو بہت ہی شاندار جواب دیا ہے اور چونکہ انھوں نے ڈیورنگ کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں اسی لئے ہم اینگلس کے الفاظ ہی پر اکتفا کریں گے۔ قارئین دیکھیں گے کہ جواب مسٹر میخائیلوفسکی پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

ڈیورنگ نے کہا ہے: ''(انگلستان میں سرمائے کے نام نہاد ابتدائی اندوختہ کی اصل کا) یہ تاریخی خاکہ مارکس کی کتاب کا نسبتاً بہترین حصہ ہے اور اگر اسے اپنی عالمانہ بیساکھی کی مدد کے لئے جدلیاتی بیساکھی پر بھروسہ نہ کرنا پڑتا تو اور بھی اچھا ہوتا۔ ہیگلی نفی کی نفی کو کسی بہتر اور زیادہ واضح چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے یہاں دراصل مستقبل کو ماضی کے بطن میں سے جنانے کے لئے دائی کا کام کرنا پڑتا ہے۔ انفرادی جائیداد کا خاتمہ، جوکہ مندرجہ بالا طریقے سے سولھویں صدی سے ہو رہا ہے، پہلی نفی ہے۔ اس کے بعد ایک اور ہوگی جو نفی کی نفی کے کردار کی حامل ہوگی اور اس لئے ''انفرادی جائیداد،، کی بحالی ہوگی لیکن ایک بلندتر صورت میں، زمین اور آلات محنت کی مشترکہ ملکیت کی بنیاد پر۔ ہر مارکس اس نئی ''انفرادی جائیداد،، کو ''سماجی جائیداد،، بھی کہتے ہیں اور اس میں ہیگلی بلندتر اتحاد نمایاں ہوتا ہے جس میں سمجھا جاتا ہے کہ تضاد یک‌طرف ہو جاتا ہے (aufgehoben — ایک مختص ہیگلی اصطلاح) یعنی یہ کہ ہیگلی لفظی شعبدہ گری میں دور بھی ہو جاتا ہے اور برقرار بھی رہتا ہے...

''اس کی رو سے غاصبوں کا مغصوب ہو جانا گویا کہ تاریخی حقیقت کے مادی طور پر خارجی رشتوں میں اس کا خودکار نتیجہ ہے... نفی کی نفی جیسی ہیگلی لفظی شعبدہ گری پر یقین کر لینے کی بنیاد پر کسی معقول آدمی کو زمین اور سرمائے کی مشترکہ ملکیت کی ضرورت کا قائل کرنا مشکل ہوگا... لیکن مارکس کے تصورات کے موہوم پیوندی افکار اس شخص کو عجیب و غریب نہ معلوم ہوں گے جس کو احساس ہو کہ ہیگلی جدلیات کو سائنسی بنیاد بنا کر کیسی حماقت گھڑی جا سکتی ہے بلکہ کیسی حماقت اس سے لازمی طور پر پیدا ہوتی ہے۔ جو قاری ان پرکاریوں سے واقف نہ ہوں ان کے لئے واضح طور پر یہ بتانا ضروری ہے کہ ہیگل کی

پہلی نفی وہ ہے جسے مذہبی مباحث میں آدم کا جنت سے نکالا جانا کہتے ہیں اور اس کی دوسری نفی ایک بلندتر اتحاد کی ہے جو بخشائش تک پہنچاتی ہے۔ حقائق کی منطق مشکل ہی سے اس احمقانہ تمثیل پر مبنی کی جا سکتی ہے جو مذہبی دائرے سے مستعار لی گئی ہے... ہر مارکس اپنی جائیداد کی موہوم دنیا میں بڑے خوش ہیں جو انفرادی بھی ہے اور سماجی بھی اور اس گہری جدلیاتی پہیلی کو حل کرنے کا کام اپنے پیروؤں کےلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ ،، یہاں تک تو ہر ڈیورنگ ہیں۔

اینگلس کہتے ہیں: ''تو مارکس کے پاس سماجی انقلاب کا لزوم ثابت کرنے کا، زمین کی اور محنت کے پیدا کردہ ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت مسلم کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ ہیگلی نفی کی نفی کو استعمال کریں۔ اور چونکہ وہ اپنے سوشلسٹ نظریے کی بنیاد مذہب سے مستعار لی ہوئی ان احمقانہ تمثیلات پر رکھتے ہیں اس لئے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مستقبل کے سماج میں ایسی ملکیت غالب ہوگی جو بیک وقت انفرادی بھی ہوگی اور سماجی بھی، جیسی کہ یک‌طرف شدہ تضاد کا ہیگلی بلندتر اتحاد ہے۔ *

---

* یہ بات کہ ڈیورنگ کے خیالات کی یہ ترتیب مسٹر میخائیلوفسکی پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے، ان کے مضمون ''کارل مارکس کے خلاف وائی۔ ژوکوفسکی کا مقدمہ،، کی مندرجہ ذیل عبارت سے ثابت ہوتی ہے۔ مسٹر ژوکوفسکی کے اس دعوے پر اعتراض کرتے ہوئے کہ مارکس ذاتی جائیداد کی مدافعت کرتے ہیں، مسٹر میخائیلوفسکی مارکس کی اس اسکیم کا حوالہ دیتے ہیں اور مندرجہ‌ذیل الفاظ میں اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ ''اپنی اسکیم میں مارکس نے ہیگلی جدلیات کی دو مشہور چالوں سے کام لیا: پہلی تو یہ کہ یہ اسکیم ہیگلی تثلیث کے قوانین کے مطابق بنائی گئی، دوسری یہ کہ تحلیل مقالات کی بنیاد ضدین کی مماثلت پر ہے — انفرادی اور سماجی جائیداد۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں لفظ 'انفرادی، کے مختص، خالص مشروط، ایک جدلیاتی عمل کی اصطلاح والے معنی ہیں اور اس پر کسی بھی چیز کی بنیاد نہیں

''لیکن نفی کی نفی کو ذرا دیر کے لئے ایک طرف رہنے دیجئے اور آئیے ہم ذرا ملکیت پر دیکھیں جو 'بیک وقت انفرادی بھی ہوتی ہے اور سماجی بھی'۔ ہر ڈیورنگ اسے ایک 'موہوم دنیا' قرار دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس معاملے میں وہ درست ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے مارکس نہیں بلکہ خود ہر ڈیورنگ ہی اس بار بھی اس 'موہوم دنیا' میں ہیں... وہ ہیگل کے مطابق ایک جائیداد کا بلندتر اتحاد مارکس کے سر تھوپ کر ان کو درست کرتے ہیں، جس کا ایک لفظ بھی مارکس کے ہاں نہیں ہے۔

''مارکس کہتے ہیں: 'یہ نفی کی نفی ہے۔ یہ پیداوار کرنےوالے کے لئے ذاتی جائیداد ازسرنو نہیں قائم کرتی بلکہ اسے سرمایہ‌دارانہ دور کی حاصلات کی یعنی تعاون اور زمین و ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کی بنیاد پر انفرادی جائیداد دیتی ہے۔ انفرادی محنت سے پیدا ہونےوالی بکھری ہوئی ذاتی جائیداد کا سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد بن‌جانا قدرتی طور پر ایسا عمل ہے جو سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد کے، جوکہ عملی طور پر سماج بند پیداوار پر قائم ہوتی ہے، سماج بند جائیداد بن جانے سے کہیں زیادہ طویل، پرتشدد اور مشکل ہوتا ہے'۔ بس۔ اس لئے غاصب کے مغصوب ہو جانے سے پیدا ہونےوالی صورت حال کی تخصیص انفرادی جائیداد کے از سر نو قیام سے ہوتی ہے، لیکن زمین کی اور خود محنت کے پیداکردہ ذرائع پیداوار کی سماجی ملکیت کی بنیاد پر۔ جو شخص بھی جرمن سمجھتا ہے (اور روسی بھی مسٹر میخائیلوفسکی،

رکھی جا سکتی''۔ یہ ایک ایسے شخص نے لکھا تھا جو انتہائی قابل احترام نیت رکھتا تھا اور روسی پبلک کی نظر میں ''پرامید'' مارکس کو بورژوا مسٹر ژوکوفسکی سے بچا رہا تھا۔ اور اس قابل احترام نیت کے ساتھ وہ مارکس کی شرح و وضاحت یوں کرتے ہیں کہ انہوں نے عمل کے اپنے تصور کی بنیاد ''چالوں'' پر رکھی تھی! مسٹر میخائیلوفسکی کو اس سے یہ سبق حاصل کرنے چاہئے، جو ان کے لئے غیرمفید نہ ہوگا کہ بات چاہے کچھ بھی ہو، صرف قابل احترام نیت ذرا ناکافی ہوتی ہے۔

اس لئے کہ ترجمہ بالکل صحیح ہے) اس کے لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ سماجی ملکیت زمین اور دوسرے ذرائع پیداوار پر محیط ہوتی ہے اور انفرادی ملکیت پیداواروں پر یعنی استعمالی چیزوں پر - اور بات کو چھہ سال کے بچوں کے لئے بھی قابل فہم بنانے کے لئے مارکس نے صفحہ ٥٦ (روسی ایڈیشن صفحہ ٣٠) پر فرض کیا ہے 'آزاد افراد کا ایک اتحاد، جو مشترکہ ذرائع پیداوار سے اپنا کام کرتے ہیں، جس میں سارے مختلف افراد کی طاقت محنت کا اطلاق شعوری طور پر اتحاد کی مشترکہ و متحدہ طاقت محنت کی طرح کیا جاتا ہے، ؛ یعنی ایک سماج جو سوشلسٹ بنیاد پر منظم ہے ؛ اور وہ کہتے ہیں کہ 'ہمارے اتحاد کی مجموعی پیداوار ایک سماجی پیداوار ہے۔ ایک حصہ تازہ ذرائع پیداوار کا کام دیتا ہے اور سماجی رہتا ہے۔ لیکن دوسرے حصے کو اراکین ذرائع گذر اوقات کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے درمیان اس حصے کی تقسیم ضروری ہو جاتی ہے،۔ اور یقیناً یہ ہر ڈیورنگ کے لئے بھی کافی واضح ہوگا...

''جائیداد جو بیک وقت انفرادی بھی ہے اور سماجی بھی، یہ الجھن میں ڈالنےوالی پیوندی چیز، یہ حماقت جو لازمی طور پر ہیگلی جدلیات سے پیدا ہوتی ہے، یہ موہوم دنیا، یہ گہری جدلیاتی پہیلی، جسے مارکس نے چھوڑ دیا ہے کہ ان کے پیرو خود ہی حل کریں — ہر ڈیورنگ ہی کی ایک اور آزاد تخلیق اور انہیں کا تخیل ہے...''

اینگلس اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''لیکن مارکس کے ہاں نفی کی نفی کون‌سا رول ادا کرتی ہے؟ صفحہ ٧٩١ اور بعد کے صفحوں پر (روسی ایڈیشن میں صفحہ ٦٤٨ بعدہ) انہوں نے وہ آخری نتائج پیش کئے ہیں جو انہوں نے اس سے پہلے کے ٥٠ (روسی ایڈیشن کے ٣٥) صفحوں پر پھیلی ہوئی سرمایہ کے نام نہاد ابتدائی اندوختہ کی معاشی اور تاریخی تفتیش سے اخذ کئے ہیں۔ سرمایہ‌دارانہ دور سے پہلے چھوٹی صنعت، کم سے کم انگلینڈ میں، ذرائع پیداوار میں مزدور کی ذاتی جائیداد کی بنیاد پر موجود تھی۔ وہاں سرمائے کا نام نہاد ابتدائی اندوختہ ان براہ راست پیداوار کرنےوالوں کو بےجائیداد کر دینے پر یعنی ذاتی جائیداد کے

مالک کی محنت پر مبنی ذاتی جائیداد کو ختم کر دینے پر مشتمل تھی۔ ایسا کرنا اس لئے ممکن ہوا کہ مندرجہ بالا چھوٹی صنعت پیداوار اور سماج کی تنگ اور ابتدائی حدوں کے ساتھ ہی میل کھاتی ہے اور ایک خاص مرحلے پر خود اپنی نیستی کے مادی عاملوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ نیستی، انفرادی اور بکھرے ہوئے ذرائع پیداوار کا سماجی طور پر مرتکز ذرائع پیداوار بن جانا سرمائے کی تاریخ ماقبل ہے۔ جیسے ہی محنت کش پرولتاری ہو جاتے ہیں، ان کے ذرائع محنت سرمایہ بن جاتے ہیں، جیسے ہی سرمایہ دارانہ طرز پیداوار اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے ویسے ہی محنت کی مزید سماج بندی اور زمین اور دوسرے ذرائع پیداوار کی مزید تبدیلی (سرمائے میں) اور اس لئے ذاتی مالکوں کا مزید بے جائیداد ہونا ایک نئی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ 'اب جس چیز کو مغصوب کرنا ہے وہ اپنے لئے کام کرنے والا مزدور نہیں بلکہ بہت سے مزدوروں کا استحصال کرنے والا سرمایہ دار ہوتا ہے۔ یہ غصب خود سرمایہ دارانہ پیداوار کے غیر تغیر پذیر قوانین ہی کے عمل سے، سرمائے کے ارتکاز سے انجام پاتا ہے۔ ایک سرمایہ دار ہمیشہ بہتوں کو مارتا ہے۔ اس ارتکاز یا چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں بہت سے سرمایہ داروں کے مغصوب ہونے کے ساتھ ساتھ محنت کے عمل کی کوآپریٹیو صورت، سائنس کا شعوری ٹکنیکی اطلاق، زمین کی باقاعدہ کاشت آلات محنت کا ایسے آلات محنت بن جانا جو صرف مشترکہ طور پر استعمال کئے جا سکتے ہیں، سارے ذرائع پیداوار کو مشترکہ، سماج بند محنت کے ذرائع پیداوار کی حیثیت سے استعمال کر کے ان میں کفایت شعاری روز بروز زیادہ بڑے پیمانے پر ترقی کرتی ہے۔ سرمایہ کے اکابر کی مسلسل گھٹتی ہوئی تعداد کے ساتھ ساتھ جو تبدیلی کے اس عمل کی ساری برتریوں کو غصب کرتے اور اپنا اجارہ بنا لیتے ہیں دکھ درد، استبداد، غلامی، ذلت، استحصال کا ہجوم بھی بڑھتا جاتا ہے؛ لیکن اسی کے ساتھ ہی مزدور طبقے کی بغاوت بھی بڑھتی جاتی ہے جو خود سرمایہ دارانہ پیداوار کے عمل کے میکانزم ہی کی بدولت تعداد میں برابر بڑھتا جاتا ہے، متحد اور منظم ہوتا جاتا ہے۔ سرمایہ طرز پیداوار کے لئے جو اسی کے ساتھ ہی اور اس کے تحت پیدا ہوئی اور پروان چڑھی ہے بیڑی بن جاتا ہے۔ ذرائع پیداوار کا

ارتکاز اور محنت کی سماج بندی بالآخر ایسے مقام پر پہنچ جاتے ھیں جہاں وہ اپنے سرمایہ‌دارانہ اوپری خول سے میل نہیں کھاتے۔ یہ خول پھٹ جاتا ھے۔ سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد کا جنازہ اٹھ جاتا ھے۔ غاصبوں کو مغصوب کیا جاتا ھے۔

''اور اب میں قاری سے پوچھتا ھوں: جدلیاتی تام جھام اور تصوراتی گورکھ دھندے کہاں ھیں، وہ خلط ملط اور غلط خیالات کہاں ھیں جن کی رو سے ھر چیز آخر میں وھی ایک ھی چیز بن‌جاتی ھے؛ اپنے وفادار پیرؤں کے لئے جدلیاتی معجزے کہاں ھیں؛ ھیگلی Logos (١١٠) سے مطابقت رکھنےوالی پراسرار جدلیاتی بکواس اور بھول بھلیاں کہاں ھے جس کے بغیر ھر ڈیورنگ کے کہنے کے مطابق مارکس اپنی تشریح و توضیح کو شکل پذیر ھی نہیں کر سکتے؟ مارکس صرف تاریخ سے ثابت کرتے ھیں اور یہاں مجمل طور پر بیان کرتے ھیں کہ جیسے پہلے چھوٹی صنعت نے اپنے ارتقا ھی سے لازمی طور پر خود اپنی نیستی کے حالات پیدا کئے... ویسے ھی اب سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار نے وہ مادی حالات پیدا کئے ھیں جن سے اسے ضرور تباہ ھو جانا چاھئے۔ یہ عمل ایک تاریخی عمل ھے اور اگر یہ اس کے ساتھ ھی ایک جدلیاتی عمل بھی ھے تو یہ مارکس کا قصور نہیں ھے چاھے ھر ڈیورنگ کے لئے یہ کتنا ھی ناپسندیدہ کیوں نہ ھو۔

''اور صرف اسی مقام پر جب مارکس تاریخی اور معاشی حقائق کی بنیاد پر اپنا ثبوت پورا کر چکے تب وہ آگے بڑھتے ھیں: ''غصب کرنے کی سرمایہ‌دارانہ طرز، سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کے نتیجے سے سرمایہ‌دارانہ ذاتی جائیداد پیدا ھوتی ھے۔ یہ انفرادی ذاتی جائیداد کی پہلی نفی ھے جو کہ مالک کی محنت کی بنیاد پر قائم ھوتی ھے۔ لیکن سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار ایک قانون فطرت کے اٹل پن کے ساتھ خود اپنی نفی کو جنم دیتی ھے۔ یہ نفی کی نفی ھے،، وغیرہ (جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ھے)۔

''یوں، اس عمل کو نفی کی نفی قرار دے کر مارکس کی یہ نیت نہیں ھے کہ یہ عمل تاریخی اعتبار سے لازمی تھا۔ برعکس اس کے جب وہ تاریخ سے یہ ثابت کر چکے کہ دراصل یہ عمل جزوی طور پر پہلے ھی روپذیر ھو چکا ھے اور جزوی طور پر

مستقبل میں اسے ضرور روپذیر ہونا چاہئے تو بھی وہ اس کے علاوہ اسے ایسا عمل قرار دیتے ہیں جو ایک معین جدلیاتی قانون کے مطابق ترقی کرتا ہے۔ بس۔ چنانچہ جب ہر ڈیورنگ یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہاں نفی کی نفی کو ماضی کے بطن سے مستقبل کو جنانے کے لئے دائی کا کام کرنا پڑتا ہے، یا یہ کہ مارکس... نفی کی نفی پر یقین کی بنیاد پر... کسی کو زمین اور سرمائے کی مشترکہ ملکیت کا قائل کرنا چاہتے ہیں تو یہ ایک بار پھر حقائق کو سیدھے سیدھے مسخ کرنا ہے،، (صفحہ ۱۲۵)۔ قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ اینگلس نے ڈیورنگ کی جو شاندار تردید کی ہے اس کا اطلاق پوری طرح مسٹر میخائیلوفسکی پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ وہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ مارکس کے نزدیک مستقبل ہیگلی سلسلے کے سرے پر ٹکا ہوا ہے اور یہ کہ اس کے ناگزیر ہونے کا یقین صرف ایمان پر مبنی ہو سکتا ہے۔ *

ڈیورنگ اور مسٹر میخائیلوفسکی کے درمیان سارا فرق صرف دو چھوٹی چھوٹی باتوں کا رہ جاتا ہے: پہلی تو یہ کہ ڈیورنگ نے باوجود اس کے کہ وہ کف در دہاں ہوئے بغیر مارکس کا ذکر نہیں کر سکتا تھا، پھر بھی اپنی ''تاریخ،، کے اگلے حصے میں یہ ذکر کرنا ضروری سمجھا کہ مارکس نے پس‌لفظ (۱۱۱) میں ہیگلیت کے الزام کو قطعی طور پر رد کر دیا ہے۔ لیکن مارکس کے (مندرجہ بالا) قطعی اور واضح بیانات کے سلسلے میں کہ ان کے

---

* میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں یہ بات ذہن‌نشین کر لینا مناسب ہوگا کہ اینگلس کی دی ہوئی پوری وضاحت اسی باب میں شامل ہے جس میں انہوں نے بیج، روسو کی تعلیمات اور جدلیاتی عمل کی دوسری مثالیں دی ہیں۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ مارکسزم کے سر ہیگلی جدلیات کا الزام لگانے کی حماقت ان مثالوں کا موازنہ اینگلس کے (اور مارکس کے، جنھیں طباعت سے پہلے اس کا مسودہ پڑھ کر سنایا گیا تھا) واضح اور قطعی بیانات کے ساتھ کر لینے ہی سے کافی واضح ہو گئی ہوگی اور تثلیث سے کوئی چیز ثابت کرنے کا یا حقیقی عمل کی تصویر کشی میں ان تثلیثات کے ''مشروط ارکان،، کو داخل کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا۔

نزدیک جدلیاتی طریق‌کار کیا ہے، مسٹر میخائیلوفسکی نے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔

دوسری یہ کہ مسٹر میخائیلوفسکی کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ساری توجہ صیغوں کے استعمال پر صرف کر دی ہے۔ جب مارکس مستقبل کی بات کرتے ہیں تو صیغۂ حال کیوں استعمال کرتے ہیں؟ — ہمارے فلسفی نے بڑے فاتحانہ انداز میں سوال کیا ہے۔ جناب لائق‌ترین ناقد صاحب اس کا جواب آپ کسی بھی قواعد کی کتاب میں دیکھ سکتے ہیں: اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ جب مستقبل کو ناگزیر اور یقینی سمجھا جاتا ہے تو اس کے بارے میں مستقبل کی بجائے حال کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا کیوں یقینی ہے؟ — مسٹر میخائیلوفسکی بڑی تشویش کے ساتھ پوچھتے ہیں اور اتنی گہری پریشانی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ توڑ مروڑ کا بھی جواز پیدا ہو جائے۔ لیکن اس بات کا بھی مارکس نے بالکل قطعی جواب دیا ہے۔ آپ اسے ناکافی یا غلط سمجھ سکتے ہیں لیکن اس صورت میں آپ کو ہیگلیت کے بارے میں احمقانہ باتیں نہ کرنی چاہئیں بلکہ بتانا چاہئے کہ یہ جواب ٹھیک ٹھیک کیوں اور ٹھیک ٹھیک کیسے غلط ہے۔

ایک زمانہ تھا جب مسٹر میخائیلوفسکی کو نہ صرف یہ کہ خود یہ جواب معلوم تھا بلکہ اس کے بارے میں وہ دوسروں کو لیکچر دیا کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۸۷۷ء میں لکھا تھا کہ مسٹر ژوکوفسکی کے پاس مارکس کے مستقبل کے تصور کو قیاسی سمجھنے کی معقول بنیاد تھی لیکن انھیں محنت کی سماج بندی کے سوال کو نظرانداز کرنے کا ''کوئی اخلاقی حق نہیں تھا جسے مارکس نے زبردست اہمیت دی ہے''۔ جی ہاں، بیشک! ۱۸۷۷ء میں ژوکوفسکی کو اس سوال سے چشم پوشی کرنے کا کوئی حق نہیں تھا لیکن ۱۸۹۴ء میں مسٹر میخائیلوفسکی کو یہ اخلاقی حق حاصل ہے! شاید جو کچھ عظیم دیوتا کر سکتا ہے وہ اس کا بیل نہیں کر سکتا؟!

مجھے لازمی طور پر اس سماج بندی کا ایک عجیب و غریب خیال یاد آتا ہے جو ایک بار ''اوتیچیستوینّی زاپیسکی'' (۱۱۲) میں ظاہر کیا گیا تھا۔ اس رسالے نے ۱۸۸۳ء میں اپنے شمارہ ۷ میں

''ایڈیٹر کے نام ایک خط،، شائع کیا جو کسی مسٹر پسترووننی نے لکھا تھا: مسٹر میخائیلوفسکی کی طرح وہ بھی مستقبل کے بارے میں مارکس کے ''تصور،، کو قیاسی سمجھتے تھے۔ ان صاحب نے دلیل پیش کی کہ ''بنیادی طور پر سرمایہ‌داری کے تحت محنت کی سماجی صورت بس یہ ہو جاتی ہے کہ کئی سو یا ہزاروں مزدور ایک ہی چھت کے نیچے ریتائی کرتے ہیں، ہتھوڑے چلاتے ہیں، خراد کرتے ہیں، دھرتے ہیں، اٹھاتے ہیں، کھینچتے ہیں اور مختلف دوسرے کام کرتے ہیں۔ جہاں تک اس نظام کے عام کردار کا سوال ہے وہ اس کہاوت میں بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ 'ہر شخص اپنے لئے اور سب کے لئے خدا'۔ تو اس میں محنت کی سماجی صورت کہاں سے آجاتا ہے؟،، تو آپ فوراً ہی یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اس شخص نے سمجھ لیا ہے کہ ساری بات کیا ہے! ''محنت کی سماجی صورت بس یہ ہو جاتی ہے،، کہ ''ایک چھت کے نیچے کام ہوتا ہے،،!! اور اس طرح کے بے‌تکے خیالات ایسے رسالے میں شائع ہوتے ہیں جو ابھی تک کے بہترین رسالوں میں ہے تو بھی لوگ ہمیں یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ''سرمایہ،، کے نظریاتی حصے کو سائنس عام طور پر تسلیم کرتی ہے۔ جی ہاں چونکہ ''عام طور پر مسلمہ سائنس،، ''سرمایہ،، پر ذرا سا بھی سنجیدہ اعتراض کرنے کے لائق نہ تھی اس لئے اس نے تعظیم و تکریم تو شروع کردی لیکن ساتھ ہی ساتھ انتہائی ابتدائی جہالت کا بھی ثبوت دیتی رہی اور اسکولی معاشیات کے پرانے عامیانہ‌پن کو دوہراتی رہی۔ ہمیں اس سوال پر تفصیل سے بات کرنی چاہئے تاکہ مسٹر میخائیلوفسکی کو دکھا سکیں کہ معاملے کا جوہر کیا ہے جسے وہ عادتاً بالکل ہی نظرانداز کر گئے ہیں۔

سرمایہ‌دارانہ پیداوار کے ذریعے محنت کی سماج بندی اس امر پر ہرگز نہیں مشتمل ہوتی کہ لوگ ایک ہی چھت کے نیچے کام کرتے ہیں (یہ تو عمل کا ایک بہت ہی چھوٹا حصہ ہے) بلکہ اس امر پر مشتمل ہوتی ہے کہ سرمائے کے ارتکاز کے ساتھ ساتھ سماجی محنت کی خصوصی مہارت بندی، صنعت کی ہر مخصوص شاخ میں سرمایہ‌داروں کی تعداد میں کمی اور صنعت کی الگ الگ شاخوں کی تعداد میں اضافہ اور بہت سی شاخوں میں الگ الگ پیداواری

عواسل کا ایک سماجی پیداواری عمل میں انضمام بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب دستکاری کی بنائی کے دنوں میں چھوٹی پیداوار کرنےوالے خود ہی سوت کاتتے تھے اور اس سے کپڑا تیار کرتے تھے، تو صنعت کی کم ہی شاخیں تھیں (کتائی اور بنائی ایک ہی میں ضم تھیں)۔ لیکن جب سرمایہ‌داری کے ذریعے پیداوار سماج بند ہوتی ہے تو صنعت کی الگ الگ شاخوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے: روئی کی کتائی الگ کی جاتی ہے اور بنائی بھی الگ ہوتی ہے؛ یہ تقسیم اور ارتکاز ہی نئی شاخوں کو یعنی مشین سازی، کوئلے کی کانکنی وغیرہ کو جنم دیتا ہے۔ صنعت کی ہر شاخ میں، جو اب زیادہ مہارت بند ہو گئی ہے، سرمایہ‌داروں کی تعداد برابر کم ہوتی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیداوار کرنےوالوں کے درمیان سماجی رشتہ روز بروز زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے، پیداوار کرنےوالے ایک واحد کل میں جڑ جاتے ہیں۔ الگ الگ چھوٹی پیداوار کرنےوالے ہر ایک کئی کام بیک وقت انجام دیتے تھے اور اس لئے نسبتاً ایک دوسرے سے آزاد تھے: مثلاً جب دستکار خود ہی پٹسن بوتا تھا اور خود ہی اس کی کتائی اور اس سے بنائی کرتا تھا تو وہ دوسروں سے تقریباً بالکل آزاد تھا۔ جنس تجارت کی چھوٹے چھوٹے، بکھرے ہوئے پیداوار کرنےوالوں کے اس (اور صرف اسی) نظام نے اس کہاوت کا جواز پیدا کیا کہ ''ہر شخص اپنے لئے اور سب کے لئے خدا''، یعنی منڈی کے اتار چڑھاؤ کا نراج۔ محنت کی جو سماج بندی سرمایہ‌داری کی بدولت حاصل ہوتی ہے اس میں معاملہ بالکل ہی مختلف ہوتا ہے۔ جو کارخانہ‌دار کپڑا تیار کرتا ہے وہ روئی کا سوت تیار کرنےوالے پر انحصار کرتا ہے، موخرالذکر سرمایہ‌دار فارم مالک پر جو کپاس پیدا کرتا ہے، انجینیرنگ کارخانے کے، کوئلے کی کانوں کے مالک پر اور دوسرے لوگوں پر انحصار کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی سرمایہ‌دار کا کام دوسرے سرمایہ‌داروں کے بغیر نہیں چلتا۔ یہ بات صاف ہے کہ ''ہر شخص اپنے لئے،، والی کہاوت اس طرح کے نظام پر بالکل لاگو نہیں ہوتی: یہاں ایک سب کے لئے کام کرتا ہے اور سب ہر ایک کے لئے (اور خدا کے لئے کوئی جگہ نہیں رہ جاتی نہ ماورائے ارضی خیال کی حیثیت سے نہ ارضی ''سنہرے بچھڑے،، کی حیثیت

سے)۔ نظام کا کردار بالکل بدل جاتا ہے۔ جب چھوٹے، الگ الگ کارخانوں کے نظام میں ان میں سے کسی ایک میں کام رک جاتا تھا تو اس سے سماج کے صرف چند اراکین متاثر ہوتے تھے، اس سے کوئی عام گڑبڑ نہیں مچتی تھی اور اس لئے نہ اس طرف عام توجہ کی جاتی تھی نہ پبلک مداخلت کا اشتعال ہوتا تھا۔ لیکن جب کسی بڑے کارخانے میں، کسی ایسے کارخانے میں کام بند ہو جاتا ہے جو صنعت کی ایک بہت ہی مہارت‌بند شاخ سے تعلق رکھتا ہے اور اس لئے پورے سماج کے لئے کام کرتا ہے اور اپنی طرف سے پورے سماج پر انحصار کرتا ہے (سہولت کے خیال سے میں نے ایک ایسی حالت لی ہے جب سماج‌بندی نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے) تو سماج کے دوسرے سارے کارخانوں میں کام بند ہو جانا لازمی ہے کیونکہ انہیں جن پیداواروں کی ضرورت ہے وہ اسی کارخانے سے حاصل ہو سکتی ہیں اور وہ اپنی ساری جنس تجارت اس وقت ٹھکانے لگا سکتے ہیں جب اس کارخانے کی جنس تجارت دستیاب ہوں۔ یوں سارے پیداواری عوامل ایک واحد سماجی پیداواری عمل میں ضم ہو جاتے ہیں؛ پھر بھی ہر شاخ کو ایک الگ سرمایہ‌دار چلاتا ہے اس کا انحصار اسی پر ہوتا ہے اور سماجی پیداوار اس کی ذاتی جائیداد ہوتی ہے۔ کیا یہ بات صاف نہیں ہے کہ پیداوار کی صورت اور جائیداد ہتھیانے کی صورت میں ناقابل مصالحت تضاد پیدا ہو جاتا ہے؟ کیا یہ عیاں نہیں ہے کہ موخرالذکر کو اپنے آپ کو اول‌الذکر کے مطابق ڈھال لینا چاہئے اور سماجی یعنی سوشلسٹ ہو جانا چاہئے؟ لیکن ''اوتیچیستوینّی زاپیسکی،، کا بانکا بدتہذیب اسے صرف ایک چھت کے نیچے کام بنا دیتا ہے۔ کیا کوئی چیز اس سے بھی زیادہ بے‌تکی اور بے‌تعلق ہو سکتی ہے! (میں نے صرف مادی عمل کو، صرف پیداواری رشتوں میں تبدیلی کو بیان کیا ہے اور اس عمل کے سماجی پہلو یعنی اس حقیقت کا ذکر بھی نہیں کیا کہ مزدور متحد، یکجا اور منظم ہو جاتے ہیں اس لئے کہ یہ مشتق اور ثانوی مظہر ہے)۔

ایسی ابتدائی چیزیں بھی جو روسی ''جمہوریت پسندوں،، کو سمجھانی پڑتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پٹی‌بورژوا خیالات کی کیچڑ میں اس بری طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ سوائے

پٹی بورژوا نظام اشیا کے کسی اور چیز کا تصور کرنا ان کے بس میں نہیں ہے۔

بہر حال، آئیے پھر مسٹر میخائیلوفسکی کی بات پر واپس آ جائیں۔ انھوں نے ان حقائق اور دلیلوں پر کون سے اعتراضات کئے ہیں جن پر مارکس نے اس نتیجے کی بنیاد رکھی ہے کہ سرمایہ‌دارانہ ارتقا کے قوانین ہی کی بنا پر سوشلسٹ نظام ناگزیر ہے؟ کیا انھوں نے یہ ثابت کیا کہ درحقیقت سماجی معیشت کی جنس تجارت‌والی تنظیم کے تحت سماجی محنت کے عمل کی بڑھتی ہوئی مہارت‌بندی نہیں ہوتی، سرمائے اور کارخانوں کا کوئی ارتکاز نہیں ہوتا، محنت کے پورے عمل کی سماج‌بندی نہیں ہوتی؟ نہیں، ان حقائق کی تردید میں انھوں نے ایک بھی دلیل پیش نہیں کی۔ کیا انھوں نے اس بادلیل دعوے کو متزلزل کیا کہ نراج جو کہ محنت کی سماج‌بندی کے ساتھ کبھی میل نہیں کھا سکتا سرمایہ‌دارانہ سماج کی طبعی خصوصیت ہے؟ انھوں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ کیا انھوں نے یہ ثابت کیا کہ سارے سرمایہ‌داروں کے محنت کے عوامل کا ایک واحد سماجی محنت کے عمل میں مدغم ہو جانا ذاتی جائیداد کے ساتھ ہم‌آہنگ ہوتا ہے، یا یہ کہ اس تضاد کے جس حل کی نشاندھی مارکس نے کی ہے اس کے علاوہ بھی اس کا کوئی حل ممکن یا متصور ہے؟ نہیں، انھوں نے اس کے بارے میں ایک بھی لفظ نہیں کہا۔

تو پھر ان کی تنقید کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ چالبازیوں پر، توڑمروڑ پر اور لفظوں کے ایک ریلے پر جو کھڑبڑ کے شور سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔

آخر اور کس طرح ہم اس ناقد کے طریق‌کار کو بیان کریں جو پہلے تاریخ کے تہرے پے‌در پے زینوں کے بارے میں بہت سی لغو باتیں کرنے کے بعد مارکس سے بڑی سنجیدگی سے مطالبہ کرتے ہیں: ”پھر اس کے بعد کیا؟“، یعنی مارکس نے اس عمل کا جو آخری مرحلہ بیان کیا ہے اس کے بعد تاریخ کس طرح آگے بڑھےگی؟ اس بات کو ذہن نشین رکھئے کہ مارکس نے اپنی ادبی اور انقلابی سرگرمیوں کے شروع ہی سے بہت قطعی طور پر مطالبہ کیا تھا کہ عمرانیاتی نظریے کو حقیقی عمل کی آئینہ‌داری صحیح طور پر

کرنی چاهئے — اور اس سے زیادہ کچھ نہیں (ملاحظه هو مثال کے طور پر کمیونسٹ نظریے (۱۱۳) کے معیار کے بارے میں ''کمیونسٹ مینی‌فسٹو،،) - اپنے ''سرمایه،، میں بھی اپنے اس مطالبے پر وہ سختی کے ساتھ قائم رهے: انهوں نے اپنا کام یه طے کیا که سماج کی سرمایه‌دارانه صورت کا ایک سائنسی تجزیه پیش کرنا هے اور اسی پر انهوں نے اکتفا کی اور یه دکھا دیا که هماری نظروں کے سامنے اس تنظیم کا جو ارتقا هو رها هے وہ فلاں فلاں میلان رکھتا هے، که اسے لازمی طور پر تباہ هو جانا چاهئے اور ایک دوسری، بلند تر تنظیم بن جانا چاهئے - لیکن مسٹر میخائیلوفسکی مارکس کے نظریے کے پورے جوهر کو نظرانداز کرتے هوئے اپنا احمقانه سوال کرتے هیں که ''پھر اس کے بعد کیا؟،، اور بڑے عالمانه انداز میں یه بھی فرماتے هیں که ''میں صاف گوئی کے ساتھ اعتراف کرتا هوں که میں یه نهیں سمجھ پا رها هوں که اینگلس کا جواب کیا هوگا،، - لیکن هم اپنے طور پر صاف گوئی کے ساتھ اعتراف کرتے هیں که هم اچھی طرح سمجھ رهے هیں که اس طرح کی ''تنقید،، کس جذبے کے تحت کی جا رهی هے اور اس کے طریق‌کار کیا هیں!

یا مندرجه ذیل دلیل کو لیجئے: ''ازمنهٔ وسطی میں مالک کی اپنی محنت پر مبنی مارکس کی انفرادی جائیداد معاشی رشتوں کے دائرے میں نه واحد عنصر تھی نه غالب عنصر - بهت کچھ اس کے علاوہ بھی تھا لیکن مارکس کی تفسیر میں جدلیاتی طریق‌کار (لیکن اس کے مسٹر میخائیلوفسکی کے مسخ کردہ بیان میں نهیں؟) اس کی طرف مراجعت کی تجویز نهیں کرتا ... یه بات صاف هے که یه ساری اسکیمیں تاریخی حقیقت کی یا اس کے تناسب کی بھی تصویر نهیں پیش کرتیں؛ وہ بس انسانی ذهن کے اس میلان کی تشفی کرتی هیں که هر چیز کے بارے میں اس کی ماضی، حال اور مستقبل کی حالت میں سوچا جائے،، - مسٹر میخائیلوفسکی، آپ کا چیزوں کو مسخ کرنے کا انداز بھی اتنا بے‌کیف اور یکساں هے که جی مچ جاتا هے - مارکس کی اسکیم سرمایه‌داری کے ارتقا کے واقعی عمل

کے علاوہ کسی بھی چیز کی تشکیل کرنے کا دعوی نہیں کرتی*
لیکن اس میں پہلے تو تثلیث سے ہر چیز ثابت کرنے کی نیت ٹھونستے
ہیں، پھر اعلان کرتے ہیں کہ مارکس کی اسکیم اس منصوبے کی
پابندی نہیں کرتی جو اس پر مسٹر میخائیلوفسکی نے منڈھ دیا ہے
(تیسرا مرحلہ مرحلے کے صرف ایک پہلو کو بحال کرتا ہے، باقیوں
کو چھوڑ دیتا ہے) اور پھر انتہائی بھونڈے طریقے سے یہ نتیجہ
اخذ کرتے ہیں کہ ''اسکیم ظاہر ہے کہ تاریخی حقیقت کی تصویر
نہیں پیش کرتی،،!

کیا ایسے شخص کے ساتھ کسی سنجیدہ بحث کا تصور بھی
کیا جا سکتا ہے جو (جیساکہ اینگلس نے ڈیورنگ کے بارے میں کہا
تھا) استثنا کے طور پر بھی کوئی حوالہ صحیح نہیں نقل کر
سکتا؟ جب پبلک کو یہ یقین دلادیا جاتا ہے کہ ''یہ بات صاف ہے
کہ،، اسکیم حقیقت کی پابندی نہیں کرتی اور اس کے نقص کو کسی
بھی سلسلے میں دکھانے کی کوشش تک نہیں کی جاتی تو کیا کوئی
بحث کی جا سکتی ہے؟

مارکسی خیالات کے اصل مواد کی تنقید کرنے کی بجائے مسٹر
میخائیلوفسکی اپنی ذہانت ماضی، حال اور مستقبل کے زمروں کے
موضوع پر صرف کرتے ہیں۔ مثلاً اینگلس نے ہر ڈیورنگ کی ''دائمی
سچائیوں،، کے خلاف بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''ہمیں آج
جس اخلاق... کا وعظ دیا جاتا ہے وہ تہرا اخلاق ہے: عیسائی
جاگیردارانہ، بورژوا اور پرولتاری، چنانچہ ماضی، حال اور مستقبل
کے اخلاق کے اپنے اپنے نظریے (۱۱۴) ہیں۔ اس سلسلے میں
مسٹر میخائیلوفسکی حسب ذیل استدلال کرتے ہیں: ''میرا خیال
ہے کہ ماضی، حال اور مستقبل کے زمرے ہی ہیں جو ادوار میں

---

* ازمنۂ وسطی کے معاشی نظام کی دوسری خصوصیتوں کو
ترک کر دیا گیا ہے اس لئے کہ ان کا تعلق جاگیردارانہ سماجی
تشکیل سے تھا جبکہ مارکس نے صرف سرمایہ‌دارانہ تشکیل کی تفتیش
کی ہے۔ اپنی خالص صورت میں سرمایہ‌دارانہ ارتقا — مثلاً انگلستان
میں — چھوٹے، الگ الگ جنس تجارت پیدا کرنےوالوں اور ان کی
انفرادی محنت کی جائیداد کے نظام سے شروع ہوا۔

تاریخ کی ساری تہری تقسیم کی ته میں کارفرما هیں،،۔ کیا گہرائی هے! کون نہیں جانتا که اگر کسی سماجی مظہر کی جانچ اس کے ارتقا کے عمل میں کی جائے تو اس میں ماضی کی باقیات، حال کی بنیادیں اور مستقبل کے جراثیم همیشه دریافت هوں گے؟ لیکن کیا اینگلس نے، مثلاً، یه دعوی کرنے کا خیال بھی کیا تھا که اخلاق کی تاریخ (هم جانتے هیں که وه صرف ''حال،، کی بات کر رہے تھے) بیان کرده تین هی عناصر تک محدود تھی، که مثلاً جاگیردارانه اخلاق سے پہلے غلام اخلاق نہیں تھا اور اس سے بھی پہلے ابتدائی کمیونسٹ برادری کا اخلاق نہیں تھا؟ اینگلس نے اخلاقی خیالات کی وضاحت مادیت پسندانه طور سے کرکے ان میں جدید رجحانات واضح کرنے کی جو کوشش کی هے اس کی سنجیدگی سے تنقید کرنے کی بجائے مسٹر میخائیلوفسکی هماری ضیافت انتہائی کھوکھلی فقرے بازی سے کرتے هیں!

مسٹر میخائیلوفسکی نے ''تنقید،، کے ان جیسے طریقوں سے کام لیا هے جو اس بیان سے شروع هوتی هے که انهیں معلوم نہیں که کہاں، کس تصنیف میں تاریخ کا مادی تصورکلی بیان کیا گیا هے، اس کے سلسلے میں شاید یه یاد کرنا مناسب هوگا که ایک زمانه تھا جب موصوف ان میں سے ایک تصنیف سے واقف تھے اور اس کی قدروقیمت کا زیاده صحیح تعین کرنے کے لائق تھے۔ ۱۸۷۷ء میں مسٹر میخائیلوفسکی نے ''سرمایه،، کے بارے میں مندرجه ذیل رائے ظاهر کی تھی: ''اگر هم 'سرمایه' پر سے هیگلی جدلیات کا بھاری، بھونڈا اور غیرضروری ڈھکنا هٹا دیں،، (کیسی عجیب بات هے! یه کیسے هوا که ''هیگلی جدلیات،، ۱۸۷۷ء میں تو غیرضروری تھی لیکن ۱۸۹۴ء میں یه لگتا هے که مادیت ''جدلیاتی عمل کے ناقابل بحث هونے،، پر قائم هے؟) ''تو، اس مضمون کی دوسری خوبیوں کے علاوه هم اس میں صورتوں کے وجود کے مادی حالات سے ان کے رشتے کے عام سوال کے جواب کے لئے بہت هی شاندار طریقے سے واضح کیا هوا مواد اور ایک متعین دائرے کے لئے اس سوال کی بہت عمده تشکیل کا مشاهده کریں گے،،۔ ''صورتوں کے وجود کے مادی حالات سے ان کا رشته،، — ارے، سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے درمیان تعلق باهم کا، مادی رشتوں کی بنیاد پر نظریاتی

سماجی رشتوں کے بالائی ڈھانچے کا مسئلہ ہی یہی ہے، ایسا مسئلہ جس کے معروف حل سے مادیت کا نظریہ عبارت ہے۔ ذرا اور آگے پڑھئیے۔

''فی‌الواقعہ پورا 'سرمایہ،، (فقرے کے نیچے خط میرا ہے) ''اس امر کی تفتیش کے لئے وقف ہے کہ سماج کی کوئی صورت ایک بار وجود پذیر ہو جانے کے بعد کیسے ترقی کرتی رہتی ہے اور اپنی مخصوص خصوصیتوں کو نمایاں تر کرتی رہتی ہے، پیداوار کے طریقوں میں دریافتوں، ایجادات اور بہتریوں کو، نئی منڈیوں اور خود سائنس کو اپنا تابع بناتی رہتی ہے اور اپنے آپ میں سموتی رہتی ہے اور انھیں اپنے لئے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور بالآخر کیسے وہ مخصوص صورت مادی حالات میں مزید تبدیلیوں کی تاب نہیں لا سکتی،،۔

حیرت انگیز بات ہے! ۱۸۷۷ء میں ''پورا سرمایہ،، سماج کی ایک مخصوص صورت کی مادی تفتیش کے لئے وقف تھا (اور مادیت اگر مادی حالات سے سماج کی صورتوں کی وضاحت کرنے پر نہیں تو اور کس چیز پر مشتمل ہے؟)، جب کہ ۱۸۹۴ء میں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں، کس تصنیف میں، اس مادیت کی تشریح تلاش کی جانی چاہئیے!

۱۸۷۷ء میں ''سرمایہ،، میں ''ایک تفتیش،، شامل تھی کہ کیسے ''ایک مخصوص صورت،، (سرمایہ‌دارانہ صورت ہے نہ؟) ''مادی حالات میں مزید تبدیلیوں کی تاب نہیں لا سکتی'' (یہ ذہن نشین کر لیجئیے!) — جبکہ ۱۸۹۴ء میں یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی تفتیش سرے سے کی ہی نہیں گئی اور یہ یقین کہ سرمایہ‌دارانہ صورت پیداواری قوتوں کے مزید ارتقا کی تاب نہیں لا سکتی ''ہیگلی تثلیث کے بالکل سرے پر،، قائم ہے! ۱۸۷۷ء میں مسٹر میخائیلوفسکی نے لکھا تھا کہ ''سماج کے وجود کے مادی حالات سے اس کی مخصوص صورت کے رشتے کا تجزیہ ہمیشہ کے لئے،، (فقرے کے نیچے خط میرا ہے) ''مصنف کی منطقی قوتوں اور تبحر علمی کی یادگار رہے گا،، جبکہ ۱۸۹۴ء میں وہ اعلان کرتے ہیں کہ مادیت کے نظرئیے کی کبھی اور کہیں بھی سائنسی طور پر تصدیق نہیں کی گئی اور نہ اسے ثابت کیا گیا۔

حیرت انگیز بات ہے۔ دراصل اس کا مطلب کیا ہے؟ ہوا کیا؟

دو چیزیں ہوئیں۔ پہلی تو یہ کہ ۱۸۷۰ء کے بعد کی دہائی کا روسی کسان سوشلزم (۱۱۵) جو آزادی پر اس کے بورژوا کردار کی وجہ سے ''غراتا،، تھا، ''بےفکرے لبرلوں،، کے خلاف لڑتا تھا جو روسی زندگی کی معاندانہ فطرت کی بڑی پرجوش پردہ‌پوشی کرتے تھے اور ایک کسان انقلاب کے خواب دیکھتا تھا بالکل گل سڑ چکا ہے اور اس میں سے وہ سوقیانہ، بدتہذیب لبرلزم پیدا ہوا ہے جو کسان کاشتکاری کے ترقی‌پسند رجحانات میں ایک ''ہمت‌افزا،، رجحان دیکھتا ہے اور اس بات کو بھول جاتا ہے کہ ان رجحانات کے ساتھ ساتھ کسان طبقے کو پوری طرح سے بےجائیداد بنایا جا رہا ہے (اور یہی چیز ان رجحانات کا تعین کرتی ہے)۔ دوسری چیز یہ کہ ۱۸۷۷ء میں مسٹر میخائیلوفسکی ''پرجوش،، (یعنی انقلابی سوشلسٹ) لبرل ناقدوں سے مارکس کی مدافعت کرنے کے کام میں اتنے مصروف تھے کہ وہ اپنے اور مارکس کے طریق کار کی بےآہنگی کو دیکھنے سے قاصر رہے۔ اور تب جدلیاتی مادیت اور داخلیت‌پسند عمرانیات کا ناقابل مصالحت تضاد ان کو سمجھایا گیا — اینگلس کے مضامین اور کتابوں نے اور روسی سوشل ڈیموکریٹوں نے انہیں سمجھایا (پلیخانوف کی تحریروں میں مسٹر میخائیلوفسکی کے بارے میں بہت مناسب تبصرے ملتے ہیں)۔ اور مسٹر میخائیلوفسکی نے، بجائے اس کے کہ سنجیدگی سے بیٹھ کر پورے سوال پر ازسرنو غور کریں، بس یہ کیا کہ لگام کو اپنے دانتوں میں دبا لیا۔ اب وہ مارکس کا خیرمقدم کرنے کی بجائے (جیسے کہ ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۷ء میں کرتے تھے) (۱۱۶) مشتبہ تعریف کی آڑ میں اس پر بھونکتے ہیں اور روسی مارکسیوں کے خلاف لال پیلے اور کف دردہاں ہوتے ہیں کہ وہ ''معاشی اعتبار سے کمزورترین کی مدافعت،، کرنے پر، دیہات میں گودام اور بہتریوں پر، دستکاروں کے لئے میوزیموں اور انجمنوں پر اور ترقی کے اس طرح کے نیک‌نیت بدتہذیب خیالات پر اکتفا کیوں نہیں کرتے اور کیوں ''پرجوش،، لوگ، سماجی انقلاب کے حامی بنے رہنا چاہتے ہیں اور سماج کے حقیقی انقلابی عناصر کو تعلیم دینا، ان کی رہنمائی کرنا اور انہیں منظم کرنا چاہتے ہیں۔

ماضی بعید کے دائرے میں اس مختصر سفر کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ مسٹر میخائیلوفسکی نے مارکس کے نظریے کی جو ''تنقید،، کی ہے اس کے جائزے کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ تو آئیے ناقد کی ''دلیلوں،، کا پھر سے سرسری ذکر کرکے حاصل کلام تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

جس نظریے کو غلط قرار دینے کا انھوں نے بیڑا اٹھایا ہے اس کی بنیاد اولاً تاریخ کے مادی تصور کلی پر اور پھر جدلیاتی طریق کار پر ہے۔

جہاں تک اول کا تعلق ہے، ناقد نے یہ اعلان کرنے سے شروع کیا کہ انھیں معلوم نہیں کہ کس تصنیف میں مادیت کی توضیح کی گئی ہے۔ اس طرح کی توضیح جب انھیں کہیں نہیں ملی تو انھوں نے خود ہی ایک وضاحت گھڑنی شروع کی کہ مادیت کیا ہے۔ اس مادیت کے حد سے زیادہ دعووں کا ایک اندازہ کرانے کے لئے انھوں نے یہ کہانی گھڑی کہ مادیت‌پسندوں کا دعوی ہے کہ انھوں نے نوع انسانی کے پورے ماضی، حال اور مستقبل کی تشریح و توضیح کر دی ہے۔ اور جب بعد کو مارکسیوں کے مستند بیانات کے حوالے سے یہ دکھا دیا گیا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ایک سماجی تشکیل کی تشریح و توضیح کی گئی ہے تو ناقد نے یہ فیصلہ کیا کہ مادیت‌پسندوں نے مادیت کے دائرے کو محدود کر دیا ہے اور اس طرح، ناقد کا دعوی ہے کہ، انھوں نے خود ہی اپنے کو شکست دے دی۔ جس طریق‌کار سے یہ مادیت مرتب و مدون کی گئی تھی اس کا اندازہ کرانے کے لئے انھوں نے یہ کہانی گھڑی کہ خود مادیت‌پسندوں نے سائنسی سوشلزم کی توضیح کے لئے اپنے علم کے ناکافی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ مارکس اور اینگلس نے (۱۸۴۵ء اور ۱۸۴۶ء میں) صرف بالعموم معاشی تاریخ کے بارے میں اپنے ناکافی علم کا اعتراف کیا تھا اور باوجود اس حقیقت کے کہ ان لوگوں نے وہ مضمون کبھی شائع نہیں کیا جو ان کے ناکافی علم کی تصدیق کرتا تھا۔ ان تمہیدات کے بعد ہماری ضیافت خود تنقید سے کی گئی: ''سرمایہ،، کی نیستی کردی گئی اس لئے کہ وہ صرف ایک دور سے بحث کرتا ہے، جب کہ ناقد کو سارے دور چاہئیں؛ اور اس لئے بھی کہ اس

نے معاشی مادیت کی توثیق نہیں کی صرف اس کا ذکر کیا — یہ دلیلیں ظاہر ہے کہ اتنی وزنی اور سنجیدہ تھیں کہ انھوں نے اس اعتراف پر مجبور کر دیا کہ مادیت کبھی سائنسی طور پر ثابت ہی نہیں کی گئی۔ پھر مادیت کے خلاف یہ حقیقت پیش کی گئی کہ ایک اور شخص بھی، جو اس نظریے سے بالکل بےتعلق تھا، ایک بالکل ہی مختلف ملک میں ماقبل تاریخ زمانے کا مطالعہ کرکے مادی نتائج پر پہنچا ہے۔ اور زیادہ یہ دکھانے کے لئے کہ تناسل کو مادیت میں گھسیٹنا بالکل غلط ہے، کہ یہ سوائے لفظی ہیر پھیر کے اور کچھ نہیں ہے، ناقد نے یہ ثابت کرنا شروع کیا کہ معاشی رشتے ایک بالائی ڈھانچہ ہیں جو جنسی اور خاندانی رشتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہمارے وزنی ناقد نے مادیت‌پسندوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لئے جو بیانات دئے ہیں انھوں نے ہمیں اس گہری سچائی سے مالا مال کیا کہ تناسل کے بغیر توارث ممکن ہی نہیں ہے، کہ اس تناسل کی پیداواروں سے ایک پیچ در پیچ نفسیات ''وابستہ،، ہوتی ہے اور یہ کہ بچے اپنے آبا کے جذبے کے تحت پالے پوسے جاتے ہیں۔ اور برسر تذکرہ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ قومی رشتے ہم‌نسبی رشتوں ہی کا تسلسل اور تعمیم ہیں۔ مادیت میں اپنی نظریاتی تحقیقات جاری رکھتے ہوئے ناقد نے بتایا کہ مارکسیوں کی بہت سی دلیلوں کا مواد اس دعوے پر مشتمل ہے کہ عام لوگوں پر استبداد اور ان کا استحصال بورژوا نظام میں ''لازمی،، ہے اور یہ کہ اس نظام کو ''لازمی طور پر،، بدل کر ایک سوشلسٹ نظام بن‌جانا چاہئے، جس کے بعد انھوں نے بڑی جلدبازی کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ لزوم بہت ہی عام دائرہ ہے (اگر ہم اس چیز کو ترک کر دیں جسے، بالکل ٹھیک ٹھیک، عوام لازمی سمجھتے ہیں) اور اس لئے مارکسی بھی اہل تصوف اور مابعدالطبیعیاتی ہیں۔ ناقد نے یہ بھی اعلان کیا کہ عینیت پرستوں کے خلاف مارکس کا مناظرہ ''یک‌طرفہ،، تھا، لیکن انھوں نے داخلیت پرستانہ طریق کار کے ساتھ ان عینیت پرستوں کے خیالات کے رشتے اور ان خیالات کے ساتھ مارکس کی جدلیاتی مادیت کے رشتے کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا۔

جہاں تک مارکسزم کے دوسرے ستون جدلیاتی طریق کار

کا تعلق ھے تو دلیر ناقد کا ایک ھی دھکا اسے پچھاڑ دینے کے لئے کافی تھا۔ اور دھکا بہت صحیح سمت میں تھا: ناقد نے اس خیال کو غلط ثابت کرنے کے لئے کہ تثلیثات سے کوئی چیز ثابت کی جا سکتی ھے، ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، اور اس حقیقت کو بالکل نظرانداز کر دیا کہ جدلیاتی طریق کار تثلیثات پر مشتمل ھی نہیں ھے بلکہ وہ تو عمرانیات میں عینیت پرستی اور داخلیت پرستی کے طریقوں کو رد کرنے پر مشتمل ھے۔ دوسرے دھکے کا رخ خاص طور سے مارکس کی طرف تھا: جری ھر ڈیورنگ کی مدد سے ناقد نے مارکس کو اس ناقابل یقین حماقت کا الزام دیا کہ انھوں نے سرمایہ‌داری کے خاتمے کا لزوم تثلیثات کے ذریعے سے ثابت کرنے کی کوشش کی ھے — اور پھر اس حماقت کا فتح مندانہ مقابلہ کیا۔

یہ ھے ''ھمارے معروف عمرانیات‌داں،، کی شاندار ''فتوحات،، کا رزمیہ! ان فتوحات کے بارے میں غور و فکر کرنا کس قدر ''کیف آور،، (بورینن) ھے!

یہاں ھم ایک اور صورت حال کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس کا مارکس کے نظریے کی تنقید سے کوئی براہ‌راست تعلق نہیں ھے لیکن ناقد کے آدرشوں اور حقیقت کے بارے میں ان کے تصور کلی کو سمجھنے کے لئے بہت ھی مخصوص انداز کی ھے۔ یہ ھے مغرب میں مزدور طبقے کی تحریک کے بارے میں ان کا رویہ۔

اوپر ھم نے مسٹر میخائیلوفسکی کے اس بیان کو نقل کیا ھے کہ مادیت نے ''سائنس،، میں (شاید جرمن ''عوام کے دوستوں،، کی سائنس میں؟) اپنا جواز نہیں پیش کیا لیکن مسٹر میخائیلوفسکی بتاتے ھیں کہ یہ مادیت ''مزدور طبقے میں بڑی تیزی سے پھیل رھی ھے،،۔ مسٹر میخائیلوفسکی اس حقیقت کی توضیح کس طرح کرتے ھیں؟ وہ کہتے ھیں کہ ''معاشی مادیت کو، یوں کہئے کہ، وسعت میں جو کامیابی حاصل ھوئی ھے وہ اور تنقیدی اعتبار سے غیرتصدیق کردہ صورت میں اس کی ترویج خاص طور سے سائنس کے نہیں بلکہ مستقبل کے لئے امکانات کے طے کردہ روزمرہ عمل کی وجہ سے ھے،،۔ ''مستقبل کے لئے امکانات کے طے کردہ،، عمل سے متعلق اس بھونڈے فقرے میں سوائے اس کے اور کیا معنی ھو سکتے ھیں کہ مادیت اس لئے نہیں کہ وہ حقیقت کی صحیح توضیح کرتی

ہے بلکہ اس لئے پھیل رہی ہے کہ وہ حقیقت سے امکانات کی طرف منہ پھیر لیتی ہے؟ اور وہ آگے چل کر کہتے ہیں کہ ''یہ امکانات جرمن مزدور طبقے سے جو انہیں اپنا رہا ہے اور ان لوگوں سے جو اس کے مستقبل میں گہری دلچسپی لیتے ہیں، نہ علم کا تقاضا کرتے ہیں نہ تنقیدی فکر کا۔ وہ صرف ایمان کا تقاضا کرتے ہیں،،۔ بہ‌الفاظ دیگر مادیت اور سائنسی سوشلزم کے وسعت میں پھیلنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مزدوروں کے لئے ایک بہتر مستقبل کا وعدہ کرتا ہے! لیکن سوشلزم کی تاریخ اور مغرب میں مزدور طبقے کی تحریک سے انتہائی ابتدائی واقفیت بھی اس وضاحت کی صریحی حماقت اور جھوٹ کو عیاں کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ مادیت نے بہ‌جائے خود مستقبل کے امکانات کی تصویر کشی کبھی نہیں کی: اس نے اپنے آپ کو موجودہ بورژوا نظام کا تجزیہ کرنے، سرمایہ‌دارانہ سماجی نظام کے ارتقا کے رجحانات کا مطالعہ کرنے تک محدود رکھا اور بس۔ مارکس نے ۱۸۴۳ء ہی میں لکھا تھا اور اس پر حرف بحرف عمل کیا کہ ''ہم دنیا سے نہیں کہتے کہ: 'جدوجہد بند کردو — تمہاری ساری جدوجہد بےمعنی ہے'۔ ہم تو صرف اتنا کرتے ہیں کہ اسے جدوجہد کا صحیح نعرہ دیتے ہیں۔ ہم دنیا کو صرف دکھاتے ہیں کہ وہ دراصل کس چیز کے لئے جدوجہد کر رہی ہے اور شعور ایک ایسی چیز ہے جو، چاہے پسند ہو یا نہ ہو، دنیا کو ضرور حاصل کرنا چاہئے،،۔ (۱۱۷) ہر شخص جانتا ہے کہ مثلاً ''سرمایہ،، — خاص اور بنیادی تصنیف ہے جس میں سائنسی سوشلزم کی وضاحت کی گئی ہے — اپنے آپ کو مستقبل کے بارے میں بہت ہی عام اشاروں تک محدود رکھتا ہے اور ان اسوقت بھی موجود عناصر کی صرف نشاندھی کرتا ہے جن سے آئندہ نظام کی نشوونما ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جہاں تک مستقبل کے امکانات کا تعلق ہے سابق سوشلسٹوں نے اس سے کہیں زیادہ لکھا ہے جنھوں نے مستقبل کے سماج کو ایک ایک تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس لئے کہ وہ نوع انسانی کو ایک ایسے نظام کی تصویر سے وجدان عطا کرنا چاہتے تھے جس میں لوگ بغیر تصادم کے زندگی بسر کر سکیں گے اور جس میں ان کے سماجی رشتوں کی بنیاد استحصال پر نہیں بلکہ ترقی کے ان صحیح اصولوں

پر ھوگی جو انسانی فطرت کے حالات سے مطابقت رکھتے ھوں گے۔ پھر بھی، بہت ھی لائق لوگوں کے پورے دستے کے باوجود جنھوں نے ان خیالات کی توضیح کی اور بہت ھی سحکم یقین رکھنےوالے سوشلسٹوں کے باوجود ان کے نظریے زندگی سے الگ تھلگ رہے اور ان کے پروگرام اس وقت تک عوام کی سیاسی تحریکوں سے تعلق نہیں قائم کر سکے جب تک بڑے پیمانے کی مشینی صنعت نے پرولتاری مزدوروں کے انبوہ کو سیاسی زندگی کی بھنور میں نہیں لےلیا اور جب تک ان کی جدوجہد کا صحیح نعرہ نہیں مل گیا۔ یہ نعرہ مارکس نے دریافت کیا جو ''یوٹوپیائی نہیں تھے بلکہ ایک سخت اور، بعض جگہوں پر تو، خشک سائنس‌داں تھے،، (جیسا کہ مسٹر میخائیلوفسکی نے انھیں ماضی بعید میں ۱۸۷۲ء میں کہا تھا)؛ اور یہ امکانات کے ذریعے نہیں بلکہ موجودہ بورژوا نظام کے ایک سائنسی تجزیے سے، اس نظام کے تحت استحصال کے لزوم کی توضیح کرکے، اس کے ارتقا کے قوانین کی تفتیش کرکے دریافت ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسٹر میخائیلوفسکی ''روسکویےبگاتستوو،، کے قارئین کو یقین دلا سکتے ھیں کہ اس تجزیے کو سمجھنے کے لئے نہ علم کی ضرورت ھے نہ کوشش فکر کی لیکن ھم خود انھیں کے معاملے میں دیکھ چکے ھیں (اور ھم ان کے معاشیات‌داں شرکت دار (۱۱۸) کے معاملے میں اور بھی زیادہ وضاحت سے دیکھیں گے) کہ ان میں اس تجزیہ کی مسلم کردہ ابتدائی سچائیوں کی سمجھ کی بھی اتنی زبردست کمی ھے کہ اس طرح کے بیان پر بس ھنسی آتی ھے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ھے کہ مزدور طبقے کی تحریک وھیں اور اسی حدتک پھیلتی اور ترقی کرتی ھے جہاں اور جس حد تک بڑے پیمانے کی سرمایہ‌دارانہ مشینی صنعت ترقی کرتی ھے؛ سوشلسٹ نظریہ اسی وقت کامیاب ھوتا ھے جب وہ ان سماجی حالات کے بارے میں بحث کرنا بند کر دیتا ھے جو انسانی فطرت کے مطابق ھوں اور معاصرانہ سماجی رشتوں کا ایک مادی تجزیہ کرنا اور موجودہ نظام کے لئے استحصال کے لزوم کو توضیح کرنا شروع کرتا ھے۔

سچائی کے بالکل برعکس ''امکانات،، کے بارے میں اس نظریے کے سر ایک رویہ منڈھ کر مزدوروں میں مادیت کی کامیابی کے اصل اسباب سے کترانے کی کوشش کرنے کے بعد مسٹر میخائیلوفسکی

مغربی یورپی مزدور طبقے کی تحریک کے خیالات اور تدبیروں کا انتہائی سوقیانہ اور بدتہذیب طریقے سے مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں مارکس نے محنت کی سماج بندی کے نتیجے میں سرمایہ‌دارانہ نظام کے ناگزیر طور پر سوشلسٹ نظام میں تبدیل ہو جانے کے جو ثبوت پیش کئے ہیں ان کے خلاف مسٹر میخائیلوفسکی ایک بھی دلیل پیش کرنے کے لائق نہیں ہیں اور پھر بھی وہ سرمایہ‌داروں کو بےجائیداد بنانے کی تیاریاں کرنےوالے ''پرولتاریوں کی فوج،، کا انتہائی بھونڈے طریقے سے منھ چڑاتے ہیں ''جس کے بعد سارا طبقاتی تصادم ختم ہو جائےگا اور روئے زمین پر امن اور انسانوں میں خیرسگالی کا دور دورہ ہوگا،،۔ مسٹر میخائیلوفسکی کو سوشلزم کے حصول کے اس سے زیادہ سادے اور یقینی راستے معلوم ہیں: ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ''عوام کے دوست،، زیادہ تفصیل کے ساتھ ''مطلوب معاشی تکامل،، کے ''واضح اور ناقابل تغیر،، راستوں کی نشاندھی کر دیں،، اور پھر ''عملی معاشی مسائل،، حل کرنے کے لئے غالباً ان ''عوام کے دوستوں،، کو ''بلایا جائےگا،، (ملاحظہ ہو مضمون ''روس کے معاشی ارتقا کے مسائل،، از مسٹر یوژاکوف، ''روسکویے بگاتستوو،،، شمارہ ۱۱) اور تب تک — تب تک مزدوروں کو انتظار کرنا چاھئے ''عوام کے دوستوں،، پر بھروسہ کرنا چاھئے اور ''نامناسب خود اعتمادی،، کے ساتھ استحصال‌کاروں کے خلاف ایک آزاد جدوجہد نہ شروع کر دینی چاھئے۔ ھمارا مصنف اس ''نامناسب خود اعتمادی،، پر مہلک وار کرنے کی خواہش میں ''اس سائنس،، پر بڑا جزبز ہوتا ہے ''جو تقریباً ایک جیبی لغت میں سما سکتی ہے،،۔ واقعی کس قدر بھیانک بات ہے! سائنس — اور ٹکے کے سوشل ڈیموکریٹک پمفلٹ جیب میں آسکتے ہیں!! کیا یہ بات صریحی نہیں ہے کہ کس قدر نامناسب طور پر وہ لوگ خود معتمد ہیں جو سائنس کی صرف اسی لئے قدر کرتے ہیں کہ وہ استحصال کے شکار لوگوں کو اپنی نجات کے لئے ایک آزادانہ جدوجہد کرنا سکھاتی ہے؛ انھیں ان سارے ''عوام کے دوستوں،، سے الگ رہنے کی تعلیم دیتی ہے جو طبقاتی معاندتوں کی لیپاپوتی کرنے میں مصروف ہیں اور سارا کاروبار خود ہی سنبھالنے کے خواہش‌مند ہیں — اور وہ لوگ جو اس سائنس

کو ٹکے ٹکے کی مطبوعات میں بیان کرتے ہیں جن سے بدتہذیبوں کو اس قدر صدمہ پہنچتا ہے؟ اگر مزدور اپنی قسمت ''عوام کے دوستوں،، کے ہاتھ میں دے دیں تو صورت حال کس قدر مختلف ہوگی! یہ ''عوام کے دوست،، انھیں ایک سچی، ضخیم، یونیورسٹی والی اور بدتہذیب سائنس دکھائیں گے، یہ انھیں ایک ایسی سماجی تنظیم سے تفصیل کے ساتھ واقف کرائیں گے جو انسانی فطرت سے مطابقت رکھتی ہے، بشرطیکہ مزدور انتظار کرنے پر رضامند ہو جائیں اور خود ہی اتنی نامناسب خوداعتمادی کے ساتھ جدوجہد شروع کردینے کی کوشش نہ کریں!...

سوشلسٹ دانشور پرت اسی وقت بارآور کام انجام دینے کی توقع کر سکتا ہے جب وہ اپنی خوش‌فہمیوں کو ترک کردے اور روس کے مطلوب نہیں بلکہ واقعی ارتقا سے، ممکن نہیں بلکہ واقعی سماجی معاشی رشتوں سے حمایت حاصل کرنا شروع کرے۔ اس کے نظریاتی کام کا رخ روس میں معاشی معاندت کی ساری صورتوں کے ٹھوس مطالعے کی طرف اور ان کے تعلقات اور سلسلہ‌وار ارتقا کے مطالعے کی طرف ہونا چاہئے؛ جہاں کہیں بھی اس معاندت کو سیاسی تاریخ نے، قانونی نظاموں کی خصوصیتوں نے یا مسلمہ نظریاتی تعصبات نے چھپا دیا ہے اس کو انھیں بےنقاب کرنا چاہئے۔ انھیں پیداواری رشتوں کے ایک معین نظام کی حیثیت سے ہماری حقیقتوں کی ایک سالم تصویر پیش کرنی چاہئے، دکھانا چاہئے کہ اس نظام میں محنت کش عوام کا استحصال اور ان کا بے جائیداد بنایا جانا لازمی ہیں اور اس نظام سے نکلنے کا وہ راستہ دکھانا چاہئے جس کی نشاندھی معاشی ارتقا سے ہوتی ہے۔

اس نظریے کو روسی تاریخ اور حقیقتوں کے تفصیلی مطالعے کی بنیاد پر پرولتاریہ کے مطالبوں کا جواب فراہم کرنا چاہئے اور اگر یہ سائنس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو پرولتاریہ کی احتجاجی فکر کی ہر بیداری اسے لازمی طور پر سوشل ڈیموکریسی کے راستوں پر لگائےگی۔ اس نظریے کی وضاحت کرنے میں جتنی ترقی ہوگی اتنی ہی تیزی سے سوشل ڈیموکریسی کی نشوونما ہوگی۔ اس

لئے کہ موجودہ نظام کے انتہائی پرکار متولیان بھی پرولتاری فکر کی بیداری کو نہیں روک سکتے، اس لئے کہ یہ نظام خود ھی لازمی طور پر اور ناگزیر طور پر پیداوار کرنےوالوں کو انتہائی شدت کے ساتھ مغضوب بنانے کا، پرولتاریہ کی اور اس کے محفوظ دستے کی مسلسل نشوونما کا بندوبست کرتا ھے اور یہ سماجی دولت کی ترقی کے، پیداواری قوتوں کی زبردست نشوونما کے اور سرمایہ‌داری کے ھاتھوں محنت کی سماج‌بندی کے متوازی ھوتا ھے۔ لیکن اس نظریے کی وضاحت کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ھے۔ یہ کام سوشلسٹ ھی انجام دیں گے۔ اس کی ضمانت ان کے درمیان مادیت کی ترویج سے ھوتی ھے جوکہ واحد سائنسی طریق‌کار ھے۔ ایسا طریق‌کار ھے جو تقاضا کرتا ھے کہ ھر پروگرام واقعی عمل کی درست و صحیح تشکیل ھو۔ اس کی ضمانت سوشل ڈیموکریسی کی کامیابی سے ھوتی ھے جس نے ان خیالات کو اپنایا ھے۔ اس کامیابی نے لبرلوں اور ڈیموکریٹوں میں ایسی ھلچل مچا دی ھے کہ، جیسا کہ ایک مارکسی نے کہا ھے، ان کے ماھانہ رسالے اب روکھے پھیکے نہیں ھوتے۔

سوشل ڈیموکریٹوں کے نظریاتی کام کی ضرورت، اھمیت اور وسعت پر اس طرح زور دینے سے میرا یہ مطلب ھرگز نہیں ھے کہ اس کام کو عملی* کام پر سبقت حاصل ھونی چاھئے۔ اور اس سے بھی کم یہ مطلب ھے کہ موخرالذکر کو اس وقت تک ملتوی رکھنا چاھئے جب تک اول‌الذکر مکمل ھو جائے۔ صرف ''عمرانیات میں داخلیت پرستانہ طریق‌کار،، کے مداح یا یوٹوپیائی سوشلزم کے پیرو ھی اس طرح کا نتیجہ اخذ کر سکتے ھیں۔ ظاھر ھے کہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ سوشلسٹوں کا فریضہ ملک کے لئے ''ارتقا

---

* برعکس اس کے پروپگنڈہ اور ایجی‌ٹیشن کے عملی کام کو ھمیشہ سبقت حاصل ھونی چاھئے اس لئے کہ اول تو نظریاتی کام صرف ان مسائل کا جواب فراھم کرتا ھے جو عملی کام سے پیدا ھوتے ھیں اور دوسرے سوشل ڈیموکریٹ، ایسے اسباب کی بنا پر جو ان کے قابو سے باھر ھیں، اکثر اپنے آپ کو نظریاتی کام تک محدود رکھنے پر مجبور ھوتے ھیں کہ وہ ھر اس لمحے کی بڑی قدر کرتے ھیں جب عملی کام ممکن ھو۔

کے،، (واقعی سے) ''مختلف راستے،، تلاش کرنا ہے تو، قدرتی بات ہے کہ، عملی کام اسی وقت ممکن ہوگا جب فلسفیانہ عالی دماغ رکھنےوالے حضرات ان ''مختلف راستوں،، کو دریافت کرلیں اور ان کی نشاندھی کر دیں ۔ اور دوسری طرف یہ کہ جب یہ راستے دریافت کر لئے جائیں اور ان کی نشاندھی کی جاچکے تو نظریاتی کام ختم ہو جاتا ہے اور ان لوگوں کا کام شروع ہوتا ہے جنھیں ''سادروطن،، کو ''نو دریافت،، ''مختلف راستوں پر،، چلانا ہے ۔ صورت حال اس وقت بالکل مختلف ہوتی ہے جب سوشلسٹوں کا فریضہ واقعی اور حقیقی دشمنوں کے خلاف، جو سماجی اور معاشی ارتقا کے واقعی راستے میں کھڑے ہوں، پرولتاریہ کی واقعی جدوجہد میں اس کے نظریاتی رہنما بننا ہو ۔ ان حالات میں نظریاتی اور عملی کام ایک میں ضم ہو جاتے ھیں جیسے پختہ‌کار جرمن سوشل ڈیموکریٹ لیبکنیخت نے انتہائی مناسب طور پر یوں بیان کیا ہے کہ :

Studieren, Propagandieren, Organisieren *

آپ بغیر مندرجہ بالا نظریاتی کام کے ایک نظریاتی رہنما نہیں ہو سکتے، جیسے کہ آپ اس کام کو عملی مقصد کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے لگائے بغیر اور اس نظریے کے نتائج کو مزدوروں میں پھیلائے بغیر اور ان کو منظم کرنے میں مدد دئے بغیر بھی رہنما نہیں ہوسکتے ۔

فریضے کو اس طرح سے پیش کرنا سوشل ڈیموکریسی کو ان نقائص سے جو سوشلسٹ جماعتوں میں اکثر پائے جاتے ھیں یعنی کٹر اصول پرستی اور تنگ‌نظری سے محفوظ رکھتا ہے ۔

جب کسی نظریے کا بلندترین اور واحد معیار یہ ہو کہ وہ سماجی اور معاشی ارتقا کے واقعی عمل کے مطابق ہو تو کوئی کٹر اصول پرستی نہیں ہو سکتی ۔ جب فریضہ یہ ہو کہ پرولتاریہ کی تنظیم کو فروغ دینا ہے اور اسی لئے جب ''دانشورپرت،، کا رول یہ ہو کہ دانشور پرت میں کے خاص لیڈروں کو غیرضروری بنادینا، تو کوئی تنگ نظری نہیں ہو سکتی ۔

تبھی تو، مارکسیوں میں مختلف نظریاتی سوالوں پر اختلافات

---

* مطالعہ، پروپگنڈہ، تنظیم ۔ (ایڈیٹر)

کی موجودگی کے باوجود ان کی سیاسی سرگرمی کے طریق کار میں، اس وقت سے جب سے یہ جماعت وجود میں آئی ہے، کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوشل ڈیموکریٹوں کی سیاسی سرگرمی روس میں مزدور طبقے کی تحریک کے ارتقا اور اس کی تنظیم کو فروغ دینا، اس تحریک کو کسی راہنما خیال سے عاری احتجاج، ''بلووں،، اور ہڑتالوں کی اکادکا کوششوں کی موجودہ حالت سے بدل کر پورے روسی مزدور طبقے کی ایک منظم جدوجہد بنانا ہے جس کا رخ بورژوا نظام کے خلاف ہو اور جو غاصبوں کو مغصوب بنانے کے لئے اور محنت کش عوام پر استبداد کرنےوالے سماجی نظام کو ختم کرنے کے لئے کام کرے۔ ان سرگرمیوں کی تہ میں مارکسیوں کا یہ یقین کارفرما ہے کہ روسی مزدور ہی روس کی پوری محنت کش اور استحصال کی شکار آبادی کا واحد اور فطری نمائندہ ہے۔ *

فطری اس لئے کہ روس میں محنت کش عوام کا استحصال، اگر ہم کسان غلام معیشت کی جامد باقیات کو خارج از بحث رکھیں تو، ہر جگہ نوعیت کے اعتبار سے سرمایہدارانہ ہے۔ لیکن پیداوار کرنےوالوں کے انبوہ کا استحصال چھوٹے پیمانے پر، بکھرا ہوا اور غیر ترقییافتہ ہے، جبکہ کارخانے کے پرولتاریہ کا استحصال بڑے پیمانے پر، سماج بند اور مرتکز ہے۔ اولالذکر صورت میں، استحصال ابھی تک ازمنۂ وسطی کی صورتوں میں، مختلف سیاسی، قانونی اور روایتی تام جھام، چالوں اور ترکیبوں میں الجھا ہوا ہے جو محنت کش عوام اور ان کے نظریہدانوں کو اس نظام کا جوہر نہیں دیکھنے دیتا جو محنت کش عوام پر استبداد کرتا ہے، یہ نہیں دیکھنے دیتا کہ اس نظام سے نکلنے کا راستہ کہاں اور کیسے ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ برعکس اس کے موخرالذکر صورت میں استحصال پوری طرح

---

* کسان سوشلزم کے نمائندے، اصطلاح کے وسیع ترین معنوں میں نرودنیک یہ سمجھتے تھے کہ روس کا مستقبل کا انسان کسان ہے۔ سوشل ڈیموکریٹ یہ سمجھتے ہیں کہ روس کا مستقبل کا انسان مزدور ہے۔ مارکسی نقطۂ نظر کو ایک مسودے میں یوں بیان کیا گیا تھا۔

ترقی یافتہ ہے اور اپنی خالص صورت، الجھاوے پیدا کرنے والی تفصیلات کے بغیر نمودار ہوتا ہے۔ مزدور یہ ضرور دیکھ لیتا ہے کہ اس پر سرمایہ استبداد کرتا ہے، کہ اسے بورژوا طبقے کے خلاف جدوجہد کرنی ہے۔ اور یہ جدوجہد، جس کا مقصد اس کی فوری معاشی ضرورتیں پوری کرنا، اس مادی حالات کو بہتر بنانا ہوتا ہے، ناگزیر طور پر تقاضا کرتی ہے کہ مزدور منظم ہوں اور ناگزیر طور پر یہ افراد کے خلاف نہیں بلکہ ایک طبقے کے خلاف جنگ بن جاتی ہے۔ اس طبقے کے خلاف جو صرف کارخانوں ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ محنت کش عوام پر استبداد کرتا ہے اور انہیں کچلتا ہے۔ اسی لئے کارخانے کے مزدور ہی استحصال کی شکار پوری آبادی کا اولیں نمائندہ ہوتا ہے۔ اور اس کے واسطے کہ وہ نمائندے کا اپنا کارمنصبی ایک منظم، پیہم جدوجہد میں انجام دے سکے یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ اس میں ''امکانات،، سے جوش پیدا کیا جائے۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ صرف یہ ہے کہ اسے اسکی حیثیت سمجھا دی جائے، اسے اس نظام کا سیاسی اور معاشی ڈھانچہ اور اس نظام کے تحت طبقاتی جدوجہد کا لازمی اور ناگزیر ہونا سمجھا دیا جائے۔ سرمایہ‌دارانہ رشتوں کے عام نظام میں کارخانے کے مزدور کی یہ حیثیت اسے مزدور طبقے کی نجات کے لئے واحد مجاہد بنا دیتی ہے اس لئے کہ سرمایہ‌داری کے ارتقا کا صرف بلندتر مرحلہ، بڑے پیمانے کی مشینی صنعت اس جدوجہد کےلئے ضروری مادی حالات اور سماجی قوتیں پیدا کرتی ہے۔ باقی تمام جگہوں میں جہاں سرمایہ‌دارانہ ارتقا کی صورتیں پست ہوتی ہیں یہ مادی حالات نہیں ہوتے ہیں۔ پیداوار ہزاروں چھوٹے چھوٹے اداروں میں بکھری ہوتی ہے (اور وہ برادری کی ملکیت زمین کی انتہائی مساویانہ صورتوں میں بھی بکھرے ہی ہوئے ادارے رہتے ہیں)، اکثر استحصال کے شکار لوگ ابھی تک چھوٹے اداروں کے مالک ہوتے ہیں اور یوں اسی بورژوا نظام سے بندھے ہوتے ہیں جس سے انہیں لڑنا چاہئے۔ اس سے ان سماجی قوتوں کا ارتقا سست ہوتا ہے اور اس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو سرمایہ‌داری کا تختہ الٹنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ بکھرا ہوا، انفرادی، چھوٹا استحصال محنت کش عوام کو ایک محل وقوع سے باندھ دیتا ہے، ان کو بانٹ دیتا ہے، ان میں طبقاتی سالمیت

کا شعور نہیں پیدا ہونے دیتا اور ایک بار جب وہ سمجھ لیتے ہیں کہ استبداد کوئی خاص فرد نہیں کرتا بلکہ پورا معاشی نظام کرتا ہے تب بھی انھیں متحد نہیں ہونے دیتا۔ اس کے برعکس بڑے پیمانے کی سرمایہ‌داری لازمی طور پر پرانے سماج سے، کسی خاص محل وقوع سے اور کسی خاص استحصال کار سے مزدوروں کے سارے رشتوں کو منقطع کر دیتی ہے، انھیں متحد کرتی ہے، انھیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے اور انھیں ایسے حالات میں رکھتی ہے جو انھیں ایک منظم جدوجہد شروع کرنے کے لائق بناتے ہیں۔ چنانچہ سوشل ڈیموکریٹ اپنی ساری توجہ اور اپنی ساری سرگرمیاں مزدور طبقے پر مرکوز کرتے ہیں۔ جب اس کے ترقی‌یافتہ نمائندے سائنسی سوشلزم کے خیالات کو، روسی مزدور کے تاریخی رول کے خیال کو پوری طرح سمجھ لیں گے، جب یہ خیالات عام ہو جائیں گے اور جب مزدوروں کی موجودہ یہاں وہاں ہونےوالی معاشی جنگ کو باشعور طبقاتی جدوجہد میں بدل دینے کے لئے مزدوروں میں پائدار تنظیمیں بن جائیں گی تب روسی مزدور، جمہوری عناصر کی رہنمائی کرتا ہوا بڑھے گا اور روسی پرولتاریہ کو (سارے ملکوں کے پرولتاریہ کے دوش بدوش) علانیہ سیاسی جدوجہد کی سیدھی شاہراہ پر فتح مند کمیونسٹ انقلاب تک لے جائے گا۔ ...

تاریخی حقائق کو غلط روشنی میں پیش کرنے اور اس زبردست کام کو بھول جانے کے علاوہ جو سوشلسٹوں نے مزدور طبقے کی تحریک کو شعور اور تنظیم سے آشنا کرنے کےلئے کیا ہے ہمارے فلسفی مارکس کے سر انتہائی بےمعنی تقدیر پرستانہ خیالات بھی منڈھ دیتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ مارکس کی رائے میں مزدوروں کی تنظیم اور سماج بندی بیساختہ طور پر ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر ہم سرمایہ‌داری دیکھتے ہیں اور مزدور طبقے کی تحریک نظر نہیں آتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ‌داری اپنا مشن نہیں پورا کر رہی ہے، نہ یہ کہ ہم خود ابھی تک مزدوروں میں تنظیم اور پروپگنڈہ کے معاملے میں بہت ہی کم کام کر رہے ہیں۔ ہمارے جدت پسند فلسفیوں کی یہ بزدلانہ پٹی بورژوا پرکاری اس لائق بھی نہیں کہ اس کی تردید کی جائے، اس کی تردید سارے ملکوں

میں سوشل ڈیموکریٹوں کی سرگرمیوں سے ہوتی ہے؛ اس کی تردید کسی بھی مارکسی کی ہر پبلک تقریر سے ہوتی ہے۔ سوشل ڈیموکریسی — جیسا کہ کاؤتسکی بجا طور پر کہتے ہیں — مزدور طبقے کی تحریک اور سوشلزم کا ایک امتزاج ہے۔ اور اس واسطے کہ اس ملک میں بھی سرمایہ‌داری کا ترقی‌پسند کام اپنے آپ کو ''ظاہر،، کرے، ہمارے سوشلسٹوں کو پورے زور و شور کے ساتھ کام میں لگ جانا چاہئے۔ انھیں تاریخ کے مارکسی تصور کلی اور روس کی موجودہ حیثیت کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہئے اور طبقاتی جدوجہد اور استحصال کی ساری صورتوں کی زیادہ ٹھوس تفتیش کرنی چاہئے جو روس میں خاص طور سے پیچیدہ اور ڈھکی چھپی ہیں۔ مزیدبرآں انھیں اس نظریے کو مقبول عام بنانا چاہئے اور مزدور کو اس سے واقف کرانا چاہئے، اسے پوری طرح سمجھنے میں مزدور کی مدد کرنی چاہئے اور تنظیم کی وہ صورت وضع کرنی چاہئے جو ہمارے حالات میں سوشل ڈیموکریٹک خیالات کی ترویج کے لئے اور مزدوروں کو یکجا کرکے ایک سیاسی قوت بنانے کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو۔ اور روسی سوشل ڈیموکریٹوں نے، کبھی یہ کہنا تو درکنار کہ انھوں نے مزدور طبقے کے نظریہ‌دانوں کا یہ کام پورا کر لیا ہے، انجام دے لیا ہے (اس کام کا کوئی انجام ہوتا بھی نہیں ہے) ہمیشہ اس حقیقت پر زور دیا ہے کہ وہ تو ابھی اس کام کی محض ابتدا کر رہے ہیں اور کوئی ذرا بھی پائدار چیز قائم کرنے کے لئے بہت زیادہ لوگوں کی بڑی کوشش درکار ہے۔ ...

دوسری طرف مارکس اپنے نظریے کی ساری قدر و قیمت اس حقیقت میں مضمر سمجھتے تھے کہ یہ ''اپنے جوہر کے اعتبار سے تنقیدی*

---

* واضح رہے کہ مارکس یہاں مادی تنقید کی بات کر رہے ہیں۔ وہ صرف اسی کو سائنسی سمجھتے ہیں یعنی ایسی تنقید جو سیاسی، قانونی، سماجی، روایتی اور دیگر حقائق کا موازنہ معاشیات کے ساتھ، پیداواری رشتوں کے نظام کے ساتھ، ان طبقوں کے مفادات کے ساتھ کرتی ہے جو سارے معاندانہ سماجی رشتوں کی بنیاد پر

اور انقلابی ہے، (۱۱۹)۔ اور یہ موخرالذکر صفت مارکسزم میں مکمل طور پر اور غیر مشروط طور پر مضمر ہے اس لئے کہ یہ نظریہ اپنے لئے جدید سماج میں معاندت اور استحصال کی ساری صورتوں کو بے نقاب کرنے کا، ان کے تکامل کی نشاندھی کرنے کا، ان کے گذراں کردار کو، ایک مختلف صورت میں ان کے بدل جانے کو نمایاں کرنے کا اور اس طرح سارے استحصال کو جتنی جلد اور جتنی آسانی سے ممکن ہو ختم کرنے کے ایک ذریعے کی حیثیت سے پرولتاریہ کے کام آنے کا فریضہ طے کرتا ہے۔ اس نظریے کی ناقابل مزاحمت کشش، جو سارے ملکوں کے سوشلسٹوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، ٹھیک اسی حقیقت میں مضمر ہے کہ یہ انتہائی سختی کے ساتھ اور بلندترین طریقے سے سائنسی ہونے کی صفت (اس لئے کہ یہ سماجی سائنس کا حرف آخر ہے) اور انقلابی ہونے کی صفت کا امتزاج ہے۔ اور یہ امتزاج اتفاقی طور پر نہیں ہے اور صرف اس لئے بھی نہیں ہے کہ اس نظریے کا بانی خود اپنی ذات میں ایک سائنس داں اور ایک انقلابی کی صفات کے امتزاج کا حامل تھا، بلکہ یہ امتزاج اندرونی طور پر اور اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں کو الگ الگ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہاں نظریے کا فریضہ، سائنس کا مقصد استبداد کے شکار طبقے کی واقعی معاشی جدوجہد میں امداد کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔

''ہم دنیا سے نہیں کہتے کہ 'جدوجہد بند کر دو، تمہاری ساری جدوجہد بےمعنی ہے۔'، ہم تو صرف اتنا کرتے ہیں کہ اسے جدوجہد کا صحیح نعرہ دیتے ہیں۔'' (۱۲۰)

ناگزیر طور سے شکل پذیر ہوتے ہیں۔ اس بات میں تو بہ‌مشکل ہی شک کیا جا سکتا ہے کہ روسی سماجی رشتے معاندانہ ہیں۔ لیکن انھیں ابھی تک کسی نے بھی اس طرح کی تنقید کے لئے بنیاد نہیں بنایا ہے۔

تبھی تو مارکس کے مطابق سائنس کا براہ‌راست فریضہ ہے جدوجہد کے لئے صحیح نعرہ فراہم کرنا یعنی اس جدوجہد کو معروضی طور پر پیداواری رشتوں کے ایک قطعی نظام کی پیداوار کی حیثیت سے پیش کرنے کے لائق ہونا، اس جدوجہد کی ضرورت، اس کے مواد کو، اس کے ارتقا کی روش اور حالات کو سمجھنے کے لائق ہونا۔ ''جدوجہد کا نعرہ،، فراہم کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہم اس جدوجہد کی ہر الگ الگ صورت کا مطالعہ نہ کریں، جب تک ہم ایک مرحلے سے دوسرے کی طرف عبور کے دوران میں جدوجہد کے ہر مرحلے کی نشاندھی نہ کریں، تاکہ ہم جدوجہد کے عام کردار اور اس کے عام مقصد یعنی سارے استحصال اور سارے استبداد کے مکمل اور قطعی خاتمے کو نظروں سے اوجھل کئے بغیر صورت حال کو کسی بھی مخصوص لمحے میں بیان کر سکیں۔

۱۸۹۴ء کے موسم
بہار و گرما میں لکھا گیا۔

مارکسزم اور ترمیم پرستی

ایک کافی معروف کہاوت ہے کہ اگر جیومیٹری کی بدیہیات انسانی مفادات پر اثرانداز ہوتیں تو ان کی تردید کی قطعی کوشش کی جاتی۔ طبیعی و تاریخی نظریات نے جن کا ٹکراؤ مذہبیات کے پرانے تعصبات سے ہوا بہت ہی شدید مخالفت پیدا کی اور اب بھی پیدا کر رہے ہیں۔ مارکس‌ازم کا نظریہ موجودہ سماج کے ترقی‌یافتہ طبقے کو روشن خیال بنانے اور منظم کرنے کی براہ‌راست خدمت ادا کرتا ہے، اس طبقے کے فرائض بتاتا ہے اور یہ دکھاتا ہے کہ (معاشی ارتقا کی بدولت) موجودہ نظام کی جگہ نیا نظام آنا ناگزیر ہے، اس لئے کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اس نظریے کو اپنی زندگی میں ہر قدم آگے بڑھانے کے لئے لڑنا پڑا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا اطلاق بورژوا سائنس اور فلسفے پر ہوتا ہے جو سرکاری طور پر سرکاری پروفیسر سکھاتے ہیں تاکہ صاحب جائیداد طبقوں کی ابھرتی ہوئی نسل کو بیوقوف بنائیں اور اس کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے خلاف ''سکھائیں''۔ یہ سائنس تو مارکس‌ازم کے بارے میں سننا بھی گوارا نہیں کرتی اور یہ دعوی کرتی ہے کہ اس کی تردید کرکے اس کو ختم کر دیا گیا ہے۔ نوجوان اساتذہ جو سوشلزم کی تردید کرکے اپنی زندگی بناتے ہیں اور درماندہ بزرگ بھی جو ہر طرح کے فرسودہ ''نظاموں'' کی روایت کو برقرار رکھتے ہیں مارکس پر مساوی

جوش کے ساتھ حملے کرتے ھیں۔ مارکس‌ازم کی ترقی، اس کے خیالات کا مزدور طبقے میں پھیلنا اور مضبوط جڑیں پکڑنا مارکس‌ازم پر ان بورژوا حملوں کی زیادتی اور شدت کو لازمی طور پر بڑھاتے ھیں۔ ھر مرتبہ سرکاری سائنس کے ھاتھوں ''ختم ھونے،، کے بعد مارکس‌ازم زیادہ مضبوط، مستقل اور جاندار بنتا جاتا ھے۔

لیکن ان نظریات کے درمیان بھی جن کا تعلق مزدور طبقے کی جدوجہد سے ھے اور جو خصوصاً پرولتاریہ کے درمیان رائج ھیں مارکس‌ازم نے اپنی پوزیشن یک‌دم نہیں مضبوط کرلی۔ اپنے وجود کی پہلی نصف صدی میں (انیسویں صدی کی پانچویں دھائی سے) مارکس‌ازم ان نظریات سے لڑتا رھا جو بنیادی طور پر اس کے خلاف تھے۔ پانچویں دھائی کی ابتدا میں مارکس اور اینگلس نے ھیگل کے ریڈیکل نوجوان پیرؤں سے نبٹا جو فلسفیانہ عینیت‌پرستی کا نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ پانچویں دھائی کے آخر میں معاشی نظریے کے میدان میں یعنی پرودھوں‌ازم (۱۲۱) کے خلاف جدوجہد شروع ھوئی۔ چھٹی دھائی میں اس جدوجہد کی تکمیل ان پارٹیوں اور نظریات پر تنقید سے ھوئی جن کا اظہار ۱۸۴۸ء کے طوفانی سال میں ھوا۔ ساتویں دھائی میں یہ جدوجہد عام نظریے کے میدان سے منتقل ھو کر ایک ایسے میدان کی طرف آ گئی جو براہ‌راست مزدور تحریک سے زیادہ قریب تھا یعنی باکونن‌ازم کو انٹرنیشنل (۱۲۲) سے نکالنا۔ آٹھویں دھائی کی ابتدا میں جرمنی میں تھوڑے دن تک اسٹیج پرودھوں کے پیرو میولبرگیر کے ھاتھ میں رھا اور آٹھویں دھائی کے آخر میں اثباتیت پرست (positivist) ڈیورنگ کے ھاتھ میں۔ لیکن اس وقت دونوں کا اثر پرولتاریہ پر بہت ھلکا ھو چکا تھا۔ مارکسزم مزدور تحریک کے تمام دوسرے نظریات پر بلاشبہ فتح حاصل کر رھا تھا۔

انیسویں صدی کی آخری دھائی تک اس فتح کی زیادہ‌تر تکمیل ھو چکی تھی۔ حتی کہ لاطینی الاصل زبان‌والے ملکوں میں جہاں پرودھوں‌ازم کی روایات سب سے طویل مدت سے قائم تھیں مزدور پارٹیاں دراصل اپنے پروگرام اور طریق کار مارکسی بنیادوں پر بناتی ھیں۔ مزدور تحریک کی بحال شدہ بین‌الاقوامی تنظیم نے (بین‌الاقوامی وقتاً فوقتاً کانگرسوں کی صورت میں) ابتدا ھی سے تقریباً کسی جدوجہد کے بغیر تمام اھم باتوں میں مارکسی نقطۂ نظر کو

اپنایا ۔ لیکن جب مارکس‌ازم نے ان تمام کم‌وبیش سالم نظریات کو جو اس کے مخالف تھے نکال باہر کیا تو وہ رجحانات، جن کا اظہار ان نظریات میں تھا، نکاس کے دوسرے راستے تلاش کرنے لگے۔ جدوجہد کی شکلیں اور اسباب بدل گئے لیکن جدوجہد جاری رہی اور مارکس‌ازم کے وجود کی دوسری نصف‌صدی (انیسویں صدی کی آخری دہائی) ایسے رجحان کی جدوجہد سے شروع ہوئی جو مارکسزم کے اندر ہی مارکسزم کے خلاف تھا۔

برنشٹائن نے جو کسی زمانے میں کٹر مارکسی تھا اس رجحان کو اپنا نام دیا (۱۲۳) کیونکہ وہ بڑے شور و غوغے کے ساتھ مارکس‌ازم میں ترمیموں، مارکس کے نظریہ پر نظرثانی یعنی ترمیم‌پرستی کے بہت مکمل اظہار کے ساتھ سامنے آیا۔ حتی کہ روس میں بھی جہاں ملک کی معاشی پسماندگی اور نیم کسان غلامی کی باقیات سے دبی ہوئی غالب کسان آبادی کی وجہ سے غیرمارکسی سوشلزم قدرتی طور پر بہت مدت تک قائم رہا اب وہ ہماری آنکھوں کے سامنے صاف طور پر ترمیم‌پرستی کی طرف جاتا ہے۔ زرعی سوال (ساری اراضی کو میونسپل کنٹرول میں لینے کا پروگرام) اور پروگرام اور طریق کار کے عام سوالوں دونوں میں ہمارے سوشل نرودنیک (۱۲۴) اس پرانے نظام کی سڑی گلی اور فرسودہ باقیات کی جگہ جو اپنے طریقے سے مکمل اور بنیادی طور پر مارکسزم کے خلاف تھا مارکسزم میں زیادہ سے زیادہ ''ترمیمیں،، کرتے ہیں۔

قبل مارکسزم کے سوشلزم کو شکست دی جا چکی ہے۔ اب وہ اپنے آزاد میدان سے جدوجہد نہیں کر رہا ہے بلکہ ترمیم‌پرستی کی حیثیت سے مارکسزم کے عام میدان سے لڑ رہا ہے۔ اچھا، تو اب ہم یہ جائزہ لیں گے کہ نظریات کے لحاظ سے ترمیم‌پرستی کن باتوں پر مشتمل ہے۔

فلسفے کے میدان میں ترمیم‌پرستی بورژوا پروفیسرانہ ''سائنس،، کے دھارے میں آتی تھی۔ پروفیسر ''کانٹ کی طرف واپس گئے،، اور ترمیم‌پرستی نوکانٹیوں (۱۲۵) کے پیچھے پیچھے گھسٹتی رہی۔ پروفیسر وہی پرانی باتیں دھراتے رہے جو پادری ہزاروں بار فلسفیانہ مادیت کے خلاف کہہ چکے تھے اور ترمیم‌پرست مزے سے مسکرا کر یہ بڑبڑاتے رہے (تازہ ترین کتابچے کے مطابق لفظ بلفظ) کہ مادیت

19—980

کی ''تردید،، تو مدت ہوئی کی جا چکی ہے۔ پروفیسروں نے ہیگل کو ''مردہ کتا،، گردانا اور خود عینیت پرستی کے لیکن ایسی عینیت پرستی کے وعظ دیتے ہوئے جو ہیگل کی عینیت پرستی سے ہزار گنا حقیر اور فرسودہ تھی، جدلیات پر حقارت سے کندھے جھٹکتے رہے اور ترمیم پرست ان کے پیچھے چل کر سائنس کی فلسفیانہ تخریب کی دلدل میں پھنستے گئے، ''پرفن،، (اور انقلابی) جدلیات کی جگہ ''سادہ،، (اور ساکن) ''ارتقا،، کو دیتے گئے۔ پروفیسر اپنے عینیت پرست اور اپنے ''تنقیدی،، نظاموں کو ازمنۂ وسطی کے حاوی ''فلسفے،، (یعنی مذہبیات) کے مطابق ٹھیک ٹھاک کرکے سرکاری تنخواہیں پاتے رہے اور ترمیم پرست ان سے قریب ہوتے گئے، یہ کوشش کرتے رہے کہ مذہب کو ''نجی معاملہ،، بنا دیں، موجودہ ریاست کے تعلق سے نہیں بلکہ ترقی یافتہ طبقے کی پارٹی کے تعلق سے۔

طبقاتی لحاظ سے مارکسزم میں ایسی ''ترمیموں،، کے حقیقی معنی کیا تھے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات خود صاف ہے۔ ہم صرف اس پر زور دینا چاہتے ہیں کہ بین الاقوامی سوشل ڈیمو کریسی میں صرف ایک مارکسی، جس نے ٹھوس جدلیاتی مادیت کے نقطۂ نظر سے ترمیم پرستوں کے نامعقول نظریات پر نکتہ چینی کی، وہ پلیخانوف تھا۔ اس پر زور دینے کی ضرورت اسی لئے ہے کیونکہ اس وقت یہ انتہائی غلط کوششیں کی جا رہی ہیں کہ پلیخانوف کے طریق کار کی سوقع پرستی پر نکتہ چینی کے روپ میں فرسودہ اور رجعت پرست فلسفیانہ کوڑا کرکٹ چھپکے سے پھر واپس لایا جائے*۔

سیاسی معاشیات کی طرف آتے ہوئے یہ بات سب سے پہلے کہنا

---

* دیکھئے بوگدانوف، بازاروف وغیرہ کی کتاب ''مارکسزم کے فلسفے کے مقالے،،۔ یہاں اس کتاب پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ میں صرف اس وقت اتنا ہی کہونگا کہ مستقبل قریب میں مضامین کے ایک سلسلے کے ذریعے یا کسی علحدہ پمفلٹ میں ثابت کرونگا کہ جو کچھ زیر نظر کتاب میں نوکانٹی ترمیم پرستوں کے بارے میں کہا گیا ہے اس کا اطلاق قطعی طور پر ان ہیوم اور بیرکلے کے نوجوان پیرو ''نئے،، ترمیم پرستوں پر بھی ہوتا ہے۔

چاھئے کہ اس شعبے میں ترمیم پرستوں کی ''ترمیمیں،، کافی زیادہ ہمہ گیر اور تفصیلی تھیں۔ ''معاشی ترقی کے نئے حقائق،، کے ذریعے پبلک پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی گئی۔ یہ کہا گیا کہ بڑے پیمانے کی پیداوار کا ارتکاز اور اس کے ہاتھوں چھوٹی پیداوار کا خاتمہ زراعت میں بالکل نہیں ہوتا اور تجارت و صنعت میں بڑی سست رفتاری سے ہوتا ہے۔ یہ کہا گیا کہ اب بحران شاذ و نادر اور کمزور ہوتے ہیں اور شاید کارٹیل اور ٹرسٹ سرمائے کو یہ موقع دیں گے کہ وہ ان بحرانوں کو بالکل دور کرسکے۔ یہ کہا گیا کہ ''انہدام کا نظریہ،، جس کی طرف سرمایہ‌دار نظام جا رہا ہے معقول نہیں ہے کیونکہ طبقاتی اختلافات میں زیادہ ہلکے اور نرم ہو جانے کا رجحان ہے۔ اور آخر میں یہ کہا گیا کہ مارکس کے نظریۂ قدر کی بیم باویرک (۱۲۶) کے مطابق تصحیح بھی بے جا نہ ہوگی۔

ان مسائل پر ترمیم پرستوں کے خلاف لڑائی کا نتیجہ نظریاتی خیالات کی تجدید کی حیثیت سے بین‌الاقوامی سوشلزم میں اتنا ہی کارآمد ہوا جیسا کہ ڈیورنگ کے خلاف اینگلس کی بحث میں بیس سال پہلے ہوا تھا۔ ترمیم پرستوں کی دلیلوں کا جائزہ واقعات اور اعداد و شمار کی مدد سے لیا گیا۔ یہ بات ثابت ہو گئی کہ ترمیم پرست باقاعدگی سے موجودہ چھوٹے پیمانے کی پیداوار کی ایک دلفریب تصویر پیش کر رہے ہیں۔ چھوٹے پیمانے کی پیداوار پر بڑے پیمانے کی پیداوار کی ٹکنیکی اور کاروباری برتری نہ صرف صنعت میں بلکہ زراعت میں بھی ناقابل تردید واقعات سے ثابت ہو چکی ہے۔ لیکن اشیائے تجارت کی پیداوار زراعت میں کہیں کم ترقی‌یافتہ ہے اور موجودہ ماہرین اعداد و شمار و معاشیات عام طور پر زراعت کی ان مخصوص شاخوں کو (کبھی کبھی تو کاموں کو بھی) چننے میں زیادہ ماہر نہیں ہوتے جو دکھاتی ہیں کہ زراعت عالمی معیشت کے تبادلے کے عمل میں برابر کھنچتی جا رہی ہے۔ چھوٹے پیمانے کی پیداوار غذا کی متواتر ابتری، سدا کی بھکمری، کام کے دن کی زیادہ طوالت، مویشیوں کی کوالٹی اور دیکھبھال کی ابتری، مختصر یہ کہ ان تمام طریقوں سے اپنے کو قدرتی معیشت کے کھنڈروں پر قائم رکھتی ہے جن سے دستکاری کی پیداوار اپنے

کو سرمایہ‌دارانہ کارخانہ‌داری کے خلاف برقرار رکھتی تھی۔ سائنس اور ٹکنیک کی ہر ترقی سرمایہ‌دارانہ سماج میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار کی بنیادوں کو ناگزیر طور پر متواتر کھوکھلا کرتی رہتی ہے اور سوشلسٹ معاشیات کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس عمل کی تمام صورتوں میں تحقیقات کرے جو اکثر پیچیدہ اور دشوار ہوتی ہیں اور چھوٹے پیداوار کرنےوالے کو یہ دکھائے کہ سرمایہ‌دارانہ نظام میں اس کا وجود ناممکن ہے، سرمایہ‌دارانہ نظام میں کسان کے لئے کاشتکاری کی کوئی امید نہیں ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ کسان پرولتاریہ کا موقف اپنائے۔ سائنسی معنی میں یہاں ترمیم پرست خطاوار تھے کیونکہ انھوں نے یکطرفہ اور الگ الگ واقعات سے سطحی سرسری باتیں اخذ کر لیں ان واقعات کا پورے سرمایہ‌دارانہ نظام سے واسطہ واضح نہ کرکے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی وہ خطاوار تھے کیونکہ انھوں نے ناگزیر طور پر، خواہ وہ چاہتے ہوں یا نہیں، کسان پر یہ زور دینے کی بجائے کہ وہ انقلابی پرولتاریہ کا نقطۂ نظر اپنائے، اس کو دعوت دی یا اس پر زور دیا کہ وہ چھوٹے صاحب جائیداد کا رویہ (یعنی بورژوازی کا رویہ) اختیار کرے۔

بحرانوں کے نظریے اور انہدام کے نظریے کے بارے میں ترمیم‌پرستوں کی پوزیشن اور بھی بری تھی۔ صرف تھوڑے دن تک اور وہ بھی صرف بہت ہی کوتاہ نظر لوگ چند برسوں کی صنعتی گرم بازاری اور خوشحالی کی بنا پر مارکسی نظریے کی بنیادوں کو دوبارہ ڈھالنے کی بات سوچ سکے۔ حقائق نے بہت جلد ترمیم‌پرستوں پر یہ بات واضح کردی کہ بحران ماضی کی بات نہیں ہوئے ہیں، خوشحالی کے بعد بحران پھر آیا ہے۔ الگ الگ بحرانوں کی صورتوں، سلسلے اور تصویر میں تبدیلی ہوئی ہے لیکن بحران سرمایہ‌دارانہ نظام کا ناگزیر جز اب بھی ہیں۔ پیداوار کو متحد کرنے کے ساتھ کارٹیلوں اور ٹرسٹوں نے روزافزوں پیمانے پر پیداوار کے نراج، پرولتاریہ کے وجود کے عدم تحفظ اور سرمائے کے جبر و تشدد کو اور شدید کردیا اور اس طرح طبقاتی اختلافات کو بےمثال درجے تک تیز بنا دیا۔ سرمایہ‌دارانہ نظام بربادی کی طرف جا رہا ہے — انفرادی سیاسی و معاشی بحرانوں اور پورے سرمایہ‌دارانہ نظام کے

مکمل ڈھا جانے دونوں لحاظ سے ـ یہ بات خاص طور سے صاف اور بہت بڑے پیمانے پر نئے زبردست ٹرسٹوں نے ہی دکھائی۔ امریکہ کا حالیہ مالیاتی بحران اور سارے یورپ میں بےروزگاری میں زبردست اضافہ، اگر آنےوالے صنعتی بحران کا ذکر نہ بھی کیا جائے جس کی بہت سی علامتیں ہیں، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ترمیم پرستوں کے حالیہ ''نظریات،، کو سب بھول گئے ہیں جن میں بظاہر بہت سے ترمیم پرست خود بھی شامل ہیں۔ لیکن دانش وروں کی اس غیرمستقل مزاجی نے جو سبق مزدور طبقے کو دئے ہیں ان کو نہ بھولنا چاہئے۔

جہاں تک نظریۂ قدر کا سوال ہے بس یہ کہنا کافی ہوگا کہ بیم باویرک کی طرف چند انتہائی مبہم اشاروں اور آہوں کے علاوہ ترمیم پرستوں کی دین اور کچھ نہیں ہے اور اسی لئے انھوں نے سائنسی خیالات کے ارتقا پر کوئی نقش نہیں چھوڑا ہے۔

سیاست کے میدان میں ترمیم پرستوں نے واقعی مارکس‌ازم کی بنیاد میں یعنی طبقاتی جدوجہد کے نظریے میں ترمیم کرنے کی کوشش کی۔ ہمیں بتایا گیا کہ سیاسی آزادی، جمہوریت اور عام حق رائےدہی طبقاتی جدوجہد کی ضرورت کو رفع کر دیتے ہیں اور ''کمیونسٹ مینی‌فسٹو،، کے اس پرانے دعوے کو غیرحقیقی بناتے ہیں کہ مزدوروں کا وطن نہیں ہوتا۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ جمہوریت میں ''اکثریت کی مرضی،، حاوی ہوتی ہے اس لئے کسی کو نہ تو ریاست کو طبقاتی حکمرانی کا آلۂ‌کار سمجھنا چاہئے اور نہ رجعت‌پرستوں کے خلاف ترقی‌پسند، سماجی اصلاحات کی حامی بورژوازی کے ساتھ اتحاد کو مسترد کرنا چاہئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ترمیم پرستوں کے یہ اعترافات خیالوں کے بہت متوازن نظام سے یعنی اعتدال‌پسند بورژوازی کے پرانے خیالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اعتدال‌پسندوں نے ہمیشہ یہ کہا کہ بورژوا پارلیمانیت طبقوں اور طبقوں کی تقسیم کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ ووٹ کا حق اور ملک کی حکومت میں شرکت کا حق بلاامتیاز تمام شہریوں کا حصہ ہوتے ہیں۔ ۱۹ ویں صدی کے دوسرے نصف میں یورپ کی پوری تاریخ اور بیسویں صدی کی ابتدا میں روسی انقلاب کی ساری تاریخ صاف طور پر دکھاتی ہیں کہ

یہ نظریات کتنے فضول ہیں۔ ''جمہوری،، سرمایہ‌داری کی آزادی کے تحت معاشی امتیازات کم نہیں بلکہ زیادہ شدید ہو جاتے ہیں۔ پارلیمانیت انتہائی جمہوری بورژوا ریپبلکوں کے جوہر کو ختم کرنے کی بجائے ان کو طبقاتی جبر و تشدد کے آلہٴ کار کی حیثیت سے عریاں کرتی ہے۔ بہ‌مقابلہ ان لوگوں کے جو پہلے سیاسی واقعات میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے اب آبادی کے بےانتہا وسیع حصوں کو روشن خیال اور منظم کرنے میں مدد دیکر پارلیمانیت بحرانوں اور سیاسی انقلابوں کو دور کرنے کی نہیں بلکہ ان انقلابوں کے دوران خانہ‌جنگی کو زیادہ سے زیادہ شدید بنانے کی تیاری کرتی ہے۔ ۱۸۷۱ء کی بہار میں پیرس کے واقعات سے اور ۱۹۰۵ء کے جاڑوں میں روس کے واقعات (۱۲۷) سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ شدت کتنی ناگزیر طور پر پیدا ہوتی ہے۔ فرانسیسی بورژوازی نے ایک لمحے کے تذبذب کے بغیر پوری قوم کے دشمن سے، اس غیرملکی فوج سے جس نے اس کے ملک کو تباہ کر دیا تھا معاملہ کرلیا تاکہ پرولتاری تحریک کو کچل دیا جائے۔ جو کوئی بھی پارلیمانیت اور بورژوا جمہوریت کی ناگزیر اندرونی جدلیات کو نہیں سمجھتا جو پہلے کے مقابلے میں عام تشدد کے ذریعے جھگڑوں کو زیادہ تیزی سے حل کرنے کی طرف لے جاتی ہے وہ اس پارلیمانیت کی بنیاد پر اصول کے مطابق کبھی پروپگنڈہ اور ایجی‌ٹیشن نہیں کر سکتا جو مزدوروں کو ایسی ''بحثوں،، میں فاتحانہ شرکت کےلئے واقعی تیار کرتے ہیں۔ مغرب میں سماجی اصلاحات کے حامی اعتدال‌پسندوں اور روسی انقلاب میں لبرل اصلاح‌پسندوں (کیڈیٹ) (۱۲۸) کے ساتھ اتحادوں، سمجھوتوں اور بلاکوں کے تجربے نے معتبر طور پر دکھایا ہے کہ یہ سمجھوتے محض عوام کے شعور کو کند کرتے ہیں، کہ یہ ان کی جدوجہد کی حقیقی اہمیت کو بڑھاتے نہیں بلکہ کمزور کرتے ہیں کیونکہ یہ مجاہدوں کو ایسے عناصر سے منسلک کر دیتے ہیں جو جدوجہد کی کم سے کم صلاحیت رکھتے ہیں اور انتہائی مذبذب اور دغاباز ہیں۔ فرانس میں ملیران‌ازم (۱۲۹) وہ سب سے بڑا تجربہ ہے جس میں ترمیم‌پرستانہ سیاسی طریق کار وسیع پیمانے پر، واقعی قومی پیمانے پر استعمال کیا گیا۔ اس ملیران‌ازم نے ترمیم‌پرستی

کا ایک ایسا عملی اندازہ فراہم کیا ہے جس کو ساری دنیا میں پرولتاریہ کبھی نہ بھولےگا۔

ترمیم پرستی کے معاشی اور سیاسی رجحانات کا ایک فطری ضمیمہ سوشلسٹ تحریک کے مختتم مقصد کی طرف اس کا رویہ تھا۔ ''تحریک سب کچھ ہے، مختتم مقصد کچھ بھی نہیں،، برنشٹائن کا یہ نعرہ بہت سے لمبے مقالوں کی بہ‌نسبت ترمیم پرستی کے نچوڑ کا زیادہ بہتر اظہار کرتا ہے۔ ہر معاملے کےلئے الگ الگ اپنے رویے کا تعین کرنا، روزانہ واقعات اور چھوٹی سیاسی باتوں کی کاٹ چھانٹ اور تبدیلیوں کے مطابق اپنے کو بنانا، پرولتاریہ کے بنیادی مفادات اور سارے سرمایہ‌دارانہ نظام، سارے سرمایہ‌دارانہ ارتقا کے بنیادی خدوخال کو بھول جانا، ان بنیادی مفادات کو حال کے حقیقی یا خیالی فوائد پر قربان کر دینا — یہ ہے ترمیم پرستی کی پالیسی۔ اب ایسی پالیسی کی نوعیت ھی سے واضح طور پر یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ یہ لامحدود قسم کی صورتیں اختیار کرسکتی ہے اور ہر کم‌وبیش ''نیا،، سوال، ہر کم‌وبیش غیرمتوقع اور پہلے سے نہ دیکھے ہوئے واقعے کا موڑ، چاہے وہ ارتقا کی بنیادی لائن کو صرف ایک غیراہم درجے تک اور وہ بھی انتہائی مختصر مدت کےلئے بدلتا ہو، ہمیشہ لازمی طور پر کسی نہ کسی قسم کی ترمیم پرستی پیدا کریگا۔

ترمیم پرستی کے ناگزیر ہونے کا تعین موجودہ سماج میں اس کی طبقاتی جڑوں سے کیا جاتا ہے۔ ترمیم پرستی ایک بین‌الاقوامی مظہر ہے۔ ہر صاحب‌عقل سوشلسٹ جو ذرا بھی معلومات رکھتا ہے ذرا بھی شبہ نہیں کر سکتا کہ جرمنی میں کٹر خیال (۱۳۰) لوگوں اور برنشٹائن کے حامیوں، فرانس میں گیڈیسٹ اور ژوریسیسٹ (اب خاص طور سے بروسیسٹ) (۱۳۱)، برطانیہ میں سوشل ڈیموکریٹک فیڈریشن اور انڈپنڈنٹ لیبر پارٹی (۱۳۲)، بلجیم میں بروکیر اور وانڈرویلڈے، اٹلی میں اینٹیگرالیسٹوں (integralist) اور اصلاح پرستوں (۱۳۳)، روس میں بالشویکوں اور منشویکوں (۱۳۴) کے درمیان تعلق ان تمام ملکوں کی موجودہ حالت میں قومی حالات اور تاریخی عناصر کی زبردست رنگارنگی کے باوجود ہر جگہ اپنے مافیہ کے لحاظ سے یکساں ہے۔ دراصل موجودہ بین‌الاقوامی سوشلزم

کے اندر ''تقسیم،، دنیا کے مختلف ملکوں میں اب ایک ھی لائن پر چل رھی ھے جو ان تیس یا چالیس برس پہلے کے مقابلے میں زبردست ترقی کی تصدیق کرتی ھے، جب مختلف ملکوں میں طرح طرح کے رجحانات واحد بین‌الاقوامی سوشلزم کے اندر کشمکش کر رھے تھے۔ اور ''بائیں سے ترمیم‌پرستی،، جس نے اب لاطینی‌الاصل زبانوں‌والے ملکوں میں ''انقلابی سینڈی کالزم،، (۱۳۰) کی صورت اختیار کرلی ھے اپنے کو مارکسزم کے مطابق بنا رھی ھے۔ اٹلی میں لابری‌اولا اور فرانس میں لاگاردیل مارکسزم میں ''ترمیم،، کرکے اکثر اس مارکس کی طرف سے جس کو غلط سمجھا جاتا ھے اس مارکس سے اپیل کرتے ھیں جس کو صحیح سمجھا جاتا ھے۔

ھم اس ترمیم‌پرستی کے نظریاتی مواد کا تجزیہ یہاں نہیں کر سکتے جو ابھی موقع‌پرستانہ ترمیم‌پرستی کی حد تک پہنچنے سے بہت دور ھے، جو ابھی بین‌الاقوامی نہیں ہوئی ھے اور کسی ایک ملک میں بھی سوشلسٹ پارٹی سے واحد بڑی عملی جنگ کی آزمائش سے نہیں گذری ھے۔ اس لئے ھم اپنے کو اس ''دائیں سے ترمیم‌پرستی،، تک محدود رکھیں‌گے جس کی وضاحت اوپر کی گئی ھے۔

سرمایہ‌دارانہ سماج میں اس کی ناگزیری کس بات میں ھے؟ وہ قومی خصوصیات اور سرمایہ‌دارانہ ترقی کے درجوں کے امتیاز سے زیادہ گہری کیوں ھے؟ کیونکہ ھر سرمایہ‌دارانہ ملک میں پرولتاریہ کے ساتھ ساتھ ھمیشہ پٹی‌بورژوازی، چھوٹے صاحبان جائیداد کی وسیع پرت بھی ھوتا ھے۔ چھوٹی پیداوار سے سرمایہ‌داری ابھری تھی اور برابر ابھر رھی ھے۔ لازمی طور پر سرمایہ‌داری سے متعدد نئی ''وسطی پرتیں،، پیدا ھوتی ھیں (فیکٹری کی شاخ، گھر پر کام، چھوٹے ورکشاپ جو سارے ملک میں بڑی صنعتوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پھیلے ھوئے ھیں مثلاً سائیکل اور موٹر کی صنعتوں وغیرہ کی ضروریات)۔ یہ نئے چھوٹے پیداوار کرنےوالے لازمی طور پر پھر پرولتاریہ کی صفوں میں پہنچ جاتے ھیں۔ یہ بالکل فطری ھے کہ پٹی‌بورژوا عالمی نقطۂنظر مزدوروں کی وسیع پارٹیوں میں باربار سر اٹھاتا ھے۔ ایسا ھونا بالکل فطری ھے اور ھمیشہ ایسا ھی ھوگا، اس وقت تک جب پرولتاری انقلاب قسمتیں بدل دےگا، کیونکہ یہ سوچنا سخت غلطی ھوگی کہ ایسا انقلاب کرنے کےلئے آبادی کی اکثریت کو ''مکمل

طور سے،، پرولتاری بنانا لازمی ہے۔ اس وقت ہمیں جو تجربہ اکثر صرف نظریات کے شعبے میں ہوتا ہے یعنی مارکسازم میں نظریاتی ترمیموں پر بحث مباحثہ، جو کچھ اب مزدور تحریک کے صرف انفرادی جزوی مسائل کے عمل میں، ترمیم پرستوں کے ساتھ طریق کار کے اختلافات اور اس بنیاد پر علحدگی کی صورت میں پیدا ہوتا ہے، اسی کا سامنا مزدور طبقے کو بےنظیر بڑے پیمانے پر ضرور کرنا پڑیگا جب پرولتاری انقلاب تمام متنازع مسائل کو تیز کر دیگا، تمام اختلافات کو ایسے نکتوں پر مرکوز کر دیگا جو عوام کے رویے کے تعین کے لئے براہ‌راست اہمیت کے حامل ہوں‌گے اور اس بات کو ضروری بنا دیگا کہ جدوجہد کی گرما گرمی میں دوست دشمن کا امتیاز کیا جائے اور برے اتحادیوں کو ترک کر دیا جائے تاکہ دشمن پر فیصلہ کن ضرب لگائی جا سکے۔

انقلابی مارکسزم نے جو نظریاتی جدوجہد ۱۹ ویں صدی کے آخر میں ترمیم پرستی کے خلاف کی ہے وہ پرولتاریہ کی عظیم انقلابی جنگوں کی صرف نقیب ہے جو اپنے کاز کی مکمل فتح کی طرف پٹی بورژوازی کے تمام تذبذب اور کمزوریوں کے باوجود بڑھتا جا رہا ہے۔

یہ مضمون ۳ (۱۶) اپریل
۱۹۰۸ء کے قریب لکھا
گیا تھا۔

مادیت اور تجربی تنقید

(اقتباس)

سماجی ہستی اور سماجی شعور مماثل نہیں ہیں جیسے کہ ہستی بالعموم اور شعور بالعموم مماثل نہیں ہیں۔ اس حقیقت سے کہ انسان اپنی معاشرت میں باشعور ہستیوں کی طرح عمل کرتے ہیں ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ سماجی شعور سماجی ہستی سے مماثل ہے۔ ذرا سی بھی پیچیدگی‌والی ساری سماجی تشکیلوں میں — اور سرمایہ‌دارانہ سماجی تشکیل میں خاص طور سے — لوگوں کو اپنی معاشرت میں اس امر کا شعور نہیں ہوتا کہ کس قسم کے سماجی رشتوں کی تشکیل ہو رہی ہے، کن قوانین کے مطابق وہ ترقی کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً ایک کسان جب اپنا اناج بیچتا ہے تو وہ دنیا کے اناج پیدا کرنے‌والوں کے ساتھ عالمی منڈی میں ''معاشرت'' کرتا ہے لیکن اسے اس کا شعور نہیں ہوتا۔ نہ اسے سماجی رشتوں کی اس قسم کا شعور ہوتا ہے جو تبادلے کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں۔ سماجی شعور سماجی ہستی کی عکاسی کرتا ہے یہ ہے مارکس کی تعلیم۔ عکس، معکوس کی تقریباً سچی نقل ہو سکتا ہے لیکن مماثلت کی بات کرنا احمقانہ بات ہے۔ شعور بالعموم ہستی کی عکاسی کرتا ہے — یہ ساری مادیت کا ایک عام مقالہ ہے۔ تاریخی مادیت کے مقالے کے ساتھ اس کے براہ‌راست اور اٹوٹ تعلق کو نہ دیکھنا ناممکن ہے، جو یہ ہے کہ سماجی شعور سماجی ہستی کی عکاسی کرتا ہے۔ ...

عالمی معاشی نظام میں ہر انفرادی پیداوار کرنےوالا یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ پیداوار کی ٹکنیک میں یہ یا وہ تبدیلی رائج کر رہا ہے۔ ہر مالک یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بعض پیداواروں کا دوسری پیداواروں سے تبادلہ کرتا ہے۔ لیکن پیداوار کرنےوالے اور یہ مالک اس بات کو نہیں محسوس کرتے کہ ایسا کرنے میں وہ سماجی ہستی کو بدل رہے ہیں۔

سرمایہ‌دارانہ عالمی معیشت میں اپنی ساری بستگی پیوستگی سمیت ان تبدیلیوں کے ماحصل کو ستر مارکس بھی نہ سمجھ سکتے تھے۔ اہم‌ترین چیز یہ ہے کہ ان تبدیلیوں کے قوانین دریافت کر لئے گئے ہیں، کہ ان تبدیلیوں کی اور ان کے تاریخی ارتقا کی معروضی منطق اپنی خاص اور بنیادی خصوصیتوں میں منکشف کی جا چکی ہے — معروضی ان معنوں میں نہیں کہ باشعور ہستیوں کا، لوگوں کا ایک سماج باشعور ہستیوں کے وجود سے آزاد رہتے ہوئے موجود رہ سکتا ہے اور ترقی کر سکتا ہے بلکہ ان معنوں میں کہ سماجی ہستی لوگوں کے سماجی شعور سے آزاد ہوتی ہے۔ یہ حقیقت کہ آپ زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنا کام کرتے ہیں، بچے پیدا کرتے ہیں، پیداوار کرتے ہیں اور اس کا تبادلہ کرتے ہیں، واقعات کے ایک معروضی طور پر لازمی سلسلے کو نمودار کرتی ہے جو آپ کے سماجی شعور سے آزاد ہوتا ہے اور موخرالذکر اسے پوری طرح کبھی نہیں سمجھتا۔ انسانیت کا بلندترین فریضہ معاشی تکامل (سماجی زندگی کے تکامل) کی اس معروضی منطق کو اس کی عام اور بنیادی خصوصیتوں میں سمجھنا ہے تاکہ اس کے مطابق اپنے سماجی شعور کو اور سارے سرمایہ‌دارانہ ملکوں کے آگے بڑھے ہوئے طبقوں کے شعور کو جتنا زیادہ ممکن ہو اتنا قطعی، واضح اور تنقیدی انداز میں ڈھالنا ممکن ہو سکے۔ ...

مادیت بالعموم معروضی طور پر حقیقی ہستی (مادہ) کو انسانیت کے شعور، حس اور تجربے وغیرہ سے آزاد تسلیم کرتی ہے۔ تاریخی مادیت سماجی ہستی کو انسانیت کے سماجی شعور سے آزاد تصور کرتی ہے۔ دونوں صورتوں میں شعور ہستی کا صرف عکس ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کا تقریباً سچا (موزوں، بالکل ٹھیک) عکس۔ اس مارکسی فلسفے سے جو فولاد کے ایک واحد ٹکڑے سے ڈھلا ہے

آپ معروضی سچائی سے دور ہوئے بغیر، بورژوا رجعت پرست جھوٹ کا شکار ہوئے بغیر ایک بنیادی مقدمے کو، ایک اساسی حصے کو نکال باہر نہیں کر سکتے۔ ...

۱۹۰۸ء کے فروری اور
اکتوبر کے درمیان لکھا گیا۔

مارکسزم کی تاریخی نشوونما کی خصوصیتیں

اینگلس نے اپنے اور اپنے مشہور دوست (مارکس) کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا: ''ہمارا نظریہ محض عقیدہ نہیں ہے بلکہ یہ عمل کا رہنما ہے''۔ اینگلس کے یہ مانے ہوئے الفاظ زبردست قوت اور شدت اظہار کے ساتھ مارکسی نظریے کے اس خاص پہلو پر زور دیتے ہیں جو مستقل طور سے نظرانداز ہوتا رہا ہے۔ اس پہلو کو آنکھوں سے اوجھل کرکے ہم مارکسزم کو صرف یک‌طرفہ چیز بنا دیتے ہیں، اس کی صورت و شکل بگاڑ دیتے ہیں اور اسے بےجان کرکے رکھ دیتے ہیں، مارکسی نظریے کی جو اصلی روح ہے وہ اسی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی جو اہم نظریاتی بنیادیں ہیں یعنی جدلیات کا نظریہ، وہی غائب ہو جاتی ہیں جو ہمہ گیر اور پرتضاد تاریخی ارتقا کا اس طرح اپنے دور کے جو مقررہ عملی فریضے ہیں اور جو تاریخ کے ہر موڑ کے ساتھ بدل سکتے ہیں انھیں سے ہم مارکسی نظریے کا رشتہ توڑ دیتے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ خود ہمارے زمانے میں جو لوگ روس کے اندر مارکسی نظریے کے مقدر سے دلچسپی رکھتے ہیں ان میں ہی ایسے بہت لوگ مل جائینگے جن کی نگاہ سے مارکسزم کا یہ اہم پہلو اوجھل ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ تو ہر شخص بخوبی سمجھتا ہے کہ ادھر چند برسوں میں روس کو ایسے یک‌لخت موڑوں سے گذرنا پڑا ہے جنھوں نے غیرمعمولی تیزرفتاری اور غیرمعمولی دھچکے کے ساتھ پوری صورت حال کو کچھ سے کچھ کر دیا ہے،

سماجی اور سیاسی صورت‌حال بدل دی ہے جس سے فوری اور براہ راست طور پر عمل کرنے کے حالات کا تعین ہوتا ہے اور قدرتی طور پر عمل کے فریضوں کا بھی۔ یہاں ہرگز میرا مطلب عام اور بنیادی فرائض سے نہیں ہے کیونکہ وہ تو جوں کے توں رہتے ہیں اور تاریخ کے ہر موڑ کے ساتھ اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک کہ سماج میں طبقوں کا بنیادی تناسب نہ بدل جائے۔ اور یہ کھلی بات ہے کہ روس میں معاشی تکامل کا عام رخ (صرف معاشی ہی نہیں) روسی سماج کے اندر مختلف طبقوں کے بنیادی تناسب کی طرح بدستور موجود ہے اور کم از کم پچھلے ٦ سال میں بدل نہیں گیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ٦ سال کے عرصے میں فوری اور براہ‌راست عمل کے فرائض بہت نمایاں طور پر بدل گئے، ٹھیک اسی کے مطابق جیسے سماجی اور سیاسی حالت میں تبدیلی آئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک زندہ اور متحرک نظریے کی حیثیت سے مارکس‌ازم میں بھی مختلف پہلوؤں کا نمایاں ہونا لازمی تھا۔

اس خیال کو واضح کرنے کےلئے ہمیں اس تبدیلی پر ایک نظر ڈال لینی چاہئے جو پچھلے ٦ سال کے اندر واقعی سماجی اور سیاسی صورت‌حال میں پیدا ہوئی ہے۔ ہم پہلی نظر میں ہی اس ٦ سال کے عرصے کو ٢ برابر کے حصوں میں بانٹ کر الگ الگ کر لیتے ہیں۔ پہلے ٣ سال وہ ہیں جو تقریباً ١٩٠٧ء کی گرمیوں پر ختم ہو گئے۔ اور بعد کے ٣ سال وہ ہیں جو ١٩١٠ء کے موسم گرما پر ختم ہوتے ہیں۔ اگر خاص نظریے کی رو سے دیکھا جائے تو پہلے ٣ سال کے زمانے کی خصوصیت یہ ہے کہ اسی عرصے میں روس کے سرکاری نظام کی بنیادی خصوصیات میں تیزرفتار تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ان تبدیلیوں کا راستہ بڑا ہی ناہموار رہا ہے اور آگے پیچھے کی طرف جھونکے بھی بہت زیادہ کھائے گئے ہیں۔ ”بالائی ڈھانچے“ میں تبدیلیوں کی سماجی اور معاشی بنیاد تھی روسی سماج میں تمام طبقوں کا نہایت مختلف میدانوں میں عمل (مثلاً دوما (١٣٦) کے اندر اور اس کے باہر کی سرگرمیاں، پریس، یونینیں، جلسے وغیرہ)۔ یہ عمل ایسا کھلا ہوا اور ایسا زبردست اثر ڈالنے‌والا تھا اور اتنے بڑے پیمانے پر ہو رہا تھا کہ تاریخ میں اس کی مثال دیکھنے میں کم ہی آتی ہے۔

اب دوسرے ۳ ساله دور کو لیجئے۔ یه دور پہلے کے برخلاف ایسی سست رفتار تکامل کا دور ہے که اسے کم‌وبیش جمود کہه سکتے ہیں۔ یہاں ہم ایک بار پھر جتا دیں که ہماری یه گفتگو خاص نظریاتی ''عمرانیاتی،، نقطۂ نظر کی رو سے ہو رہی ہے۔ تو اس ۳ سال کے عرصے میں نظام حکومت کے اندر کسی طرح کی تبدیلیاں نظر نہیں آتیں۔ سماج کے مختلف طبقے اکثر ''دائروں،، میں جن میں وه پہلے ۳ سال کے دور میں اپنی تگ‌ودو دکھا رہے تھے یا تو بالکل بےحرکت ہیں یا کم از کم نمایاں طور پر ان کا عمل ابھرتا نہیں۔

ان دونوں عرصوں میں ایک مشابہت ہے۔ مشابہت اس بات میں که دونوں عرصوں میں روس کا سرمایه‌دارانه تکامل ہوا۔ اس معاشی تکامل کے اور بہت سے جاگیردارانه اور ازمنۂ وسطی کے متعدد اداروں کے درمیان جو تضاد پہلے سے چلا آرہا تھا وه جوں کا توں باقی رہا، دور نہیں کیا گیا بلکه اور بڑھ گیا اس لئے که سماج کے بعض اداروں نے جزوی طور پر بورژوا نوعیت اختیار کرلی۔

لیکن ان دونوں زمانوں میں فرق ہے۔ فرق اس بات کا که پہلے دور میں یه سوال غالب اور تاریخ ساز تھا که مذکورۂ بالا تیزرفتار اور ناہموار تبدیلیاں ٹھیک ٹھیک کون سی شکل اختیار کریں گی۔ ان تبدیلیوں کے سافیه کو تو لازمی طور سے بورژوا ہی ہونا تھا کیونکه روس کے تکامل کی نوعیت سرمایه‌دارانه تھی۔ لیکن بورژوازی کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ بیچ کا بورژوا طبقه اور اوپر کا بورژوا طبقه جو کم و بیش اعتدال‌پسندانه رواداری کا دعوی کرتے ہیں اپنی طبقاتی پوزیشن ہی کی وجه سے بڑی اچانک تبدیلیوں سے خوف زده تھے اور اس پر اتر آئے که زراعتی شعبے میں ہو یا سیاسی ''بالائی ڈھانچے،، میں، دونوں جگه ماضی کے پرانے اداروں کے بچے کھچے ستون ہی کھڑے رہیں۔ دیہات کے ''پٹی بورژوا،، طبقے کو، چونکه وه کسانوں کے ساتھ لپٹا ہوا تھا جو محض ''اپنی محنت پر،، بسر کرتے تھے، دوسری قسم کی بورژوا اصلاحیں اپنے لئے لازم نظر آتی تھیں، ایسی اصلاحیں جن کی بدولت پرانی طرز کے دقیانوسی اثرات کی گنجائش اور کم ہو جائے۔ اب رہے محنت مزدوری پر بسر کرنےوالے مزدور۔ انھوں نے اپنے اردگرد کے حالات

20*

کی جانب باشعور رویہ اختیار کیا اور اس بنا پر ان دونوں الگ الگ رجحانوں کے ٹکراؤ میں اپنا ایک واضح رخ مقرر کیا۔ جب کہ یہ دونوں رجحان بورژوا سسٹم کے دائرے میں رہ کر اپنےلئے اس کی بالکل جدا جدا شکلیں اختیار کئے ہوئے تھے، اس کے ارتقا کی مختلف رفتاروں اور اس کے ترقی پسند اثرات کے مختلف درجوں کو اپنائے ہوئے تھے۔

اس طرح سے پچھلے ۳ سال کے دور نے اتفاقی نہیں بلکہ لازمی طور پر مارکسزم میں ان مسائل کو بالکل سامنے لا کر رکھ دیا جنھیں ہم عام طور سے طریق کار کے مسائل کہہ لیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی غلطاندیشی نہیں ہو سکتی اگر ہم یہ رائے قائم کریں کہ جو بحث مباحث اور اختلافات ان سوالوں پر اٹھے وہ صرف ''دانشورانہ،، بحثیں تھے یا یہ کہ وہ ''ناپختہ پرولتاریہ پر اثر پھیلانے کی کش مکش،، کا اظہار تھے، یا وہ ''پڑھے لکھے طبقے کی پرولتاریہ سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش،، کا پتہ دیتے ہیں۔ مختلف قسم کے ''ویخیست،، (۱۳۷) اسی طرح سوچتے ہیں۔ برعکس اس کے اصل بات یہ ہے کہ یہ طبقہ پختگی کی اس منزل کو پہنچ چکا تھا جہاں وہ روس کی تمام‌تر بورژوا نشوونما کے معاملے میں دو رجحانات کے ٹکراؤ کا صرف بے پروا تماشائی نہیں بن سکتا تھا۔ اور اس طبقے کے نظریہ‌داں بھی یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان مختلف رجحانوں پر نظریاتی اصول تیار نہ کرتے (جو براہ‌راست یا بالواسطہ، ان کا الٹا یا سیدھا عکس ہوتے)۔

بعد کے سال کا دور وہ ہے جس میں روس کے اندر سرمایہ‌دارانہ ارتقا کے دونوں رجحانوں کے درمیان ٹکراؤ نہیں آیا تھا کیونکہ دونوں رجحان پٹ چکے تھے، دونوں کو ''کٹر رجعت‌پرستوں،، نے کچل ڈالا تھا، پیچھے ڈھکیل دیا تھا اور کم‌ازکم کچھ عرصے کے لئے دونوں دھیمے ہوچکے تھے۔ ازمنۂ وسطی کے کٹر رجعت‌پرست (۱۳۸) نہ صرف سب سے اگلی صف میں ڈٹ گئے تھے بلکہ انھوں نے بورژوا سماج کے بہت وسیع حصے پر اثرانداز ہوکر اس میں ویخیست خیالات بھی پھیلا دئے تھے اور مایوسی، افسردگی اور توبہ و استغفار کی فضا عام کردی تھی۔ جو چیز سامنے آئی تھی وہ پرانے نظام کی اصلاح کرنے کے دو طریقوں کے درمیان تصادم نہیں تھا بلکہ کسی

بھی طرح کی اصلاح پر سے اعتماد ھی اٹھ گیا تھا، ''بیچارگی،، اور ''اعتراف گناہ،، کا جذبہ تھا، سماج مخالف نظریوں کے لئے جوش تھا، تصوف کا چلن عام تھا، وغیرہ وغیرہ۔

پھر یہ کہ جو حیرت انگیز تیز تبدیلی آئی وہ نہ تو اتفاقی تھی اور نہ محض کسی ''بیرونی،، دباؤ کا نتیجہ تھی۔ اس سے پہلے کے دور نے اتنی شدت سے آبادی کے ان تمام حصوں کو گرما دیا تھا، جو نسلوں اور صدیوں سے سیاسی مسائل سے بےپروا، بےخبر اور الگ تھلگ چلے آتے تھے، کہ اب ان کےلئے یہ قدرتی اور نہایت لازمی بات ہو گئی تھی کہ ''تمام پرانی قدروں کا پھر سے جائزہ لیا جائے،، ، بنیادی مسائل پر نیا کام کیا جائے، نظریے سے، اساسوں سے اور بالکل ابتدائی اور بنیادی چیزوں سے نئی دلچسپی ہو۔ لاکھوں کروڑوں آدمی صدیوں کی نیند سے چونکے تھے اور آنکھیں ملتے ھی ان کے سامنے انتہائی اہم سوال آ چکے تھے۔ وہ اس سطح پر دیر تک جوں کے توں قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ مہلت یا التوا کے بغیر ، ابتدائی سوالوں کی جانب منھ موڑے بغیر اور ایسی تربیت کے بغیر ان کا کام نہیں چل سکتا تھا جو ان کو بڑے زبردست سبق ''ھضم،، کرنے میں مدد دے۔ انہیں ایسی تربیت کی ضرورت تھی جو عوام کے اور بھی زیادہ پھیلاؤ کو آگے بڑھنے کی راہ دے کہ وہ اب زیادہ ثابت‌قدمی کے ساتھ اور زیادہ سوجھ بوجھ کے ساتھ، کہیں زیادہ یقین، پختگی اور شدت کے ساتھ آگے قدم بڑھا سکیں۔

تاریخ کے ارتقا کی جدلیات ایسی تھی کہ پہلے دور میں تو وقت کا سب سے اہم تقاضا یہ تھا کہ ملک کی زندگی کے ہر شعبے میں فوری اور سامنے کی جتنی اصلاحیں ہو سکتی ہیں، کی جائیں۔ لیکن دوسرے دور میں وقت کا اہم تقاضا دوسرا تھا یعنی یہ کہ جو تجربہ ہوا اس کی جانچ تول کی جائے، زیادہ بڑی تعداد میں اسے ھضم کرایا جائے، بلکہ اگر الفاظ اجازت دیں تو کہنا چاھئے کہ اسے اندر تک پہنچایا جائے، نیچے کی تہہ تک اور مختلف طبقوں کے پچھڑے ہوئے لوگوں میں اس کے اثرات ذھن نشین کئے جائیں۔

چونکہ مارکسزم کوئی بےجان، بےحرکت اعتقادی چیز نہیں ھے، یہ نظریہ کوئی ایسا نظریہ نہیں ھے جو حرف آخر ہو کہ بس اب تیار ہو چکا اور اس میں کہیں نقطہ لگانے کی گنجائش نہیں ہوگی،

20—930

بلکہ یہ ایک زندہ اور متحرک نظریہ ہے جو عمل کا رہنما ہے۔ اسی لئے سماجی زندگی کے حالات میں جو حیرت انگیز تیز تبدیلی آئی مارکسزم میں اس کی عکاسی ہونی لازمی تھی۔ اس تبدیلی کا عکس ہمیں اس طرح نظر آتا ہے کہ افراتفری پھیل گئی، بہت بری طرح بکھراؤ ہوا، نااتفاقی عام ہوئی اور ایک لفظ میں کہا جائے تو مارکسزم کےلئے گہرا اندرونی بحران آ پہنچا۔ چنانچہ اب وقت کا اہم تقاضا یہ ہوا کہ اس افراتفری کا جم کر مقابلہ کیا جائے اور مارکسزم کی بنیادوں کے لئے ثابت‌قدمی کے ساتھ جدوجہد کی جائے۔ اس سے پہلے کے دور میں یہ ہوا تھا کہ ان طبقوں میں زیادہ سے زیادہ تعداد نے جو اپنے مقاصد اور اپنی منزل کے طے کرنے میں مارکسزم سے بےنیاز نہیں ہو سکتے تھے مارکسزم کو یک طرفہ انداز میں اور مسخ شکل میں گلے سے اتار لیا تھا اور محض اوپری طور سے بعض ''نعرے،، ازبر کر لئے تھے، طریق‌کار کے سوالوں کے بعض جواب یاد کر لئے تھے پوری طرح یہ سمجھے بغیر کہ ان جوابوں کی مارکسی کسوٹی آخر کیا ہے۔ اب جو سماجی زندگی کے مختلف شعبوں میں ''تمام پرانی قدروں کا پھر سے جائزہ،، ہونے آئی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مارکسزم کی جو بسیط اور عام فلسفیانہ بنیادیں تھیں ان پر ''نظرثانی،، کی گئی۔ چنانچہ بورژوا فلسفے کے اثرات اپنی رنگا رنگ عینیت پرست شکلوں میں ظاہر ہوئے اور ماخ‌ازم کی وبا کی صورت میں مارکسی لوگوں کے درمیان پھوٹ پڑے۔ جو ''نعرے،، زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے لیکن جنھیں اچھی طرح سمجھا نہیں گیا تھا، جن پر گہری فکر نہیں کی گئی تھی، ان کے باربار دھرانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف خالی خوالی لفاظی پھیل گئی اور عمل میں وہ غیرمارکسی اور پٹی‌بورژوا رجحان اختیار کر گئی۔ مثلاً یہ کہ بےتکلف یا باتکلف طریقے سے ''اوت‌زووازم،، (۱۳۹) یا اوت‌زووازم کو مارکس‌ازم کا ایک ''جائز رخ،، سمجھنا۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ ویخیست اسپرٹ یعنی تیاگ کی اسپرٹ جو بورژوازی کے بہت بڑے حصے پر چھائی ہوئی تھی وھی اس طرز فکر میں بھی داخل ہو گئی جس کی کوشش یہ تھی کہ بس مارکسی نظریے اور عمل کو ''جائز اور سلیقے،، (۱۴۰) کی حدوں میں رہنا چاہئے۔ یہاں مارکسزم کے صرف الفاظ رہ گئے جو ''مدارج و مراتب،،

اور ''پیشوائی،، وغیرہ کی دلیلوں کی پردہ‌پوشی کرتے تھے اور جن
میں لبرل‌ازم کی اسپرٹ اندر تک سرایت کئے ہوئے تھی۔

بہرحال اس مضمون کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان سب دلیلوں کی
جانچ تول کی جائے۔ صرف ان کا حوالہ دینا ہی کافی ہے تاکہ
مارکسزم جس بحران سے گذر رہا ہے، اس کی گہرائی کی اور موجودہ
دور کے سماجی‌وعماشی حالات سے اس بحران کے تعلق کی تصویر کشی
کی جائے۔ اس بحران نے جو سوالات ہمارے سامنے رکھے ہیں انہیں
آسانی سے برطرف نہیں جا سکتا۔ اس سے بڑھ کر نقصان‌دہ، خطرناک
اور بےاصولی حرکت نہیں ہو سکتی کہ ان سوالوں کو صرف لفاظی
کی چٹکی سے ہٹا دینے کی کوشش کی جائے۔ آج سب سے اہم بات یہ
ہے کہ ان تمام مارکسیوں کو جنہیں اس بحران کی شدت کا پورا
احساس ہے اکٹھا کیا جائے اور اس کی شدید ضرورت ہے کہ مارکس‌ازم
کی نظریاتی بنیادوں اور بنیادی اصولوں کو بچانے کی خاطر بحران
کا سامنا کیا جائے کیونکہ مارکسزم کے بنیادی اصول بالکل مخالف
سمتوں سے مسخ کئے جا رہے ہیں، مارکسی خیالات رکھنےوالوں
کے اکثر ''ہم‌سفروں،، میں بورژوا اثرات بری طرح پھیلے ہوئے ہیں۔

پہلے کے ۳ برسوں نے آبادی کے بہت بڑے حصوں کو بیدار
کر دیا ہے کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر سماجی زندگی میں حصہ
لیں۔ آبادی کے یہ وہ بڑے حصے ہیں جو اکثر حالتوں میں پہلی
ہی بار صحیح معنوں میں مارکسزم سے واقف ہونے لگے ہیں۔ اس
سلسلے میں بورژوا اخبارات پہلے سے کہیں زیادہ زور لگا رہے ہیں
اور لوگوں میں گمراہ کن اور بیہودہ خیالات پھیلا رہے ہیں اور
بڑے پیمانے پر انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ ان حالات میں مارکسی
صفوں کے اندر انتشار اور پریشان خیالی کا پھیلنا بےحد خطرناک
ہوگا۔ اس لئے آج کے دور میں مارکسیوں کا سب سے پہلا فرض
یہ ہے کہ وہ فی‌الوقت اس انتشار کے لازمی ہونے کے اسباب کو
خوب سمجھیں، اس انتشار کے مقابلے میں ڈٹ کر جدوجہد کرنے
کی خاطر اپنی صفوں کو اور زیادہ سمیٹ لیں۔

''زویزدا،، نمبر ۲،
۲۳ دسمبر ۱۹۱۰ء۔

مارکسزم کے تین سرچشمے اور تین اجزائے ترکیبی

تمام متمدن دنیا میں مارکس کی تعلیمات سے بورژوا علم (سرکاری بھی اور اعتدال پسند بھی) بھڑکتا ہے اور سخت عداوت رکھتا ہے۔ اس کی نظر میں مارکسزم کیا ہے، ایک ''مہلک عقیدہ''۔ اس کے سوا اور کسی قسم کے سلوک کی امید بھی نہیں کی جاسکتی کیونکہ ایسے سماج میں جس کی بنیاد طبقاتی جدوجہد پر ہو، ''غیرجانبدار'' سماجی سائنس کا پایا جانا ممکن نہیں ہو سکتا۔ تمام سرکاری اور اعتدال پسند سائنس کسی نہ کسی طرح سے اجرتی غلامی کی وکالت کرتی ہے۔ لیکن مارکسزم نے تو اجرتی غلامی کے خلاف بےرحم جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ اجرتی غلامی کے سماج میں سائنس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ غیرجانب داری برتےگی، بالکل ایسی ہی نادانی ہے جیسے کارخانہ‌دار سے اس سوال پر غیرجانب داری کی امید رکھنا کہ سرمایہ کا منافع کم کرکے مزدوروں کی اجرت بڑھادی جائے۔

مگر بات صرف یہیں تک محدود نہیں ہے۔ فلسفے کی تاریخ اور سماجی سائنس کی تاریخ نہایت وضاحت کے ساتھ یہ جتاتی ہیں کہ مارکسزم میں ''عقیدہ‌پرستی'' کا شائبہ تک نہیں ہے، اس معنی میں کہ وہ کوئی بندھا ٹکا اور جامد نظریہ ہو، ایسا نظریہ جو دنیا کے تمدن کے ارتقا کی شاہراہ سے الگ تھلگ ابھرا ہو۔ اس کے برعکس مارکس کی بصیرت خاص طور پر اس حقیقت میں مضمر ہے

کہ انہوں نے ان سوالوں کے جواب فراہم کئے جو انسانیت کے سب سے ممتاز دماغوں نے اٹھائے تھے۔ مارکس کی تعلیمات فلسفے، سیاسی معاشیات (پولیٹکل اکانومی) اور اشتراکیت (سوشلزم) کے عظیم ترین نمائندوں کی تعلیمات کا براہ‌راست اور فوری تسلسل ہیں۔

مارکس کا نظریہ کلی توانائی کا حامل ہے کیونکہ وہ سچا ہے۔ یہ نظریہ جامع اور ہم‌آہنگ ہے اور لوگوں کو ایک ایسا مربوط عالمی تصور فراہم کرتا ہے جو توہم‌پرستی سے، رجعت‌پرستی سے اور بورژوا ظلم وستم کی حمایت کی کسی بھی شکل سے مصالحت نہیں کرسکتا۔ یہ نظریہ جائز وارث ہے ان بہترین خیالات کا جو بنی‌نوع‌انسان نے انیسویں صدی میں تخلیق کئے تھے جن کی نمائندگی جرمن فلسفے، انگریزی سیاسی معاشیات اور فرانسیسی اشتراکیت سے ہوتی ہے۔

مارکسزم کے ان تین سرچشموں اور اس کے تین اجزائے ترکیبی سے ہم مختصر طور پر بحث کریں‌گے۔

۱

مارکسزم کا فلسفہ مادیت ہے۔ یورپ کی جدید تاریخ کے تمام دور میں اور خاص طور سے اٹھارھویں صدی کے آخر میں فرانس میں، جہاں ازمنہ وسطی کی ہر قسم کی خرافات کے خلاف، اداروں اور خیالات میں کسان غلامی کے خلاف فیصلہ‌کن جدوجہد ہوئی، مادیت نے ثابت کردیا کہ وہی ایک ایسا فلسفہ ہے جو ثابت‌قدم ہے، جو نیچری سائنس کے تمام خیالات سے مطابقت رکھتا ہے اور توہم‌پرستی اور ریاکاری وغیرہ کا مخالف ہے۔ چنانچہ جمہوریت کے دشمنوں نے اپنا سارا زور اس پر صرف کردیا کہ مادیت کی ”تردید کریں“، اس کی جڑیں کھود ڈالیں اور اسے بدنام کریں۔ انھوں نے فلسفیانہ عینیت‌پرستی کی مختلف شکلوں کی وکالت کی جو ہمیشہ کسی نہ کسی صورت میں مذہب کی تبلیغ یا اس کی تائید کرتی ہیں۔

مارکس اور اینگلس نے قطعی طور پر فلسفیانہ مادیت کی مدافعت کی اور باربار واضح کیا کہ اس بنیاد سے ہر انحراف انتہائی شدید غلطی ہے۔ مارکس اور اینگلس کے خیالات نہایت وضاحت کے ساتھ

جامع طور پر اینگلس کی تصنیفات ''لوڈویگ فائرباخ،، اور ''قاطع ڈیورنگ،، میں پیش کئے گئے ھیں۔ یہ دونوں کتابیں ''کمیونسٹ مینی فسٹو،، کی طرح ھر طبقاتی شعور رکھنےوالے مزدور کو اپنے پاس ھر وقت رکھنی چاھئیں۔

لیکن مارکس نے اٹھارھویں صدی کی مادیت پر بس نہیں کی۔ انہوں نے فلسفے کو بلند سطح تک فروغ دیا۔ انہوں نے اسے جرمن کلاسیکی فلسفے کی اور خاص کر ھیگل کے نظام فکر کی حاصلات سے مالامال کیا جس نے فائرباخ کے نظریہ مادیت کو جنم دیا تھا۔ ان حاصلات کی سب سے بڑی چیز ھے جدلیات یعنی ارتقا کا نظریہ اپنی انتہائی مکمل، گہری اور جامع شکل میں۔ وہ انسانی علم کی اضافیت کا نظریہ ھے جو دائمی طور پر ترقی پذیر مادے کی عکاسی کرتی ھے۔ بورژوا فلسفیوں کی تعلیمات کے باوجود جو ''نئی،، تراش خراش کے ساتھ پرانی اور فرسودہ کو پیش کرتی ھیں، طبیعی سائنس کی تازہ دریافتوں — ریڈیم، الیکٹرون اور عناصر کے تغیر ترتیب — نے مارکس کی جدلیاتی مادیت کی نمایاں طور پر تصدیق کردی ھے۔

مارکس نے فلسفیانہ مادیت کو گہرائی اور فروغ بخشتے ہوئے مکمل کیا اور فطرت کے ادراک میں انسانی سماج کا ادراک شامل کرکے اسے وسیع بنایا۔ مارکس کی تاریخی مادیت سائنسی فکر کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ تاریخ اور سیاست کی بابت مختلف خیالات کے اندر اس سے پیشتر افراتفری اور من مانی کا جو بازار گرم تھا اس کی جگہ ایک نمایاں مربوط اور ھم آھنگ سائنسی نظرئے نے لےلی۔ یہ نظریہ ھمیں بتاتا ھے کہ پیداواری قوتوں کی نشوونما کے سبب سے معاشرتی زندگی کے ایک نظام میں سے دوسرا زیادہ ترقی یافتہ نظام کیونکر ابھرتا ھے۔ مثال کے طور پر جاگیرداری میں سے سرمایہ داری کیونکر نمودار ھوتی ھے۔

ٹھیک اسی طرح، جیسے انسان کا علم عالم فطرت (دوسرے لفظوں میں ارتقا کرتے ہوئے مادے) کا عکس ھے جس کا وجود انسان سے بےنیاز ھے، اسی طرح انسان کا معاشرتی علم (یعنی مختلف خیالات اور نظریے — فلسفیانہ، مذھبی، سیاسی وغیرہ) سماج کے معاشی نظام کی عکاسی کرتا ھے۔ سیاسی ادارے معاشی بنیاد پر بالائی ڈھانچہ ھوتے ھیں۔ مثلاً ھم دیکھ سکتے ھیں کہ جدید یورپی ریاستوں کی

مختلف سیاسی شکلیں پرولتاریہ پر بورژوازی کی حکمرانی کو مستحکم کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

مارکس کا فلسفہ مکمل فلسفیانہ مادیت ہے جس نے بنی نوع انسان کو اور خاص کر مزدور طبقے کو علم و خبر کا طاقت‌ور آلہ عطا کیا ہے۔

۲

یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ معاشی نظام ہی کی بنیاد پر سیاسی بالائی ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے، مارکس نے اپنی بیشتر توجہ اس معاشی نظام کے مطالعے پر صرف کی۔ مارکس کی خاص تصنیف، ''سرمایہ''، میں جدید یعنی سرمایہ‌دارانہ سماج کے معاشی نظام کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

کلاسیکی سیاسی معاشیات نے مارکس سے پہلے انگلینڈ میں تشکیل پائی جو تمام سرمایہ‌دار ملکوں میں سب سے زیادہ ترقی‌یافتہ تھا۔ ایڈم اسمتھ اور ڈیوڈ ریکارڈو نے معاشی نظام کی تحقیق کر کے محنت کے نظریۂ قدر کی بنیاد ڈالی۔ مارکس نے ان کے کام کو جاری رکھا۔ انہوں نے اس نظریے کا ثبوت فراہم کیا اور استقامت کے ساتھ اسے فروغ دیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہر ایک جنس کی قدر کا تعین اس جنس کی پیداوار پر سماجی اعتبار سے ضروری محنت کے وقت کے صرفے سے ہوتا ہے۔

جہاں بورژوا ماہرین معاشیات نے چیزوں کے درمیان تعلق دیکھا (ایک جنس کا دوسری جنس سے تبادلہ) وہاں مارکس نے لوگوں کے درمیان تعلق آشکار کیا۔ اجناس کا تبادلہ اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو الگ الگ پیداوار کرنے‌والوں میں منڈی کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ زر اس کی علامت ہے کہ یہ تعلق زیادہ سے زیادہ قریبی ہوتا جارہا ہے اور الگ الگ پیداوار کرنے‌والوں کی ساری معاشی زندگی کو ایک سالم کل میں جوڑ رہا ہے۔ سرمایہ اسی تعلق کے مزید ارتقا کو ظاہر کرتا ہے: آدمی کی قوت محنت ایک جنس بن‌جاتی ہے۔ اجرتی مزدور اپنی قوت محنت زمین، کارخانوں اور محنت کے اوزاروں کے مالک کو فروخت کرتا ہے۔ مزدور کام کے دن کا ایک حصہ اس لاگت کے‌لئے صرف کرتا ہے جو خود اس کے اور گھربار کے گزر بسر کے‌لئے ضروری ہے (یہ ہے اجرت)۔ کام کے

دن کے دوسرے حصے میں وہ بلامعاوضہ کام اور سرمایہ‌دار کےلئے قدر زائد پیدا کرتا ہے، یہی نفع کا اصل سرچشمہ، سرمایہ‌دار طبقے کی دولت کا سرچشمہ ہے۔

قدرزائد کا اصول مارکس کے معاشی نظریے کا سنگ بنیاد ہے۔

مزدور کی محنت سے جو سرمایہ پیدا ہوتا ہے وہ چھوٹے مالکوں کو تباہ کرکے اور بےروزگاروں کی فوج کھڑی کرکے مزدور کو کچلتا ہے۔ صنعت میں تو بڑے پیمانے کی پیداوار کی کامیابی فوراً نظر آجاتی ہے لیکن زراعت میں بھی ہمیں یہی مظہر دکھائی دیتا ہے: بڑے پیمانے کی سرمایہ‌دارانہ زراعت کی برتری بڑھتی جاتی ہے، مشینوں کے استعمال میں اضافہ ہوتا ہے، کسانوں کی معیشت زر اور سرمائے کے شکنجے میں پھنستی اور تنزل کرتی جاتی ہے اور پس‌ماندہ ٹکنیک کے بوجھ تلے تباہ ہوجاتی ہے۔ زراعت میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار کا زوال صنعت کے مقابلے میں مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے لیکن یہ زوال بہرحال ناقابل تردید حقیقت ہے۔

چھوٹے پیمانے کی پیداوار کو تباہ کرکے سرمایہ محنت کی پیداواری صلاحیت کو بڑھاتا ہے اور بڑے سرمایہ‌داروں کے گروہوں کےلئے اجارہ‌داری کے حالات پیدا کرتا ہے۔ خود پیداوار زیادہ سے زیادہ سماجی ہوتی جاتی ہے۔ سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں مزدور ایک باقاعدہ معاشی جسم میں ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس اجتماعی محنت کی پیداوار مٹھی بھر سرمایہ‌دار غصب کر لیتے ہیں۔ پیداوار کا نراج بڑھتا ہے اور اسی کے ساتھ بحران بھی، منڈیوں کےلئے اندھادھند دوڑ شروع ہوتی ہے اور عام آبادی کی زندگی کی بےیقینی بڑھ جاتی ہے۔

سرمایہ‌دارانہ نظام سرمائے پر مزدوروں کا انحصار بڑھاکر متحدہ محنت کی زبردست طاقت پیدا کردیتا ہے۔

مارکس نے جنس تجارت کی معیشت کی ابتدائی صورت سے، سادہ تبادلے سے لےکر اس کی اعلی شکل تک، بڑے پیمانے کی پیداوار تک سرمایہ‌داری کے ارتقا کی نشاندھی کی۔

تمام سرمایہ‌دار ملکوں کا تجربہ، خواہ وہ نئے ہوں یا پرانے، مزدوروں کی سال بسال بڑھتی ہوئی تعداد کےلئے وضاحت کے ساتھ مارکس کے اس نظریے کی سچائی ثابت کر رہا ہے۔

سرمایہ‌داری تمام دنیا میں فتح حاصل کرچکی ہے، لیکن یہ فتح سرمایے پر محنت کی فتح کا پیش خیمہ ہے۔

۳

جب جاگیرداری کا تختہ الٹ گیا اور اس سرزمین پر "آزاد" سرمایہ‌دار معاشرہ نمودار ہوا تو فوراً یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ اس آزادی کا مطلب محنت کشوں پر ظلم اور استحصال کا نیا نظام ہے۔ اس نظم و جبر کے عکس اور اس کے خلاف احتجاج کے طور پر بہت سے اشتراکی نظریے فوراً ابھرنے لگے۔ لیکن ابتدائی اشتراکیت خیالی (یوٹوپیائی) سوشلزم تھی۔ اس نے سرمایہ‌دارانہ سماج کی نکتہ‌چینی کی، مزمت کی، اس کی تباہی کے خواب اور ایک بہتر نظام کا تصور قائم کیا اور دولت‌مندوں کو قائم کرنے کی کوشش کی کہ استحصال غیراخلاقی حرکت ہے۔

لیکن یوٹوپیائی اشتراکیت اصلی راستہ دکھانے سے قاصر رہی۔ سرمایہ‌داری میں اجرتی غلامی کا جوہر واضح کرنا، یا سرمایہ‌داری کے ارتقا کے قوانین ظاہر کرنا، یا اس معاشرتی قوت کو بتانا جو نئے معاشرے کا خالق بننے کی صلاحیت رکھتی ہے — یہ سب یوٹوپیائی سوشلزم کے بس سے باہر تھا۔

اسی اثنا میں جو طوفانی انقلاب یورپ کے اندر ہر جگہ اور خاص کر فرانس میں ہوئے ان کی جلو میں جاگیرداری، نیم کسان غلامی خس‌وخاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ انھوں نے زیادہ سے زیادہ وضاحت کے ساتھ جتا دیا کہ طبقوں کی جدوجہد تمام ارتقا کی بنیاد اور محرک قوت ہے۔

جاگیردار طبقے کے خلاف سیاسی آزادی کی ایک بھی فتح ایسی نہ تھی جو سخت مزاحمت کے بغیر حاصل ہوئی ہو۔ ایک بھی سرمایہ‌دار ملک ایسا نہ تھا جو کم و بیش آزاد اور جمہوری بنیاد پر قائم ہو اور جس کی نشوونما سرمایہ‌دارانہ سماج کے مختلف طبقوں میں موت و حیات کی جنگ، کے بغیر ہوئی ہو۔

مارکس کی گہری بصیرت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جو دنیا کی تاریخ

سکھاتی ہے اور اس نتیجے کا استقلال کے ساتھ اطلاق کیا۔ یہ نتیجہ ہے طبقاتی جدوجہد کا نظریہ۔

لوگ ہمیشہ سیاست میں دھوکا دے کر بےوقوف بنائے گئے ہیں اور اپنی غلطفہمی کے بھی شکار رہے ہیں اور اس وقت تک ہوتے رہیں گے جب تک کہ وہ یہ پتہ چلانا نہ سیکھ لیں کہ تمام اخلاقی، مذہبی، سیاسی اور سماجی لفاظیوں، اعلانوں اور وعدوں کے پس پردہ کسی طبقے کے مفاد پوشیدہ ہیں۔ اصلاحات اور ترقی کے علمبرداروں کو پرانے نظام کے حامیوں کی طرف سے ہمیشہ بےوقوف بنایا جائےگا جب تک کہ وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہر پرانا ادارہ، چاہے وہ کتنا ہی وحشیانہ اور فرسودہ نظر آتا ہو، اسے معین حکمراں طبقوں کی قوتیں ہی قائم رکھتی ہیں۔ اور ان طبقوں کی مزاحمت کو توڑنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے: ہمارے گرد جو سماج ہے، اس میں ان قوتوں کا پتہ لگایا جائے جو اپنے سماجی رتبے کے سبب سے پرانے نظام کو ڈھانے اور نیا نظام تخلیق کرسکنے کے قابل ہیں اور انھیں کرنا چاہئے، ان کے ذہن روشن کئے جائیں، انھیں جدوجہد کےلئے منظم کیا جائے۔

مارکس کی فلسفیانہ مادیت ہی نے پرولتاریہ کو اس روحانی غلامی سے نکلنے کا راستہ دکھایا جس کا شکار ابھی تک تمام مظلوم طبقے رہے ہیں۔ مارکس ہی کے معاشی نظریے نے سرمایہداری کے عام نظام میں پرولتاریہ کا صحیح رتبہ واضح کیا۔

پرولتاریہ کی آزاد تنظیمیں ساری دنیا میں امریکہ سے جاپان تک، سویڈن سے جنوبی افریقہ تک بڑھتی جا رہی ہیں۔ پرولتاریہ اپنی طبقاتی جدوجہد کرکے زیادہ روشن خیال اور تعلیمیافتہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ بورژوا سماج کے تعصبات سے اپنے آپ کو آزاد کررہا ہے۔ وہ اپنی صفیں زیادہ سے زیادہ متحد کر رہا ہے اور اپنی کامیابیوں کے پیمانے کو ناپنا سیکھ رہا ہے۔ پرولتاریہ اتنی قوتوں کو فولاد کی طرح ڈھال رہا ہے اور اس کی تعداد بلا روک ٹوک بڑھ رہی ہے۔

''پروسوےسچینئے،، شمارہ ۳،
مارچ ۱۹۱۳ء۔

کارل مارکس

(اقتباس)

...ہمارے زمانے میں ارتقا اور تکامل کا خیال تقریباً مکمل طور پر سماجی شعور میں داخل ہوگیا ہے مگر ایسا ہیگل کے فلسفے کے ذریعے نہیں بلکہ دوسرے طریقوں سے ہوا ہے۔ مارکس اور اینگلس نے اس خیال کو ہیگل کے انداز کی بنیاد پر جس طرح ترتیب دیا ہے وہ کہیں زیادہ جامع ہے اور ارتقا کے متعلق آج کل کے عام تصور سے کہیں زیادہ پرمغز بھی ہے۔ مارکس اور اینگلس کے نزدیک ارتقا یہ ہے کہ جن منزلوں سے گذرا جاچکا ہے بظاہر انھی سے پھر گذرنا ہوتا ہے لیکن یہ تکرار پہلے ہی کی طرح نہیں ہوتی، اس سے مختلف ہوتی ہے، پہلے کے مقابلے میں بلندتر سطح پر ہوتی ہے (اسی کو ''نفی کی نفی،، کہا گیا ہے)۔ ارتقا یوں کہنا چاہئے کہ چکروں میں ہوتا ہے مگر چکر اسی پہلے کی لائن پر نہیں کاٹے جاتے۔ ارتقا میں چھلانگ بھی ہوتی ہے، تباہی اور انقلاب بھی۔ ''تسلسل میں خلل،،، مقدار کا کیفیت میں تبدیل ہوجانا۔ ترقی کی اندرونی ترغیب جو نتیجہ ہوتی ہے کسی ایک جسم، کسی ایک مظہر، کسی ایک سماج میں مختلف قوتوں اور رجحانوں کے تصادم، ٹکراؤ اور تضاد کی۔ پھر ہر ایک مظہر کے تمام پہلوؤں کے درمیان (اور تاریخ روزبروز نئے پہلو دریافت کرتی رہتی ہے) ایک باھمی انحصار اور ایک بہت ہی نزدیکی اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے۔ ایسا رشتہ ہوتا ہے جو تحریک کے واحد، باقاعدہ عمومی عمل فراہم

کرتا ہے۔ یہ ہیں بعض خاص پہلو جدلیات کے، اس جدلیات کے جو (عام نظریوں کے مقابلے میں) ارتقا کا زیادہ پرمغز اور بھرپور نظریہ ہے۔ (حوالے کےلئے دیکھئے: ۸ جنوری ۱۸۶۸ء کو اینگلس کے نام لکھا ہوا مارکس کا خط جس میں مارکس نے اشٹائن کے ''بےجان تہری تقسیم،، کا مذاق اڑایا ہے جسے مادی جدلیات سے خلط ملط کرنا حماقت ہوگی۔)

تاریخ کا مادی تصور

جب پورا اندازہ ہوگیا کہ مادیت کے پرانے نظریے میں کتنی بےربطی، کس قدر کچاپن اور یک طرفہ‌پن پایا جاتا ہے تو مارکس کو اس ضرورت کا یقین ہوگیا کہ ''سماج کی سائنس کو مادی بنیاد سے مطابقت دی جائے اور مادیت کے نظریے کی بنیاد پر اسے ازسرنو تعمیر کیا جائے،، (۱۴۱)۔ چوں‌کہ مادیت کا نظریہ عام طور سے یہ جتاتا ہے کہ شعور نتیجہ ہے ہستی کا، ہستی نتیجہ نہیں ہے شعور کا تو جب اسی مادیت کے نظریے کو انسانیت کی سماجی زندگی پر صادق کیا جائے تو وہ ہمیں یہ کلیہ دیتا ہے کہ سماجی شعور نتیجہ ہے سماجی ہستی کا۔ مارکس نے ''سرمایہ،، کی جلد اول میں لکھا ہے: ''ٹکنالوجی یہ راز کھولتی ہے کہ انسان کا فطرت سے عملی رشتہ کیا ہے۔ اس کی زندگی کی پیداوار کے براہ‌راست عمل کو ہماری نظر کے سامنے لاتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ انسان کی زندگی کے سماجی حالات اور ان سے پیدا ہونےوالے روحانی تصورات کی پیداوار بھی۔،، اپنی کتاب ''سیاسی معاشیات پر تنقید،، کے دیباچے میں مارکس نے وہ اہم فارمولا لکھ دیا ہے جو مادیت کے بنیادی اصولوں کو انسانی سماج اور انسانی تاریخ میں لانے کے بارے میں ہے۔ مارکس نے لکھا ہے:

''لوگ اپنی زندگی کی سماجی پیداوار میں لازمی طور سے متعلقہ، ضروری اور اپنی مرضی سے آزاد رشتے بنا لیتے ہیں، ایسے پیداواری رشتے جو ان کی مادی پیداواری قوتوں کی ترقی کے معین مرحلے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ پیداوار میں لوگوں کے ان باہمی رشتوں کی کل میزان سے سماج کے معاشی ڈھانچے کی یعنی اس اصلی بنیاد کی تشکیل

ہوتی ہے جس پر قانون اور سیاست کا بالائی ڈھانچہ بنتا ہے اور سماجی شعور کی معین شکلیں بھی اسی سے مناسبت رکھتی ہیں۔ مادی زندگی کی طرز پیداوار ہی عام طور سے زندگی کے سماجی، سیاسی اور ذہنی عمل کی راہیں طے کرتی ہے۔ لوگوں کا شعور وجود کا تعین نہیں کرتا بلکہ اس کے برخلاف لوگوں کا سماجی وجود ان کے شعور کا تعین کرتا ہے۔ سماج کی مادی پیداواری قوتیں جب ترقی کرکے ایک خاص مرحلے پر پہنچتی ہیں تو موجود پیداواری رشتوں سے ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے یا اگر قانونی لفظوں میں کہنا ہو تو یوں کہیں گے کہ جائیداد کے ان رشتوں سے ٹکرا جاتی ہیں جن کے تحت وہ اب تک ترقی کرتی رہی تھیں۔ پیداوار میں یہ رشتے پیداواری قوتوں کی ترقی کی شکل کی بجائے ان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔ تب سماجی انقلاب کا دور شروع ہوتا ہے۔ معاشی بنیاد بدل جانے کے ساتھ کم‌وبیش تیزی کے ساتھ پورے زبردست بالائی ڈھانچے کی بھی کایاپلٹ ہوجاتی ہے۔ جب اس کایاپلٹ پر غور کیا جائے تو پیداوار کے معاشی حالات میں اس مادی تبدیلی کو جسے قدرتی سائنسوں کی سی ناپ‌تول کے ساتھ قطعی طور پر معلوم کیا گیا ہو ان قانونی، سیاسی، مذہبی، فنی اور فکری، مختصر یہ کہ ان نظریاتی شکلوں سے شناخت کرنا چاہئے جن کے ذریعے لوگ اس تصادم یا ٹکراؤ کا شعور حاصل کرتے ہیں اور جن کے تحت اس ٹکراؤ سے نکلنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ جس طرح ہم کسی آدمی کے متعلق اپنی رائے قائم کرنے میں یہ نہیں دیکھتے کہ وہ خود اپنے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے، عین اسی طرح کایاپلٹ کے کسی خاص دور پر فتوا دیتے وقت اس دور کے شعور کو بنیادی وجہ نہیں مان لینا چاہئے۔ اس کے برخلاف ہونا یہ چاہئے کہ اس شعور کی توضیح کی جائے مادی زندگی کے تضادات سے اور سماجی پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں کے درمیان موجود ٹکراؤ سے...،، ''موٹے انداز سے یوں کہیں گے کہ ایشیائی، قدیم یونانی، جاگیردارانہ اور موجودہ زمانے کی بورژوا طرز پیداوار — ان سب کو سماج کی معاشی تشکیل کے مختلف دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ ،، (تفصیل کے لئے دیکھئے ۷ جولائی ۱۸۶۶ء کو لکھا ہوا اینگلس کے نام مارکس کا خط جس میں مختصراً یہ اصول بیان کیا گیا ہے: ''ہمارا نظریہ

کہ محنت کی تنظیم پیداوار کے ذرائع سے متعین ہوتی ہے،،۔)

تاریخ کے مادی تصور کی دریافت سے بلکہ مادیت کے تصور کو استقلال اور ہمواری کے ساتھ سماجی مظاہر کے دائرے میں داخل کردینے کی بدولت اس سے پہلے کے تاریخی نظریات میں سے دو بڑے عیب دور ہوگئے۔ اول تو یہ کہ پہلے تاریخ کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ اس قدر ہوا کرتا تھا کہ انسانوں کی تاریخی سرگرمیوں کے پیچھے صرف افراد کے نظریاتی محرکات کی چھان‌بین کرلی جائے، بغیر یہ پتہ چلائے کہ آخر ان تحریکوں کو کس چیز نے پیدا کیا تھا، اور اس کی بھی تحقیقات نہیں کی جاتی تھی کہ وہ کون سے معروضی قانون تھے جو سماجی رشتوں کے کسی نظام کی نشوونما پر حاوی رہے اور مادی پیداوار کی ترقی کے ایک خاص درجے میں جو ان سماجی رشتوں کی گہری جڑیں ہوتی ہیں ان کو نہیں دیکھا جاتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ عوام الناس کی سرگرمیاں کیا تھیں، پہلے کے تاریخی نظریے عموماً اس کی طرف سے بھی کورے ہیں۔ پس تاریخی مادیت کا نظریہ ہے جس نے پہلی بار نیچری سائنس کے سے دوٹوک اور جچے تلے طریقے سے اس بات کے مطالعے کی راہ تیار کی کہ عوام کی زندگی کے سماجی حالات کیا تھے اور ان حالات میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مارکس سے پہلے کی ''عمرانیات،، اور تاریخ نگاری نے زیادہ سے زیادہ اتنا کیا کہ کچے واقعات بےسلیقہ‌پن سے اکٹھے کرکے رکھ دئے اور تاریخی سلسلۂ عمل کے بعض پہلوؤں کو اپنے طور پر بیان کردیا۔ مارکس‌ازم نے سماجی‌وعاشی تشکیلوں کے پیدا اور ترقی پذیر ہونے اور ان کے زوال کے جامع اور ہمہ‌گیر مطالعے کا راستہ دکھایا، ان سب متضاد رجحانوں کی میزان میں جانچ پرتال کی، انہیں چھانٹ کر، سمیٹ کر یوں ترتیب دیا کہ ان سے سماج میں مختلف طبقوں کے پیداواری حالات اور ان طبقوں کی زندگی کا ڈھانچہ سامنے آئے، الگ ''سرکردہ،، خیالات کے چناؤ سے اور ان کی تشریح سے داخلیت‌پرستی اور بےضابطگی کو خارج کیا اور یہ حقیقت بےنقاب کردی کہ جتنے خیالات اور رجحانات ہوئے ہیں بلااستثنا ان سب کی جڑیں پیداوار کی مادی قوتوں کی موجود حالت میں دبی ہوئی ہیں۔ لوگ اپنی تاریخ خود بناتے ہیں۔ لیکن وہ کیا چیز ہے جو لوگوں کے محرکات کا فیصلہ کرتی ہے، جو عام جنتا

کے ارادوں کو کسی راہ پر ڈالتی ہے؟ وہ کیا چیز ہے جو ایک دوسرے سے ٹکرانےوالے خیالات، ارادوں اور تمناؤں کے ٹکراؤ کو جنم دیتی ہے؟ انسانی سماجوں کے پورے انبوہ کے تمام تصادموں کی میزان کل کیا ہے؟ مادی زندگی کی پیداوار کے وہ معروضی حالات کیا ہوتے ہیں جو بنیاد بنتے ہیں انسان کی تمام تاریخی سرگرمی کی؟ ان حالات کے نشوونما پانے کا قانون کیا ہے؟ ان تمام چیزوں کی جانب مارکس نے توجہ دلائی اور دکھایا کہ تاریخ کا علمی مطالعہ کیسے کرنا چاہئے اور یہ بھی اپنی زبردست کثیرپہلو اور پرتضاد کیفیت کے باوجود ایک واحد، باضابطہ عمل کی حیثیت سے۔

طبقاتی جدوجہد

یہ کہ کسی بھی مقررہ سماج میں اس کے کچھ لوگوں کی تمنائیں اور کوششیں دوسروں کی تمناؤں اور کوششوں سے ٹکراتی ہیں، یہ کہ سماجی زندگی تضادوں اور تصادموں سے بھری ہوئی ہے، یہ کہ تاریخ سے ہم پر کھلتا ہے کہ قوموں اور سماجوں کے اندر باہمی کش‌مکش بھی رہی ہے اور قوم قوم کے درمیان، سماج سماج کے درمیان بھی کھینچ تان اور مقابلہ رہا ہے، پھر اس کے علاوہ یہ کہ انقلاب کے دور اور انقلاب کی رجعت کے دور ادلتے بدلتے رہے ہیں، امن اور جنگ، جمود اور تیزرفتار ترقی یا زوال کے دور آتے جاتے رہے ہیں یہ ساری حقیقتیں دنیا پر روشن ہیں۔ مارکس‌ازم نے ہماری رہنمائی کی ہے جس سے ہم بظاہر بھول بھلیوں، الٹے سیدھے ہنگاموں اور الجھاؤں کو منضبط کرنےوالے قوانین کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ یہ رہنمائی ہے طبقاتی جدوجہد کا نظریہ۔ ایک خاص سماج میں یا سماجوں کے ایک گروپ میں اس کے تمام لوگوں کی تگ‌ودو کے مجموعے کو سامنے رکھ کر مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس تمام تگ‌ودو کا جو نتیجہ رہا اس کی عملی تشریح کیا ہے۔ اور اس تمام تگ‌ودو کے ٹکراؤ کا اصلی سرچشمہ ان طبقوں کی پوزیشن کے اور طرز زندگی کے اختلافات ہیں جن طبقوں میں ہر ایک سماج بٹا ہوا ہوتا ہے۔ مارکس نے ''کمیونسٹ مینی‌فسٹو'' میں لکھا ہے کہ ''آج تک تمام سماجوں

کی تاریخ طبقاتی جدوجہد کی تاریخ ہے۔ آزاد آدمی اور غلام، پٹریشین اور پلے بیئن، جاگیردار اور کسان غلام، استاد اور کاریگر غرضیکہ ظالم اور مظلوم برابر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہے، کبھی کھلے بندوں اور کبھی پس پردہ ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ اور ہر بار اس لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ یا تو نئے سرے سے سماج کی انقلابی تعمیرنو ہوئی یا لڑنے والے طبقے ایک ساتھ تباہ ہو گئے... جدید بورژوا سماج نے جو جاگیردارانہ سماج کے کھنڈروں سے ابھرا ہے طبقاتی اختلافات کو دور نہیں کیا۔ اس نے تو محض پرانے کی جگہ نئے طبقے، ظلم کی نئی صورتیں اور جدوجہد کی نئی شکلیں پیدا کر دی ہیں۔ پھر بھی ہمارا عہد جو بورژوا طبقے کا عہد ہے ایک امتیازی صفت رکھتا ہے۔ اس نے طبقاتی اختلافات کی پیچیدگی کو کم کردیا ہے: سماج بحیثیت مجموعی روزبروز دو بڑے مخالف مورچوں میں، دو بڑے طبقوں یعنی بورژوازی اور پرولتاریہ میں بٹتا جا رہا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔ "، عظیم انقلاب فرانس کے زمانے سے یورپ کی تاریخ نہایت وضاحت کے ساتھ کئی ملکوں میں واقعات کی اس تہہ کو یعنی طبقاتی جدوجہد کو برابر اجاگر کرتی رہی ہے۔ فرانس میں بحالی کے دور نے کئی ایسے تاریخ نگاروں کو پیدا کیا (مثلاً تئیری، گیزو، مینئے، تئیر) جنھوں نے واقعات کو جب کلیے کی شکل میں رکھا تو نتیجے میں انھیں یہ ماننا پڑا کہ طبقاتی جدوجہد ہی تمام فرانسیسی تاریخ کی کنجی ہے۔ اور آج یہ ہمارا زمانہ جس میں بورژوازی کو پوری فتح حاصل ہوچکی ہے، جس میں نمائندہ ادارے موجود ہیں، حق رائے دہی بہت عام ہے (چاہے ہمہ گیر نہ ہو)، سستے اور مقبول عام روزانہ اخبارات موجود ہیں وغیرہ، نہایت طاقت‌ور اور برابر پھیلتی ہوئی تنظیموں کا دور، جس میں مزدوروں کی یونینیں بھی ہیں اور مالکوں کی یونینیں بھی۔ اس نے تو اور بھی صاف دکھایا ہے کہ طبقاتی جدوجہد ہی وہ اصلی سرچشمہ ہے جس سے واقعات پھوٹتے ہیں (یہ اور بات ہے کہ کبھی اس کا اظہار بہت ہی یک طرفہ، "پرامن"، اور "آئینی" شکل میں ہوتا ہے)۔ کارل مارکس کے "کمیونسٹ مینی فسٹو" سے یہ ایک اقتباس ہمیں بتاتا ہے کہ مارکس کا منشا کیا تھا کہ سماجی

سائنس کو موجودہ سماج میں ہر ایک طبقے کی پوزیشن کا معروضی تجزیہ ہر ایک طبقے کے ارتقا کے حالات کے تجزیے سے ربط دے کر کرنا چاہئے: ''بورژوا طبقے کے روبرو اس وقت جتنے طبقے کھڑے ہیں ان سب میں ایک پرولتاریہ ہی حقیقت میں انقلابی ہے۔ دوسرے تمام طبقے جدید صنعت کے ارتقا کے ساتھ ساتھ زوال پذیر اور بالآخر ناپید ہوتے جاتے ہیں۔ ان کے برعکس پرولتاریہ اس کی مخصوص اور لازمی پیداوار ہے۔ درمیانی پرت یعنی چھوٹے کارخانہ‌دار، چھوٹے تاجر، کاریگر، کسان — سبھی بورژوا طبقے سے لڑتے ہیں تاکہ درمیانی پرت کی حیثیت سے اپنی ہستی کو مٹنے سے بچائیں۔ اس لئے وہ انقلابی نہیں قدامت پرست ہیں۔ اتنا ہی نہیں، وہ رجعت‌پرست بھی ہیں کیونکہ وہ تاریخ کے چکر کو الٹا چلانا چاہتے ہیں۔ اگر کبھی وہ انقلابی بنتے ہیں تو صرف اس لئے کہ مستقبل میں ان کو پرولتاریہ کی صفوں میں آنا ہے، کہ وہ اپنے حال کے نہیں، مستقبل کے مفاد کی حفاظت کرتے ہیں، کہ پرولتاریہ کے نقطۂ‌نظر پر پہنچنے کے لئے خود اپنے نقطۂ‌نظر سے دست‌بردار ہو جانےوالے ہیں۔'' اپنی کئی تاریخی تصنیفوں میں مارکس نے ہمیں مادیت کے نقطۂ‌نظر سے تاریخ اور تاریخ‌نگاری پر، ہر ایک طبقے کی پوزیشن، اور کبھی ایک ہی طبقے کے اندر مختلف گروہوں اور درجوں کی پوزیشن کا تجزیہ کیا ہے اور ان پر نہایت پختہ، گہری اور بڑی روشن مثالیں دی ہیں اور یہ صاف کردیا ہے کہ کیوں اور کیسے ''ہر ایک طبقاتی جدوجہد سیاسی جدوجہد ہوتی ہے'' (۱۴۲)۔ اوپر جو اقتباس نقل کیا گیا ہے وہ بتاتا ہے کہ مارکس نے سماجی تعلقات کی پیچیدہ گتھی کو، ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک عبوری منزلوں کی اور ماضی سے مستقبل میں جانے کی نہایت الجھی ہوئی بناوٹ کو کیسے جوڑجوڑ الگ کرکے دکھا دیا ہے تاکہ اس کے نتیجے میں جو تاریخی مرحلے پیش آتے ہیں ان کا فیصلہ کیا جا سکے۔

مارکس کے نظریے کی سب سے گہری، جامع اور تفصیلی تصدیق و تعمیل تو ان کے معاشی نظریے میں ہے۔

جولائی — نومبر ۱۹۱۴ء
میں لکھا گیا۔

دوسری انٹرنیشنل کا انہدام

(اقتباس)

مارکسی کے لئے یہ بات ناقابل تردید ہے کہ انقلابی حالت کے بغیر انقلاب ناممکن ہے۔ مزیدبرآں، ہر انقلابی حالت کا نتیجہ انقلاب کی صورت میں نہیں نکلتا۔ عام طور پر انقلابی حالت کی علامتیں کیا ہوتی ہیں؟ اگر ہم مندرجۂ ذیل تین بنیادی علامتیں بتائیں تو غلطی نہ کریں گے: (۱) جب تبدیلی کے بغیر حکمراں طبقات کے لئے اپنی حکمرانی برقرار رکھنا ناممکن ہو۔ جب "بالائی طبقات"، کسی نہ کسی شکل میں بحران میں مبتلا ہوں، حکمراں طبقے کی پالیسی بحران سے دوچار ہو۔ اس سے ایک ایسا شگاف پڑ جائے جس سے مظلوم طبقات کی بےچینی اور نفرت سیلاب بن کر پھٹ پڑے۔ انقلاب رونما ہونے کے لئے عام طور پر یہ ناکافی ہے کہ "نچلے طبقات" پرانے طریقے سے رہنا "نہ چاہتے ہوں"۔ یہ بھی ضروری ہے کہ "بالائی طبقات" پرانے طریقے سے رہنے کے "قابل نہ ہوں"۔ (۲) جب مظلوم طبقات کے دکھ اور احتیاج معمول سے زیادہ شدت اختیار کر لیں۔ (۳) جب مندرجۂ بالا وجوہ کے سبب عوام‌الناس کی سرگرمیوں میں کافی اضافہ ہو جو "امن" کے زمانے میں زبان پر حرف‌شکایت لائے بغیر اپنا استحصال کراتے ہیں، لیکن طوفانی دور میں بحران کے تمام حالات اور خود "بالائی طبقات" دونوں کے سبب سے آزاد تاریخی عمل کی جانب کھنچ آئیں۔

ان خارجی تبدیلیوں کے بغیر، جو نہ صرف انفرادی گروہوں اور پارٹیوں بلکہ انفرادی طبقات کی مرضی سے آزاد ہوتے ہیں، عام طور پر انقلاب ناممکن ہے۔ ان تمام معروضی تبدیلیوں کے مجموعے کو انقلابی حالت کہا جاتا ہے۔ ایسی حالت روس میں ۱۹۰۵ء میں اور یورپ میں تمام انقلابی ادوار میں تھی۔ جرمنی میں یہ حالت گذشتہ صدی کی ساتویں دہائی میں تھی اور روس میں ۱۸۵۹ء — ۱۸۶۱ء اور ۸۰ — ۱۸۷۹ء میں۔ لیکن ان موقعوں پر انقلاب نہیں ہوا۔ اس کا سبب کیا تھا؟ وجہ یہ ہے کہ ہر انقلابی حالت میں انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ انقلابی حالت میں انقلاب صرف اس وقت ہوتا ہے جب مندرجۂ بالا معروضی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ داخلی تبدیلی بھی موجود ہو — یعنی انقلابی طبقے کی یہ صلاحیت کہ وہ اتنا مستحکم انقلابی عوامی اقدام کرے کہ پرانی حکومت کو توڑ ڈالے (یا ہٹا دے)۔ پرانی حکومت کو بحران کے دور تک میں اگر ''توڑا''، نہ جائے تو وہ خود نہیں ''ٹوٹتی''۔

یہ ہیں انقلاب کے بارے میں مارکسی خیالات۔ ان خیالات کو کئی بار نکھارا سنوارا گیا ہے، انھیں مارکسی مسلمہ طور پر قبول کرتے ہیں۔ جہاں تک ہم روسیوں کا تعلق ہے تو ۱۹۰۵ء کا تجربہ خاص طور پر واضح طریقے سے ان خیالات کی تصدیق کر چکا ہے۔

۱۹۱۵ء کے مئی اور
جون میں لکھا گیا۔

یورپ کی ریاستہائے متحدہ کا نعرہ

''سوتسیال دیموکرات،، رسالے کے چالیسویں شمارے میں ہم نے اطلاع دی تھی کہ ہماری پارٹی کی غیرملکی شاخوں کی کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ ''یورپ کی ریاستہائے متحدہ،، کا نعرہ دینے کا سوال اس وقت تک کے لئے ملتوی کردیا جائے جب تک کہ اخباروں میں اس سوال کے معاشی پہلو پر بحث و مباحثہ نہ ہو جائے۔

ہماری کانفرنس میں اس سوال پر جو بحث و مباحثہ ہوا اس نے یک طرفہ قسم کا سیاسی کردار اختیار کر لیا تھا۔ شاید ایک حد تک اس کی وجہ یہ ہو کہ مرکزی کمیٹی کے منشور میں یہ نعرہ براہ راست سیاسی نعرے کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔ (''فوری سیاسی نعرہ...،، — منشور میں کہا گیا ہے) اور صرف یہی نہیں کہ اس منشور نے یورپ کی ریپبلکی ریاستہائے متحدہ کا نعرہ پیش کیا بلکہ خاص طور پر اس نکتے پر زور دیا گیا کہ ''انقلابی طریقے سے جرمن، آسٹریائی اور روسی مطلق العنان حکومتوں کا تختہ الٹے بغیر،، یہ نعرہ بے معنی ہے، جھوٹا ہے۔

سوال کے اِس طرح پیش کئے جانے پر اگر اس خاص نعرے کی سیاسی حیثیت کی بنا پر اعتراض کیا جائے تو وہ قطعی غلط ہوگا — مثلاً اگر اس بنا پر اعتراض کیا جائے کہ یہ سوشلسٹ انقلاب کے نعرے کو کمزور کرتا ہے، الجھاتا ہے، وغیرہ وغیرہ، تو یہ بالکل صحیح نہیں ہے۔ واقعی جمہوری سمت میں لے جانےوالی سیاسی

تبدیلیاں، اور ان سے بھی زیادہ سیاسی انقلاب، کبھی، کسی حالت میں بھی سوشلسٹ انقلاب کے نعرے کو نہ تو کمزور کرتے ہیں نہ الجھاتے ہیں۔ اس کے برعکس، ایسی تبدیلیاں ہمیشہ سوشلسٹ انقلاب کو زیادہ قریب لاتی ہیں، اس کےلئے زیادہ وسیع بنیادیں ہموار کرتی ہیں اور پٹی‌بورژوازی اور نیم پرولتاری عوام‌الناس کے نئے نئے حصوں کو سوشلسٹ جدوجہد میں کھینچ لاتی ہیں۔ دوسری طرف سوشلسٹ انقلاب کے دوران میں سیاسی انقلاب ناگزیر ہوتے ہیں۔ اور اس سوشلسٹ انقلاب کو کوئی واحد عمل نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ طوفانی سیاسی اور معاشی اتھل پتھل، انتہائی تندوتیز طبقاتی جدوجہد، خانہ جنگی، انقلابوں اور معکوس انقلابوں کا ایک پورا دور سمجھنا زیادہ مناسب ہوگا۔

گو یہ صحیح ہے کہ یورپ کی رپبلکی ریاستہائے متحدہ کے نعرے کا رشتہ اگر یورپ کی تین سب سے زیادہ رجعت‌پسند مطلق‌العنان حکومتوں (اور ان حکومتوں کی قیادت روسی حکومت کرتی ہے) کے انقلابی طور پر خاتمے اور شکست سے جوڑا جائے تو یہ نعرہ سیاسی نعرے کی حیثیت سے ہر قسم کے اعتراض سے بالاتر ہو جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس نعرے کے معاشی معنی اور اہمیت کا نہایت ضروری سوال باقی رہتا ہے۔ سامراج کے معاشی حالات، یعنی سرمایہ کی برآمد، کے نقطۂ نظر سے اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ ''ترقی‌یافتہ،، اور ''مہذب،، سامراجی طاقتوں کے درمیان دنیا کا بٹوارہ ہو گیا ہے، سرمایہ‌داری کے تحت یورپ کی ریاستہائے متحدہ یا تو سرے سے ناممکن ہے یا پھر رجعت پرست۔

سرمایہ کا کردار بین‌الاقوامی اور اجارہ‌دارانہ ہو گیا ہے۔ دنیا مٹھی بھر عظیم طاقتوں، یعنی قوموں کی زبردست لوٹ کھسوٹ اور ظلم و زبردستی میں کامیاب ہونےوالی طاقتوں کے درمیان بٹ گئی ہے۔ یورپ کی چار عظیم طاقتیں — انگلستان، فرانس، روس اور جرمنی، جن کی مجموعی آبادی پچیس تیس کروڑ اور رقبہ تقریباً ستر لاکھ مربع کلومیٹر ہے — ان نوآبادیوں کی مالک ہیں جن کی آبادی تقریباً نصف ارب (۴۹ کروڑ ۴۵ لاکھ) اور رقبہ ۶ کروڑ ۴۶ لاکھ مربع کلومیٹر ہے، یعنی کرۂارض کے رقبے کا تقریباً آدھا حصہ (جو قطبی علاقوں کو نکال کر ۱۳ کروڑ ۳۰ لاکھ مربع کلومیٹر ہے)۔

ان میں تین ایشیائی ریاستوں — چین، ترکی اور ایران کو اور شامل کر لیجئے جہاں اس وقت لٹیرے جاپان، روس، انگلستان اور فرانس ''آزادی،، کی جنگ لڑ رہے ہیں اور ان کی تکابوٹی کر رہے ہیں۔ ان تین ایشیائی ریاستوں کی، جنہیں نیم‌نوآبادی کہا جا سکتا ہے (اور درحقیقت یہ اس وقت نوے فیصدی نوآبادی ہیں) آبادی ۳۶ کروڑ ہے اور ان کا رقبہ ایک کروڑ ۵۰ لاکھ مربع کلومیٹر (یعنی پورے یورپ کے رقبے کا تقریباً ڈیڑھ گنا)۔

پھر یہ کہ انگلستان، فرانس اور جرمنی نے دوسرے ملکوں میں کچھ نہیں تو ۷۰ ارب روبل کے برابر سرمایہ لگا رکھا ہے۔ اس خاصی بڑی رقم سے ''جائز،، منافع حاصل کرنے کا کام، جو ۳ ارب روبل سالانہ سے زائد ہے، کروڑپتیوں کی قومی کمیٹیاں انجام دیتی ہیں جو حکومتیں کہلاتی ہیں۔ ان حکومتوں کے پاس بری اور بحری فوجیں ہوتی ہیں اور یہ حکومتیں ''شری کروڑی مل،، کے بھائی‌بندوں اور بیٹوں کو وائسراؤں، قونصلوں، سفیروں، طرح طرح کے افسروں، پادریوں اور دوسری قسم کی جونکوں کی حیثیت سے نوآبادیوں اور نیم نوآبادیوں میں ''مقرر،، کرتی ہیں۔

لہذا سرمایہ‌داری کے انتہائی ارتقا کے دور میں مٹھی بھر عظیم طاقتوں کے ھاتھوں کرۂارض کے تقریباً ایک ارب لوگوں کی لوٹ کھسوٹ اس طرح منظم کی جاتی ہے۔ سرمایہ‌داری کے تحت اور کسی قسم کی تنظیم ممکن نہیں ہے۔ نوآبادیوں سے، ''حلقہ ھائےاثر،، سے، سرمایے کی برآمد سے ھاتھ اٹھا لیا جائے؟ یہ سمجھنا کہ ایسا ممکن ہے ٹٹ پونجیا دماغ کے پادری کی سطح پر اتر آنے کے برابر ہے جو ھر اتوار کو دولت‌مند لوگوں کے سامنے عیسائیت کے بلند و ارفع اصولوں کی تبلیغ کرتا ہے اور انہیں نصیحت کرتا ہے کہ وہ غریب غرباً کو... خیر کئی ارب روبل نہیں تو کم از کم کئی سو روبل سالانہ خیرات کردیا کریں۔

سرمایہ‌داری کے تحت یورپ کی ریاسہائے متحدہ نوآبادیوں کے حصے بخرے کرنے کے سمجھوتے کے مترادف ہے۔ لیکن سرمایہ‌دار نظام میں تو زور اور طاقت کے علاوہ تقسیم کا اور کوئی اصول اور کوئی بنیاد ممکن نہیں ہے۔ کوئی بھی کروڑپتی کسی سرمایہ‌دار ملک کی ''قومی آمدنی،، میں کسی اور کے ساتھ صرف ''لگائے ہوئے

سرمایه کے تناسب سے،،حصے بٹاتا ہے (اور اس میں بونس مزید شامل کردیا جاتا ہے تاکہ سب سے بڑے سرمایے کو اپنے حق سے زیادہ ہی حصہ مل جائے) - سرمایہ‌داری، ذرائع پیداوار پر شخصی ملکیت اور عمل پیداوار میں نراج کا دوسرا نام ہے - ایسی بنیاد پر آمدنی کی ''منصفانہ،، تقسیم کا پرچار کرنا پرودھون‌ازم (۱۴۴) ہے، احمقانہ کم نظری ہے - تقسیم صرف ''طاقت کے تناسب،، ہی سے ہو سکتی ہے اور کسی طرح نہیں - اور طاقت معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتی ہے - ۱۸۷۱ء کے بعد انگلستان اور فرانس کی بہ‌نسبت کوئی تین چار گنا تیزی سے جرمنی کی اور روس کی بہ‌نسبت تقریباً دس گنا تیزی سے جاپان کی طاقت میں ترقی ہوئی - کسی سرمایہ‌دار ملک کی اصلی طاقت کی آزمائش کے لئے جنگ سے بہتر کسوٹی نہ کوئی ہے نہ ہو سکتی ہے - جنگ میں نجی ملکیت کے اصولوں کا تناقض نہیں ہوتا بلکہ وہ تو برعکس ان اصولوں کا ایک براہ‌راست اور اٹل نتیجہ ہوتی ہے - سرمایہ‌داری کے تحت الگ الگ کاروباروں یا الگ الگ ریاستوں کی یکساں اور ہموار معاشی نشوونما ناممکن ہے - سرمایہ‌دارانہ نظام میں وقتاً فوقتاً توازن میں جو خلا ہوتا رہتا ہے اس کو ٹھیک کرنے کا صنعت میں معاشی بحرانوں اور سیاست میں جنگوں کے سوا اور کوئی طریقہ ممکن نہیں ہے -

یہ ٹھیک ہے کہ سرمایہ‌داروں اور طاقتوں کے درمیان عارضی سمجھوتے ممکن ہیں - اس معنی میں یورپی سرمایہ‌داروں کے درمیان باہمی سمجھوتے کی حیثیت سے یورپ کی ریاستہائے متحدہ کا قیام ممکن ہے... لیکن کس لئے؟ محض اس لئے کہ مل جل کر یورپ میں سوشلزم کو دبایا اور کچلا جائے، مل‌جل کر استعماری مقبوضات سے حاصل ہونےوالے مال غنیمت کو جاپان اور امریکہ سے بچائے رکھا جائے جنہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ نوآبادیات کی موجودہ تقسیم میں یار لوگوں نے ان کے ساتھ بے حد زیادتی کی ہے اور جو پچھلی نصف صدی میں، پسماندہ اور بڑھاپے کے باعث سڑتے گلتے، مطلق العنان شاہی پرست یورپ کی بہ‌نسبت بےانتہا تیزی سے طاقت‌ور ہوتے گئے ہیں - ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مقابلے میں یورپ مجموعی طور پر معاشی جمود کا حامل ہے - موجودہ معاشی

بنیاد پر، یعنی سرمایہ‌دارانہ نظام میں، یورپ کی ریاستہائے متحدہ کا مطلب ہوگا امریکہ کی زیادہ تیزرفتار ترقی کے راستے میں روڑے اٹکانے کےلئے رجعت کی تنظیم۔ وہ دن لد گئے جب جمہوریت اور سوشلزم کے آدرشوں کا رشتہ یورپ اور صرف یورپ سے تھا۔

عالمی ریاستہائے متحدہ (یورپ کی ریاستہائے متحدہ ہی نہیں) قوموں کے اتحاد اور آزادی کی وہ ریاستی شکل ہے جس کا ہم ہمیشہ سوشلزم سے رشتہ جوڑتے ہیں — یعنی اس وقت تک کے لئے جب تک کہ کمیونزم کی مکمل فتح جمہوری ریاست سمیت ہر قسم کی ریاست کا قطعی طور پر خاتمہ نہ کر دے۔ لیکن ایک علیحدہ نعرے کی حیثیت سے، عالمی ریاستہائے متحدہ کا نعرہ کچھ زیادہ صحیح اور موزوں نہ ہوگا کیونکہ اول تو یہ سوشلزم میں ضم ہو جاتا ہے، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو غلط معنی پہنا کر یہ سمجھ لیا جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک ملک میں سوشلزم کی فتح ناممکن ہے اور اس طرح یہ نعرہ ایسے ملک کے، یعنی سوشلسٹ ملک کے دوسرے ملکوں سے تعلقات کے بارے میں بھی غلط فہمیاں پیدا کر سکتا ہے۔

ناہموار اور غیرمساوی معاشی اور سیاسی ارتقا سرمایہ‌داری کا اٹل قانون ہے۔ اور اسی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شروع میں صرف چند الگ الگ سرمایہ‌دار ملکوں میں، بلکہ محض ایک ہی ملک میں سوشلزم کی فتح ممکن ہے۔ اس ملک کا فتح‌یاب پرولتاری طبقہ، جو سرمایہ‌داروں کو بےدخل کر دےگا اور اپنی سوشلسٹ پیداوار کو منظم کرےگا، باقی دنیا کے، یعنی سرمایہ‌دار دنیا کے خلاف ڈٹ جائےگا، دوسرے ملکوں کے مظلوم و مجبور طبقوں کو اپنے آدرش کی طرف کھینچےگا، ان ملکوں میں سرمایہ‌داروں کے خلاف بغاوتیں کرائےگا اور ضرورت پڑنے پر استحصالی طبقوں اور ان کی ریاستوں کے خلاف اپنی مسلح طاقت کا استعمال بھی کرےگا۔ جس معاشرے میں پرولتاری طبقہ بورژوا طبقے کا تختہ الٹنے کے بعد فتح یاب ہوگا اس معاشرے کی سیاسی شکل جمہوری ریپبلک کی ہوگی اور یہ ریپبلک اس خاص ملک یا ملکوں کے پرولتاریہ کی قوتوں کو ان ریاستوں کے خلاف جدوجہد کےلئے، جو ابھی تک سوشلزم کی راہ پر گامزن نہیں ہوئی ہیں، منظم اور متحد کرےگی۔

مظلوم و مجبور طبقے، یعنی پرولتاری طبقے کی ڈکٹیٹرشپ کے بغیر طبقات کا خاتمہ ناممکن ہے۔ پچھڑی ہوئی ریاستوں کے خلاف سوشلسٹ رپبلکوں کی کم و بیش طویل اور جان توڑ جدوجہد کے بغیر سوشلزم کے تحت قوموں کی آزاد یونین ناممکن ہے۔

انھیں تمام مذکورۂبالا اسباب کی بنا پر اور روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی غیرملکی شاخوں کی کانفرنس میں اور کانفرنس کے بعد جو باربار بحث و مباحثے ہوئے ان کی بنا پر مرکزی ترجمان کے مدیر اس نتیجے پر پہنچے کہ یورپ کی ریاستہائے متحدہ کا نعرہ غلط ہے۔

''سوتسیال دیموکرات،،
شمارہ ۴۴، ۲۳ اگست
۱۹۱۵ء۔

سوشلسٹ انقلاب اور قوموں کا حق خودارادیت

(مقالے)

(اقتباسات)

۱ - سامراج، سوشلزم اور مظلوم و محکوم قوموں کی آزادی

سامراج، سرمایہ‌داری کے ارتقا کی بلندترین منزل ہے۔ ترقی‌یافتہ ملکوں کا سرمایہ قومی ریاستوں کی سرحدوں سے باہر نکل گیا ہے۔ اس نے مقابلےبازی کی جگہ اجارہ‌داری قائم کرلی ہے۔ اس طرح اس نے سوشلزم کے حصول کےلئے تمام معروضی لوازم مہیا کر دئے ہیں۔ اس لئے مغربی یورپ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں سرمایہ‌دار حکومتوں کا تختہ الٹنے کےلئے بورژوازی کی ملکیت ضبط کرنے کےلئے پرولتاریہ کی انقلابی جدوجہد وقت کی پکار بن چکی ہے۔ سامراج، طبقاتی تضادات اور عناد کو انتہائی حد تک تندوتیز کرکے، عوام‌الناس کے حالات‌زندگی کو معاشی (ٹرسٹوں اور مہنگائی کے ذریعے) اور سیاسی (عسکریت‌پرستی کی شدت، تابڑ توڑ جنگوں اور رجعت کو ہوا دے‌کر، قومی ظلم و جبر اور نوآبادیاتی لوٹ‌مار میں زیادہ شدت اور وسعت پیدا کرکے) دونوں طرح سے بد سے بدتر بنا کر، عوام‌الناس کو اس جدوجہد میں شریک کررہا ہے۔ فتح یاب سوشلزم کا لازمی فرض ہونا چاہئے کہ مکمل جمہوریت حاصل کرے اور نتیجے کے طور پر صرف قوموں کی مکمل مساوات کی داغ بیل نہ رکھے بلکہ مظلوم و محکوم قوموں کے حق خودارادیت کو یعنی آزاد سیاسی علحدگی کے حق کو عملی شکل دے۔ سوشلسٹ پارٹیاں اس وقت، انقلاب کے دوران میں اور انقلاب کی فتح کے بعد اگر اپنی تمام‌تر سرگرمیوں سے یہ ثابت نہ کر سکیں کہ وہ محکوم قوموں کو آزاد کر دیں‌گی اور ان کے ساتھ آزادانہ اتحاد کی بنیاد پر

(اور علحدگی کی آزادی کے بغیر آزادانہ چھوٹی اصطلاح ہے) تعلقات قائم کریں گی تو ایسی پارٹیاں سوشلزم سے غداری کریں گی۔

بلاشبہہ جمہوریت بھی ریاست کی ایک شکل ہے جو اس وقت مٹ جائیگی جب خود ریاست مٹ جائیگی۔ لیکن یہ چیز صرف اس وقت عملی شکل اختیار کریگی جب پوری طرح فتح یاب اور مستحکم سوشلزم سے مکمل کمیونزم کی طرف عبور ہوگا۔

۲ - سوشلسٹ انقلاب اور جمہوریت کے لئے جدوجہد

سوشلسٹ انقلاب کوئی ایک اقدام نہیں ہے، کسی ایک مورچے پر ایک لڑائی نہیں ہے بلکہ شدید طبقاتی جدوجہد کا پورا دور ہے، تمام محاذوں پر لڑائیوں کا ایک پورا سلسلہ یعنی معاشیات اور سیاست کے تمام مسئلوں کے گرد لڑائیاں جن کا واحد انجام بورژوازی کی ملکیت کی ضبطی ہے۔ یہ فرض کر لینا بنیادی غلطی ہوگی کہ جمہوریت کی خاطر جدوجہد پرولتاریہ کو سوشلسٹ انقلاب کے راستے سے بھٹکا سکتی ہے یا اس کو دھندلا سکتی ہے، اس پر پردہ ڈال سکتی ہے وغیرہ۔ اس کے برعکس اگر ایسا فتح یاب سوشلزم ممکن نہیں ہے جو مکمل جمہوریت کو رائج نہ کرے، تو پرولتاریہ اس وقت تک بورژوازی پر فتح حاصل کرنے کی تیاری بھی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ جمہوریت کی خاطر ہمہ پہلو، مسلسل اور انقلابی جدوجہد نہ کرے۔

یہ اس سے کم سنگین غلطی نہیں ہوگی کہ جمہوری پروگرام کے کچھ نکات میں سے ایک کو، مثلاً قوموں کی خودارادیت کے نکتے کو اس بنا پر حذف کر دیا جائے کہ یہ سامراج کے تحت ''ناممکن،، یا ''خیالی پلاؤ،، ہے۔ قوموں کا حق خود ارادیت سرمایہ‌داری کے حدود کے اندر حاصل نہیں کیا جا سکتا — اس دعوی کو یا تو قطعی معاشی مفہوم میں لینا چاہئے یا مشروط سیاسی مفہوم میں۔

پہلی صورت میں یہ دعوی نظریاتی حیثیت سے بنیادی طور پر غلط ہے۔ اول، اس مفہوم میں، سرمایہ‌داری کے تحت محنت کے

معاوضے کے کوپن (۱۴۵) یا بحران کا خاتمہ وغیرہ ناممکن ہے۔ لیکن یہ دلیل پیش کرنا یکسر غلط ہے کہ اسی طرح قوموں کی خودارادیت بھی ناممکن ہے۔ دوسرے، ۱۹۰۵ء میں سویڈن سے ناروے کی علحدگی کی ایک مثال بھی اس مفہوم میں ''ناممکن،، ہونے کی دلیل کی تردید کرنے کےلئے کافی ہے۔ تیسرے، اس حقیقت سے انکار کرنا مضحکہ‌خیز ہے کہ سیاسی رشتوں اور حکمت عملی کے رشتوں میں ہلکی سی تبدیلی بھی — مثلاً جرمنی اور انگلستان کے رشتوں میں تبدیلی — نئی ریاستوں کا قیام، پولش، ہندوستانی ریاستوں وغیرہ کا قیام آج نہیں تو کل ''ممکن،، بنا سکتی ہے۔ چوتھے، مالیاتی سرمایہ، توسیع کی ضرورت سے مجبور ہوکر، کسی بھی ملک کی آزادترین، انتہائی جمہوری اور ریپبلکی حکومت کو اور چنے ہوئے حکام کو، چاہے وہ ملک ''خود مختار،، ہی کیوں نہ ہو، ''آزادی سے،، خرید سکتا ہے اور رشوت دے سکتا ہے۔ عام سرمایے کی طرح، مالیاتی سرمایے کا غلبہ سیاسی جمہوریت کے دائرے کے اندر کسی قسم کی اصلاح سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اور حق خود ارادیت پورے طور پر صرف اسی دائرے میں آتا ہے۔ بہرحال، مالیاتی سرمایے کا یہ غلبہ سیاسی جمہوریت کی اہمیت کو ختم نہیں کرتا جو طبقاتی ظلم و جبر اور طبقاتی جدوجہد کا زیادہ آزاد، زیادہ وسیع اور زیادہ واضح شکل ہے۔ اس لئے معاشی نقطہ نظر سے، سرمایہ‌داری کے تحت سیاسی جمہوریت کے مطالبوں میں سے ایک مطالبے کے حصول کے ''ناممکن،، ہونے کے بارے میں تمام دلیلیں سرمایہ‌داری اور عام طور پر سیاسی جمہوریت کے عام اور بنیادی رشتوں کی غلط نظریاتی تفسیر بن جاتی ہیں۔

دوسری صورت میں یہ دعوی نامکمل اور ناقص ہے کیونکہ سامراج کے تحت، صرف قوموں کا حق خودارادیت ہی نہیں بلکہ سیاسی جمہوریت کے تمام بنیادی مطالبوں کا حصول ''ممکن،، ہے لیکن نامکمل طور پر، بگڑی ہوئی شکل میں اور محض استثنا کے طور پر (مثال کے طور پر ۱۹۰۵ء میں سویڈن سے ناروے کی علحدگی)۔ تمام انقلابی سوشل ڈیموکریٹ نوآبادیوں کو فوراً آزاد کرنے کا جو مطالبہ پیش کرتے ہیں وہ بھی سرمایہ‌داری کے تحت، انقلابوں کے ایک پورے سلسلے کے بغیر ''ناقابل حصول،،

ھے۔ بہرحال، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سوشل ڈیموکریٹ ان تمام مطالبوں کےلئے فوری اور فیصلہ کن جدوجہد سے کترائیں ۔ اس سے کترانا صرف بورژوازی اور رجعت کے فائدے میں ھے۔ اس کے برعکس اس کا مطلب یہ ضرور ھے کہ ان تمام مطالبوں کو اصلاح پسند طریقے سے نہیں، بلکہ انقلابی طریقے سے مرتب کیا جائے اور آگے بڑھایا جائے۔ بورژوا قانون کے دائرے میں رہ کر نہیں بلکہ اس کو توڑ کر آگے بڑھایا جائے، پارلیمنٹ میں تقریروں اور زبانی احتجاجوں پر اکتفا کرکے نہیں بلکہ وسیع سرگرمیوں میں عوام‌الناس کو شریک کرکے، ہر قسم کے بنیادی جمہوری مطالبے کی خاطر جدوجہد کو پھیلایا اور اس میں شدت پیدا کرکے آگے بڑھایا جائے جس کا انجام بورژوازی کے خلاف پرولتاریہ کے براہ‌راست دھاوا بولنے پر یعنی سوشلسٹ انقلاب پر نکلے جو بورژوازی کی ملکیت ضبط کرے۔ سوشلسٹ انقلاب بڑی ہڑتال، سڑک پر کسی مظاھرے، فاقوں سے پیدا ہونےوالے کسی فساد، فوجوں میں بغاوت یا کسی نوآبادیاتی بغاوت کے نتیجے کے طور پر ھی نہیں بلکہ عین ممکن ھے کہ کسی سیاسی بحران (مثلاً دریفس کا مقدمہ (۱۴۶))، یا تسابیرن کا حادثہ (۱۴۷) یا کسی مظلوم و محکوم قوم کی علحدگی کے سلسلے میں استصواب وغیرہ کے نتیجے کے طور پر پھٹ پڑے۔

سامراج کے تحت قومی ظلم میں شدت سوشل ڈیموکریسی کےلئے اور بھی لازمی بنا دیتی ھے کہ وہ صرف قوموں کی علحدگی کی آزادی کےلئے جدوجہد کو نہ چھوڑے، جسے بورژوازی ''خیالی جنت،، والی جدوجہد کا نام دیتی ھے، بلکہ اس کے برعکس اس سلسلے میں ابھرنےوالے تصادموں اور ٹکراؤں کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے اور ان کو بورژوازی کے خلاف عوامی تحریکوں اور انقلابی دھاوے کےلئے استعمال کرے۔

۳ - حق خود ارادیت کا مطلب اور فیڈریشن سے اس کا تعلق

قوموں کے حق خودارادیت کا مطلب صرف سیاسی معنی میں حق خودمختاری ھے۔ اس کا مطلب ھے ظالم و جابر قوم سے آزاد سیاسی علحدگی کا حق۔ ٹھوس معنوں میں سیاسی جمہوریت کے اس

مطالبے کا مطلب ہے علحدگی کے لئے ایجی‌ٹیشن کرنے کی مکمل آزادی، علحدگی چاہنےوالی قوم کی استصواب کے ذریعے علحدگی کے سوال کو طے کرنے کی آزادی۔ نتیجے کے طور پر یہ مطالبہ اور علحدگی، بٹوارے اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرنے کا مطالبہ، دونوں ایک نہیں ھیں۔ یہ مطالبہ محض منطقی اظہار ہے کسی بھی شکل میں قومی ظلم و جبر کے خلاف جدوجہد کا۔ ریاست کا جمہوری نظام علاحدگی کی مکمل آزادی سے جتنا قریب ہوگا، عملی طور پر علحدگی کےلئے جدوجہد اتنی ھی کمزور اور کم ہوتی جائیگی کیونکہ اس میں شبہہ نہیں کہ معاشی ترقی اور عوام کے مفاد، دونوں نقطہ نظر سے، بڑی ریاستوں کے فائدے زیادہ ھیں۔ اور یہ فائدے سرمایہ‌داری کے ارتقا کے ساتھ بڑھتے جاتے ھیں۔ حق خود ارادیت کو تسلیم کرنا اور فیڈریشن کو ایک اصول کی حیثیت سے تسلیم کرنا، ایک نہیں ہے۔ ایک شخص اس اصول کا کٹر دشمن اور جمہوری مرکزیت کا حامی ہو سکتا ہے اور اس کے باوجود قومی عدم‌مساوات پر فیڈریشن کو ترجیح دے سکتا ہے کہ یہی مکمل جمہوری مرکزیت کا واحد راستہ ہے۔ اسی نقطہ نظر سے مارکس نے مرکزیت پسند ہونے کے باوجود انگریزوں کے ھاتھوں آئرلینڈ کی جبریہ محکومی پر آئرلینڈ اور انگلستان کے فیڈریشن کو ترجیح دی تھی۔

سوشلزم کا مقصد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بنی‌نوع انسان کے بٹوارے اور قوموں کی تمام الگ الگ خانہ‌بندیوں کو ختم کرنا ھی، قوموں کو ایک دوسرے کے ساتھ لانا ھی نہیں بلکہ ان کو شیر و شکر کردینا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کےلئے ضروری ہے کہ ھم ایک طرف تو ''ثقافتی قومی خود اختیاری،، (۱۴۸) سے متعلق رینر اور باؤیر کے خیالات کی رجعت‌پسند نوعیت عام لوگوں کو بتائیں اور دوسری طرف، محض عمومی طور پر نہیں، مبہم انداز میں نہیں، بے مغز لن‌ترانیوں سے نہیں، سوشلزم کے قیام تک اسے ''اٹھا رکھنے،، کی بات کرکے نہیں، بلکہ صاف صاف اور جچے تلے انداز میں سیاسی پروگرام مرتب کرکے مظلوم قوموں کی آزادی کا مطالبہ کریں، ایک ایسا پروگرام مرتب کریں جو ظالم و جابر قوموں کے سوشلسٹوں کی ریاکاری اور بزدلی کو بھی خاص طور

پر نظر میں رکھے۔ ٹھیک جس طرح بنی‌نوع انسان مظلوم و محکوم طبقے کی ڈکٹیٹرشپ کے عبوری دور سے گزر کر ھی طبقات کا خاتمہ کر سکتا ھے ٹھیک اسی طرح بنی‌نوع انسان قوموں کے شیروشکر ھو جانے کی ناگزیر منزل تک تمام مظلوم و محکوم قوموں کی مکمل آزادی یعنی ان کی آزادی علحدگی کے عبوری دور سے گزر کر ھی پہنچ سکتا ھے۔

۴۔ قوموں کی خود ارادیت کے سوال کی پرولتاری، انقلابی پیش کش

قوموں کی خود ارادیت کا مطالبہ ھی نہیں بلکہ ھمارے کم سے کم جمہوری پروگرام کے تمام نکات، بہت پہلے، سترھویں اٹھارھویں صدیوں میں پٹی بورژوازی نے پیش کئے تھے۔ پٹی بورژوازی آج تک ان تمام مطالبوں کو خیالی جنت کے باسیوں کے انداز میں اٹھاتی رھی ھے۔ وہ طبقاتی جدوجہد کو نہیں دیکھتی۔ اس کی آنکھیں اس حقیقت کی طرف سے بھی بند ھیں کہ طبقاتی جدوجہد جمہوریت کے سائے میں اور تیز ھوتی ھے۔ وہ ''پرامن،، سرمایہ‌داری پر یقین رکھتی ھے۔ سامراج کے سائے میں برابر قوموں کے ایک پرامن اتحاد کے خیالی جنت‌والے تصور کی نوعیت بس یہی ھے جو عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتی ھے اور جس کی کاؤتسکی کے حامی وکالت کرتے ھیں۔ ضروری ھے کہ اس کم‌نظر اور موقع‌پرستانہ خیالی جنت کے بجائے سوشل ڈیموکریسی کا پروگرام یہ نظریہ پیش کرے کہ سامراج کے سائے میں قوموں کی بنیادی، اصلی اور ناگزیر تقسیم وہ ھے جو صرف ظالم‌وجابر اور مظلوم و محکوم قوموں کے درمیان ھوتی ھے۔

ظالم و جابر قوموں کا پرولتاریہ عمومی قسم کے گھسے پٹے جملوں اور فقروں تک خود کو محدود نہیں رکھ سکتا جنھیں صلح پسند بورژوا جبری الحاق کے خلاف اور قوموں کے مساوی حقوق کے بارے میں عام طور پر کہہ سکتا ھے۔ پرولتاریہ اس سوال کی جانب آنکھیں بند نہیں کرسکتا جو سامراجی بورژوازی کےلئے خاص طور پر ''ناخوشگوار،، ھے یعنی ایسی ریاست کی سرحدوں کا سوال جو قومی

ظلم و جبر پر مبنی ہے۔ پرولتاریہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا کہ مظلوم و محکوم قوموں کو ایک خاص ریاست کی سرحدوں کے اندر زبردستی بند رکھنے کے خلاف جنگ کرے اور یہی مطلب ہے حق خودارادیت کی جدوجہد کا۔ پرولتاریہ کا فرض ہے کہ ان نوآبادیوں اور ان قوموں کی سیاسی علحدگی کی آزادی کا مطالبہ کرے جن کو پرولتاریہ کی ''اپنی،، قوم ظلم کا شکار بنائے ہوئے ہے۔ جب تک کہ پرولتاریہ ایسا نہیں کرتا پرولتاری بین الاقوامیت محض بے معنی اصطلاح رہتی ہے۔ اس کے بغیر ظالم و جابر اور مظلوم و محکوم قوموں کے مزدوروں کے درمیان نہ باہمی اعتماد ممکن ہوسکتا ہے اور نہ طبقاتی یکجہتی، نہ خودارادیت کے اصلاح پسند اور کاؤتسکی پرست وکیلوں کی ریاکاری کی قلعی کھل سکتی ہے جو ان قوموں کے بارے میں ہونٹوں پر مہر لگائے بیٹھے رہتے ہیں جن کو ان کی ''اپنی قوم،، کے ظلم و محکومی کا شکار بنایا جاتا ہے اور زبردستی ان کی ''اپنی،، ریاست کی سرحدوں کے اندر بند رکھا جاتا ہے۔

دوسری طرف، مظلوم و محکوم قوموں کے سوشلسٹوں کو چاہئے کہ وہ مظلوم و محکوم قوموں کے مزدوروں اور ظالم و جابر قوموں کے مزدوروں کے درمیان مکمل اور بھرپور اتحاد کے لئے، جس میں تنظیمی اتحاد بھی شامل ہے، جدوجہد کریں اور اس کو عملی جامہ پہنائیں ورنہ پرولتاریہ کی آزاد پالیسی کے لئے لڑنا اور بورژوازی کے تمام چور دروازوں، دغابازیوں اور دھوکے فریب کی موجودگی میں دوسرے ملکوں کے پرولتاریہ کے ساتھ طبقاتی یکجہتی کا پرچم لہرانا ناممکن ہے کیونکہ مظلوم و محکوم قوموں کا بورژوا طبقہ آزادی کے نعروں کو مزدوروں کو مستقل دھوکا دینے کے ہتھکنڈوں میں بدلتا رہتا ہے: اندرونی سیاست میں بورژوازی ان نعروں کو حکمراں قوموں کی بورژوازی کے ساتھ رجعت پسندانہ سمجھوتے کرنے میں استعمال کرتی ہے (مثال کے طور پر روس اور آسٹریا میں پولستانی لوگ جنھوں نے رجعت پرستوں سے سمجھوتہ کئے تاکہ یہودیوں اور یوکرینیوں کو اپنے ظلم و جبر کا شکار بنا سکیں)؛ بورژوازی خارجہ سیاست کے میدان میں حریف سامراجی طاقتوں میں سے کسی ایک سے سمجھوتے کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ

اپنے غاصبانہ مفادات حاصل کر سکے (بلقان میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی پالیسی، وغیرہ وغیرہ)۔

ہو سکتا ہے کہ ایک سامراجی طاقت کے خلاف قومی آزادی کی جدوجہد کو دوسری ''بڑی'' طاقت خاص حالات میں اپنے یکساں سامراجی مفاد کی خاطر استعمال کرے۔ سوشل ڈیموکریٹ اس حقیقت کی بنیاد پر قوموں کے حق خودارادیت کو تسلیم کرنے سے اسی طرح انکار نہیں کر سکتے جس طرح اس حقیقت کے باوجود کہ بورژوازی نے کئی بار ریپبلکی نعروں کو سیاسی فریب اور لوٹ کھسوٹ کےلئے استعمال کیا ہے (جیسے لاطینی ملکوں میں)، سوشل ڈیموکریٹوں کو ریپبلکن‌ازم سے ہاتھ دھونے پر مجبور نہیں کیا جا سکا۔ *

۵۔ قومی مسئلے پر مارکسزم اور پرودھوں‌ازم

پٹی بورژوا ڈیموکریٹوں کے برخلاف، مارکس نے بلااستثنا تمام جمہوری مطالبوں کو، بذات‌خود مقصد نہیں بلکہ جاگیرداری کے خلاف بورژوازی کی رہنمائی میں عوام کی جدوجہد کا تاریخی مظہر

---

* یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ حق خودارادیت کی مخالفت محض اس بنا پر کرنا کہ اس کا مطلب ہے ''مادر وطن کی حفاظت''، اور بھی مضحکہ‌خیز ہے۔ ۱۶ — ۱۹۱۴ء کے جارحانہ قوم‌پرست اسی زبردست منطق کے ساتھ یعنی اسی سطحی پن کے ساتھ، اس دلیل کا اطلاق جمہوریت کے تمام مطالبوں (مثلاً ریپبلکن‌ازم) پر اور قومی ظلم و جبر کے خلاف جہدوجہد کے ہر فارمولے پر کرتے ہیں — اور یہ سب ''مادر وطن کی حفاظت'' کا جواز حاصل کرنے کی خاطر۔ مارکسزم مادر وطن کی حفاظت کے خیال کو تسلیم کرتا ہے مگر وہ اس خیال تک بعض ''عام اصول'' یا پروگرام کے بعض الگ نکات کی بنا پر نہیں بلکہ ہر الگ الگ جنگ کے خاص تاریخی حالات کے تجزیے کی بنا پر پہنچا ہے۔ مثال کے طور پر عظیم فرانسیسی انقلاب کی جنگوں اور یورپ میں گاریبالدی کی جنگوں میں مارکسزم مادروطن کی حفاظت کی اہمیت تسلیم کرتا ہے۔ لیکن مارکسزم نے ۱۶ — ۱۹۱۴ء کی سامراجی جنگ میں ''مادروطن کی حفاظت'' کے نعرے کی مخالفت کی۔

22—980

قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک بھی جمہوری مطالبہ ایسا نہیں ہے جس کو بورژوازی مزدوروں کو دھوکا دینے کےلئے حربے کے طور پر استعمال نہ کر سکتی ہو یا اس نے بعض حالات میں نہ کیا ہو۔ اس سلسلے میں سیاسی جمہوریت کے مطالبوں میں سے ایک کو یعنی قوموں کی خودارادیت ہی کو لینا! اور اس کو باقی تمام مطالبوں کے مقابلے میں رکھنا بنیادی طور پر غلط نظریہ ہے۔ عملی طور پر، پرولتاریہ اپنی خودمختاری اسی وقت برقرار رکھ سکتا ہے جبکہ وہ رپبلک کے مطالبے سمیت تمام جمہوری مطالبوں کےلئے جدوجہد کو بورژوازی کا تختہ الٹنے کی خاطر اپنی انقلابی جد و جہد کا تابع بنائے۔

دوسری طرف، پرودھوں کے پیروؤں کے برخلاف، جنھوں نے ''سماجی انقلاب کی خاطر،، قومی سوال سے ''انکار کیا،، مارکس نے، خاص طور پر ترقی‌یافتہ ملکوں میں پرولتاری طبقاتی جدوجہد کے مفاد کو پیش‌نظر رکھ کر بین‌الاقوامیت اور سوشلزم کے بنیادی اصول کو صف‌اول میں رکھا یعنی کوئی قوم بھی جو دوسری قوموں پر ظلم کرتی ہے آزاد نہیں ہو سکتی (۱۴۹)۔ جرمن مزدوروں کے انقلابی تحریک کے مفاد کے اسی نقطۂ نظر سے مارکس نے ۱۸۴۸ء میں مطالبہ کیا تھا کہ جرمنی میں فتح یاب جمہوریت ان قوموں کے آزاد ہونے کا اعلان کرے اور ان کو آزادی دے جو جرمنوں کے ظلم کا شکار تھیں (۱۵۰)۔ انگریز مزدوروں کی انقلابی جدوجہد کے نقطۂ‌نظر ہی سے مارکس نے ۱۸۶۹ء میں انگلستان سے آئرلینڈ کی علحدگی کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی کہا: ''حالانکہ ممکن ہے کہ علحدگی کے بعد فیڈریشن بن جائے،، (۱۵۱)۔ صرف یہی مطالبہ پیش نظر رکھ‌کر مارکس نے انگریز مزدوروں کو واقعی بین‌الاقوامی جذبے کی تعلیم دی۔ صرف اس طرح مارکس موقع‌پرستوں اور بورژوا اصلاح‌پسندی کے مقابلے میں جو آج تک نصف صدی بعد بھی، آئرلینڈ کی ''اصلاح،، کو پورا کرنے میں ناکام ہے، اس خاص تاریخی مسئلے کا انقلابی حل پیش کر سکے۔ سرمایہ کے معذرت خواہوں کے برخلاف جو چیخ چیخ کر کہتے ہیں کہ چھوٹی قوموں کی علحدگی کی آزادی خیالی پلاؤ اور ناممکن ہے، جو گلا پھاڑ کر صرف معاشی ہی نہیں بلکہ سیاسی ارتکاز کی ترقی‌پسند

نوعیت کا راگ الاپتے ھیں ـ ھاں ان معذرت خواھوں کے برخلاف، مارکس صرف اس طرح غیرسامراجی طریقے سے اس ارتکاز کی ترقی پسند نوعیت پر زور دے سکے، صرف اس طرح وہ قوموں کے اتصال پر، زبردستی سے نہیں بلکہ تمام ملکوں کے پرولتاریوں کے آزاد اتحاد کی بنیاد پر قوموں کے اتصال پر زور دے سکے۔ صرف اس طرح مارکس نے قوموں کی مساوات اور حق خود ارادیت کے زبانی اور اکثر ریاکارانہ اعتراف کا مقابلہ قومی مسئلے کو حل کرنے کے میدان میں بھی عوام کے انقلابی اقدام سے کیا ۱۶ — ۱۹۱۴ء کی سامراجی جنگ نے موقع پرستوں اور کاؤتسکی پرستوں کی ریاکاری کے اگیئیائی اصطبل (۱۰۲) کا جو پردہ فاش کیا، اس نے مارکس کی اس پالیسی کی صحت کی بہت نمایاں تصدیق کی جو تمام ترقی یافتہ ملکوں کے لئے نمونہ ھے کیونکہ آج سارے ترقی یافتہ ملک دوسری قوموں کو لوٹتے اور کچلتے ھیں۔ *

---

* اکثر اس بات کا حوالہ دیا جاتا ھے کہ بعض قوموں کی قومی تحریکوں کی طرف، مثلاً ۱۸۴۸ء میں چیکوں کی قومی تحریک کی طرف مارکس کا مخالفانہ رویہ اس کی تردید کرتا ھے کہ مارکسزم کے نقطۂ نظر سے قوموں کی خودارادیت کو تسلیم کرنا ضروری ھے۔ حال ھی میں اس کا حوالہ جرمن جارحانہ قوم پرست لینچ نے «Die Glocke» کے شمارے ۸،۹ میں دیا ھے۔ یہ غلط ھے کیونکہ ۱۸۴۸ء میں اس بات کے تاریخی اور سیاسی اسباب موجود تھے کہ ''رجعت پرست،، اور انقلابی جمہوری قوموں کے درمیان فرق کیا جائے۔ مارکس حق بجانب تھے جب انھوں نے ''رجعت پرست،، قوموں کو مذموم قرار دیا اور انقلابی جمہوری قوموں کی حمایت کی (۱۰۳)۔ حق خودارادیت جمہوریت کے مطالبوں میں سے ایک ھے جس کو قدرتی طور پر جمہوریت کے عام مفاد کے تابع ہونا چاھئے۔ ۱۸۴۸ء میں اور اس کے بعد کے برسوں میں یہ عام مفاد زارشاھی کے خلاف جدوجہد میں مضمر تھا۔

۸ - مستقبل قریب میں پرولتاریہ کے ٹھوس فرائض

سوشلسٹ انقلاب مستقبل قریب میں شروع ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں پرولتاریہ فوراً اقتدار پر قبضہ کرنے کے فرض سے، بینکوں کو ضبط کرنے کے فرض سے اور آمریت کے دوسرے اقدامات کرنے سے دو چار ہوگا۔ اس صورت حال میں بورژوازی — اور خاص طور پر فیبیئن اور کاؤتسکی کے حامی جیسے دانشور — انقلاب کو ناکام کرنے اور اس کے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرے گی، وہ اس کو سختی سے محدود جمہوری مقاصد تک روک رکھنے کی کوشش کرے گی۔ ایسے وقت جب پرولتاریوں نے بورژوا اقتدار کی بنیادوں پر دھاوا بولنا شروع کر دیا ہو تمام خالص جمہوری مطالبے، ایک حد تک انقلاب کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں، تو پھر تمام مظلوم قوموں کی آزادی کا اعلان کرنے اور ان کی آزادی (یعنی ان کے حق خود ارادیت) کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت سوشلسٹ انقلاب کےلئے اتنی ہی اہم اور فوری ہوگی جتنی اہم اور فوری یہ ضرورت بورژوا جمہوری انقلاب کی فتح کےلئے تھی — مثال کے طور پر، ۱۸۴۸ء میں جرمنی میں اور ۱۹۰۵ء میں روس میں۔

بہر حال، ممکن ہے کہ سوشلسٹ انقلاب کے شروع ہوتے ہوتے پانچ، دس سال یا اس سے زیادہ گذر جائیں۔ اس صورت میں فرض یہ ہوگا کہ جنتا کو انقلابی جذبے کی ایسی تعلیم دی جائے کہ جارحانہ قوم‌پرستوں اور موقع‌پرستوں کےلئے مزدوروں کی پارٹی سے چپکے رہنا اور ۱۹۱۴—۱۶ء کی طرح کامیاب ہونا ناممکن ہوجائے۔ سوشلسٹوں کا فرض یہ ہوگا کہ عوام کو بتائیں کہ وہ برطانوی سوشلسٹ جو نوآبادیات اور آئرلینڈ کی علحدگی کی آزادی کا مطالبہ نہیں کرتے، وہ جرمن سوشلسٹ جو نوآبادیات اور الزاس‌والوں، ڈچ اور پولینڈوالوں کی علحدگی کی آزادی کا مطالبہ نہیں کرتے، جو براہ‌راست انقلابی پروپیگنڈے اور عام انقلابی اقدامات کو قومی ظلم کے خلاف جدوجہد کی طرف نہیں لے جاتے، جو تسابیرن کے حادثہ جیسے واقعات سے فائدہ اٹھا کر وسیع پیمانے پر ظالم قوم کے پرولتاریہ میں غیرقانونی پروپیگنڈا کرنے میں، سڑکوں پر مظاہرے

کرانے اور عام انقلابی اقدام اٹھانے کےلئے اسے ابھرنے میں ناکام رهتے هیں، وہ روسی سوشلسٹ جو فن لینڈ، پولینڈ، یوکرین وغیرہ کےلئے علحدگی کی آزادی کا مطالبہ نہیں کرتے — هاں ایسے سوشلسٹ، جارحانہ قوم‌پرستوں کے نقش قدم پر، خون اور کیچڑ میں لتھڑی هوئی سامراجی بادشاهتوں اور سامراجی بورژوازی کے خادموں کے راستے پر چل رہے هیں۔

جنوری اور فروری ۱۹۱۶ء میں لکھا گیا۔

سوشلزم کے اندر پھوٹ اور سامراج

اقتباس

سامراج سرمایہ‌داری کی ایک خاص تاریخی منزل ہے۔ اس کی نوعیت تہری ہے یعنی سامراج (۱) اجارہ‌دارانہ سرمایہ‌داری، (۲) طفیل‌خور یا سڑتی ہوئی سرمایہ‌داری اور (۳) جاں‌بلب سرمایہ‌داری ہے۔ اجارہ‌داری کا آزاد مقابلے کی جگہ لے لینا سامراج کا بنیادی معاشی کردار اور اس کا نچوڑ ہے۔ اجارہ‌داری کی پانچ بڑی قسمیں ہیں: (۱) کارٹیل، سینڈیکیٹ اور ٹرسٹ۔ پیداوار کا ارتکاز اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے سرمایہ‌داروں کی یہ اجارہ‌دارانہ انجمنیں جنم لیتی ہیں۔ (۲) بڑے بڑے بینکوں کی اجارہ‌دارانہ حیثیت۔ تین چار یا پانچ بڑے بڑے بینک امریکہ، فرانس اور جرمنی کی ساری معاشی زندگی کو اپنے مصرف میں لاتے ہیں۔ (۳) ٹرسٹ اور مالیاتی عمائدین کی حکمرانی (مالیاتی سرمایہ وہ اجارہ‌دارانہ صنعتی سرمایہ ہے جو بینکوں کے سرمائے سے متصل ہو جاتا ہے) کا خام اشیا کے وسائل پر قبضہ۔ (۴) دنیا کی (معاشی) تقسیم بین‌الاقوامی کارٹیلوں میں شروع ہو چکی ہے۔ اس طرح کے بین‌الاقوامی کارٹیل فی‌الحال سو سے اوپر ہیں جو ساری عالمی منڈی کے مالک ہیں اور اس کو اپنے پسندیدہ طریقے پر اپنے درمیان تقسیم کرتے ہیں، جب تک جنگ نے اس کی تقسیم نو نہیں کی۔ سرمائے کی برآمد غیر اجارہ‌دارانہ سرمایہ‌داری میں جنس کی برآمد سے الگ ایک خصوصی کردار کا مظہر ہے اور دنیا کی معاشی اور علاقائی و سیاسی تقسیم سے بہت

قریبی رابطہ رکھتی ہے۔ (٥) دنیا کی علاقائی تقسیم (استعماری مقبوضات) مکمل ہو چکی ہے۔

سامراج نے سرمایہ‌داری کی اعلی منزل کی حیثیت سے امریکہ اور یورپ میں اور اس کے بعد ایشیا میں ١٨٩٨ء — ١٩١٤ء کے دوران میں مکمل صورت اختیار کی۔ ھسپانوی امریکی جنگ (١٨٩٨ء)، انگریزوں اور بوئروں کی جنگ (١٨٩٩ء — ١٩٠٢ء)، روسی جاپانی جنگ (١٩٠٤ء — ١٩٠٥ء) اور ١٩٠٠ء میں یورپ میں معاشی بحران۔ یہ ھیں عالمی تاریخ کے نئے دور میں خاص تاریخی واقعات۔

یہ کہ سامراج طفیل‌خور یا سڑتی ہوئی سرمایہ‌داری ہے سب سے پہلے اس کے سڑنے کے رجحان سے ظاہر ہوتا ہے جو ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت میں ہر اجارہ‌داری کی خصوصیت ہوتی ہے۔ جمہوری ریپبلکن اور رجعت پرست شاہ‌پرست سامراجی بورژوازی کے درمیان کا فرق دھل جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں زندہ‌جان سڑتے ھیں (یہ بات کسی طرح صنعت کی منفرد شاخوں، علحدہ علحدہ ملکوں اور علحدہ علحدہ زمانوں میں سرمایہ‌داری کی غیرمعمولی تیزرفتار ترقی میں مانع نہیں ہوتی)۔ دوسرے، سرمایہ‌داری کے سڑنے سے ایک بڑا پرت ایسے لگان وصول کرنےوالے سرمایہ‌داروں کا پیدا ہوتا ہے جو ”چیک کاٹ کر،، زندگی بسر کرتے ھیں۔ چار نمایاں سامراجی ملکوں برطانیہ، شمالی امریکہ، فرانس اور جرمنی میں سرمایہ ھنڈیوں کی شکل میں ایک سے ڈیڑھ کھرب تک فرانک ہے جس سے ہر ملک کی سالانہ آمدنی پانچ سے آٹھ ارب تک سے کم نہیں ہوتی۔ تیسرے، سرمایے کی برآمد دگنی چوگنی طفیل‌خوری ہے۔ چوتھے، ”سالیاتی سرمایہ تسلط چاھتا ہے نہ کہ آزادی،،۔ شروع سے آخر تک سیاسی رجعت‌پرستی سامراج کی خصوصیت ہے۔ پیسے کیلئے بڑے پیمانے پر بک جانا اور خریدنا اور ہر طرح کی بےایمانی۔ پانچویں، مظلوم قوموں کا استحصال جو اٹوٹ طور پر مقبوضات میں اضافے سے تعلق رکھتا ہے اور خاص طور سے مٹھی بھر ”بڑی،، طاقتوں کے ھاتھوں نوآبادیوں کا استحصال ”مہذب،، دنیا کو غیرمہذب قوموں کے کروڑوں لوگوں کے جسم کےلئے اور زیادہ طفیل‌خور جونک بنا دیتا ہے۔ روسن پرولتاری لوگ سماج کے خرچ پر زندگی گذارتے

تھے - جدید سماج موجودہ پرولتاری لوگوں کے خرچ پر زندگی گذار رہا ہے - مارکس نے سسمونڈی کے اس پرمعنی فقرہ پر خاص طور سے زور دیا ہے (۱۰۴) - سامراج معاملے کو کچھ بدل دیتا ہے - سامراجی ملکوں میں پرولتاریہ کی خصوصی مراعات رکھنےوالا بالائی پرت جزوی طور سے غیرمہذب قوموں کے کروڑوں لوگوں کے خرچ پر زندگی گذارتی ہے -

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سامراج جاں بلب سرمایہ‌داری ہے جو عبور کرکے سوشلزم کی طرف آتی ہے : اجارہ‌داری جو سرمایہ‌داری سے پیدا ہوتی ہے اب سرمایہ‌داری کا زوال ہے، اجارہ‌داری، سرمایہ‌داری سے سوشلزم میں عبور کی ابتدا ہے - سامراج کے ہاتھوں محنت کی زبردست سماج‌بندی سے (جس کو سامراج کے مداح، بورژوا ماہرین معاشیات ''باہمی پیوستگی'' (interlocking) کہتے ہیں) یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے -

اکتوبر ۱۹۱۶ء کو لکھا گیا -

طریقۂ کار سے متعلق خطوط

پہلا خط - موجودہ صورت حال کا تخمینہ

مارکسزم کا ہم سے مطالبہ ہے کہ طبقاتی توازن کا اور ہر تاریخی صورت حال کے مخصوص حقیقی خد و خال کا پابندی کے ساتھ درست اور معروضی طور پر قابل تصدیق تجزیہ کیا جائے۔ ہم بالشویکوں نے اس مطالبے کو پورا کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے جو پالیسی میں ایک سائنٹیفک عملی بنیاد فراہم کرنے کےلئے قطعی ضروری ہوتی ہے۔

''ہمارا نظریہ کٹر عقیدہ نہیں بلکہ رہبر عمل ہے،، (۱۰۰) مارکس اور اینگلس نے ''فارمولوں،، کو محض ازبر کرنے اور دوہرانے کا بجا طور پر مذاق اڑاتے ہوئے، ہمیشہ یہی کہا، جو زیادہ سے زیادہ صرف عمومی فرائض متعین کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جن میں تاریخی عمل کے ہر مخصوص دور کے ٹھوس معاشی اور سیاسی حالات کے مطابق لازمی طور پر ترمیم و تصحیح ہوتی ہے۔

تو پھر، واضح طور پر مسلمہ وہ معروضی حقائق کون سے ہیں جنھیں انقلابی پرولتاریہ کی پارٹی کو اپنی سرگرمی کے فرائض اور شکلیں متعین کرنے میں اب مشعل راہ بنانا چاہئے؟

اپنے پہلے ''دور دراز سے خط،، میں (''پہلے انقلاب کی پہلی منزل،،) جو ''پراودا،، کے شماروں ۱۴ اور ۱۵، مورخہ ۲۱ اور ۲۲ مارچ ۱۹۱۷ء کو شائع ہوا تھا اور اپنے مقالات دونوں میں،

میں نے ''روس میں موجودہ صورت‌حال کی خصوصیت،، کی انقلاب کی پہلی منزل سے دوسری کی جانب عبور کے ایک دور کی حیثیت سے وضاحت کی ہے۔ اس لئے میں نے اس وقت کے بنیادی نعرے کو، ''فرض امروز،، کو یوں سمجھا ہے: ''مزدورو، تم نے زارشاہی کے خلاف خانہ‌جنگی میں پرولتاری سورمائی کے، عوام کی سورمائی کے کرشمے دکھائے ہیں۔ اب تمہیں انقلاب کے دوسرے مرحلے میں اپنی فتح کی تیاری کےلئے پرولتاریہ اور کل عوام کو منظم کرنے کے کرشمے دکھانے چاہئیں،، (''پراودا،، شمارہ ۱۵)۔ *

تو پھر، پہلی منزل کیا ہے؟

یہ ہے ریاستی اقتدار کا بورژوازی کو منتقل ہو جانا۔

۱۹۱۷ء کے فروری — مارچ کے انقلاب سے پہلے روس میں ریاستی اقتدار ایک پرانے طبقے کے یعنی نکولائی رومانوف کی سربراہی میں جاگیردار زمیندار رؤسا کے ہاتھوں میں تھا۔

اس انقلاب کے بعد اقتدار ایک مختلف طبقے، ایک نئے طبقے، یعنی بورژوازی کے ہاتھوں میں ہے۔

ایک طبقے سے دوسرے کے ہاتھوں میں ریاستی اقتدار کا منتقل ہونا انقلاب کی قطعی سائنٹیفک اور اس اصطلاح کے عملی سیاسی دونوں معنوں میں پہلی، خاص، بنیادی علامت ہے۔

اس حد تک روس میں بورژوا یا بورژوا جمہوری انقلاب پایۂ‌تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

لیکن اس مقام پر ہمیں ان لوگوں کے احتجاج کا شور سنائی دیتا ہے جو اپنے آپ کو بہ‌آسانی ''پرانے بالشویک،، کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، کیا ہم نے ہمیشہ سے اس بات کی تائید نہیں کی کہ ''پرولتاریہ اور کسانوں کی انقلابی جمہوری ڈکٹیٹرشپ،، ہی سے بورژوا جمہوری انقلاب کی تکمیل ہوتی ہے؟ کیا زرعی انقلاب جو بورژوا جمہوری انقلاب ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے، پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا؟ اس کے برعکس، کیا یہ حقیقت نہیں کہ یہ شروع بھی نہیں ہوا؟

---

* لینن، مجموعۂ تصانیف، انگریزی ایڈیشن، ماسکو ۱۹۶۴ء، جلد ۲۳، صفحات ۳۰۶ اور ۳۰۷۔ (ایڈیٹر)

میرا جواب ہے : بالشویک نعروں اور خیالات کی بحیثیت مجموعی تاریخ تصدیق کر چکی ہے لیکن حقیقتاً واقعات مختلف طریقے سے رونما ہوئے ہیں ؛ وہ اس سے زیادہ انوکھے، زیادہ عجیب و غریب اور زیادہ نوع بنوع ہیں جتنی کسی کو بھی توقع تھی۔

اس حقیقت کو فراموش یا نظرانداز کر دینے کے معنی ان ''پرانے بالشویکوں،، کے نقش قدم پر چلنا ہوگا جو نئی اور جیتی جاگتی حقیقت کے خصوصی خدوخال کا مطالعہ کرنے کی بجائے رٹے ہوئے فارمولے بےمعنی انداز میں دوہرا کر ہماری پارٹی کی تاریخ میں بارہا قابل افسوس کردار ادا کر چکے ہیں۔

''پرولتاریہ اور کسانوں کی انقلابی جمہوری ڈکٹیٹرشپ،، روسی انقلاب میں ایک حقیقت * بن چکی ہے کیونکہ اس ''فارمولے،، میں صرف طبقوں کا توازن باہم پیش نظر رکھا گیا ہے، اس توازن باہم، اس تعاون کی تعمیل کرنےوالے حقیقی سیاسی ادارے کو نہیں۔ ''مزدوروں اور فوجیوں کے نمائندوں کی سوویت،، — اس میں آپ کو ''پرولتاریہ اور کسانوں کی انقلابی جمہوری ڈکٹیٹرشپ،، تکمیل شدہ حقیقت کی شکل میں پہلے ہی مل گئی۔

یہ فارمولا فرسودہ ہو چکا ہے۔ واقعات نے اس کو فارمولوں کی مملکت سے نکال کر اقلیم حقیقت میں پہنچا دیا، گوشت و پوست عطا کیا، حقیقی روپ دیا اور اس طرح سے اس کی اصلاح کر دی۔

اب ہمیں ایک نیا اور مختلف کام درپیش ہے : اس ڈکٹیٹرشپ کے اندر پرولتاری عناصر (دفاعیت دشمن، بین الاقوامیت پسند، ''کمیونسٹ،، عناصر جو کمیون کی جانب عبور کے حق میں ہیں) اور چھوٹی املاک والے یا پٹی بورژوا عناصر (چھے ایدزے، تسرےتیلی، استیکلوف، سوشلسٹ انقلابی (١٠٦) اور دوسرے انقلابی دفاعیت پسند جو کمیون کی جانب بڑھنے کے مخالف ہیں اور بورژوازی اور بورژوا حکومت کو ''سہارا دینے،، کے حق میں ہیں) کے درمیان تقسیم۔

---

* ایک خاص شکل میں اور ایک خاص حد تک۔

اب جو شخص صرف ''پرولتاریہ اور کسانوں کی انقلابی جمہوری ڈکٹیٹرشپ،، کی بات کرتا ہے وہ زمانے سے پچھڑا ہوا ہے، اس کے نتیجے میں، عملاً وہ پرولتاری طبقاتی جدوجہد کے خلاف پٹی بورژوازی سے جا ملا ہے۔ اس شخص کو انقلاب سے پہلے کی ''بالشویک،، اشیائے کہنہ کے محافظخانے میں پہنچا دینا چاہئے (اس کا نام ''پرانے بالشویکوں،، کا محافظخانہ رکھا جا سکتا ہے)۔

پرولتاریہ اور کسانوں کی انقلابی جمہوری ڈکٹیٹرشپ کی تکمیل ہو چکی ہے لیکن نہایت ہی بےنظیر طریقے سے اور متعدد نہایت ہی اہم نئی شکلوں کے ساتھ۔ ان پر میں اپنے اگلے خطوط میں سے کسی میں علحدہ بحث کروں گا۔ فی‌الحال ناقابل انکار حقیقت ذہن‌نشین کر لینی ضروری ہے کہ ہر مارکسی کو حقیقی زندگی، حقیقت کے سچے واقعات پیش نظر رکھنے چاہئیں اور گذشتہ کل کے نظریے سے، جو تمام نظریوں کی طرح زیادہ سے زیادہ صرف خاص خاص کا اور عمومی طور پر خاکہ مرتب کر دیتا ہے، زندگی کو اس کی تمام‌تر پیچیدگیوں کے ساتھ ہم‌آغوش کرنے کے محض قریب پہنچتا ہے، چمٹے نہ رہنا چاہئے۔

''میرے دوست، نظریہ خاکستری ہے لیکن سبز ہے زندگی کا ابدی درخت۔ ،، (۱۰۷)

پرانے طریقے سے بورژوا انقلاب کی ''تکمیل،، کے مسئلے پر بحث کرنا زندہ مارکسزم کو تقویم پارینہ پر قربان کرنا ہے۔

پرانی طرز فکر کے مطابق بورژوازی کے اقتدار کے بعد پرولتاریہ اور کسانوں کی حکومت، ان کی ڈکٹیٹرشپ قائم ہو سکتی ہے اور ہونی چاہئے۔

لیکن حقیقی زندگی میں صورت‌حال مختلف طریقے سے رونما ہو چکی ہے: ایک کے اندر دوسرے کی انتہائی انوکھے، نئے اور بے نظیر طریقے سے ہو گئی ہے۔ ہمارے ہاں پہلو بہ پہلو، ایک ساتھ، بہ‌یک وقت بورژوازی کی حکمرانی (لووف اور گچکوف کی حکومت) اور پرولتاریہ اور کسانوں کی انقلابی جمہوری ڈکٹیٹرشپ، جو کہ رضاکارانہ طور پر اقتدار بورژوازی کے سپرد کرتی جا رہی ہے، رضاکارانہ طور پر بورژوازی کا دم‌چھلا بنتی جا رہی ہے، دونوں موجود ہیں۔

کیونکہ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ درحقیقت، پیتروگراد میں اقتدار مزدوروں اور سپاہیوں کے ہاتھوں میں ہے۔ نئی حکومت ان کے خلاف تشدد سے کام نہیں لے رہی ہے اور لے بھی نہیں سکتی کیونکہ کوئی پولیس، عوام سے الگ تھلگ کوئی فوج صف‌آرا نہیں ہے، کوئی ہمہ گیر اختیارات‌والی سرکار عوام سے بالاتر ہوکر صف‌بستہ نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے، اس طرح کی حقیقت، جو پیرس کمیون جیسی ریاست کی کرداری خصوصیت کی حامل ہے۔ یہ حقیقت پرانے خاکوں میں ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ خاکوں کو حقائق کے مطابق موزوں کرنے کی ترکیب آنی چاہئے، بجائے اس کے کہ ”پرولتاریہ اور کسانوں کی ڈکٹیٹرشپ“ سے متعلق اب بےمعنی ہو جانےوالے الفاظ کو عام معنوں میں دوہرایا جائے۔

اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالنے کےلئے آئیے، ہم اس کو ایک اور زاویے سے دیکھیں۔

کسی بھی مارکسی کو طبقاتی تعلقات کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ کرنے کی بنیاد ترک نہیں کرنی چاہئے۔ بورژوازی برسر اقتدار ہے۔ مگر کیا کسان عوام‌الناس بھی بورژوازی نہیں ہیں، صرف ایک مختلف سماجی حلقے کی، ایک مختلف وضع کی، ایک مختلف کرداری وصف کی؟ یہ نتیجہ کہاں سے نکلتا ہے کہ یہ حلقہ برسر اقتدار نہیں آ سکتا، اس طرح بورژوا جمہوری انقلاب کی ”تکمیل“ نہیں کر سکتا؟ یہ ناممکن کیوں ہو سکتا ہے؟

اس طرح پرانے بالشویک اکثر حجت کیا کرتے ہیں۔

میرا جواب ہے کہ یہ قطعی ممکن ہے۔ لیکن کسی مطلوبہ صورت‌حال کا تخمینہ کرتے ہوئے کسی مارکسی کو نقطۂ آغاز اس کو نہیں بنانا چاہئے جو ممکن ہے، بلکہ اس کو جو حقیقت میں ہے۔

اور حقیقت اس واقعے کا انکشاف کرتی ہے کہ سپاہیوں اور کسانوں کے آزادانہ طور پر منتخب ہونےوالے نمائندے آزادانہ طور پر دوسری متوازی حکومت میں شامل ہو رہے ہیں، اسے آزادانہ طور پر وسعت اور پختگی عطا کر رہے ہیں اور تکمیل تک پہنچا رہے ہیں۔ اور ٹھیک اسی طرح آزادانہ طور پر یہ لوگ بورژوازی کے حق میں اقتدار سے دست‌بردار ہو رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی

حقیقت ہے جو مارکسزم کے نظریے کو ذرا بھی ''مسترد،، نہیں کرتی کیونکہ ہم اس بات کو ہمیشہ جانتے اور بار بار بتاتے رہے ہیں کہ بورژوازی خود کو صرف طاقت کے بل پر ہی نہیں بلکہ عوام‌الناس میں طبقاتی شعور اور تنظیم کے فقدان اور ان کے لکیر کے فقیر اور مظلوم ہونے کی بدولت بھی برسر اقتدار رکھتی ہے۔

آج کی اس حقیقت کے مدنظر، حقیقت کی طرف سے منھ موڑنا اور ''امکانات،، کی باتیں کرنا محض مضحکہ‌خیز ہے۔

ممکن ہے کہ کسان، تمام زمینوں پر، سارے اقتدار پر قابض ہو جائیں۔ میرے اس امکان کو فراموش کر دینے کا، خود کو آج کے حالات تک محدود رکھنے کا سوال ہی نہیں ہے جبکہ میں اس نئی حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، قطعی اور واضح طور پر زرعی پروگرام مرتب کرتا ہوں، جو ایک طرف زرعی مزدوروں اور غریب‌ترین کسانوں اور دوسری طرف صاحب جائیداد کاشتکاروں کے درمیان ایک گہری خلیج کی شکل میں رونما ہوا ہے۔

لیکن ایک اور امکان بھی موجود ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسان سوشلسٹ انقلابیوں کی پٹی بورژورا پارٹی کا مشورہ مانیں جو بورژوازی کے زیر اثر آگئی ہے، جو مدافعتی موقف اپنا رہی ہے اور جو آئین‌ساز اسمبلی کے انعقاد کے انتظار کا مشورہ دیتی ہے حالانکہ اس کے طلب کئے جانے کی تاریخ ابھی مقرر نہیں کی گئی! *

یہ ممکن ہے کہ کسان، بورژوازی سے اپنے اس سمجھوتے کو برقرار رکھیں اور اسے طول دیں جو اب انہوں نے مزدوروں اور سپاہیوں کے نمائندوں کی سوویتوں کے ذریعے لفظی طور پر ہی نہیں، واقعی طور پر بھی کیا ہے۔

---

* کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے الفاظ کو غلط معنی پہنائے جائیں اس لئے میں فوراً یہ بات صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ زرعی مزدوروں اور کسانوں کی سوویتوں کے فوری طور پر تمام زمینوں کو اپنے قبضے میں لے لینے کا میں قطعی طور پر حامی ہوں لیکن انہیں خود ہی نہایت ہی سخت نظم و ضبط اور ڈسپلن کی پابندی کرنی چاہئے۔ مشینوں، عمارتوں یا مویشیوں وغیرہ کو ذرا بھی نقصان

بہت سی باتیں ممکن ہیں۔ زرعی تحریک اور زرعی پروگرام کو فراموش کر دینا بہت بڑی غلطی ہوگی۔ لیکن حقیقت کو فراموش کر دینا بھی اتنی ہی بڑی غلطی ہوگی جو اس حقیقت کا انکشاف کرتی ہے کہ بورژوازی اور کسان عوام‌الناس کے درمیان ایک سمجھوتے، یا زیادہ نپی تلی، کم قانونی لیکن نسبتاً زیادہ طبقاتی معاشی اصطلاح میں، ایک طبقاتی تعاون کا وجود ہے۔

جب یہ حقیقت حقیقت نہیں رہےگی، جب کسان اپنے آپ کو بورژوازی سے علحدہ کرکے بورژوازی کے خلاف زمینوں اور اقتدار پر قبضہ کر لیں گے تو یہ بورژوا جمہوری انقلاب کی ایک نئی منزل ہوگی اور اس معاملے سے جداگانہ طور پر نمٹا جائے گا۔

کوئی مارکسی جو مستقبل کی کسی ایسی منزل کے امکان کی بنا پر زمانۂ حال میں جبکہ کسان عوام‌الناس بورژوازی سے معاہدہ کئے ہوئے ہیں، اپنے فرائض کو فراموش کرتا ہے وہ پٹی بورژوا بن کے رہ جائےگا کیونکہ وہ عملی طور پر پرولتاریہ کو پٹی بورژوا پر اعتماد کرنے کی تلقین کرےگا (''اس پٹی بورژوازی، اس کسان عوام‌الناس کو بورژوازی سے اس وقت جبکہ بورژوا جمہوری انقلاب کا دور دورہ ہے، علحدگی اختیار کرلینی چاہئے،،)۔ یہ مارکسی ایسے خوشگوار اور رنگین مستقبل کے ''امکان،، کے باعث جس میں کسان، بورژوازی کے دم‌چھلا نہ ہوں‌گے، جس میں سوشلسٹ انقلابی، چھیےایدزے، تسرےتیلی اور استیکلوف جیسے لوگ بورژوا حکومت کے دم‌چھلا نہ ہوں گے — ہاں ایسے ہی خوشگوار مستقبل کے ''امکان،، کے باعث وہ ناخوشگوار حال کو فراموش کر دےگا جس میں کسان اب بھی بورژوازی کے دم‌چھلا ہیں اور جس میں سوشلسٹ انقلابیوں اور سوشل ڈیموکریٹوں نے ''ہز میجسٹی،، لووف کے حزب مخالف

پہنچانے کی اجازت نہیں دینی چاہئے اور کسی بھی حالت میں زراعت اور اناج کی پیداوار میں بدنظمی پیدا ہونے نہیں دینی چاہئے۔ یہی نہیں، انھیں ان کو فروغ بھی دینا چاہئے کیونکہ سپاہیوں کو جتنی روٹی ملتی ہے اس سے دوگنی کی ضرورت ہے اور عوام کو فاقے کشی کی نوبت نہ آنے دینا چاہئے۔

(۱۵۸) کی حیثیت سے بورژوا حکومت کے دم‌چھلا ہونے کے اپنے کردار کو ابھی تک ترک نہیں کیا۔

یہ مفروضہ‌پسند شخص کسی شیریں زبان لوئی بلان یا میٹھی چاپلوسی کی باتیں کرنےوالے کسی کاؤتسکی‌نواز سے ملتا جلتا تو ہو سکتا ہے لیکن انقلابی مارکسی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

لیکن کیا ہم کو داخلیت کے شکار ہونے کا خطرہ نہیں ہے، سوشلسٹ انقلاب تک، اس بورژوا جمہوری انقلاب کو ''جست لگا کر،، پہنچنے کے متمنی ہونے کا خطرہ نہیں ہے جس کی ابھی تکمیل نہیں ہوئی ہے اور جو ابھی کسان تحریک کو پوری طرح چوس نہیں سکا ہے؟

میں اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈال سکتا تھا اگر میں نے کہا ہوتا: ''زار نہیں بلکہ مزدوروں کی حکومت،،۔ (۱۵۹) لیکن میں نے یہ نہیں کہا تھا، میں نے تو کچھ اور کہا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ روس میں مزدوروں، زرعی مزدوروں، سپاہیوں اور کسانوں کے نمائندوں کی سوویتوں کے علاوہ کوئی اور حکومت (بجز کسی بورژوا حکومت کے) ممکن نہیں۔ میں نے کہا تھا کہ روس میں اب اقتدار گچکوف اور لووف سے صرف انہیں سوویتوں کو منتقل ہو سکتا ہے اور ان سوویتوں میں جیسا کہ اتفاقاً واقع ہورہا ہے کسانوں، سپاہیوں اور پٹی بورژوازی کا پلہ بھاری ہے۔ یہ بات ایک سائنسی مارکسی اصطلاح میں طبقاتی خصلت کے اعتبار سے کہی جا رہی ہے، عام، معمولی آدمی کی پیشہ‌ورانہ خصلت کے اعتبار سے نہیں۔

میں نے اپنے مقالات میں خود کو کسان تحریک سے جو اپنی زندگی سے زیادہ نہیں جی چکی یا عام پٹی بورژوا تحریک سے پھاند کر آگے بڑھنے کے خطرے کے خلاف مزدوروں کی کسی حکومت کے ''اقتدار پر قابض،، ہو جانے کی بات کو غیرسنجیدگی سے نمایاں کرنے کے خلاف اور کسی بھی نوعیت کی بلانکسٹ مہم‌پرستی کے خلاف قطعی طور پر محفوظ کر لیا تھا کیونکہ میں نے بہت ہی واضح طور پر پیرس کمیون کے تجربے کا حوالہ دیا تھا۔ اور اس تجربے نے جیسا کہ ہم جانتے ہیں اور جیسا کہ مارکس نے بالتفصیل ۱۸۷۱ء میں اور اینگلس نے ۱۸۹۱ء (۱۶۰) میں ثابت کیا تھا بلانکی‌ازم (۱۶۱)

کو قطعاً خارج کر دیا اور اکثریت کی براہ‌راست، بلاواسطه اور ناقابل انکار حکمرانی اور عوام‌الناس کی سرگرمیوں کو صرف اس حد تک قطعاً یقینی قرار دیا جس تک خود اکثریت، شعوری طور پر اقدامات کرتی رہے۔

میں نے مقالات میں بہت هی واضح طور پر، سوال کو مزدوروں، زرعی مزدوروں، کسانوں اور سپاهیوں کے نمائندوں کی سوویتوں کے اندر اثرورسوخ کی جدوجہد کے سوال تک محدود کر دیا تھا۔ اس خیال سے کہ اس معاملے میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہ باقی رہے میں نے مقالات میں، تحمل اور ثابت‌قدمی کے ساتھ کئے جانےوالے ایسے ''تشریحی اور وضاحتی،، کام کی ضرورت پر دو بار زور دیا تھا جو ''عوام‌الناس کی عملی ضروریات سے مطابقت رکھتا هو،،۔

ناواقف افراد یا مسٹر پلیخانوف جیسے مارکسزم سے انحراف کرنےوالے لوگ، نراجیت اور بلانکزم وغیرہ کے بارے میں شور مچا سکتے هیں۔ لیکن جو لوگ سوچنا اور سیکھنا چاهتے هیں وہ یہ سمجھنے سے قاصر نہیں رهیں گے کہ بلانکزم کا مطلب اقتدار پر اقلیت کا قبضہ هوتا هے جبکہ مزدوروں وغیرہ کے نمائندوں کی سوویتیں مسلمہ طور پر، عوام کی اکثریت کی براہ‌راست اور بلاواسطه تنظیم هیں۔ ان سوویتوں کے اندر اثرو رسوخ کی جدو جہد تک محدود کام بھٹک کر بلانکزم کی دلدل میں نہیں، هرگز نہیں پہنچ سکتا۔ یہ کام بھٹک کر نراجیت کی دلدل میں بھی نہیں پھنس سکتا کیونکہ نراجیت، بورژوازی کی حکومت سے پرولتاریہ کی حکومت تک عبور کے زمانے میں ریاست اور ریاستی اقتدار کی ضرورت سے انکار کرتی هے جبکہ میں ایسے نپےتلے انداز میں تاکہ میری بات کو غلط معنی پہنانے کا کوئی امکان نہیں رهے، اس عبوری زمانے میں ریاست کی ضرورت کی وکالت کرتا هوں حالانکہ مارکس کے خیالات اور پیرس کمیون کے اسباق کے بموجب میں عام پارلیمانی بورژوا ریاست کی نہیں بلکہ ایسی ریاست کی وکالت کرتا هوں جس میں مستقل فوج نہ هو، عوام کی مخالف پولیس نہ هو، عوام کے اوپر مسلط کی هوئی افسر شاهی نہ هو۔

مسٹر پلیخانوف جب اپنے اخبار ''یدینستوو،، (۱۶۲) (اتحاد) کے ذریعے اپنی پوری قوت کے ساتھ چلا چلا کر کہتے هیں کہ

یہ تو نراجیت ہے تو وہ مارکسزم سے اپنی دستبرداری کا محض مزید ثبوت پیش کرتے ہیں۔ میری طرف سے ''پراودا،، (۱۶۳) (شمارہ ۲۶) میں یہ چیلنج دینے پر کہ وہ ہمیں بتائیں کہ مارکس اور اینگلس نے اس موضوع پر ۱۸۷۱ء، ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۵ء (۱۶۴) میں کیا سکھایا تھا، مسٹر پلیخانوف سے زیر بحث سوال پر خاموشی اختیار کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں بن پڑا اور وہ مشتعل بورژوازی کی تقلید میں گالیاں بکنے پر اتر آئے۔

سابق مارکسی مسٹر پلیخانوف ریاست سے متعلق مارکسی نظریے کو سمجھنے میں قطعاً ناکام رہے ہیں۔ ضمناً یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سمجھداری کے فقدان کے جراثیم نراجیت کے موضوع پر ان کے جرمن کتابچے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ (۱۶۵)

۸ اور ۱۳ (۲۱ اور ۲۶)
اپریل ۱۹۱۷ء میں لکھا گیا۔

جنگ اور انقلاب

(ایک لیکچر سے اقتباس)

مجھے ایسا لگتا ہے کہ جنگ کے سوال میں جس اہم ترین چیز کو نظر انداز کردیا جاتا ہے، جس کلیدی معاملے کی طرف ناکافی توجہ کی جاتی ہے اور جس پر اتنا جھگڑا — میں تو کہوں گا کہ بیکار، لاحاصل، بےمعنی جھگڑا — ہے وہ جنگ کے طبقاتی کردار کا سوال ہے۔ کون سی چیز اس جنگ کا سبب بنی، کون سے طبقے اسے لڑ رہے ہیں اور کن تاریخی اور تاریخی و معاشی حالات نے اسے شروع کیا۔ پبلک اور پارٹی میٹنگوں میں جنگ کے سوال سے جس طرح بحث کی جاتی ہے اسے جس حد تک میں دیکھ سکا ہوں، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس موضوع پر اتنی غلط فہمی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر جب ہم جنگ کے سوال سے بحث کرتے ہیں تو ہم بالکل ہی مختلف زبانوں میں بات کرتے ہیں۔

مارکسزم یعنی جدید سائنسی سوشلزم کے نقطۂ نظر سے جنگ کے بارے میں کس طرح رائے قائم کی جائے اور اس کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے، اس پر سوشلسٹوں کی کسی بھی بحث میں خاص سوال یہ ہوتا ہے کہ لڑائی کس لئے لڑی جا رہی ہے اور کن طبقوں نے اسے شروع کیا اور اسے چلایا۔ ہم مارکسی ان لوگوں کے زمرے سے تعلق نہیں رکھتے جو ہر جنگ کے غیرمشروط مخالف ہوتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد سماج کا ایک سوشلسٹ نظام حاصل کرنا ہے جو طبقوں میں نوع انسانی کی تقسیم

کو ختم کرکے، انسان کے ھاتھوں انسان کے اور قوم کے ھاتھوں
قوم کے ھر استحصال کو ختم کرکے، ناگزیر طور پر جنگ کے
امکان ھی کو ختم کر دے گا۔ لیکن سماج کا وہ سوشلسٹ نظام
جیتنے کی جنگ میں ھمیں ان حالات کا سامنا کرنا پڑے گا جن کے تحت
ھر مخصوص قوم کے اندر کی طبقاتی جدوجہد مختلف قوموں کے
درمیان ایک جنگ سے دوچار ھو سکتی ھے، ایسی جنگ سے جو
اسی طبقاتی جدوجہد کا جزائیہ ھوگی۔ اس لئے ھم انقلابی جنگوں
کے امکان کو یعنی طبقاتی جدوجہد سے پیدا ھونےوالی جنگوں کے،
اس جنگ کے جو انقلابی طبقے لڑیں، اس جنگ کے امکان کو رد
نہیں کر سکتے جو براہ راست اور بلاواسطہ انقلابی اھمیت کی
ھوں۔ اور اگر ھم اس بات کو یاد رکھیں کہ پچھلی صدی بلکہ
۱۲۵ — ۱۳۰ سال کے دوران میں یورپی انقلابوں کی تاریخ نے حالانکہ
ھمیں ایسی جنگیں دیں جو زیادہ‌تر رجعت‌پرست تھیں، پھر بھی ھمیں
انقلابی جنگیں بھی دیں، جیسے کہ ایک متحدہ شاھی‌پرست پسماندہ
جاگیردارانہ اور نیم‌جاگیردارانہ یورپ کے خلاف فرانسیسی انقلابی
عوام الناس کی جنگ تب تو ھم انقلابی جنگوں کے امکان کو اور
بھی رد نہیں کر سکتے۔ آج مغربی یورپ میں اور کچھ دنوں سے
روس میں بھی انقلابی جنگوں کی مثال دے کر جو فریب عوام‌الناس
کو دیا جاتا ھے اس سے زیادہ عام کوئی اور فریب نہیں ھے۔ جنگیں
طرح طرح کی ھوتی ھیں۔ ھمیں اس امر کے بارے میں صاف ھونا
چاھئے کہ کن تاریخی حالات نے جنگ کو جنم دیا ھے، اسے کون سے
طبقے لڑ رھے ھیں اور کس مقصد کے لئے۔ جب تک ھم اس بات
کو نہیں سمجھ لیتے تب تک جنگ کے بارے میں ھماری ساری باتیں
لازمی طور پر بیکار محض ھوں‌گی، ان سے حرارت زیادہ پیدا ھوگی
روشنی کم۔ اسی لئے یہ دیکھتے ھوئے کہ آپ نے آج کی تقریر کے
موضوع کے طور پر جنگ اور انقلاب کا انتخاب کیا ھے، میں معاملے
کے اس پہلو سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاھتا ھوں۔

جنگ کے فلسفے اور جنگ کی تاریخ کے ایک بہت ھی مشہور
ادیب کلاؤسیوتز کے فیصلے سے ھم سب واقف ھیں جس کا کہنا
ھے کہ ”جنگ دوسرے ذرائع سے پالیسی ھی کا ایک تسلسل ھوتی
ھے“ (۱۶۶)۔ یہ فیصلہ ایک ایسے ادیب کا ھے جس نے نپولینی

جنگوں کے دور سے کچھ ہی بعد جنگوں کی تاریخ کا جائزہ لیا اور اس سے فلسفیانہ سبق حاصل کئے۔ اس ادیب نے، جس کے بنیادی خیالات سے اب بلاشبہ ہر صاحب فکر واقف ہے، تقریباً ۸۰ سال پہلے جنگ کے عام ناواقف انسان کے تصور کو چیلنج کیا تھا کہ یہ متعلقہ حکومتوں اور طبقوں کی پالیسیوں سے الگ کوئی چیز ہوتی ہے، ایک سیدھا سیدھا حملہ ہوتا ہے جس سے امن میں خلل پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد جس امن میں اس طرح خلل پڑ جاتا ہے اس کی بحالی ہوتی ہے، گویا یوں کہئے کہ ان میں لڑائی ہوئی، پھر انھوں نے صلح صفائی کرلی! یہ صریحی نادانی کا خیال ہے جس کی تردید بیسیوں سال پہلے ہو چکی تھی اور جس کی تردید جنگوں کے کسی بھی تاریخی عہد کے کم و بیش غائر تجزیے سے ہوتی ہے۔

جنگ دوسرے ذرائع سے پالیسی ہی کا تسلسل ہوتی ہے۔ کسی بھی جنگ کو اس سیاسی نظام سے الگ نہیں کیا جاسکتا جس نے اسے جنم دیا تھا۔ کسی مخصوص ریاست نے، اس ریاست کے اندر کسی مخصوص طبقے نے جنگ سے بہت عرصہ پہلے سے جس پالیسی پر عمل کیا تھا وہی پالیسی وہ طبقہ ناگزیر طور پر جنگ کے دوران میں بھی جاری رکھتا ہے، صرف عمل کی صورت بدل جاتی ہے۔

جنگ دوسرے ذرائع سے پالیسی ہی کا تسلسل ہوتی ہے۔ جب اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں میں فرانسیسی انقلابی شہریوں اور انقلابی کسانوں نے انقلابی ذرائع سے شاہی کا خاتمہ کر دیا اور جمہوری ریپبلک قائم کی — جب انھوں نے انقلابی انداز میں اپنے بادشاہ کا قصہ تمام کر دیا اور اپنے زمینداروں کا بھی قصہ تمام کردیا تو انقلابی طبقے کی اس پالیسی سے باقی آمرانہ، زارشاہی اور نیم جاگیردارانہ یورپ کی بنیادوں تک کاهل جانا ضروری تھا۔ اور فرانس میں فتح مند انقلابی طبقے کی اس پالیسی کا ناگزیر تسلسل وہ جنگیں تھیں جن میں یورپ کے سارے شاہ پرست ممالک، اپنا مشہور اتحاد بنا کر ایک انقلاب دشمن جنگ میں انقلابی فرانس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ جس طرح اس وقت ملک کے اندر فرانس کے انقلابی عوام نے پہلی مرتبہ اتنے بڑے پیمانے پر انقلابی توانائی

کا مظاہرہ کیا تھا، کہ صدیوں سے اتنے بڑے پیمانے پر نہ کیا گیا تھا، اسی طرح اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں کی جنگ میں اس نے ویسی ہی عظیم‌الشان انقلابی تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ کیا اور اس نے حکمت عملی کے پورے نظام کو ازسرنو ترتیب دیا، جنگ کے سارے پرانے قاعدوں اور روایتوں کو توڑ دیا، پرانی فوجوں کی جگہ ایک نئی انقلابی عوامی فوج قائم کی اور جنگ کے نئے طریقے تخلیق کئے۔ یہ مثال میرے خیال میں قابل ذکر ہے اس لئے کہ یہ ہمیں ان چیزوں کو واضح طور پر دکھاتی ہے جنھیں بورژوا اخبارنویس آجکل ہمیشہ بھول جاتے ہیں جب وہ پسماندہ عوام‌الناس کے بدتہذیب تعصبات اور جہالت کو ہوا دیتے ہیں جو ہر قسم کی جنگ اور ہر ملک، اور اس طبقے کی سابق پالیسی کے درمیان، جو جنگ سے پہلے حکومت کرتا تھا اور اپنے مقاصد نام نہاد ''پرامن'' ذرائع سے حاصل کرتا تھا، اس قریبی معاشی اور تاریخی تعلق کو نہیں سمجھتے۔ نام نہاد اس لئے کہ مثلاً نوآبادیات میں ''پرامن'' حکمرانی کو یقینی بنانے کےلئے جو دہشت انگیزیاں درکار ہوتی ہیں انھیں مشکل ہی سے پرامن کہا جا سکتا ہے۔

یورپ میں امن کا دوردورہ تھا لیکن یہ اس لئے تھا کہ نوآبادیات میں یورپی قوموں کا غلبہ مسلسل، لامتناھی، طویل جنگوں ہی کے ذریعے برقرار تھا جنھیں ہم یورپ‌والے جنگ سمجھتے ہی نہیں اس لئے کہ اکثروبیشتر وہ جنگوں کی طرح ہوتی ہی نہ تھیں بلکہ نہتے لوگوں کا وحشیانہ قتل عام، ایک طرف سے ذبح کرنا ہوتا تھا۔ بات یہ ہے کہ اگر ہم جاننا چاہتے ہیں کہ موجودہ جنگ کس چیز کے بارے میں ہے تو سب سے پہلے ہمیں مجموعی حیثیت سے یورپی قوموں کی پالیسیوں کا ایک عام جائزہ لینا چاہئے۔ ہمیں اس یا اس مثال کو، اس یا اس خاص معاملے کو نہ لینا چاہئے جسے آسانی کے ساتھ سماجی مظہروں کے سیاق سے الگ کیا جاسکتا ہو اور جو بےوقعت ہو، اس لئے کہ اتنی ہی آسانی سے اس کے برعکس مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ اگر ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ موجودہ جنگ اس نظام میں سے کیسے مستعدانہ اور ناگزیر طور پر ابھری تو ہمیں یورپی ریاستوں کے پورے نظام کی ساری

پالیسی کو ان کے معاشی اور سیاسی تعلق باہم کے ساتھ دیکھنا چاہئے۔

ہم برابر ایسی کوششیں دیکھ رہے ہیں خاص طور سے سرمایہ‌دارانہ پریس کی طرف سے چاہے وہ شاہ‌پرستانہ ہو یا جمہوریائی کہ موجودہ جنگ میں ایسے تاریخی معنی پیدا کئے جائیں جن کی وہ حامل نہیں ہے۔ مثلاً فرانسیسی جمہوریہ میں کسی اور ترکیب کا اتنا زیادہ سہارا نہیں لیا جاتا جتنا کہ اس جنگ کو فرانس کی جانب سے ۱۷۹۲ء کے عظیم فرانسیسی انقلاب کی جنگوں کا ایک تسلسل اور مشابہ بنا کر پیش کرنے کا۔ فرانسیسی عوام الناس، فرانسیسی مزدوروں اور سارے ملکوں کے مزدوروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی اور کوئی ترکیب اتنی عام نہیں ہے جتنا کہ ہمارے عہد پر اس دوسرے عہد کے ''بندھے ٹکے فقروں،، اور اس کے کچھ کلیدی الفاظ کا اطلاق کرنے کی ترکیب یا معاملات کو اس طرح پیش کرنے کی ترکیب جیسے اس وقت بھی جمہوریائی فرانس شاہی کے خلاف اپنی آزادی کی مدافعت کر رہا ہو۔ ایک ''چھوٹی،، سی حقیقت کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے کہ اس وقت ۱۷۹۲ء میں فرانس میں جنگ ایک انقلابی طبقے نے لڑی تھی جس نے ایک بےمثال انقلاب کیا تھا اور فرانسیسی شاہی کو برباد کرکے اور اپنی انقلابی جدوجہد کو جاری رکھنے کے واحد مقصد کے ساتھ ایک متحدہ شاہ پرست یورپ کے خلاف آمادہ بہ پیکار ہوکر بےنظیر جانبازی کا مظاہرہ کیا تھا۔

فرانس میں لڑائی اس انقلابی طبقے کی پالیسی کا ایک تسلسل تھی جس نے انقلاب کیا تھا، جمہوریہ حاصل کی تھی، بےمثال توانائی کے ساتھ فرانسیسی سرمایہ‌داروں اور زمینداروں کے ساتھ حساب چکایا تھا اور اس پالیسی کے تسلسل میں ایک متحدہ شاہ پرست یورپ کے خلاف ایک انقلابی جنگ لڑ رہا تھا۔

اس وقت جو ہمارے سامنے ہے وہ بنیادی طور پر دو لیگیں ہیں، سرمایہ‌دارانہ طاقتوں کے دو گروہ ہیں۔ ہمارے سامنے دنیا کی ساری سب سے بڑی سرمایہ‌دارانہ طاقتیں ہیں — برطانیہ، فرانس، امریکہ اور جرمنی، جو متعدد دہائیوں سے انتہائی سختی کے ساتھ لامتناہی معاشی رقابت کی پالیسی پر عمل پیرا رہی ہیں جس کا

مقصد عالمی برتری حاصل کرنا، چھوٹی قوموں کو ماتحت بنانا اور بینک کاری کے سرمائے پر، جس نے ساری دنیا کو اپنے اثر کے جال میں گرفتار کر لیا ھے، تین گنا اور دس گنا منافع کمانا ھے۔ یہ ھوتا ھے برطانیہ کی اور جرمنی کی پالیسیوں کا واقعی مطلب۔ میں اس حقیقت پر زور دیتا ھوں۔ اس حقیقت پر کبھی ضرورت سے زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ اگر ھم اس کو بھول جائیں تو ھم کبھی نہیں سمجھ سکتے کہ یہ جنگ کس چیز کے بارے میں ھے اور پھر ھم کسی بھی بورژوا صحافی کے آسانی سے شکار ھو سکتے ھیں جو ھم پر جھوٹے فقروں کو مسلط کرنا چاھتا ھے۔

سرمایہ‌دارانہ دیووں یعنی برطانیہ اور جرمنی کے دو گروھوں کی حقیقی پالیسیوں کا جو اپنے اپنے اتحادیوں کو لے کر میدان میں اتر پڑے ھیں، ان پالیسیوں کا جن پر وہ جنگ سے پہلے دھائیوں سے عمل کرتے رھے ھیں، کلی طور پر مطالعہ کیا جانا چاھئے اور انھیں سمجھنا چاھئے۔ اگر ھم یہ نہیں کرتے تو ھم نہ صرف یہ کہ سائنسی سوشلزم کے اور بالعموم ساری سماجی سائنس کے ایک بنیادی تقاضے کو نظرانداز کریں گے بلکہ ھم موجودہ جنگ کے بارے میں کچھ بھی سمجھ سکنے کے لائق ھی نہ ھوں گے۔ ھم اپنے آپ کو ملیوکوف کے، اس فریبی کے چنگل میں دے دیں گے جو جنگجو قوم‌پرستی کو اور ایک قوم کے لئے دوسری کے دل میں نفرت کو ایسے طریقوں سے ھوا دے رھا ھے جو ھر جگہ بغیر استثنا کے کام میں لائے جارھے ھیں۔ کلاؤسیوتز نے جب ۸۰ سال پہلے اس خیال کا مذاق اڑایا تھا جو آج کچھ لوگوں نے اپنا لئے ھیں یعنی یہ کہ قومیں امن چین سے رہ رھی تھیں پھر انھوں نے لڑنا شروع کر دیا تو اس نے انھیں طریقوں کے بارے میں لکھا تھا۔ گویا یہ سچ ھے! جب تک کسی مخصوص ریاست کی، ریاستوں کے مخصوص نظام کی، مخصوص طبقے کی سابق پالیسی سے کسی جنگ کے تعلق پر غور نہ کیا جائے اس وقت تک اس کا سبب کیسے بتایا جاسکتا ھے؟ میں پھر کہتا ھوں: یہ ایک بنیادی نقطہ ھے جسے برابر نظرانداز کیا جاتا ھے۔ اسے سمجھنے سے قاصر رھنے کی وجہ سے جنگ کے سارے مباحثوں کے دس میں سے نو حصے محض بال کی کھال نکالنا ھوکر محض لفاظی

رہ جاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ نے دونوں برسر جنگ گروہوں کی دھائیوں کی پالیسی کا مطالعہ نہیں کیا ہے ــ تاکہ اتفاقی عناصر سے اور ادھر ادھر سے مثالیں دینے سے بچ سکیں ــ اگر آپ نے یہ نہیں دکھایا ہے کہ یہ جنگ سابق پالیسیوں سے کیا تعلق رکھتی ہے، تو پھر آپ ہرگز نہیں سمجھتے کہ یہ جنگ کس چیز کے بارے میں ہے۔

یہ پالیسیاں ہمیں صرف ایک چیز دکھاتی ہیں یعنی دنیا کی دو سب سے بڑے دیوں، سرمایہ‌دارانہ معیشتوں کے درمیان مسلسل معاشی رقابت۔ ایک طرف برطانیہ ہے، ایک ایسا ملک جو روئے زمین کے زیادہ بڑے حصے کا مالک ہے، ایک ایسا ملک جو دولت کے اعتبار سے پہلے نمبر پر ہے، جس نے یہ دولت اپنے مزدوروں کی محنت سے اتنی زیادہ نہیں جتنی کہ بےشمار نوآبادیات کے استحصال سے، اپنے بینکوں کی زبردست طاقت سے حاصل کی ہے۔ یہ بینک دوسروں کے سروں پر ترقی کرکے کوئی چار یا پانچ بڑے بینکوں کی ایک بہت ہی چھوٹی جماعت بن گئے ہیں جو اربوں روبل کا بیوپار کرتے ہیں اور اس طرح سے بیوپار کرتے ہیں کہ یہ بات بغیر کسی مبالغے کے کہی جا سکتی ہے کہ آج دنیا میں زمین کا ایک چپہ بھی نہیں ہے جس پر اس سرمائے نے اپنا بھاری پنجہ نہ مارا ہو، ایک چپہ بھی نہیں ہے جسے برطانوی سرمائے نے ہزاروں بندھنوں سے جکڑ نہ رکھا ہو۔ پچھلی صدی کے ختم ہوتے ہوتے یہ سرمایہ اس زبردست حد تک بڑھ گیا کہ اس کی سرگرمیاں الگ الگ ریاستوں کی حدوں سے باہر نکل گئیں اور اس نے بےپناہ دولت کے مالک زبردست بینکوں کی ایک جماعت بنالی۔ بینکوں کی اس چھوٹی سی جماعت کو جنم دے کر اس نے ساری دنیا کو اپنے اربوں کے جال میں اسیر کر لیا ہے۔ یہ ہے برطانیہ کی معاشی پالیسی کا اور فرانس کی معاشی پالیسی کا لب لباب جس کے بارے میں فرانسیسی ادیبوں نے، جن میں سے کچھ ''لیومانیتے'' (۱٦۷) کے معاونین میں بھی ہیں جو ایسا اخبار ہے جسے اب سابق سوشلسٹ کنٹرول کرتے ہیں (درحقیقت مشہور مالیاتی تبصرہ نگار لائسس نے خود) جنگ سے کئی برس پہلے کہا تھا کہ ''فرانس ایک مالیاتی شاہی ہے، فرانس مالیاتی عمائدین کی حکمرانی ہے، فرانس دنیا کا ساہوکار ہے''۔

اس بڑی حد تک انگریز فرانسیسی گروہ کے مقابلے میں سرمایہ‌داروں کا ایک اور گروہ ہے جو اور بھی زیادہ غارت گر ہے، اور بھی زیادہ لٹیرا ہے، ایک ایسا گروہ جو سرمایہ‌دارانہ خوان‌یغما پر اس وقت پہنچا جب ساری نشستیں بھر چکی تھیں، لیکن اس نے جدوجہد میں سرمایہ‌دارانہ پیداوار کو ترقی دینے کے لئے نئے طریقے، بہتر ٹکنیک اور برتر تنظیم رائج کی جنھوں نے پرانی سرمایہ‌داری کو، آزاد مقابلے کے دور کی سرمایہ‌داری کو بڑی بڑی ٹرسٹوں، سنڈیکیٹوں اور کارٹیلوں کی سرمایہ‌داری بنا دیا۔ اس گروہ نے سرمایہ‌داری کی زبردست طاقت کو ریاست کی زبردست طاقت کے ساتھ ایک واحد میکانزم میں کے اندر لاکر ریاستی کنٹرول کی سرمایہ‌دارانہ پیداوار کی ابتدائی صورتوں کو رائج کیا۔ یہ ہے معاشی تاریخ، یہ ہے سفارتی تاریخ جو کئی دہائیوں پر محیط ہے، جس سے کوئی بھی کترا کر نہیں نکل سکتا۔ جنگ کے مسئلے کے مناسب حل کے لئے یہی واحد نشان‌راہ ہے۔ یہ آپ کو اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ موجودہ جنگ بھی انھیں طبقوں کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے جو اس میں لڑ رہے ہیں، دو بےانتہا بڑے دیووں کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے جنھوں نے جنگ سے بہت پہلے ہی پوری دنیا کو، سارے ملکوں کو مالیاتی استحصال کے جال میں گرفتار کر لیا تھا اور دنیا کو آپس میں معاشی اعتبار سے بانٹ لیا تھا۔ ان میں تصادم ہونا لازمی تھا اس لئے کہ اس برتری کی ازسرنو تقسیم سرمایہ‌داری کے نقطۂ نظر سے ناگزیر ہو گئی ہے...

یہ لیکچر ۱۴ مئی (نئے کلنڈر کے
حساب سے ۲۷ مئی) ۱۹۱۷ء
کو دیا گیا۔

ریاست اور انقلاب

(کتاب (۱٦۸) کا اقتباس)
پانچواں باب

ریاست کے رفتہ رفتہ مٹنے کی معاشی بنیادیں

کارل مارکس نے اپنی کتاب ''گوتھا پروگرام کی تنقید،، میں نہایت تفصیل سے اس سوال پر بحث کی ہے (ملاحظہ ہو وہ خط جو ۵ مئی ۱۸۷۵ء کو براکے کے نام لکھا گیا تھا اور ۱۸۹۱ء ہی میں «Neue Zeit» کی جلد ۹، شمارہ ۱ میں شائع ہوا اور پھر روسی زبان میں ایک الگ کتابچے کی صورت میں نکلا (۱٦۹)- مارکس کی اس اہم تصنیف کا جو مناظرانہ حصہ ہے اور جو لاسال کے نظریے کی تنقید پر مشتمل ہے، یوں کہنا چاہئے کہ وہ اس کے اصل موضوع والے حصے پر یعنی کمیونزم کے پروان چڑھنے اور ریاست کے رفتہ رفتہ مٹنے کے درمیان جو تعلق ہے اس کے تجزیے پر غالب آگیا ہے۔

۱- مارکس نے سوال یوں پیش کیا

کارل مارکس نے براکے کے نام ۵ مئی ۱۸۷۵ء کو اور اینگلس نے ۲۸ مارچ ۱۸۷۵ء کو بیبل کے نام جو خط (۱۷۰) لکھے (جس سے ہم نے اوپر بحث کی ہے) اگر ان دونوں خطوں کا سرسری نظر سے موازنہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ اینگلس کے مقابلے میں مارکس کہیں زیادہ ''ریاست کے حامی،، تھے اور یہ کہ ریاست کے متعلق ان دونوں اہل قلم کے خیالات میں بڑا فرق تھا۔

اینگلس نے بیبل کے سامنے یہ تجویز رکھی ہے کہ ریاست کے متعلق فضول گفتگو قطعی بند کی جائے، ریاست کا لفظ پروگرام سے بالکل نکال دیا جائے اور اس کی جگہ ''کمیون،، کا لفظ رکھا جائے۔ اینگلس نے یہاں تک کہہ دیا کہ ریاست کے جو معنی ہوتے ہیں، کمیون ان معنوں میں ریاست رہا ہی نہیں۔ لیکن پھر بھی مارکس نے ''کمیونسٹ سماج کی آئندہ ریاست،، کا ذکر کیا ہے۔ مطلب یہ کہ گویا کمیونزم قائم ہونے کے بعد بھی ریاست کی ضرورت باقی رہنے کو کارل مارکس نے تسلیم کیا ہے۔

لیکن یہ نتیجہ نکالنا بنیادی طور پر غلط ہوگا۔ ذرا غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ریاست اور اس کے مٹنے کے بارے میں مارکس اور اینگلس کے خیالات قطعی ایک سے ہیں۔ مارکس کے جو لفظ اوپر نقل کئے گئے ہیں، وہ صرف اسی ریاست کا حوالہ دے رہے ہیں جو رفتہ رفتہ مٹنے کی حالت میں ہوگی۔

صاف بات ہے کہ وہ لمحہ یا وقت قطعی طور سے مقرر نہیں کیا جا سکتا جب آئندہ چل کر ریاست ''مٹ جائے گی،، خاص کر ایسی حالت میں جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ریاست کا مٹنا بجائے خود ایک طول طویل سلسلہ ہوگا۔ مارکس اور اینگلس کے خیالات میں ظاہراً جو فرق نظر آتا ہے وہ اس وجہ سے کہ ان کے موضوع الگ الگ تھے اور تحریر کا مقصد جداگانہ تھا۔ اینگلس کے سامنے یہ فریضہ تھا کہ وہ صاف طور سے، نقشہ کھینچ کر اور پھیلا کر بیبل کو یہ دکھائیں کہ ریاست کے بارے میں اس وقت کیسے بیہودہ تعصبات پائے جاتے تھے (اور جس میں کافی حد تک لاسال بھی شریک تھے)۔ مارکس نے اس سوال کو محض سرسری طور پر چھیڑا، ان کے پیش‌نظر ایک اور ہی سوال تھا یعنی کمیونسٹ سماج کا پروان چڑھنا۔

مارکس کا پورا نظریہ آج کی سرمایہ‌داری پر ارتقا کے نظریے کا، اس کی باقاعدہ، مکمل، سوچی سمجھی اور بھرپور شکل میں، اطلاق کرنا ہے۔ لہذا قدرتی طور پر مارکس کے سامنے اصل مسئلہ یہ تھا کہ اس نظریے کو دونوں صورتوں پر منطبق کرکے دکھائیں یعنی سرمایہ‌داری کے ہونےوالے خاتمے پر اور آئندہ کمیونزم کی آئندہ ترقی پر۔

تو پھر وہ کیا مسالہ ہے جس کی بنیاد پر آئندہ کمیونزم کی آئندہ ترقی کے سوال پر بحث کی جاسکتی ہے؟

اس کی بنیاد یہ ہے کہ سرمایہ‌داری ہی میں اس کا ابتدائی سرچشمہ ہے، وہ تاریخی اعتبار سے سرمایہ‌داری ھی میں سے ابھرے گا اور اس سماجی طاقت کے عمل کے بل بوتے پر ابھرے گا جسے خود سرمایہ‌داری نے جنم دیا ہے۔ مارکس کے ہاں دور دور اس بات کی کوشش نہیں پائی جاتی کہ وہ خیال آرائی سے کام لے رہے ہیں اور جن باتوں کا صحیح علم نہیں ہوسکتا ان کے متعلق محض قیاس دوڑا رہے ہیں۔ کمیونزم کے سوال سے مارکس ٹھیک اسی طرح بحث کرتے ہیں جیسے کوئی ماہر نباتات و حیوانات کسی نئی حیاتیاتی چیز کی ترقی پر بحث کرتا ہے، جب اسے معلوم ہو کہ اس کی ابتدا یوں تھی اور جو تبدیلیاں اس میں رونما ہوتی جارہی ہیں، ان کا رخ اس اس طرف ہے۔

مارکس نے سب سے پہلے اس الجھاؤ کو دور کیا ہے جو گوتھا پروگرام (۱۷۱) نے ریاست اور سماج کے درمیان تعلقات میں پیدا کر دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"آج کا سماج، سرمایہ‌دارانہ سماج ہے جو تمام متمدن ملکوں میں قائم ہے۔ یہ ازمنۂ وسطی کے تانے بانے سے کم و بیش پاک ہے۔ ہر ملک کے خاص تاریخی حالات نے بھی اس کی صورت میں کچھ کمی بیشی کی ہے۔ یہ زیادہ یا کم ترقی یافتہ ہے۔ اس کے برعکس "آج کی ریاست"، ہر ملک کی سرحدیں گزرنے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ پروشائی جرمن سلطنت میں بالکل کچھ اور ہے، سوئٹزرلینڈ میں کچھ اور، انگلینڈ میں اس کی صورت ایک ہے، امریکہ میں اس سے مختلف۔ لہذا "آج کی ریاست"، محض ایک ڈھونگ ہے۔

"مگر شکل و صورت میں طرح طرح کے اختلاف کے باوجود مختلف متمدن ملکوں کی مختلف ریاستیں ایک بات میں مشترک ہیں۔ وہ یہ کہ ان سب کی بنیاد آج کے بورژوا سماج پر ہے — سرمایہ‌دارانہ لحاظ سے کوئی زیادہ ترقی‌یافتہ ہے، کوئی اس سے کم۔ اس لئے ان میں بعض لازمی خصوصیات مشترک

ھیں۔ اسی معنی میں ''آج کی ریاست،، کا ذکر کیا جا سکتا ھے — آنےوالے کل کی ریاست کے برخلاف، جب کہ اس کی موجودہ اصل بنیاد، یعنی بورژوا سماج دم توڑ چکا ہوگا۔

''اب سوال یہ اٹھتا ھے: کمیونسٹ سماج میں ریاست کی کیا کایاپلٹ ہو جائےگی؟ دوسرے لفظوں میں یہ پوچھا جاسکتا ھے کہ کون‌سی سماجی خدمات تب باقی رہ جائیں‌گی جو آج کی ریاست کی خدمات سے ملتی جلتی ھیں؟ اس سوال کا صرف سائنسی جواب دیا جا سکتا ھے۔ اگر کوئی ہزار بار بھی لفظ ''عوام،، کو لفظ ''ریاست،، کے ساتھ جوڑ کر کہے تب بھی اس مسئلے کے حل میں ایک ذرہ کام نہیں چلےگا۔ ،، (۱۷۲)

اس طرح سے ''عوامی ریاست،، کی لمبی چوڑی باتوں کا مذاق اڑاتے ہوئے مارکس نے اصل سوال کو قاعدے سے پیش کیا اور ہم کو خبردار کر دیا کہ اس سوال کا سائنسی جواب صرف اسی صورت میں مل سکتا ھے کہ بہت اچھی طرح سے طے شدہ سائنسی مسالہ ہمارے سامنے ہو اور اسی سے کام لیا جائے۔

اول تو وہ اصل حقیقت جو ارتقا کے پورے نظریے نے، عام طور پر پوری سائنس نے ٹھیک ٹھیک ثابت کردی ھے، جسے یوٹوپیا پرست بھلا بیٹھے تھے اور آج کے وہ موقع پرست لوگ بھی بھول گئے ھیں جنھیں سوشلسٹ انقلاب سے ڈر لگتا ھے، وہ حقیقت یہ ھے کہ تاریخی اعتبار سے قطعی طور پر کوئی ایسا خاص مرحلہ یا خاص قسم کا دور ہونا چاھئے جو سرمایہ‌داری سے کمیونزم میں عبور کا مرحلہ یا دور ہوگا۔

۲ - سرمایہ‌داری سے کمیونزم تک عبور

مارکس نے آگے چل کر لکھا ھے:

''سرمایہ‌دارانہ سماج اور کمیونسٹ سماج کے درمیان ایک ایسا دور پڑتا ھے جو پہلے کے دوسرے میں انقلابی طور پر تبدیل ہو جانے کا دور ھے۔ اسی دور کے مطابق

سیاسی عبوری دور بھی ہوتا ہے جس میں ریاست پرولتاریہ کی انقلابی ڈکٹیٹرشپ کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔،، (۱۷۳)

مارکس نے اس رول کا تجزیہ کرکے جو آج کے سرمایہ‌دار سماج میں پرولتاریہ انجام دے رہا ہے، اس سماج کے ارتقا اور پرولتاریہ اور بورژوازی کے اٹل متضاد مفادات کے متعلق معلومات کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا ہے۔

شروع میں سوال اس طرح پیش کیا گیا تھا: نجات حاصل کرنے کی غرض سے پرولتاریہ کا فرض ہے کہ وہ بورژوازی کا تختہ الٹ دے، سیاسی اقتدار اپنے ہاتھ میں لے اور اپنی انقلابی ڈکٹیٹرشپ قائم کرے۔

اب سوال ذرا مختلف طریقے سے پیش کیا جاتا ہے: سرمایہ‌دارانہ سماج جو کمیونزم کی طرف بڑھتا جا رہا ہے، اس کا کمیونسٹ سماج میں تبدیل ہوجانا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ”ایک سیاسی عبوری دور،، نہ گزارا جائے اور اس دور میں ریاست کی حیثیت صرف پرولتاریہ کی انقلابی ڈکٹیٹرشپ ہوگی۔

تو پھر اس ڈکٹیٹرشپ کا جمہوریت سے کیا رشتہ ہے؟

ہم نے دیکھا کہ ”کمیونسٹ مینی‌فسٹو،، نے دونوں خیالات کو ایک ساتھ رکھا ہے: ”پرولتاریہ کو حکمراں طبقے میں تبدیل کردینا،، اور ”جمہوریت جیتنا،، (۱۷۴)۔ جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے اس کے پیش نظر زیادہ ٹھیک طور پر یہ بتایا جا سکتا ہے کہ سرمایہ‌داری سے کمیونزم میں تبدیل ہونے کے دور میں جمہوریت کس طرح تبدیل ہوگی۔

سرمایہ‌دارانہ سماج میں، بشرطیکہ وہ نہایت موافق حالات میں پروان چڑھا ہو، جمہوری ریپبلک میں کم و بیش ایک مکمل جمہوریت موجود ہوتی ہے۔ مگر اس جمہوریت پر ہمیشہ تنگ بندشیں لگی ہوتی ہیں جو سرمایہ‌دارانہ استحصال کی طرف سے لگائی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اصل میں وہ ہمیشہ اقلیت کی جمہوریت بن جاتی ہے۔ وہ صرف ان طبقوں کےلئے جمہوریت رہ جاتی ہے جو صاحب جائیداد ہوں، جن کے پاس دولت ہو۔ سرمایہ‌دارانہ سماج

24*

میں آزادی ہمیشہ قریب قریب ویسی ہی ہوتی ہے جیسی وہ قدیم یونانی رپبلکوں میں ہوا کرتی تھی، یعنی آزادی ان کےلئے جن کے پاس غلام ہوں۔ سرمایہ‌دارانہ استحصال نے جو حالات بنا رکھے ہیں ان کے کارن آج کے اجرت کے غلام غریبی اور محتاجی کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہیں کہ انہیں ''جمہوریت کی کچھ ایسی فکر نہیں ہوتی''، انہیں ''سیاست میں سر کھپانے کا موقع نہیں ملتا''۔ واقعات کے عام پرسکون دھارے میں آبادی کی بہت بڑی اکثریت سماجی اور سیاسی زندگی کے معاملات میں شریک ہونے سے محروم ہے۔

اس بیان کی سچائی غالباً سب سے زیادہ جرمنی کے معاملے میں کھلتی ہے۔ اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں آئینی قانونیت بہت کافی عرصے تک قائم و دائم رہی ہے، کوئی آدھی صدی (۱۸۷۱ء سے ۱۹۱۴ء تک)، اور اس عرصے میں سوشل ڈیموکریسی کو یہ موقع ملا کہ ''قانونی سہولتوں'' کو زیادہ استعمال کرنے میں دوسرے ملکوں سے کہیں زیادہ آگے بڑھے۔ اس نے مزدوروں کے اتنے بڑے حصے کو سیاسی پارٹی میں منظم کرلیا کہ دنیا کے کسی اور ملک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

اب دیکھئے کہ سرمایہ‌دارانہ سماج میں اب تک سیاسی طور پر باشعور اور باعمل اجرت کے غلاموں کا یہ سب سے بڑا حصہ کتنا ہے؟ ایک کروڑ پچاس لاکھ اجرتی مزدوروں میں سے سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے کل دس لاکھ ممبر ہیں، اور کل تیس لاکھ آدمی ٹریڈیونینوں میں منظم ہیں!

ایک حقیر سی اقلیت کے لئے جمہوریت، دولت‌مندوں کےلئے جمہوریت، یہ ہے اصل میں سرمایہ‌دارانہ سماج کی جمہوریت۔ اگر ہم سرمایہ‌دارانہ جمہوریت کی مشینری کو اور ذرا قریب سے دیکھیں تو ہمیں ہر جگہ اور حق انتخاب کی ''چھوٹی موٹی''، نام نہاد چھوٹی موٹی تفصیلات تک میں (مثلاً سکونت کی شرطیں اور عورتوں کو ووٹ کا حق نہ دینا وغیرہ)، نمائندہ اداروں کی بناوٹ میں، جلسے جلوس کے حق میں جو واقعی رکاوٹیں کھڑی ہیں (مثلاً یہ کہ پبلک عمارتیں ''بھک‌منگوں'' کےلئے نہیں ہیں)، ان میں اور روزانہ اخباروں کی خالص سرمایہ‌دارانہ تنظیم میں، غرض ہر مقام پر، ہر طرف جمہوریت کے اوپر بندھن کے بندھن لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ پابندیاں،

یه بندھن، یه شرطیں اور استثنا، یه رکاوٹیں جو غریب لوگوں پر عائد ھیں، بظاھر معمولی نظر آتی ھیں، خاص کر اس شخص کی آنکھوں کو جسے غریبی اور حاجت‌مندی کا پته نہیں ھے اور جس کا کبھی کچلے ھوئے طبقوں سے ان کی عام زندگی میں کوئی قریبی وسطه نہیں رھا ھے (اور بورژوازی کے نقیبوں اور سیاست‌دانوں کا ننانوے فیصدی نہیں تو کم از کم نو بٹا دس حصه ضرور اسی قسم کے لوگوں میں آتا ھے)۔ لیکن اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یه پابندیاں غریب آدمیوں کو سیاست سے اور جمہوریت میں عملی شرکت کرنے سے محروم کر دیتی ھیں، انھیں اس سے نکال پھینکتی ھیں۔

مارکس نے کمیون کے تجربے کی تشریح پیش کرتے ھوئے یه کہا که دبے کچلے لوگوں کو چند سال میں ایک بار یه فیصله کرنے کا موقع دیا جاتا ھے که دبانے کچلنےوالے طبقے کے کونسے نمائندے وہ اپنے لئے چنیں جو پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی بھی کریں اور انھیں آئندہ کئی سال تک کچلتے بھی رھیں۔ اس طرح مارکس نے سرمایه‌دارانه جمہوریت کا لب لباب نہایت عمدہ طریقے سے پیش کر دیا (۱۷۵)۔

لیکن اس سرمایه‌دارانه جمہوریت سے — جو ناگزیر طور پر بہت محدود ھے اور چپکے چپکے غریبوں کو ایک طرف ڈھکیلتی رھتی ھے اور اس لئے جڑ بنیاد سے مکروفریب میں بھری ھوئی ھے — آگے کا قدم سادگی کے ساتھ، سیدھا سادہ، اور بغیر کسی رکاوٹ کے ”زیادہ سے زیادہ جمہوریت کی جانب،، نہیں اٹھتا، جیسا که لبرل پروفیسر اور پٹی بورژوا موقع‌پرست ھمیں یقین دلانا چاھتے ھیں۔ نہیں۔ آگے کی جانب ترقی یعنی کمیونزم کی طرف بڑھنے کی صرف ایک ھی صورت ھے اور وہ ھے پرولتاریه کی ڈکٹیٹرشپ سے ھوکر گزرنا۔ کیونکه سرمایه‌دارانه استحصال کرنےوالوں کی طرف سے جو مزاحمت کی جاتی ھے اس کا نه تو کوئی اور توڑ ھے، نه کسی دوسری صورت سے یه ممکن ھے۔

اور پرولتاریه کی ڈکٹیٹرشپ کا یعنی دبے کچلے لوگوں کے ھراول دستے کا حکمراں طبقے کی حیثیت سے منظم ھونے کا تاکه وہ استحصال کرنےوالوں کو دبا دے، صرف یه نتیجه نہیں ھو سکتا

کہ جمہوریت پھیل جائے۔ جمہوریت کو بےپناہ وسعت دینے کے ساتھ ساتھ — جب کہ وہ پہلی بار غریبوں کی، عام لوگوں کی جمہوریت بنےگی اور امیروں کی جمہوریت نہیں رہےگی، پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ دبانےوالوں، استحصال کرنےوالوں اور سرمایہداروں کی آزادی پر بہت سی پابندیاں بھی لگائےگی۔ انسانیت کو اجرتی غلامی سے نجات دلانے کےلئے ان کو دبانا لازمی ہے۔ ان کی مزاحمت کو بزورقوت کچل دینا چاہئے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں زبردستی ہوگی، جہاں دباؤ اور تشدد سے کام لیا جائےگا وہاں نہ آزادی ہوگی، نہ کوئی جمہوریت۔

اینگلس نے یہ نکتہ بہت خوبی کے ساتھ اپنے اس خط میں واضح کیا ہے جو بیبل کے نام لکھا تھا۔ پڑھنےوالوں کو یاد ہوگا کہ اینگلس نے اس میں لکھا ہے: ''پرولتاریہ کو ریاست کی ضرورت رہتی ہے، اس کو یہ ضرورت آزادی کے مفادات کےلئے نہیں بلکہ اپنے دشمنوں کو دبائے رکھنے کے لئے ہوتی ہے اور جیسے ہی آزادی کے بارے میں بات کرنا ممکن ہوگا تو ریاست کا اس صورت میں وجود نہیں رہیگا۔ '' (۱۷۶)

عام لوگوں کی بہت بڑی اکثریت کےلئے جمہوریت اور طاقت کا استعمال کرکے مخالفین کو دبانا، یعنی جمہوریت کے دائرے سے عوام کا استحصال کرنےوالوں اور زبردستی کرنےوالوں کو خارج کر دینا، یہ ہے وہ تبدیلی جس سے جمہوریت اس دور میں گزرتی ہے جو سرمایہداری سے کمیونزم میں عبور کا دور ہے۔

صرف کمیونسٹ سماج میں جب سرمایہداروں کی مزاحمت مکمل طور پر توڑی جاچکی ہو، جب سرمایہدار بالکل صاف کئے جاچکے ہوں، جب سماج میں طبقے نہ رہ گئے ہوں (مطلب یہ کہ جہاں تک سماجی ذرائع پیداوار کا تعلق ہے، سماج کے ممبروں کا ان سے یکساں رشتہ قائم ہو چکا ہو)، تبھی جاکر ''ریاست کا وجود ختم ہوتا ہے اور صرف اسی صورت میں آزادی کے بارے میں بات کرنا ممکن ہوتا ہے''۔ یہی وہ مقام ہے جب کہ صحیح معنوں میں مکمل جمہوریت کا امکان ہوگا اور وہ قائم ہوگی، ایسی جمہوریت جس میں کسی قسم کی پابندیاں نہ ہوںگی۔ تبھی یہ صورت پیدا ہوگی کہ خود جمہوریت رفتہ رفتہ مٹنا شروع ہو جائےگی، محض اس

معمولی سی وجہ سے کہ جب لوگ سرمایہ‌داری کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہوں گے، سرمایہ‌دارانہ استحصال کے ناقابل بیان مظالم سے، دہشت، بے رحمی، بےہودگی اور شرمناک حرکتوں سے نجات پاچکے ہوں گے تو وہ خود ہی سماجی معاملات کے ان ابتدائی اصولوں کی پابندی کرنے کے رفتہ رفتہ عادی ہوتے جائیں گے جو صدیوں سے دنیا کو معلوم ہیں اور ہزاروں سال سے لکھے چلے آرہے ہیں۔ لوگوں کو بغیر کسی زور زبردستی کے، بغیر جبر اور طاقت کے، بغیر حکم حاکم کے اور بغیر اس خاص انتظامی مشینری کے جو لوگوں کو احکام کی پابندی پر مجبور کرتی ہے، اور جس کا نام ریاست ہے، ان سماجی اصولوں کے برتنے کی عادت ہو جائے گی۔

ریاست کے لئے یہ کہنا کہ ''وہ رفتہ رفتہ مٹ جاتی ہے''، عین مناسب ہے کیونکہ ان لفظوں میں ریاست کا رفتہ رفتہ ختم ہونا اور آپ سے آپ ختم ہونا، دونوں پہلوؤں کا اشارہ ملتا ہے۔ عادت ہی اس طرح اثرانداز ہو سکتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہی بالآخر اثرانداز ہوگی، کیونکہ ہم اپنے چاروں طرف لاکھوں بار یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے لئے ضروری سماجی قواعد کے کس آسانی سے عادی ہو جاتے ہیں بشرطیکہ استحصال نہ ہو، اگر کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس پر غصہ آئے، جس پر احتجاج یا سرکشی پیدا ہو اور اس کو دبانے کی ضرورت پیش آئے۔

غرض کہ سرمایہ‌دارانہ سماج میں جو جمہوریت ہے وہ لولی لنگڑی، کھوکھلی اور جھوٹی ہے۔ یہ ایسی جمہوریت ہے جو مالداروں کےلئے، تھوڑے سے لوگوں کےلئے ہوتی ہے۔ پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ، وہ عرصہ جب کمیونزم میں آنے کا عبوری دور ہوگا، پہلی بار دنیا کو ایسی جمہوریت سے روشناس کرے گا جو عوام کےلئے ہوگی، بہت بڑی تعداد کے لئے ہوگی اور اسی کے ساتھ مٹھی بھر لوگوں پر، استحصال کرنےوالوں پر حسب ضرورت دباؤ رکھا جائے گا۔ صرف کمیونزم ہی صحیح معنوں میں مکمل جمہوریت دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یہ جمہوریت جس قدر مکمل ہوگی اتنی ہی جلدی وہ غیرضروری ہو جائے گی اور خود بخود مٹ جائے گی۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے: سرمایہ‌داری میں ریاست اپنے صحیح معنوں میں قائم رہتی ہے یعنی وہ ایک قسم کی مشین

ہے جو ایک طبقے کے ہاتھوں دوسرے طبقے کو کچلنے میں کام آتی ہے، طرہ یہ کہ اقلیت کا طبقہ اکثریت کے طبقے کو کچلتا ہے۔ قدرتی بات ہے کہ جب لوٹنےوالی اقلیت لوٹی جانےوالی اکثریت کو دبانے کی ذمہ‌داری اپنے سر لیتی ہے تو اس میں کامران رہنے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ زور زبردستی میں انتہائی ظالمانہ اور بےرحمانہ حرکتیں کی جائیں، خون کے دریا بہا دئیے جائیں جس میں گزرتے ہوئے نسل انسانی غلامی، کسان غلامی اور اجرتی محنت کے حالات میں ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہے۔

آگے چل کر جب سرمایہ‌داری سے کمیونزم میں آنے کا عبوری دور ہوتا ہے تب بھی زور زبردستی کی ضرورت باقی رہتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اس وقت لوٹی جانےوالی اکثریت لوٹنےوالی اقلیت کو دباکر رکھتی ہے۔ ایک خاص قسم کا ڈھانچہ، ایک خاص طرح کی مشین جو دبانے کے کام میں آتی ہے، یعنی ''ریاست،، تب بھی ضروری ہوتی ہے لیکن اب وہ ایک عبوری ریاست ہوتی ہے، اب وہ صحیح معنوں میں ریاست نہیں ہوتی۔ کیوں کہ کل تک کے اجرتی غلاموں کی اکثریت کے ہاتھوں لوٹنےوالوں کی اقلیت کا دبایا جانا نسبتاً اس درجہ آسان، سادہ اور قدرتی عمل ہوتا ہے کہ غلاموں، کمیروں یا اجرتی مزدوروں کی بغاوتوں میں جس قدر خون‌ریزی ہوچکی ہے، اس کے مقابلے میں بہت ہی کم خون‌ریزی کا موقع آتا ہے۔ نسل انسانی کو یہ نئی زور زبردستی اس سے کہیں سستی پڑتی ہے۔ اور چوں‌کہ اس کے ساتھ ساتھ آبادی کی بہت بڑی اکثریت تک جمہوریت پھیلتی جاتی ہے، اس لئے دباؤ رکھنے کی خاص مشین کو استعمال کرنے کی ضرورت ختم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ قدرتی بات ہے کہ استحصال کرنےوالے طبقے اس وقت تک لوگوں کو دبائے رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس عمل کےلئے ان کے ہاتھوں میں ایک نہایت ہی پیچیدہ مشینری نہ ہو۔ لیکن جب عام لوگ ان استحصال کرنےوالوں کو دبانے پر آتے ہیں تو وہ کسی سادہ ''مشین،، سے بھی یہ کام لے سکتے ہیں، بلکہ کسی بھی ''مشین،،، کسی بھی خاص انتظامی ڈھانچے کے بغیر یہ عمل انجام دے سکتے ہیں۔ ان کےلئے صرف مسلح عوام کی تنظیم کافی ہوتی ہے (پیش‌بندی کرتے ہوئے ہم

کہتے ہیں کہ مثلاً مزدوروں اور سپاہیوں کے نمائندوں کی سوویتیں)۔

اور آخری بات یہ کہ صرف کمیونزم ہے جو ریاست کو قطعی غیرضروری بنا دیتا ہے کیوں کہ کمیونزم میں کسی کو بھی دبانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ''کسی کو'' سے مطلب یہ کہ کسی طبقے کو، آبادی کے کسی مخصوص حصے سے باقاعدہ جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ ہم لوگ یوٹوپیائی نہیں ہیں اور ہمیں اس سے ہرگز انکار نہیں ہے کہ بعض افراد کی طرف سے زیادتیوں کا امکان ہوگا اور یہ ناگزیر بھی ہے اور ایسی زیادتیوں کو دبانا بھی ضروری ہوگا۔ لیکن اول تو یہ کہ اس مقصد کےلئے نہ تو دباؤ کی کسی خاص مشین کی ضرورت ہوگی، نہ کسی خاص انتظامی ڈھانچے کی، ہتھیاربند لوگ خود ہی یہ فرض انجام دے لیں گے۔ وہ یہ خدمات اسی سادگی اور مستعدی سے انجام دینگے جیسے آجکل کی سوسائٹی میں بھی ہوتا ہے کہ مہذب لوگوں کا کوئی بھی مجمع جھگڑافساد رفع کرنے میں آڑے آجاتا ہے یا کسی عورت سے اگر چھیڑچھاڑ کی جائے تو اس کو روکنے کےلئے فوراً کھڑا ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ ان زیادتیوں کا بنیادی سماجی سبب جن کا مافیہ سماجی میل ملاپ کے قواعد کی خلاف ورزی ہے، دراصل عام لوگوں کا استحصال ہے، ان کی غریبی اور محتاجی ہے۔ اگر یہ بڑا سبب ہٹا دیا جائے تو زیادتیاں لازمی طور پر ''مٹنا'' شروع ہو جائیں گی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ زیادتیوں کے دور ہونے کی رفتار اور ان کی ترتیب کیا ہوگی لیکن یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان کا آپ سے آپ خاتمہ ہو جائے گا۔ ان کے مٹنے کے ساتھ ریاست بھی مٹ جائے گی۔

خیالی پرواز کئے بغیر مارکس نے زیادہ بھرپور طریقے سے وہ بتا دیا تھا جو اس مستقبل کے بارے میں آج قطعی طور سے بیان کیا جا سکتا ہے، یعنی کمیونسٹ سماج کے نیچے کے مرحلے اور اوپر کے مرحلے (یا منزلوں اور درجوں) کا فرق کیا ہوگا۔

۳ - کمیونسٹ سماج کا پہلا مرحلہ

مارکس نے اپنی تصنیف ''گوتھا پروگرام کی تنقید'' میں تفصیل سے لاسال کے اس خیال کا رد پیش کیا ہے کہ سوشلزم میں مزدور

اپنی محنت کی ''غیر سنہاشدہ،، یا ''پوری پیداوار،، حاصل کرے گا۔ مارکس نے بتایا ھے کہ سماج کی پوری مجموعی محنت میں سے ایک حصہ ضرور کاٹ کر محفوظ فنڈ اور ایک اور فنڈ بھی بنانا پڑے گا جو پیداوار کو بڑھانے میں کام آئے گا، جس سے مشین کی ''گھسائی اور ٹوٹ پھوٹ،، کا خرچ پورا کیا جائے گا، وغیرہ۔ پھر یہ بھی ھے کہ صرفے کے ذرائع سے کاٹ کر ایسا فنڈ رکھنا ھوگا جس سے انتظامی محکموں کے خرچ، اسکولوں، اسپتالوں، بوڑھوں کے بسر اوقات کےلئے مکان وغیرہ کے خرچ چلائے جائیں۔

لاسال نے جو دھندلا، ناصاف اور چلتا جملہ لکھ دیا تھا کہ ''مزدور کو اس کی محنت کی پوری پیداوار،، ملےگی، اس کی جگہ مارکس نے زیادہ سنبھال کر، جانچ تول کر ایک واقعی صورت بیان کی ھے کہ اشتراکی سماج کو اپنے معاملات اور انتظامات کیسے چلانے ھوں‌گے۔ مارکس نے اس سماج کی زندگی کے حالات کا ایک ٹھوس تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ھے جس میں سرمایہ‌داری کا نام و نشان نہ ھوگا۔ انھوں نے لکھا ھے:

''ھمیں یہاں جس چیز سے بحث کرنا ھے،، (مزدور پارٹی کے پروگرام کا تجزیہ کرتے وقت) ''وہ ایسا کمیونسٹ سماج ھے جس نے خود اپنی بنیاد پر ارتقا نہیں کیا ھے بلکہ اس کے برخلاف سرمایہ‌دارانہ سماج میں سے تازہ تازہ ابھرا ھو اور اس لئے معاشی، اخلاقی یا ذھنی ھر لحاظ سے اس پر اسی پرانے سماج کے جنم داغ کی چھاپ ھوگی جس کے بطن سے وہ پیدا ھوا ھے۔،، (۱۷۷)

یہ کمیونسٹ سماج جو سرمایہ‌داری کے بطن سے تازہ تازہ ابھرا ھو اور ھر لحاظ سے اس پر پچھلے سماج کے نشانات پیدائش کی چھاپ باقی ھو، مارکس نے اسی کو کمیونسٹ سماج کا ''پہلا،، یا نچلا مرحلہ قرار دیا ھے۔

اس مرحلے میں ھوتا یہ ھے کہ پیداوار کے ذرائع افراد کی ذاتی ملکیت نہیں رھتے، پورے سماج کی ملکیت ھوجاتے ھیں۔ سماج کا ھر ایک فرد جو سماجی لحاظ سے ضروری کام میں معین حصہ لیتا ھے، سماج ھی سے اس کی سند پاتا ھے کہ اس نے معین کام کیا

ھے۔ اور یہ سند دکھا کر وہ استعمالی اشیا کے پبلک اسٹور سے کام کی مناسبت سے مقررہ سامان حاصل کر لیتا ھے۔ اس کی محنت کا جتنا صلہ ھونا چاھئے اس کا ایک حصہ پبلک فنڈ کے لئے منہا کر لیا جاتا ھے۔ لہذا ھر ایک کام کرنےوالے کو اس کام کے بقدر جو اس نے سماج کے لئے انجام دیا ھے، معاوضہ مل جاتا ھے۔ بظاھر ''مساوات،، کا اصول حاوی رھتا ھے۔

لیکن لاسال اس سماجی نظام کو نظر میں رکھتے ھوئے (جسے عام طور سے سوشلزم کہا جاتا ھے لیکن جسے مارکس نے کمیونزم کا پہلا مرحلہ قرار دیا ھے) جب کہتے ھیں کہ یہ ''منصفانہ تقسیم،، ھے اور ''سماج کے ھر فرد کا محنت کی مساوی پیداوار حاصل کرنے کا مساوی حق ھے،، تو یہیں وہ غلطی کرتے ھیں اور مارکس نے اس کی غلطی کا پردہ فاش کر دیا ھے۔

مارکس نے کہا ھے کہ ''مساوی حق،، یہاں ضرور موجود ھے لیکن یہ ابھی تک ''بورژوا حق،، ھے جو ھر حق کی طرح عدم مساوات کی دلالت کرتا ھے۔ ھر حق مختلف لوگوں پر ایک ھی ناپ کا اطلاق ھے جو درحقیقت ایک جیسے نہیں ھیں، ایک دوسرے کے برابر نہیں ھیں۔ اسی لئے ''مساوی حق،، دراصل مساوات کی خلاف‌ورزی ھے اور ناانصافی ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ ھر وہ شخص، جس نے دوسرے کے برابر سماجی محنت یا خدمت انجام دی ھے، سماج کی پیداوار سے برابر کا حصہ حاصل کرتا ھے (البتہ اس میں سے مذکورہ پبلک فنڈ منہا کر لیا جاتا ھے)۔

لیکن سب لوگ ایک سے نہیں ھیں: کوئی مضبوط ھے، کوئی کمزور ھے۔ ایک شادی‌شدہ ھے، دوسرا نہیں۔ ایک کے زیادہ بچے ھیں، دوسرے کے کم، وغیرہ وغیرہ۔ مارکس نے اس سے نتیجہ نکالا ھے۔

> ''مساوی محنت کرنے اور چنانچہ سماجی صرفے کے پبلک فنڈ سے برابر کا حصہ پانے کے باوجود ایک شخص کو واقعی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ملےگا، ایک زیادہ دولت پائےگا، دوسرا کم۔ ان تمام خرابیوں کو دور کرنے کےلئے ضروری ھے کہ حق مساوی نہ ھو بلکہ غیرمساوی ھو۔،، (۱۷۸)

نتیجه یه نکلا که کمیونزم کا پہلا مرحله انصاف اور مساوات قائم نہیں کر سکےگا: دولت میں فرق اور غیرمنصفانه فرق باقی رہےگا۔ لیکن آدمی کے ھاتھوں آدمی کا استحصال ناممکن ھو جائےگا کیوں که پیداوار کے ذرائع پر، فیکٹریوں پر، مشینوں اور زمین وغیرہ پر ذاتی ملکیت قائم کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ لاسال نے ''مساوات،، اور عمومی ''انصاف،، کے جو پٹی بورژوا اور گول مول جملے لکھے ھیں ان کو سختی سے رد کرتے ہوئے مارکس نے کمیونسٹ سماج کے ارتقا کی راہ بیان کی ھے اور بتا دیا ھے که کمیونسٹ سماج شروع میں اس حد تک رہنے پر مجبور ھے که ذرائع پیداوار کے ذاتی ملکیت بن جانے کی جو ''ناانصافی،، ھے صرف اسی کو ختم کرے۔ یه اس کے بس سے باھر ھے که فوراً ھی دوسری ناانصافی کو بھی مٹا دے جس کا تعلق ''انجام دی ہوئی محنت کے مطابق،، صرفے کی اشیا کی تقسیم سے ھے (نه که ضرورت کے مطابق)۔

معاشیات کے عامیانه ماھرین جن میں بورژوا پروفیسر اور ''ھمارے،، توگان صاحب بھی شامل ھیں، ھمیشه سے سوشلسٹوں پر یه الزام دھرتے ھیں که وہ لوگوں کی نابرابری کو بھول جاتے ھیں اور اس نابرابری کو ختم کرنے کے ''خواب،، دیکھتے ھیں۔ سوشلسٹوں کو یه طعنه دینا صرف اتنا ثابت کرتا ھے که بورژوا نظریهداں کتنے جاھل ھوتے ھیں۔

مارکس نے نه صرف لوگوں کی ناگزیر نابرابری کو ھر طرح سے پیش‌نظر رکھا ھے، بلکه یه حقیقت بھی واضح کی ھے که ذرائع پیداوار کو ذاتی ملکیت سے نکال کر پورے سماج کی مشترکه ملکیت بنا دینے سے (جسے عرف‌عام میں ''سوشلزم،، کہتے ھیں) دولت کی تقسیم کے نقائص دور نہیں ھو جائیں‌گے اور اس ''بورژوا حق،، کی نابرابری بھی نہیں جائےگی جو اس وقت تک حاوی رہےگا جب تک که اشیائے پیداوار کی تقسیم ''انجام دی ہوئی محنت کی مقدار کے مطابق،، کی جاتی رہےگی۔ اسی سلسلے میں مارکس نے آگے چل کر کہا ھے:

''...لیکن یه نقائص کمیونسٹ سماج کے پہلے مرحلے میں ناگزیر ھوتے ھیں کیونکه یه وہ زمانه ھے جب کمیونسٹ

سماج سرمایہ‌دارانہ سماج میں سے ایک طویل دردزہ کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ حق کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سماج کے معاشی نظام اور اس سے منسلک سماجی تہذیبی ارتقا سے بالاتر ہو۔ ،، (۱۷۹)

چنانچہ کمیونسٹ سماج کے پہلے مرحلے میں (جسے عام طور سے سوشلزم کہا جاتا ہے) ''بورژوا حق،، پورے طور پر مٹایا نہیں جاتا بلکہ صرف جزوی طور پر، جتنا جتنا معاشی انقلاب بڑھتا جاتا ہے، اسی تناسب سے یہ بورژوا حق ختم ہوتا ہے یعنی صرف ذرائع پیداوار کی حدتک ختم ہوتا ہے۔ ''بورژوا حق،، تسلیم کرتا ہے کہ ذرائع پیداوار افراد کی ذاتی ملکیت ہوتی ہیں۔ سوشلزم انہیں سماج کی مشترکہ ملکیت بنا ڈالتا ہے۔ اس حدتک اور صرف اسی حدتک ''بورژوا حق،، غائب ہوجاتا ہے۔

مگر جہاں تک ''بورژوا حق،، کے دوسرے حصے کا تعلق ہے، وہ جاری رہتا ہے — سماج کے ممبروں میں سامان کی تقسیم اور محنت کی تقسیم کے معاملے میں یہ ایک ریگولیٹر کا (معین کرنے والے کا) کام کرتا ہے۔ یہ اشتراکی اصول کہ ''جو کام نہیں کرتا وہ کھائے گا بھی نہیں،، عمل پذیر ہوگیا ہے۔ دوسرا اشتراکی اصول ''محنت کی مساوی مقدار کے مطابق اشیائے پیداوار کی مساوی مقدار،، پر بھی عمل درآمد کیا جا چکا ہے۔ پھر بھی یہ کمیونزم نہیں ہے۔ اور نہ اس سے ''بورژوا حق،، کا خاتمہ ہوتا ہے جو غیریکساں لوگوں کو ان کی نابرابر (واقعی نابرابر) محنت کی مقدار کے عوض برابر کا سامان دیتا ہے۔

مارکس کہتے ہیں کہ یہ ایک ''نقص،، ہے لیکن کمیونزم کے پہلے مرحلے میں یہ ناگزیر ہے۔ کیونکہ اگر ہم محض خیالی پلاؤ پکانے میں نہ لگ جائیں تو ہمیں یہ گمان بھی نہیں کرنا چاہئے کہ سرمایہ‌داری کا تختہ الٹتے ہی لوگ ایک دم حق کے کسی معیار کے بغیر سماج کی خاطر کام کرنے میں جٹ جائیں گے اور اس کے علاوہ سرمایہ‌داری کے خاتمے سے ایسی تبدیلی کے لئے معاشی لازمی شرائط فوراً پیدا نہیں ہوتیں۔

اور ''بورژوا حق،، کے علاوہ اور کوئی معیار ہے بھی نہیں۔

اسی لئے ریاست کی ضرورت ہنوز باقی رہتی ہے جو ذرائع پیداوار کے مشترکہ ملکیت کی بھی حفاظت کرے اور اسی کے ساتھ محنت کی برابری اور پیداوار کی تقسیم میں مساوات کا بھی تحفظ کرتی رہے۔

ریاست صرف اس حد تک مٹتی ہے کہ اب نہ تو سرمایہ‌دار رہتے ہیں، نہ طبقے باقی رہتے ہیں اور اس کے نتیجے کے طور پر کسی طبقے کو کچلنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

لیکن ریاست کا وجود مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا اس لئے کہ ''بورژوا حق،، کے تحفظ کا سوال باقی رہتا ہے جو حقیقی عدم مساوات کو مقدس قرار دیتا ہے۔ ریاست کا وجود مکمل طور پر ختم ہونے کےلئے مکمل کمیونزم ضروری ہے۔

۴۔ کمیونسٹ سماج کا اعلی مرحلہ

مارکس نے آگے چل کر لکھا ہے:

''کمیونسٹ سماج کے اعلی مرحلے میں جب فرد تقسیم محنت کے غلامانہ بندھنوں سے آزاد ہوچکا ہو اور اسی کے ساتھ ذہنی اور جسمانی محنت کے درمیان جو فرق ہے، وہ دور ہوچکا ہو، جب محنت صرف زندگی بسر کرنے کا ایک ذریعہ نہیں بلکہ زندگی کا اولین تقاضا بن چکی ہو، جب فرد کے ہر پہلو سے ترقی‌یافتہ ہو جانے کے ساتھ ساتھ پیداواری قوتیں بھی بڑھ چکی ہوں اور سماجی دولت کے سارے چشمے فراوانی سے رواں ہوں، تب جاکر بورژوا حق کا تنگ افق پوری طرح پار کیا جا سکتا ہے اور سماج اس قابل ہو سکتا ہے کہ اپنے پرچم پر یہ لکھ دے: 'ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق'۔،، (۱۸۰)

صرف اب ہم صحیح طور پر اینگلس کی اس رائےزنی کی داد دے سکتے ہیں جس میں انہوں نے ''آزادی،، اور ''ریاست،، کے لفظوں کو جوڑنے کی بیہودگی کا بےدردی سے مذاق اڑایا ہے۔ جب

تک ریاست موجود ہے، آزادی نہیں ہو سکتی اور جب آزادی عام ہوگی تو ریاست نہیں رہےگی۔

ریاست کے مکمل طور پر مٹنے کی معاشی بنیاد کمیونزم کی ترقی کی وہ بلند منزل ہے جب ذہنی اور جسمانی محنت کے درمیان فرق ختم ہو چکتا ہے اور نتیجے میں موجودہ سماجی عدم مساوات کا ایک بڑا سبب دور ہو جاتا ہے — ایک ایسا سبب جو ذرائع پیداوار کو ذاتی ملکیت سے چھین کر سماجی ملکیت بنا دینے اور سرمایہ داروں کی بےدخلی ہی سے کسی حالت میں یکدم ختم نہیں ہو سکتا ہے۔

اس بےدخلی سے یہ امکان ضرور پیدا ہوگا کہ پیداواری قوتیں بےپناہ بڑھ جائیں۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ داری کس قدر ناقابل یقین طور پر اس ترقی کو روک رہی ہے، ٹکنیک آج جس سطح تک پہنچ چکی ہے اس کی بنیاد پر کتنی زیادہ ترقی حاصل کی جا سکتی تھی، تو ہمیں پورے اعتماد سے یہ کہنے کا حق ہو جاتا ہے کہ سرمایہ داروں کی بےدخلی کی وجہ سے انسانی سماج کی پیداواری قوتیں ناگزیر طور پر زبردست ترقی کریں گی۔ لیکن یہ بات کہ ترقی کی یہ رفتار کتنی تیز ہوگی، کتنی مدت میں وہ اس منزل تک جا پہنچےگی کہ تقسیم محنت کے بندھن سے اپنا پیچھا چھڑالے، ذہنی اور جسمانی محنت کی مخالفانہ حیثیت کو دور کردے اور محنت کرنے کو ''زندگی کا اولین تقاضا،، بنا دے، ابھی نہ تو ہم جانتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں۔

اسی لئے ہم کو صرف اتنا کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ ریاست کا خود بخود مٹ جانا یقینی ہے اور یہ خاص کر جتانا ہے کہ ریاست کے ختم ہونے کا عمل طول طویل ہے، اس کا انحصار کمیونزم کے اعلی مرحلے کی طرف بڑھنے کی رفتار پر ہے۔ ابھی ہم یہ سوال کھلا چھوڑ دیتے ہیں کہ اس عمل میں کتنا وقت لگےگا، اس کی ٹھوس شکل کیا ہوگی کیوں کہ ان سوالوں کا مکمل اور قطعی جواب دینے کے لئے کوئی مواد ہمارے پاس پاس موجود نہیں ہے۔

ریاست کا پوری طرح سے مٹنا اس وقت ممکن ہو جائےگا جب سماج یہ اصول اختیار کرلے: ''ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق،، یعنی اس وقت

جب کہ لوگ باھمی معاملات کے بنیادی اصولوں کی پابندی کرنے کے اتنے عادی ہو چکے ہوں اور ان کی محنت اس قدر پیداواری ہو چکی ہو کہ وہ خوشی سے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کام کرنے لگیں۔ ''بورژوا حق کا تنگ افق،، جو آدمی کو شائی‌لاک (۱۸۱) کی سی بےدردی کے ساتھ حساب کتاب کرنے پر مجبور کرتا ھے کہ کیا ایک نے دوسرے کے مقابلے میں آدھے گھنٹے زیادہ کام نہیں کیا، کیا ایک کو دوسرے کے مقابلے میں کم تنخواہ نہیں ملی، اس تنگ افق کو پار کرلیا جائےگا۔ پھر اس کی کوئی ضرورت نہ رھےگی کہ سماج ایسے قاعدے بنائے کہ کس کو سامان کی کتنی مقدار ملنی چاھئے۔ ھر ایک کو آزادی سے ''اپنی اپنی ضروریات کے مطابق،، ملےگا۔

بورژوا نقطۂ‌نظر سے یہ کہہ دینا آسان ھے کہ اس قسم کا سماجی نظام ''محض خیالی پرواز،، ھے۔ اور سوشلسٹوں کا مذاق اڑانا بھی آسان ھے کہ یہ لوگ ایک ایک شخص کی محنت پر کسی قسم کا کنٹرول رکھے بغیر ھر ایک کو یہ حق دئے دے رھے ھیں کہ وہ سماج سے جتنی جی چاھے قیمتی مٹھائیاں، موٹرکاریں اور پیانو وغیرہ وصول کرلے۔ آج بھی ایسے بورژوا ''علما و فضلا،، موجود ھیں جو اس تصور پر دانت نکالتے ھیں اور اس طرح سے اپنی جہالت کا بھی مظاھرہ کرتے ھیں اور سرمایہ‌داری کی خدمت گزاری کا بھی۔

یہ کیسی جہالت ھے! کسی سوشلسٹ کے ذھن میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ کمیونزم کی ترقی کے اعلی مرحلے کی آمد کا ''وعدہ،، کرتا پھرے بلکہ بڑے بڑے سوشلسٹوں نے آئندہ کبھی کمیونزم کے اعلی مرحلے کے آنے کا تصور کرتے ھوئے اپنے سامنے محنت کی اس پیداواری قوت کو نہیں رکھا جو فی‌الحال موجود ھے، اور نہ آجکل کے ان تنگ‌نظر لوگوں سے تخمینہ کیا جو پومیالوفسکی کی کہانی کے بورساک (۱۸۲) کی طرح سماجی سال کو ''یوں ھی خواہ مخواہ،، تباہ کرتے پھرتے ھیں اور ناممکن چیز کا تقاضا کرتے ھیں۔

کمیونزم کا اعلی مرحلہ آنے تک سوشلسٹوں کا مطالبہ یہ ھے کہ سماج کی طرف سے اور ریاست کی طرف سے محنت کے پیمانے پر

اور صرفے کے پیمانے پر سخت سے سخت کنٹرول رہنا چاھئے - لیکن اس کنٹرول کی ابتدا یوں ہو کہ سرمایہداروں کو بےدخل کیا جائے، سرمایہداروں پر مزدوروں کا کنٹرول قائم کیا جائے اور اختیارات کا استعمال دفترشاھی ریاست کے ھاتھ میں نہ ہو بلکہ مسلح مزدوروں کی ریاست کے ھاتھ میں ہو -

بورژوا نظریاتساز (اور ان کے چیلے تسرےتیلی اور چیرنوف قسم کے لوگوں) کی سرمایہداری کی خودغرضانہ مدافعت اس امر پر مشتمل ھے کہ آج کی سیاست کے جو سب سے اھم اور دھکتے ہوئے سوال ھیں ان کی جگہ بہت دور مستقبل کے اختلافی خیالات اور مباحثوں کو لے آتے ھیں - مثلاً آج کے اھم سوال یہ ھیں کہ سرمایہداوں کو بےدخل کیا جائے اور تمام باشندوں کو ایک بہت بڑے ''سینڈی کیٹ،، کا یعنی خود ریاست کا ملازم اور کارکن بنا دیا جائے اور اس سینڈی کیٹ کی تمام کارگزاریوں کو مکمل طور پر ایک واقعی جمہوری ریاست کے ماتحت کر دیا جائے، جو مزدوروں اور سپاھیوں کے نمائندوں کی سوویتوں کی ریاست ہو -

درحقیقت جب ایک عالم فاضل پروفیسر اور اس کے پیچھے چلنےوالے کوتاہبین اور اس کی نقل میں تسرےتیلی اور چیرنوف قسم کے لوگ خلاف عقل یوٹوپیا کے طعنے دیتے ھیں، بالشویکوں کے چکنے چیڑے وعدوں کا ذکر کرتے ھیں، کہتے ھیں کہ سوشلزم کو ''رائج کرنا،، ناممکن ھے، تو ان کے دماغ میں کمیونزم کی اعلی منزل یا اونچا مرحلہ ہوتا ھے، جس کے ''رائج کرنے،، کا نہ تو کسی نے وعدہ کیا ھے، اور نہ خیال کیوں کہ اس کو ''رائج،، نہیں کیا جا سکتا -

اب یہاں سوشلزم اور کمیونزم کے درمیان علمی فرق کا سوال آتا ھے جسے اینگلس نے ''سوشل ڈیموکریٹ،، نام کی غلطی کے بارے میں مذکورہ بالا بحث کے وقت کسی قدر اٹھایا ھے - سیاسی طور پر کمیونزم کے پہلے یا نچلے مرحلے اور اعلی مرحلے کا فرق غالباً کسی وقت بہت زبردست ہو سکتا ھے لیکن فیالحال سرمایہداری میں رہتے ہوئے اس فرق کو شمار کرنا مضحکہ خیز ہوگا اور اسے پہلے نمبر پر رکھنے کی حرکت شائد اکادکا نراجی ھی کر سکتے ھیں (بشرطیکہ نراجیوں میں ایسے لوگ باقی رہ گئے ہوں جنھوں نے

کروپوتکن، گراو، کورنیلیسین اور نراجیت کے دوسرے ''ستاروں،، کی ''پلیخانوف جیسی،، کایاپلٹ سے کچھ نہ سیکھا ہو، کہ وہ نراجیت سے ایک دم سوشل شاونزم یا بقول گے کے جو ایسے چند انارکسٹوں میں ہیں جنھوں نے عزت نفس اور ضمیر کی پاکیزگی کو ابھی تک سنبھالے رکھا ہے، Anarchotrenchism میں مبتلا ہو گئے)۔

لیکن سوشلزم اور کمیونزم کا علمی فرق بہت صاف ہے۔ جسے عام طور سے سوشلزم کہا جاتا ہے، یہ وہی ہے جس کو مارکس نے کمیونسٹ سماج کے ''پہلے،، یا نچلے مرحلے سے تعبیر کیا تھا۔ جہاں تک کہ ذرائع پیداوار کے عام مشترکہ ملکیت ہو جانے کا تعلق ہے، لفظ ''کمیونزم،، بھی اس پر صادق آتا ہے اگر ہم یہ نہ بھول جائیں کہ اس حد میں پہنچ کر مکمل کمیونزم قائم نہیں ہوتا ہے۔ مارکس کی تشریحات کی زبردست اہمیت یہ ہے کہ یہاں بھی وہ ثابت‌قدمی سے مادیت کی جدلیات سے کام لیتے رہے ہیں، ارتقا کے نظریے کو صادق کرتے آئے ہیں اور انھوں نے کمیونزم کو ایک ایسی چیز بتایا ہے جو سرمایہ‌داری میں سے ابھرکر آتی ہے۔ لفظوں کی خالی خولی موشگافی کرنے کی بجائے (سوشلزم کیا ہے اور کمیونزم کیا ہے؟)، فضول کے بحث مباحثے کی بجائے مارکس نے تجزیہ کیا ہے کہ وہ کونسے حالات ہیں جنھیں کمیونزم کی اقتصادی پختگی کی منزلیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

پہلے مرحلے یا پہلی منزل میں کمیونزم اقتصادی طور سے پوری طرح پختہ نہیں ہو سکتا اور سرمایہ‌داری کی روایات سے، اس کے اثرات سے مکمل طور پر پاک نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے یہ دلچسپ تصویر سامنے آتی ہے کہ کمیونزم کے پہلے مرحلے میں ''بورژوا حق کا تنگ افق،، باقی رہتا ہے۔ لازمی بات ہے کہ جہاں تک صرفے کی اشیا کی تقسیم کا تعلق ہے بورژوا حق بورژوا ریاست کا وجود بھی پہلے سے فرض کرلیتا ہے کیوں‌کہ حق ایک ایسے آلے کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتا جو حق کے معیاروں کی عمل‌پذیری پر لوگوں کو مجبور کرے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ کمیونزم میں کچھ عرصے تک نہ صرف بورژوا حق باقی رہتا ہے بلکہ بورژوا طبقے کے بغیر بورژوا ریاست بھی برقرار رہتی ہے!

ممکن ہے کہ یہ بات بظاہر قول محال معلوم ہوتی ہو یا محض جدلیات کا گورکھ دھندا جس کا طعنہ مارکس‌ازم کو ایسے لوگوں کی طرف سے اکثر دیا جاتا ہے جنھوں نے کبھی اس نظریے کی غیرمعمولی گہرائی کو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

لیکن درحقیقت نئے میں پرانے کا باقی رہ جانا روزمرہ کی بات ہے اور زندگی میں ہر قدم پر اس کا سامنا ہوتا ہے، قدرت میں بھی اور سماج میں بھی۔ مارکس نے سن‌مانے طور پر کمیونزم میں "بورژوا" حق کی پچر نہیں اڑائی، بلکہ یہ جتایا ہے کہ اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے یہ صورت اس سماج میں لازمی ہے جو سرمایہ‌داری کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

مزدور طبقہ جب اپنی نجات کے لئے سرمایہ‌داروں سے جدوجہد کر رہا ہو تو اس کے نزدیک جمہوریت کی بہت زبردست اہمیت ہے۔ تاہم جمہوریت ایسی سرحد ہرگز نہیں ہے جس سے آگے قدم نہ رکھنا چاہئے، یہ صرف ایک مرحلہ ہے، اس راہ پر جو جاگیرداری سے سرمایہ‌داری کو گئی ہے اور سرمایہ‌داری سے کمیونزم کو۔

جمہوریت کے معنی ہیں مساوات۔ پرولتاری طبقہ جو مساوات کی جدوجہد کر رہا ہے، اس کی اور مساوات کے نعرے کی کیا زبردست اہمیت ہے، یہ بات صاف ہو جائےگی اگر ہم صحیح طریقے سے اسے بیان کریں کہ مساوات اور اس کے نعرے کا مطلب ہے طبقوں کا خاتمہ۔ لیکن جمہوریت کے معنی تو صرف رسمی مساوات کے ہیں۔ پیداوار کے ذرائع کی ملکیت کے تعلق سے سماج کے تمام لوگوں کا حق جیسے ہی مساوی ہو جائےگا یعنی محنت میں اور محنت کے معاوضے میں جوں ہی مساوات قائم ہو جائےگی تو لازمی بات ہے کہ انسانیت کے سامنے اگلا قدم اٹھانے کا مسئلہ درپیش ہوگا اور رسمی مساوات سے اصلی مساوات کا سوال آئےگا — یوں سمجھئے کہ اس اصول پر عملدرآمد ہوگا کہ "ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق"۔ کن کن منزلوں سے ہوکر، کن عملی تدبیروں کے ذریعے انسانیت اس مقصود اعلی کو پہنچےگی، نہ تو ہمیں یہ معلوم ہے، نہ معلوم ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ جان لینا اہم ہے کہ کمیونزم کی بابت بےجان، جامد، پتھر کی لکیروالا تصور کتنا غلط ہے۔ درحقیقت صرف سوشلزم کے

تحت تیزرفتار، اصلی اور صحیح معنی میں عوامی تحریک شروع ہوتی ہے جو پبلک اور نجی زندگی کے تمام شعبوں میں پہلے آبادی کی اکثریت کو اور بعد میں ساری کی ساری آبادی کو اپنے دامن میں لے لےگی۔

جمہوریت ریاست کی کئی مختلف شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ چنانچہ ہر قسم کی ریاست کی طرح جمہوریت میں بھی ایک طرف تو لوگوں کے خلاف باقاعدہ اور باضابطہ تشدد سے کام لیا جاتا ہے اور دوسری طرف، رسمی طور سے وہ شہریوں کی مساوات کو اور تمام لوگوں کے اس مساوی حق کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ ریاست کا ڈھانچہ معین کریں اور اس کے انتظامیہ میں حصہ لیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہوتے ہوتے جمہوریت کے ارتقا کی ایک منزل ایسی آتی ہے جب شروع میں وہ اس طبقے کو ایک ساتھ کھڑا کر دیتی ہے جو سرمایہ‌داری کے خلاف انقلابی جنگ کرتا ہے یعنی پرولتاری طبقہ، اور اسے اس کا موقع دیتی ہے کہ بورژوا بلکہ ریپبلکن بورژوا ریاستی مشینری، باقاعدہ فوج، پولیس اور افسرشاہی کے ٹکڑے ٹکڑے کردے، اس کے پرخچے اڑا دے اور روئے زمین سے صاف کردے اور اس کی جگہ اپنے لئے زیادہ جمہوری سرکاری مشینری قائم کرے، مگر پھر بھی ریاستی مشینری قائم کرے جو مسلح مزدوروں کی صورت میں ہو۔ مسلح مزدوروں کی جمعیت بڑھتے بڑھتے ملیشیا کی شکل اختیار کر لے جس میں تمام آبادی شریک ہو۔

یہاں ''کمیت کیفیت میں تبدیل ہو جاتی ہے: اس درجے کی جمہوریت درحقیقت بورژوا سماج کی حدوں سے آگے نکل جاتی ہے اور اس کی اشتراکی تعمیرنو کی شروعات بن جاتی ہے۔ اگر سچ مچ سبھی لوگ ریاست کا انتظام چلانے میں شریک ہو جائیں تو سرمایہ‌داری اپنا شکنجہ قائم نہیں رکھ سکتی۔ اور سرمایہ‌داری کا ارتقا خود ہی رفتہ رفتہ ایسی لازمی شرائط کو پیدا کرتا ہے جس سے وہ حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ واقعی ''سبھی،، لوگ ریاست کا انتظام چلانے میں شریک ہونے کا موقع پا سکیں۔ ان شرائط میں سے بعض یہ ہیں: عام خواندگی، جو کئی ترقی‌یافتہ سرمایہ‌دارانہ ملکوں میں اب بھی رائج ہو چکی ہے، پھر لاکھوں کروڑوں مزدوروں کا بڑے بڑے، بھاری، پیچیدہ اور سماج‌بند ڈاک تار کے محکموں میں،

ریلوے میں، زبردست کارخانوں میں، بڑے پیمانے کے کاروبار، تجارت اور بینکوں وغیرہ میں ''سیکھنا اور ڈسپلن اختیار کرنا،،۔

ان اقتصادی شرائط کے پیدا ہونے سے یہ عین ممکن ہو گیا ہے کہ سرمایہ‌داروں اور ان کی دفترشاہی کا تختہ الٹنے ہی آج کے آج میں پیداوار اور تقسیم کے سارے انتظام کا کنٹرول، محنت اور پیداوار کے حسابات رکھنے کے کام کی ساری ذمہ‌داری مسلح مزدور اپنے ہاتھوں میں لےلیں، اور پوری مسلح آبادی یہ انتظام سنبھال لے۔ (کنٹرول اور حسابات کے سوال کو سائنسی تربیت یافتہ انجینیروں اور ماہرین زراعت وغیرہ کے اسٹاف کے مسئلے سے گڈمڈ نہ کرنا چاہئے۔ یہ حضرات آج سرمایہ‌داروں کا منشا پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کل مسلح مزدوروں کے منشا کی پابندی یہ لوگ اور بھی خوبی سے کریں‌گے۔)

حسابات رکھنا اور کنٹرول یہ ہے وہ اصل چیز جو کمیونسٹ سماج کے پہلے مرحلے میں سہولت سے کام چلانے اور ٹھیک طرح چالو رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ تمام باشندے ریاست کے تنخواہ‌یافتہ ملازم بن جاتے ہیں اور ریاست مسلح مزدور ہوتے ہیں۔ تمام شہری ایک کل‌قومی ریاستی ''سنڈی کیٹ،، کے ملازم اور مزدور ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے ساری بات کہ وہ برابر کا کام کریں، کام میں اپنا مناسب حصہ پورا کریں اور برابر کا معاوضہ پائیں۔ اس غرض کے لئے جو حساب کتاب رکھنا اور کنٹرول کرنا ہوتا ہے وہ سرمایہ‌داری نے انتہائی آسان بنا دیا ہے اور اس کی کارگزاری غیرمعمولی طور پر سادہ کردی ہے جو کوئی بھی معمولی خواندہ آدمی انجام دے سکتا ہے — کہ صرف نگرانی کرنا اور درج کرنا، حساب کے چار ابتدائی اصول جاننا اس کے لئے کافی ہے اور باقاعدہ رسیدیں جاری کر دینا ہوتا ہے، بس۔ *

---

*جب ریاست کی اہم‌ترین کارگزاری خود مزدوروں کی طرف سے اس قسم کے حساب کتاب اور کنٹرول کی حد تک پہنچتی ہے تب وہ ''سیاسی ریاست،، نہیں رہتی اور ''پبلک کارگزاری کی سیاسی نوعیت ختم ہوجاتی ہے، وہ صرف معمولی سی انتظامی کارگزاری رہ

جب لوگوں کی بڑی تعداد آزادی کے ساتھ ہر جگہ اس قسم کا حساب کتاب رکھنے لگتی ہے اور ان سرمایہ‌داروں (جو اب مالک نہیں، ملازم بن چکے ہوتے ہیں) اور دانش‌ور حضرات پر جو سرمایہ‌دارانہ عادتیں برقرار رکھتے ہیں، اس طرح کا کنٹرول قائم کرنے لگتی ہے تو پھر یہ کنٹرول سب کے لئے واقعی عام اور عوامی ہوجاتا ہے، اس سے بچ کر نکلنے کی کوئی صورت نہیں رہتی اور ''نہ اس سے کوئی مفر'' ہوتا ہے۔

یہ صورت قائم ہونے کے بعد تمام کا تمام سماج ایک ہی دفتر، ایک ہی فیکٹری بن جائےگا جس میں سب کی محنت اور سب کی اجرت برابر ہوگی۔

مگر یہ ''فیکٹری'' کا سا ڈسپلن جو سرمایہ‌داروں کو شکست دینے کے بعد، استحصال کرنےوالوں کا تختہ الٹنے کے بعد پرولتاریہ پورے سماج پر عائد کرےگا، یہ ڈسپلن ہرگز ہمارا آدرش نہیں ہے، ہماری منزل مقصود نہیں ہے۔ یہ بس مجبوری کا ایک قدم ہے اس غرض سے کہ سماج کے بدن سے اچھی طرح وہ نجاست خارج کردی جائے، وہ گندگی اور کمینگی دور کردی جائے، جو سرمایہ‌دارانہ استحصال کا نتیجہ ہے اور یہ آگے کی طرف بڑھنے کےلئے ضروری قدم ہے۔

جس لمحے سے سماج کے تمام لوگ، اور تمام نہ سہی تو ان کی ایک بڑی اکثریت، ریاست کے کام خود چلانا سیکھ لیں‌گے، اس کام کی ذمہ‌داری خود اٹھا لیں‌گے، سرمایہ‌داروں کی معمولی سی اقلیت پر اور ان شرفا پر جو اپنی سرمایہ‌دارانہ عادتیں باقی رکھنا چاہتے ہیں، اور ان مزدوروں پر، جنھیں سرمایہ‌داری نے بالکل بگاڑ کر رکھ دیا ہے، کنٹرول ''چالو'' کردیں‌گے، اسی لمحے سے کسی قسم کی حکومت کی ضرورت قطعی طور پر ختم ہونے لگےگی۔ جمہوریت جتنی مکمل ہوگی، اتنا ہی وہ وقت قریب آتا جائےگا جب جمہوریت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ مسلح مزدوروں سے بنی ہوئی ''ریاست'' جتنی زیادہ جمہوری ہوگی — اور وہ ''صحیح معنوں میں ریاست ہوگی

جاتی ہے'' (اینگلس کا نراجیت‌پسندوں سے مناظرہ دیکھئے، باب ۴، پیرا گراف ۲)۔

ہی نہیں،، — اتنی ہی تیزی سے ریاست کی ہر شکل مٹنی شروع ہو جائےگی۔

کیوں کہ جب سبھی لوگ انتظامیے میں حصہ لینا سیکھ لیں گے اور وہ واقعی سماجی پیداوار کی ذمہ داریاں خود ادا کرنے لگیں گے، جب وہ اپنے طور پر حساب کتاب اور کام چوروں پر، شریف زادوں پر، مال غبن کرنےوالوں پر اور اسی قسم کے ''سرمایہ داری کی روایات کے محافظوں،، پر نگرانی اور کنٹرول کرنے لگیں گے تو اس عام حساب کتاب اور کنٹرول سے بچ کر نکلنا بےانتہا مشکل اور اتفاقی واقعہ ہو جائےگا، اور غالباً اس پر ایسی فوری اور سخت سزا دی جایا کرےگی (کیونکہ مسلح مزدور عملی لوگ ہوتے ہیں، وہ کوئی جذباتی دانش‌ور نہیں ہوتے اور شرارت کرکے نکل جانے کا شاید ہی کسی کو موقع دینگے) کہ انسان کے باہمی لین‌دین اور سماجی معاملات کے جو بنیادی، سیدھے سادے اصول ہیں ان کی پابندی کرنے کی ضرورت لوگوں کی عادت بن جائےگی۔

تب وہ شاہراہ کھلی ہوگی جس پر کمیونسٹ سماج کا پہلا مرحلہ طے کرکے اس کے اعلی مرحلے کی طرف بڑھا جائے اور اسی کے ساتھ ریاست قطعی طور پر مٹ جائے۔

اگست — ستمبر ۱۹۱۷ء میں لکھا گیا۔

مارکسزم اور بغاوت

روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر
پارٹی (بالشویک) کی مرکزی کمیٹی
کے نام خط

بنیادی ''سوشلسٹ،، پارٹیوں نے مارکسزم کو جو مسخ کیا ہے اس میں بدترین اور غالباً بہت بڑے پیمانے پر مسخ بیانی وہ موقع پرست جھوٹ ہے کہ گویا بغاوت کی تیاری اور بغاوت کی جانب فن کی حیثیت سے عام رویہ ''بلانکی‌ازم،، ہے۔

موقع پرستی کا لیڈر برنشٹائن مارکسزم پر بلانکی‌ازم کا الزام لگا کر پہلے ہی بدنام ہو چکا ہے۔ اور جب موجودہ زمانے کے موقع پرست بلانکی‌ازم کے بارے میں شور مچاتے ہیں تو وہ درحقیقت برنشٹائن کے گھٹیا ''خیالات،، کو نہ تو ایک ذرہ بہتر بناتے ہیں اور نہ ''مالامال،،۔

فن کی طرح بغاوت کی جانب رویہ اختیار کرنے کےلئے مارکسیوں پر بلانکی‌ازم کا الزام لگایا جاتا ہے! کیا سچائی کو اس سے زیادہ کھلے طور پر مسخ کیا جا سکتا ہے جبکہ ایک بھی مارکسی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خود مارکس نے اسکے بارے میں بہت واضح، صاف اور قطعی طور پر کہا، بغاوت کو فن ہی کہا، یہ کہا کہ بغاوت کی جانب فن کی طرح رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، پہلی کامیابی حاصل کرنا چاہئے اور پھر ایک کامیابی سے دوسری کامیابی کی طرف بڑھنا چاہئے، دشمن پر حملے کو نہ روکتے ہوئے اس کے انتشار سے فائدہ اٹھانا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔

بغاوت کو کامیاب بنانے کےلئے سازش اور پارٹی پر نہیں بلکہ آگے بڑھے ہوئے طبقے پر تکیہ کرنا چاہئے۔ یہ ہے پہلی بات۔

بغاوت کو عوام کے انقلابی ابھار پر تکیہ کرنا چاھئے، یہ ھے دوسری بات۔ بغاوت کو بڑھتے ہوئے انقلاب کی تاریخ میں ایسے موڑ پر تکیہ کرنا چاھئے جب عوام کی آگے بڑھی ہوئی صفوں کی سرگرمیاں عروج پر ھوں، جب دشمن کی صفوں میں اور انقلاب کے کمزور، غیرمستحکم اور مذبذب دوستوں کی صفوں میں تذبذب زبردست ھو۔ یہ ھے تیسری بات۔ یہ ھیں تین شرائط بغاوت کے سوال کے بارے میں اور یہی مارکسزم کو بلانکی‌ازم سے ممیز کرتی ھیں۔

اگر یہ شرائط موجود ھوں تو فن کی طرح بغاوت کی جانب رویہ اختیار کرنے سے انکار کرنا مارکسزم سے غداری اور انقلاب سے غداری ھے۔

یہ ثابت کرنے کےلئے کہ ٹھیک موجودہ لمحے کو ایسا لمحہ تسلیم کرنے کی کیوں ضرورت ھے، جب پارٹی کےلئے یہ تسلیم کرنا لازمی ھو گیا ھے کہ معروضی واقعات کے دھارے نے بغاوت کو آج کے ایجنڈے پر رکھ دیا ھے اور بغاوت کی طرف فن کی طرح رویہ اختیار کرنا ھے، اس کو ثابت کرنے کےلئے سب سے اچھا مقابلے کا طریقہ استعمال کرنا اور ۳ — ۴ جولائی کا ستمبر کے دنوں سے موازنہ کرنا ھے۔ (۱۸۳)

۳ — ۴ جولائی کو، حق کو جھٹلائے بغیر، سوال کو اس طرح پیش کیا جا سکتا تھا کہ اقتدار پر قبضہ کر لینا صحیح ہوتا کیونکہ بہرحال دشمن ھم کو بغاوت کا ملزم ٹھہراتے اور باغیوں کی حیثیت سے ھم پر جبروتشدد کرتے۔ لیکن اس وقت اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا ٹھیک نہ ھوتا کہ اقتدار پر قبضہ کر لیا جائے کیونکہ اس وقت بغاوت کی فتح کےلئے معروضی شرائط موجود نہیں تھیں:

(۱) ابھی وہ طبقہ ھمارے ساتھ نہیں تھا جو انقلاب کا ھراول ھے۔ دارالحکومتوں (۱۸۴) کے مزدوروں اور سپاھیوں میں ھماری اکثریت نہیں تھی۔ اب دونوں سوویتوں میں ھماری اکثریت ھے۔ محض جولائی اور اگست کی تاریخ نے اس کی تخلیق کی ھے، بالشویکوں پر ''جبروتشدد،، کے تجربے اور کورنیلوف (۱۸۵) کی بغاوت کے تجربے نے۔

(۲) اس وقت سارے عوام کا انقلابی ابھار نہیں تھا - اب کورنیلوف کی بغاوت کے بعد یہ موجود ہے - صوبوں کے حالات اور بہت سے مقامات پر سوویتوں کے اقتدار کو ہاتھ میں لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے -

(۳) اس وقت ہمارے دشمنوں کے درمیان اور غیرمستحکم پٹی‌بورژوازی کے درمیان کافی عام سیاسی پیمانے پر تذبذب نہیں تھا - اور اب زبردست تذبذب ہے - ہمارا خاص دشمن، اتحادی اور عالمی سامراج (کیونکہ ''اتحادی،، عالمی سامراج کے سربراہ ہیں) فتح تک جنگ اور روس کے خلاف علحدہ صلح کے درمیان تذبذب میں ہے - ہمارے پٹی‌بورژوا ڈیموکریٹوں (۱۸۶) نے عوام کے درمیان عیاں طور پر اکثریت کھو دی ہے اور بےحد متزلزل ہوکر بلاک بنانے سے انکار کردیا ہے یعنی کیڈیٹوں کے ساتھ ایتلاف کرنے سے -

(۴) اسی‌لئے ۳ — ۴ جولائی کو بغاوت کرنا غلطی ہوتی: ہم اقتدار نہ تو مادی لحاظ سے اور نہ سیاسی لحاظ سے برقرار رکھ سکتے تھے - ہم اسکو مادی لحاظ سے نہیں برقرار رکھ سکتے تھے چاہے پیٹروگراد کچھ وقت کےلئے ہمارے ہاتھ میں آجاتا کیونکہ اس وقت ہمارے مزدور اور سپاہی پیٹروگراد کو لینے کےلئے لڑنے مرنے پر نہ تیار ہوتے - اس وقت کیرینسکیوں اور تسرےتیلیوں اور چیرنوفوں کے خلاف بھی اتنی ''درندگی،، اور کھولتی ہوئی نفرت نہ تھی - ہمارے لوگ ابھی بالشویکوں کے خلاف ان مظالم کے تجربات میں تپ کر پختہ نہیں ہوئے تھے جن میں سوشلسٹ انقلابیوں اور مینشویکوں نے حصہ لیا تھا -

۳ — ۴ جولائی کو ہم سیاسی طور پر اقتدار کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے کیونکہ کورنیلوف کی بغاوت سے پہلے پیٹروگراد پر فوج اور صوبے دھاوا بول سکتے تھے اور بولتے -

اب تصویر بالکل مختلف ہے -

ایک طبقے کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے جو انقلاب کا ہراول، عوام کا ہراول ہے اور عوام کو اپنے ساتھ لانے کی صلاحیت رکھتا ہے -

ہمارے ساتھ عوام کی اکثریت ہے کیونکہ چیرنوف کا استعفا، جو کسی طرح محض واحد علامت نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی نمایاں اور صاف علامت اس کی ہے کہ کسان سوشلسٹ انقلابیوں کے بلاک

سے (یا خود سوشلسٹ انقلابیوں سے) زمین نہیں پائیں گے۔ اور اسی میں انقلاب کے عوامی کردار کا جوہر ہے۔

پارٹی کی سازگار صورت حال ہمارے حق میں ہے جو اپنا راستہ ایسے وقت میں بخوبی جانتی ہے جب سارا سامراج اور سوشلسٹ انقلابیوں کے ساتھ مینشویکوں کا سارا بلاک بے نظیر تذبذب میں مبتلا ہیں۔

ہمارے لئے فتح کی ضمانت ہے کیونکہ لوگ اب جان پر کھیلنے کےلئے تل گئے ہیں اور ہم سب لوگوں کو ایک معتبر راستہ بتا رہے ہیں، ''کورنیلوف کے دنوں،، میں ہم نے اپنی رہنمائی کی اہمیت سب لوگوں پر ظاہر کی اور پھر بلاک والوں کے سامنے مصالحت کی پیش کش کی جسکو انھوں نے مسترد کر دیا حالانکہ ان کی طرف سے تذبذب میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

یہ خیال کرنا بڑی سنجیدہ غلطی ہوتی کہ ہماری مصالحت کی پیش کش ابھی مسترد نہیں ہوئی ہے، اور ڈیموکریٹک کانفرنس (۱۸۷) ابھی اسکو منظور کر سکتی ہے۔ یہ مصالحت ایک پارٹی کی طرف سے پارٹیوں کو پیش کی گئی تھی۔ اس کے پیش کرنے کا کوئی اور طریقے نہیں تھا۔ اسکو پارٹیوں نے مسترد کر دیا۔ ڈیموکریٹک کانفرنس محض کانفرنس ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایک بات نہیں بھولنا چاہئے کہ اسمیں انقلابی لوگوں کی اکثریت کی، انتہائی غریب اور غصب کئے جانے والے کسانوں کی نمائندگی نہیں ہے۔ یہ کانفرنس لوگوں کی اقلیت کی ہے — اس بین حقیقت کو نہ بھولنا چاہئے۔ یہ بڑی غلطی ہوتی، ہماری طرف سے زبردست پارلیمانی فتور عقل ہوتا اگر ہم ڈیموکریٹک کانفرنس کو پارلیمنٹ کا درجہ دیتے کیونکہ اگر وہ اپنے لئے یہ اعلان کر بھی دیتی کہ وہ انقلاب کی مستقل اور اقتدار اعلی رکھنے والی پارلیمنٹ ہے تب بھی وہ کچھ طے نہیں کر سکتی تھی۔ فیصلہ اس سے باہر پیترو گراد اور ماسکو کی مزدور بستیوں کے ہاتھ میں ہے۔

ہمارے سامنے بغاوت کی کامیابی کی ساری معروضی شرائط موجود ہیں۔ ہمارے سامنے غیرمعمولی طور پر سازگار صورت حال ہے — بغاوت میں صرف ہماری فتح لوگوں کو کوفت پہنچانے والے تذبذب کا دنیا میں انتہائی کوفت کی بات کا خاتمہ کر دیگی جب بغاوت

میں صرف ہماری فتح کسانوں کو بلا تاخیر زمین دےگی، جب بغاوت میں صرف ہماری فتح انقلاب کے خلاف علحدہ صلح کے کھیل کو ناکام بنا دے گی، اسکو اس طرح ناکام بنا دےگی کہ وہ صلح کی تجویز کو زیادہ مکمل، زیادہ منصفانہ، زیادہ قریب کر سکے، ایسی صلح جس سے انقلاب کو فائدہ ہو۔

آخر میں، صرف ہماری پارٹی بغاوت میں کامیاب ہوکر پیتروگراد کو بچا سکتی ہے کیونکہ اگر صلح کی ہماری تجویز کو مسترد کر دیا گیا اور ہم عارضی صلح بھی حاصل نہ کر سکے تب ہم ''دفاعیت پسند،، بن جائیں گے، تب ہم جنگی پارٹیوں کے سربراہ ہو جائیں گے، ہم سب سے زیادہ ''جنگی،، پارٹی ہو جائیں گے اور ہم واقعی انقلابی طریقے سے جنگ کریں گے۔ ہم سرمایہ داروں کی ساری روٹی اور سارے جوتے چھین لیں گے۔ ہم ان کے لئے روٹی کے سوکھے ٹکڑے چھوڑ دیں گے اور ان کو چھال کے جوتے پہنائیں گے۔ ہم ساری روٹی اور سارے جوتے محاذ جنگ کو بھیجیں گے۔

اور تب ہم پیتروگراد کو بچا لیں گے۔

حقیقی انقلابی جنگ کے وسائل مادی اور روحانی دونوں روس میں بہت زیادہ ہیں۔ ۱۰۰ میں سے ۹۹ اسکا امکان ہے کہ جرمن ہم سے کم‌ازکم عارضی صلح کےلئے تیار ہو جائیں گے۔ اور اس وقت عارضی صلح کرنا مطلب ساری دنیا کو جیت لینے کے مترادف ہوگا۔

* * *

انقلاب کو بچانے اور دونوں سامراجی گروہوں میں روس کو ''علحدہ،، تقسیم سے بچانے کےلئے پیتروگراد اور ماسکو کے مزدوروں کی بغاوت کی قطعی ضرورت کو تسلیم کرکے ہمیں سب سے پہلے کانفرنس میں اپنے سیاسی طریقۂ کار کو بڑھتی ہوئی بغاوت کے حالات کے مطابق بنانا چاہئے، دوسرے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ہم بغاوت کی جانب فن کی طرح کا رویہ اختیار کرنے کے متعلق مارکس کے خیال کو محض زبانی نہیں تسلیم کرتے۔

کانفرنس میں ہمیں بالشویکوں کے گروہ کو فوراً متحدہ کرنا چاہئے، تعداد کےلئے نہیں دوڑنا چاہئے اور مذبذب لوگوں کو

مذبذب کیمپ میں چھوڑنے سے نہ ڈرنا چاھئے۔ وہ انقلاب کےلئے بمقابلہ باعزم اور پرایثار مجاھدوں کے کیمپ کے وھاں زیادہ مفید ھیں۔

ھمیں بالشویکوں کا ایک مختصر اعلان مرتب کرنا چاھئے، جسمیں انتہائی سختی کے ساتھ طویل تقریروں اور عام طور پر ''تقریروں،، کے بےتکےپن پر، انقلاب کو بچانے کےلئے فوری اقدام کی ضرورت پر، بورژوازی سے بالکل ناتا توڑنے، ساری موجودہ حکومت کو پوری طرح ھٹانے اور روس کی ''علحدہ،، تقسیم کی تیاری کرنےوالے برطانوی – فرانسیسی سامراجیوں سے مکمل قطع تعلق کرنے کی قطعی ضرورت پر اور تمام اقتدام انقلابی ڈیموکریٹوں کے ھاتھ میں دینے کی ضرورت پر جنگی سربراھی انقلابی پرولتاریہ کر رھا ھے، زور دیا جائے۔

ھمارے اعلان کو اس نتیجے کا سب سے مختصر اور شدید اظہار ھونا چاھئے۔ اس کو ھمارے مجوزہ پروگرام سے منسلک کرنا چاھئے: قوموں کو امن، کسانوں کےلئے زمین، رسوائے زمانہ منافعوں کی ضبطی اور سرمایہداروں کے ھاتھوں پیداوار میں رسوائے زمانہ توڑ پھوڑ پر قابو پانا۔

اعلان جتنا مختصر اور جتنا ھی شدید ھوگا اتنا ھی بہتر ھے۔ اسمیں صرف اور دو انتہائی اھم نکتے پیش کرنے کی ضرورت ھے یعنی لوگ تذبذب سے عاجز آچکے ھیں، لوگ سوشلسٹ انقلابیوں اور مینشویکوں کی غیرمستقل مزاجی سے تنگ آچکے ھیں اور ھم ان پارٹیوں سے قطعی قطع تعلق کر رھے ھیں کیونکہ انھوں نے انقلاب سے غداری کی ھے۔

اور دوسرا نکتہ یہ ھے کہ فوراً بلاکسی الحاق کے صلح کی تجویز پیش کرکے، فوراً اتحادی سامراجیوں اور تمام سامراجیوں سے قطع تعلق کرکے یا تو ھم فوراً عارضی صلح حاصل کرلیںگے یا سارا انقلابی پرولتاریہ دفاع کےلئے میدان میں آجائیگا اور انقلابی ڈیموکریٹ اسکی قیادت میں واقعی منصفانہ، واقعی انقلابی جنگ لڑیںگے۔

اس اعلان کو پڑھکر، فیصلے کرنے، نہ کہ باتیں بنانے، عمل پیرا ھونے، نہ کہ قراردادیں لکھنے کی اپیل کرکے ھمیں اپنے سارے گروہ کو کارخانوں اور فوجی بارکوں میں بھیجنا چاھئے۔ وھیں

اسکی جگہ ہے، وہیں زندگی کی نبض ہے، وہاں انقلاب کی حفاظت کا سرچشمہ ہے اور وہیں ڈیموکریٹک کانفرنس کی قوت محرکہ ہے۔

وہاں پرجوش اور ولولہانگیز تقریروں کے ذریعہ ہمیں اپنے پروگرام کی وضاحت کرنا چاہئیے اور سوال کو اس طرح پیش کرنا چاہئیے: یا تو کانفرنس اس کو مکمل طور پر منظور کرلے یا بغاوت ہو۔ درمیانی راستہ نہیں ہے۔ انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ انقلاب ختم ہوتا جا رہا ہے۔

سوال کو اس طرح پیش کرکے، اپنے پورے گروہ کو کارخانوں اور فوجی بارکوں میں مرکوز کرکے ہم بغاوت کی ابتدا کےلئے ٹھیک لمحے کا اندازہ لگا سکیں گے۔

بغاوت کی جانب مارکسی رویہ اختیار کرنے کےلئے یعنی فن کی طرح، ہمیں چاہئیے کہ اسی وقت ایک لمحہ ضایع کئے بغیر بغاوت کرنےوالے دستوں کا ہیڈ کوارٹر منظم کریں، اپنی طاقتوں کی تقسیم کریں، معتبر رجمنٹوں کو انتہائی اہم جگہوں پر بھیجیں، الکساندرنسکی تھیٹر کو گھیر لیں اور پیٹر اور پال کے قلعے (۱۸۸) پر قبضہ کرلیں، جنرل اسٹاف اور حکومت کو گرفتار کرلیں اور یونکروں اور وحشی ڈویژن (۱۸۹) کے خلاف ایسے دستے بھیجیں جو مرجائیں لیکن دشمن کو شہر کے مرکزوں تک نہ آنے دیں۔ ہمیں مسلح مزدوروں کو بھرتی کرنا چاہئیے اور ان سے جان پر کھیل کر آخری لڑائی لڑنے کی اپیل کرنی چاہئیے، تارگھر اور ٹیلیفون اسٹیشن پر فوراً قبضہ کر لینا چاہئیے، اپنے بغاوت کے ہیڈ کوارٹر کو مرکزی ٹیلیفون اسٹیشن میں قائم کرنا چاہئیے، اس کو ٹیلیفون کے ذریعہ تمام کارخانوں، تمام رجمنٹوں اور مسلح جدوجہد کی تمام جگہوں وغیرہ سے رابطہ قائم کرنا چاہئیے۔

ظاہر ہے یہ سب مثال کے طور پر ہے، صرف یہ دکھانے کےلئے کہ موجودہ لمحے میں اگر بغاوت کی جانب فن کی طرح رویہ اختیار نہیں کیا گیا تو مارکسزم کا وفادار رہنا، انقلاب کا وفادار رہنا ناممکن ہے۔

۱۳ — ۱۴ (۲۶ — ۲۷
ستمبر ۱۹۱۷ء کو
لکھا گیا۔

سوویت حکومت کے فوری فرائض

(اقتباسات)

روسی سوویت ریپبلک کی بین الاقوامی حیثیت اور سوشلسٹ انقلاب کے بنیادی فریضے

... بورژوا انقلابوں میں محنت کش عوام کا خاص فریضہ جاگیرداری، شاہی اور ازمنۂ وسطی کے نظام کو ختم کرنے کا منفی یا تخریبی کام تھا۔ نئے سماج کو منظم کرنے کا مثبت یا تعمیری کام آبادی کی صاحب جائیداد، بورژوا اقلیت کرتی تھی۔ اور وہ اس فریضے کو مزدوروں اور غریب کسانوں کی مزاحمت کے باوجود نسبتاً آسانی سے پورا کرتی تھی نہ صرف اسلئے کہ اس وقت سرمایے کے استحصال کے شکار لوگوں کی مزاحمت بہت کمزور تھی کیونکہ وہ تتربتر اور غیر تعلیم یافتہ تھے بلکہ اسلئے بھی کہ نراجی طور پر تشکیل پائے ہوئے سرمایہ‌دار سماج کی خاص منظم کرنے‌والی طاقت خودبخود وسعت اور گہرائی اختیار کرنے‌والی قومی اور بین الاقوامی منڈی ہے۔

اس کے برعکس پرولتاریہ اور اس کی رہنمائی میں غریب کسانوں کا خاص فریضہ ہر سوشلسٹ انقلاب میں، اور اسلئے روس میں ہمارے ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے شروع کئے ہوئے سوشلسٹ انقلاب میں بھی، یہ مثبت اور تعمیری کام ہے کہ ان نئے تنظیمی رشتوں کا انتہائی پیچیدہ اور بہت ہی نازک جال بنائیں جو لاکھوں کروڑوں لوگوں کے وجود کےلئے ضروری منصوبہ‌بند پیداوار اور سامان کی تقسیم کو اپنے احاطے میں لےلے۔ ایسے انقلاب کی تکمیل صرف اس وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب آبادی کی اکثریت اور خصوصاً

محنت کش لوگوں کی اکثریت خود مختاری کے ساتھ تاریخی تخلیقی کام کرے۔ صرف اسی صورت میں یعنی اگر پرولتاریہ اور غریب کسان کافی شعور، اخلاقی مضبوطی، ایثار اور استقلال کا مظاہرہ کر سکیں تو سوشلسٹ انقلاب کی فتح کی ضمانت ہوگی۔ نئی، سوویت قسم کی ریاست قائم کرکے جس نے محنت کش اور مظلوم لوگوں کو ایک نئے سماج کی خودمختارانہ تعمیر میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے کا موقع دیا ہے، ہم نے مشکل فریضے کا صرف تھوڑا سا حصہ پورا کیا ہے۔ سب سے بڑی مشکل تو معاشی شعبے میں ہے یعنی پیداوار اور سامان کی تقسیم کا انتہائی سخت اور ہمہ گیر حساب کتاب اور کنٹرول نافذ کرنا، محنت کی پیداواری صلاحیت کو بڑھانا اور پیداوار کو عملی طور پر اشتراکی بنانا...

مقابلے کی تنظیم

سوشلزم کے بارے میں جو فضول باتیں پھیلانے کا بورژوازی کو شوق ہے ان میں یہ بھی ہے کہ گویا سوشلسٹوں کو مقابلے کی اہمیت سے انکار ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف سوشلزم ہی طبقات کو ختم کرکے اور اس کے نتیجے میں عوام کی غلامی ختم کرکے پہلی بار واقعی عام پیمانے پر مقابلے کےلئے راستہ کھولتا ہے۔ اور سوویت تنظیم ہی بورژوا رپبلک کی رسمی جمہوریت سے عبور کرکے انتظامی معاملات میں محنت کش عوام کی حقیقی شرکت تک آتی ہے اور پہلی بار مقابلے کو بڑے پیمانے پر پیش کرتی ہے۔ اس کو سیاسی شعبے میں بمقابلہ معاشی شعبے کے منظم کرنا کہیں زیادہ آسان ہے لیکن سوشلزم کی کامیابی کےلئے مؤخرالذکر ہی زیادہ اہم ہے۔

آئیے، مقابلے کی تنظیم کے ایسے ذریعے کو لےلیں جیسے تشہیر۔ بورژوا رپبلک اس کی ضمانت محض رسمی طور پر دیتی ہے اور حقیقت میں یہ پریس کو سرمایے کا ماتحت بناتی ہے، ''جاہل لوگوں'' کو انوکھی سیاسی بکواس سے بہلاتی ہے اور جو کچھ ورکشاپوں، کاروباری لین دین اور کنٹریکٹوں وغیرہ میں ہوتا ہے

اس کو ان ''تجارتی رازوں،، کے نقاب میں چھپاتی ہے جو ''ملکیت کے مقدس حق،، کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوویت حکومت نے تجارتی رازوں کو ختم کر دیا ہے اور ایک نیا راستہ اختیار کیا ہے۔ لیکن معاشی مقابلے کی ہمت‌افزائی کی غرض سے ہم نے تشہیر کو استعمال کرنے کےلئے تقریباً کچھ نہیں کیا ہے۔ باقاعدگی سے یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ بورژوا پریس کے قطعی جھوٹ اور بےشرم بہتان‌تراشی کو سختی سے دبانے کے ساتھ ساتھ ہمیں ایسا پریس قائم کرنے کےلئے کام کرنا چاہئے جو لوگوں کو سنسنی‌خیز سیاسی باتوں اور بکواس سے بیوقوف نہیں بنائےگا بلکہ جو روزمرہ کی معاشی زندگی کے مسائل لوگوں کے فیصلے کےلئے پیش کریگا اور ان مسائل کے سنجیدہ مطالعے میں مدد دےگا۔ ہر فیکٹری، ہر گاؤں پیداواری اور صارفین کا کمیون ہے جس کا یہ حق اور فرض ہے کہ وہ عام سوویت قوانین کو اپنے طریقے سے استعمال کرے (''اپنے طریقے سے،، اس معنی میں نہیں کہ ان کی خلاف‌ورزی کرے بلکہ اس معنی میں کہ ان کو مختلف صورتوں سے زندگی میں رائج کرے)، اپنے طریقے سے پیداوار اور سامان کی تقسیم میں حساب کتاب کے مسئلے کو حل کرے۔ سرمایہ‌دار نظام میں یہ منفرد سرمایہ‌دار، جاگیردار اور دولت‌مند کسان کا ''نجی معاملہ،، تھا۔ سوویت اقتدار میں یہ نجی معاملہ نہیں بلکہ انتہائی اہم ریاستی معاملہ ہے۔

ابھی ہم نے کمیونوں کے درمیان مقابلے کرنے، اناج، کپڑے اور دوسری چیزوں کے پیداواری عمل میں حساب کتاب اور تشہیر رائج کرنے، خشک مردہ دفتری رپورٹوں کو زندہ مثالوں میں خواہ وہ گھناؤنی ہوں یا دلکش، تبدیل کرنے کا زبردست، مشکل لیکن مستحسن کام تقریباً شروع نہیں کیا ہے۔ سرمایہ‌دارانہ طریقۂ پیداوار میں انفرادی مثال کی اہمیت مثلاً کوئی بھی کوآپریٹیو ورکشاپ کی مثال ناگزیر طور پر بہت محدود تھی اور صرف پٹی‌بورژوا وہم و گمان ہی سرمایہ‌داری کو نیک کام کرنےوالے اداروں کی مثالوں کے ذریعہ ''راہ راست،، پر لگانے کا خواب دیکھ سکتا تھا۔ پرولتاریہ کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار آنے کے بعد، غاصبوں کی ملکیت کی ضبطی کے بعد اس معاملے کی نوعیت بنیادی طور پر بدل گئی ہے اور، جیسا کہ ممتاز سوشلسٹ متعدد بار بتا چکے ہیں، پہلی مرتبہ مثال

کی قوت لوگوں پر اثرانداز ہونے کے قابل ہوئی ہے۔ مثالی کمیونوں کو تعلیم و تربیت دینےوالوں کا کام کرنا چاہئے اور وہ کرینگے اور پسماندہ کمیونوں کو آگے بڑھائیں گے۔ پریس کو سوشلسٹ تعمیر کے آلے کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے، مثالی کمیونوں کو جو کامیابیاں ہوں ساری تفصیلات کے ساتھ انکی تشہیر کرنا چاہئے، ان کامیابیوں کے اسباب، ان کمیونوں کے انتظام کے طریقوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور دوسری طرف ان کمیونوں کو "سیاہ تختے پر" جگہ دینا چاہئے جو ضد کے ساتھ "سرمایہداری کی روایات"، یعنی نراج، کاہلی، بےقاعدگی اور نفع‌خوری پر قائم ہیں۔ سرمایہ‌دار سماج میں اعداد و شمار قطعی طور پر "سرکاری ملازموں"، یا محدود ماہرین کا کام تھے۔ ہم ان کو عوام تک لے جائیں گے، ان کو مقبول عام بنائیں گے تاکہ محنت کش رفتہ رفتہ خود یہ سمجھنا اور دیکھنا سیکھ جائیں کہ کتنا کام کرنا چاہئے، کیسے اور کتنا آرام کرنا چاہئے تاکہ مختلف کمیونوں کے معاشی کام کے نتائج کا مقابلہ عام دلچسپی اور مطالعہ کا معاملہ بن جائے اور سب سے نمایاں کمیونوں کو فوراً انعام دیا جائے (کام کے دن کو معین عرصے کےلئے گھٹاکر، اجرت کو بڑھاکر، تہذیبی اور جمالیاتی سہولتوں اور اقدار میں اضافہ وغیرہ کرکے)۔

جب کوئی نیا طبقہ سماج کے لیڈر اور رہنما کی حیثیت سے تاریخی منظر پر نمودار ہوتا ہے تو ایک طرف انتہائی سخت "جھکولوں"، دھکوں، جدوجہد اور طوفان کے بغیر اور دوسری طرف غیریقینی اقدامات، تجربات، نئے معروضی حالات کے مطابق نئے طریقوں کے انتخاب میں تزلزل اور تذبذب کی مدت کے بغیر یہ کبھی نہیں ہوتا۔ جاں بلب جاگیردار امرا نے بورژوازی سے انتقام لیا تھا جس نے اس پر فتح حاصل کرکے اس کی جگہ لے لی تھی، نہ صرف سازشوں اور بغاوت اور بحالی کی کوششوں سے بلکہ مہارت کی کمی، اس "نوسکھئے"، اور "گستاخ"، کے بھدےپن اور غلطیوں کا مذاق اڑا کر جس نے ریاست کی "مقدس باگ"، صدیوں کی اس تربیت کے بغیر ہاتھ میں لینے کی جرأت کی تھی جو شہزادوں، نوابوں اور عمائدین کو دی گئی تھی۔ ٹھیک اسی طرح کورنیلوف اور کیرینسکی، گوتس اور مارتوف‌والے، بوژروا دھوکابازی یا بورژوا تشکیک کے

هیروؤں کی یہ ساری برادری روس کے مزدور طبقے سے اقتدار حاصل کرنے کی ''دلیرانہ،، کوشش کا انتقام لے رهی هے۔

ظاهر هے کہ نہ صرف هفتے بلکہ طویل ماہ و سال اس کےلئے درکار هیں کہ نیا سماجی طبقہ، خصوصاً ایسا طبقہ جو ابھی تک استحصال کا شکار، غریبی اور جہالت سے دبا اور کچلا رها تھا، نئی صورت حال کو اپنا سکے، چاروں طرف دیکھ کر اپنے کام کو منظم کر سکے اور خود اپنے ناظم پیدا کر سکے۔ یہ بات سمجھ میں آنےوالی هے کہ انقلابی پرولتاریہ کی رهنما پارٹی ایسے بڑے تنظیمی اداروں کا تجربہ اور هنر نہیں حاصل کر سکی هے جو لاکھوں کروڑوں شہریوں پر مشتمل هیں۔ پرانی اور تقریباً قطعی ایجی‌ٹیشن کرنےوالی عادتوں کو پھر سے ڈھالنا ایک بہت هی طول طویل عمل هے۔ لیکن اسمیں کوئی ناممکن بات نہیں هے اور اگر هم کو تبدیلی کی ضرورت کا صاف طور پر شعور هو جائیگا، اس کو کرنیکا مستحکم عزم پیدا هو جائے گا، عظیم اور دشوار مقصد کو استقلال کے ساتھ کرنیکا، تو هم اس کو پورا کرلیں‌گے۔ ''عوام،، میں یعنی مزدوروں اور کسانوں میں جو دوسروں کی محنت کا استحصال نہیں کرتے، تنظیمی جوهر رکھنےوالے لوگ کثیر تعداد میں هیں۔ سرمایہ ان لوگوں کو هزاروں کی تعداد میں کچلا کرتا تھا، ان کے جوهروں کو ضم کرکے گھورے پر پھینک دیا کرتا تھا۔ هم ابھی ان کو تلاش کرنے، ان کی همت‌افزائی کرنے، ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے اور ان کو فروغ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے هیں۔ لیکن هم ایسا کرنا ضرور سیکھ لیں‌گے بشرطیکہ هم اس کو سیکھنے میں اپنے تمام انقلابی ولولے سے کام لیں جس کے بغیر کوئی فتحیاب انقلاب نہیں هو سکتا۔

تاریخ میں کوئی گہری اور طاقتور عوامی تحریک نہیں هوتی جو بغیر گندے جھاگ کے اوپر آئے، بغیر سہم‌بازوں اور بدمعاشوں، ڈینگ مارنے والوں اور چرب زبان لوگوں کے جو ناتجربہ‌کار موجدوں کا دم‌چھلا بن جاتے هیں، بغیر فضول گڑبڑ، هنگاموں اور بیکار جلدبازی کے، بغیر ایسے انفرادی ''لیڈروں،، کے هو جو بیس معاملات سے بیک وقت نبٹنے کی کوشش کرتے هیں اور ایک کو بھی نہیں ختم کر پاتے۔ بورژوا سماج کے پالتو کتوں کو، بیلوروسوف

سے لیکر مارتوف تک، اس ہر فاضل چھپٹی کے بارے میں شور مچانے اور بھونکنے دو جو بڑے اور پرانے لٹھے کو کاٹنے سے اڑتی ہے۔ یہ پالتو کتے پرولتاری ہاتھی پر بھونکنےوالوں کے سوا اور کیا ہیں؟ ان کو بھونکنے دو۔ ہم اپنے راستے جائیں گے اور اسکانی احتیاط اور صبر کے ساتھ حقیقی ناظموں، سنجیدہ اور عملی دماغ والے لوگوں کو، ایسے لوگوں کو آزمائیں گے اور دریافت کرینگے جو سوشلزم سے وفاداری کو اس صلاحیت سے متحد کرتے ہیں کہ بلا کسی ہنگاسے کے (گڑبڑ اور ہنگاسے کے باوجود) لوگوں کی بڑی تعداد کو سوویت تنظیم کے ڈھانچے کے اندر یکجا کر کے ان کے مستحکم اور دوستانہ کام کو منظم کر سکیں۔ صرف ایسے ہی لوگوں کو دسیوں بار آزمانے کے بعد، بہت ہی سادہ فریضوں سے زیادہ مشکل فریضوں کی طرف منتقل کرنے کے بعد عوامی محنت کے لیڈروں، انتظامی لیڈروں کے اہم منصبوں تک ترقی دینا چاہئے۔ ہم نے ابھی یہ کرنا نہیں سیکھا ہے لیکن ہم سیکھ لیں گے۔

''ہم آہنگ تنظیم،، اور ڈکٹیٹرشپ

سوویتوں کی حالیہ کانگرس نے (ماسکو میں) جو تجویز منظور کی ہے، وہ آج کا اولین فریضہ اسے قرار دیتی ہے کہ ''ہم آہنگ تنظیم،، قائم کی جائے اور ڈسپلن سخت کیا جائے۔ اس قسم کی تجویز کے حق میں اب ہر شخص خوشی سے ''ووٹ دے رہا ہے،، اور اس پر ''دستخط کررہا ہے،،۔ لیکن عام طور سے لوگ اس نکتے پر غور نہیں کرتے کہ اس طرح کی تجویزوں کو جب نافذ کیا جاتا ہے تو جبر اور زبردستی سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہ جبر قطعی ڈکٹیٹرشپ کی شکل میں آتا ہے۔ لیکن یہ فرض کرلینا حماقت اور محض خیالی پرواز ہوگا کہ سرمایہ‌داری سے سوشلزم میں تبدیلی بغیر کسی جبر یا ڈکٹیٹرشپ کے انجام پا جائےگی۔ مارکس کا نظریہ بہت صاف صاف اس پٹی بورژوا جمہوری اور نراجی بکواس کی مدتوں پہلے مخالفت کر چکا ہے۔ ۱۸ — ۱۹۱۷ء کے روس نے اس معاملے میں مارکس کے نظریئے کی صداقت کو اتنے نمایاں، ٹھوس اور شاندار طریقے سے ثابت کردیا ہے کہ صرف وہی لوگ

اس سلسلے میں غلط فہمی کا شکار یا منکر ہو سکتے ہیں جو یا تو بالکل ہی ذہانت سے خالی ہیں یا ہٹ دھرمی کر کے سچائی سے منہ موڑتے ہیں۔ صرف دو ہی راستے تھے: یا تو کورنیلوف کی ڈکٹیٹرشپ قائم ہوتی (اگر ہم اس شخص کو بورژوا کاوینیاک کا روسی نمونہ سمجھ لیں) یا پھر پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ۔ دوسری کسی صورت کا سوال ہی نہیں اٹھتا ایسے ملک میں جو غیرمعمولی ٹیڑھے موڑوں والی انتہائی تیز ارتقا کی منزلوں سے گزر رہا ہے اور جہاں سخت تباہی اور بربادی پھیلی ہوئی ہے جو سب سے خوفناک جنگ لائی ہے۔ کوئی اور حل جو بیچ کی تدبیر سمجھاتا ہوتا تو عوام کے لئے بورژوازی کا فریب ہوگا کیوں کہ بورژوازی عوام کے سامنے سچ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتی، ان سے صاف نہیں کہہ سکتی کہ اس کو کورنیلوف جیسے لوگوں کی ضرورت ہے، یا پھر پٹی بورژوا ڈیموکریٹوں کی بدعقلی کا اظہار ہوگا — چیرنوف، تسرےتیلی اور مارتوف قسم کے لوگوں کی بدعقلی کی پیداوار ہوگا جو جمہوریت کے اتحاد کی باتیں بناتے پھرتے ہیں، جمہوریت کی ڈکٹیٹرشپ، عام جمہوری محاذ اور اسی قسم کی فضول باتیں کرتے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں ۱۸ — ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کی رفتار بھی یہ نہ سکھا سکی کہ درمیانہ راستہ ناممکن ہے اس کو مسترد کر دینا چاہئے۔

دوسری طرف سے دیکھئے تو اس کا قائل ہونا مشکل نہیں ہے کہ جب بھی سرمایہ‌داری کی جگہ سوشلزم آتا ہے تو ڈکٹیٹرشپ لازمی ہو جاتی ہے، دو خاص وجہوں سے یا دو خاص سمتوں میں۔ اول تو یہ کہ سرمایہ‌داری کی شکست یا جڑ بنیاد سے اس کا اکھاڑ دینا ممکن نہیں جب تک کہ استحصال کرنےوالوں کی مزاحمت کو بے رحمی سے کچل نہ دیا جائے۔ یہ لوگ ایک دم اپنی دولت سے محروم نہیں کئے جا سکتے اور انتظام اور معلومات کی جو سہولتیں ان کو حاصل ہیں، وہ فوراً ان سے نہیں چھینی جا سکتیں۔ نتیجہ یہ کہ ایک زمانے تک وہ لازمی طور پر برابر اسی کوشش میں رہیں گے کہ غریبوں کے ناپسندیدہ راج کا تختہ کسی نہ کسی تدبیر سے الٹ دیں۔ دوسرے یہ کہ ہر بڑا انقلاب اور اشتراکی انقلاب خاص کر اگر اسے ملک سے باہر کی جنگ کا سامنا نہ ہو

تب بھی اندرونی جنگ کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا یعنی اس میں خانہ جنگی لازمی ہے جو باہر کی جنگ سے بھی زیادہ تباہ کن ہے، اس میں ہزاروں لاکھوں ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ لوگ ڈھلمل یقین ہو جاتے ہیں — وہ کبھی ایک فریق کی طرف جاتے ہیں، کبھی دوسرے فریق سے مل جاتے ہیں۔ خانہ‌جنگی انتہائی غیریقینی حالات پیدا کرتی ہے، خانہ‌جنگی کے وقت توازن قائم نہیں رہتا اور ایک افراتفری پھیل جاتی ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ پرانے سماج کے انتشار کے تمام عناصر جو لازمی طور پر متعدد ہوتے ہیں اور زیادہ‌تر پٹی بورژوازی سے میل رکھتے ہیں (کیوں کہ پٹی بورژوازی ہی کو ہر ایک جنگ، ہر ایک بحران سب سے پہلے تباہ‌وبرباد کرتا ہے) وہ ایسے گہرے انقلاب کے موقع پر "اپنے کو سامنے لائے" بغیر نہیں رہتے۔ اور یہ انتشار کے عناصر سوائے اس کے اور کسی طرح "اپنے کو سامنے" نہیں لاسکتے کہ جرائم بڑھ جائیں، غنڈہ گردی عام ہوجائے، رشوت خوری، نفع خوری اور ہر قسم کی زیادتیاں اور دھاندلیاں زیادہ ہونے لگیں۔ ان حرکتوں کو دبانے میں وقت لگتا ہے اور انہیں دبانے کےلئے فولادی پنجے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تاریخ میں ایک بھی ایسا عظیم انقلاب نہیں ہوا ہے جس میں عوام نے جبلی طور پر اس کو محسوس نہ کیا ہو اور ڈٹ کر اس کا سامنا نہ کیا ہو، چوروں اچکوں کو عین موقع پر گولی نہ مار دی ہو۔ پہلے کے انقلابوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ عوام کا وہ انقلابی جوش و خروش جو تناؤ کی اس حالت میں ان کو کمربستہ رکھتا تھا، جو انہیں یہ طاقت بخشتا تھا کہ انتشار کے عناصر کو بےرحمی سے کچل ڈالیں، وہ زیادہ دنوں قائم نہیں رہتا تھا۔ عوام کے انقلابی جوش و خروش میں اس کمی کا سماجی یعنی طبقاتی سبب یہ تھا کہ پرولتاری طبقہ کمزور ہوتا تھا کیوں کہ وہی اکیلا (اگر اس کی تعداد بہت ہو، اس میں طبقاتی شعور کافی ہو اور ڈسپلن پایا جائے تو) محنت‌کش اور استحصال کے شکار لوگوں کی اکثریت کو (زیادہ آسان اور عام فہم لفظوں میں غریبوں کی اکثریت کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے) اور طاقت اپنے ہاتھوں میں اتنے عرصے تک سنبھالے رہ سکتا ہے کہ تمام استحصال کرنےوالوں کو

اور ساتھ ھی افراتفری پھیلانےوالے تمام عناصر کو مکمل طور پر کچل کر رکھ دے۔

پہلے کے سارے انقلابات کا یہی تاریخی تجربہ تھا، یہی عالمی تاریخی (معاشی اور سیاسی) سبق تھا جسے مارکس نے اپنے مختصر، دوٹوک، دو لفظی اور نہایت واضح فارمولے میں بیان کر دیا یعنی پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ۔ اور یہ حقیقت کہ روسی انقلاب نے صحیح طریقے سے اس عالمگیر تاریخی فریضے کو برتا ھے، اس طرح ثابت ھوئی ھے کہ تنظیم و انتظام کی سوویت شکل روس کی تمام قوموں میں، تمام زبانوں میں کامیابی کے ساتھ ترقی کرتی چلی جا رھی ھے۔ کیونکہ سوویت حکومت پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی تنظیمی شکل کے سوا اور کیا ھے، اس ترقی یافتہ طبقے کی ڈکٹیٹرشپ، جو لاکھوں کروڑوں محنت کش اور استحصال کے شکار لوگوں کو اٹھا کر نئی جمہوریت تک اور اقتدار میں آزادانہ شریک ھونے تک لے آتی ھے، اور یہ لوگ خود اپنے تجربے سے سیکھ لیتے ھیں کہ ڈسپلن کے سانچوں میں ڈھلا ھوا اور طبقاتی شعور رکھنےوالا پرولتاریہ ان کا سب سے قابل اعتبار رھنما ھے۔

مگر ھاں، ڈکٹیٹرشپ ایک بڑا لفظ ھے اور بڑے لفظوں کو بلاوجہ ٹھونسنا نہیں چاھئے۔ ڈکٹیٹرشپ فولادی اقتدار ھے۔ یہ ایسا اقتدار ھے جو انقلابی جرأت و ھمت سے کام لیتا ھو، تیزی سے عمل درآمد کرتا ھو، استحصال کرنےوالوں اور غنڈوں کو بےدردی سے کچل کر رکھ دیتا ھو۔ اس کے مقابلے میں ھمارا اقتدار نہایت نرم روی کا برتاؤ کرتا ھے۔ اکثر ایسا لگتا ھے کہ یہ فولاد نہیں بلکہ حلوا ھے۔ ھمیں ایک لمحے کو بھی یہ نہیں بھولنا چاھئے کہ بورژوا اور پٹی بورژوا عناصر ھمارے سوویت نظام کے خلاف دو طریقوں سے لڑ رھے ھیں: ایک طرف، وہ ساوینکوف، گوتس، گیگچکوری اور کورنیلوف جیسے لوگوں کے طریقے استعمال کرکے باھر سے کارروائیاں کرتے ھیں، سازشیں اور بغاوتیں پھیلاتے ھیں، اپنے گندے ''نظریاتی'' شوشے چھوڑتے رھتے ھیں، کیڈیٹ پارٹی، دائیں بازو کے سوشلسٹ انقلابیوں اور منشویکوں کے اخبارات میں جھوٹ اور تہمت کے دریا بہاتے ھیں۔ دوسری طرف، یہ عناصر اندر سے حرکتیں کرتے ھیں، انتشار کے ھر عنصر سے فائدہ اٹھا کر تاکہ

لوگوں کو رشوتیں چٹائی جائیں، بے ضابطگی بڑھائی جائے، بدعنوانی اور افراتفری کو اور ھوا دی جائے۔ بورژوازی کو فوجی لحاظ سے پوری طرح کچل ڈالنے کی منزل سے جس قدر ھم قریب پہنچتے ھیں، پٹی بورژوازی کے نراج کا عنصر اتنا ھی اور خطرناک ھوتا جاتا ھے۔ اور اس عنصر کے خلاف جدوجہد محض پروپیگنڈے اور ایجی ٹیشن کی مدد سے نہیں کی جا سکتی، صرف مقابلوں کا انتظام کرکے اور تنظیمی کارکنوں کے انتخاب سے نہیں لڑا جا سکتا۔ یہ جدوجہد جبر اور زبردستی کے ذریعوں سے بھی کرنا چاھئے...

سوویت تنظیم
کا پروان چڑھنا

سوویت جمہوریت، یعنی پرولتاری جمہوریت کی اشتراکی خصوصیت آج جس طرح عملی طور پر استعمال ھو رھی ھے، یوں بیان کی جا سکتی ھے کہ اول تو چناؤ کرنےوالے محنت کش اور وہ عوام ھیں جن کا استحصال کیا جاتا تھا، بورژوا طبقہ چناؤ کرنےوالوں میں شامل نہیں ھے۔ دوسرے یہ کہ الکشن کی تمام دفترشاھی ضابطہ پرستی اور پابندیاں دور کر دی گئی ھیں۔ خود عوام ھی فیصلہ کرتے ھیں کہ الکشن کا قاعدہ کیا ھو، الکشن کب ھو اور عوام کو پوری آزادی ھے کہ جسے چن چکے ھیں، جب چاھیں اسے واپس بلا لیں۔ تیسری بات یہ کہ محنت کشوں کے ھراول کی ایک بہترین عام تنظیم یعنی بڑی صنعتوں میں کام کرنےوالے پرولتاریہ کی تنظیم تیار ھو رھی ھے جو پرولتاریہ کو اس قابل بناتی ھے کہ وہ استحصال کے شکار لوگوں کی بڑی سے بڑی تعداد کی رھنمائی کرے، انھیں آزادانہ سیاسی زندگی میں کھینچ لائے، ان کے اپنے تجربوں کی روشنی میں سیاسی تعلیم دے اور اس صورت سے پہلی بار یہ ھو رھا ھے کہ ساری کی ساری آبادی انتظامی محکمے چلانے کا کام سیکھنے کی شروعات کر رھی ھے اور انتظام ھاتھ میں لے رھی ھے۔

یہ ھیں اصل امتیازی خصوصیات اس جمہوریت کی جو روس میں عملی شکل اختیار کر رھی ھے اور جو اعلی نمونے کی جمہوریت ھے، جس نے مسخ کی ھوئی بورژوا جمہوریت سے اپنا ناتا توڑ لیا

ھے، جو اشترا کی جمہوریت کے مرحلے میں داخل ھوتی جا رھی ھے اور ان حالات میں جانےوالی ھے جب ریاست خودبخود مٹ جائے گی۔

اس کے جتانے کی ضرورت نہیں کہ پٹی بورژوازی کی بدنظمی کا عنصر اس سے باز نہیں آسکتا کہ سوویتوں پر بھی اپنی چھاپ لگا دے (یہ وہ عنصر ھے جو کسی نہ کسی حد تک ھر ایک پرولتاری انقلاب میں خود کو لازمی طور پر ظاھر کرکے رھےگا اور ھمارے اس انقلاب میں تو وہ اور بھی زیادہ خود کو دکھانے پر تلا ھوا ھے کیوں‌کہ ھمارے ملک کا مزاج پٹی بورژوازی کا مزاج ھے، ملک پچھڑا ھوا ھے اور رجعت‌پرست جنگ کے اثرات بھی لازمی ھیں)۔

ھمیں اس غرض سے انتھک کام کرنا چاھئے کہ سوویتوں کو اور سوویت اقتدار کی تنظیم کو آگے بڑھائیں۔ پٹی بورژوازی کی طبیعت کا جھکاؤ یہ ھوتا ھے کہ سوویتوں کے ممبروں کو ''پارلیمنٹری آدمی،، بنا ڈالیں یا یہ نہیں تو افسر شاھی کے سانچے میں ڈھال دیں۔ ھمیں اس سے اس طرح لڑنا چاھئے کہ سوویتوں کے تمام ممبروں کو انتظامی کاموں میں کھینچ لائیں۔ بہت سے مقامات پر سوویتوں کے محکمے کمیساریتوں* میں رفتہ رفتہ ضم ھوتے جا رھے ھیں۔ ھمارا مقصد یہ ھے کہ ساری کی ساری غریب آبادی کو سرکاری انتظام کی ذمہ‌داریوں میں کھینچ لائیں اور اس سمت میں جو قدم بھی اٹھے (اس کی جتنی بھی شکلیں ھو سکتی ھوں، بہتر ھے) وہ احتیاط سے نظر میں رکھا جائے، اس پر غور کیا جائے، اس کا ایک سسٹم مقرر کرکے زیادہ وسیع تجربے سے اس کی جانچ پرتال کی جائے اور پھر اسے قانون میں شامل کر لیا جائے۔ ھمارا مقصد ایسی تدبیریں اختیار کرنا ھے جن سے لازماً ھر ایک محنت‌کش پیداواری کاموں میں آٹھ گھنٹے صرف کرنے کے بعد بغیر تنخواہ یا معاوضے کے سرکاری ڈیوٹی بھی انجام دیا کرے: اس دستور کو عام کرنا خاص کر مشکل کام ھے لیکن محض یہی چیز اس بات کی ضامن ھے کہ سوشلزم کی جڑیں قطعی طور پر مضبوط ھو جائیں۔ قدرتی امر ھے

* ۱۹۴۶ء تک سوویت یونین میں وزیر — عوامی کمیسار اور وزارت — عوامی کمیساریت کہلاتی تھیں۔ (ایڈیٹر)

کہ تبدیلی کا انوکھاپن اور اس کی مشکلات بہت سی تدبیریں اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اور اس میں پھر اٹکل پچو غلطیاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ تذبذب بھی رہتا ہے ــ اس کے بغیر کوئی تیز ترقی نہیں ہوا کرتی۔ موجودہ حالت کا سارا انوکھاپن ایسے بہت سے لوگوں کے نقطۂ نظر سے جنھیں سوشلسٹ کہلانے کا شوق ہے، یہ ہے کہ اب تک لوگوں کی عادت سرمایہ‌داری اور سوشلزم کو مجرد طریقے سے ایک دوسرے کے برعکس سمجھنے کی رہی ہے اور دونوں کے درمیان انھوں نے بہت گہرے معنی میں ''چھلانگ،، کا لفظ رکھ چھوڑا ہے (ان میں بعض نے اینگلس کی تحریروں میں سے پڑھے ہوئے ٹکڑے یاد کرکے گہرے معنی میں یہ اضافہ کیا: یہ ایک ''چھلانگ ہے ضرورت کے راج سے آزادی کے راج میں،، (۱۹۰)۔ ان نام‌نہاد سوشلسٹوں کی اکثریت جنھوں نے سوشلزم کے بارے میں ''کتابوں میں پڑھ رکھا ہے،، لیکن کبھی اس مسئلے پر سر نہیں کھپایا، وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ''چھلانگ،، کے لفظ سے سوشلزم کے سچے استادوں کا مطلب یہ تھا کہ عالمی تاریخی پیمانے پر ایک موڑ آتا ہے۔ اور اس قسم کی چھلانگیں قرنوں بلکہ دسیوں سال سے بھی زیادہ عرصے تک چلتی ہیں۔ قدرتی طور پر ایسے زمانے میں وہ نام‌نہاد ''دانش‌ور،، مردے کی بےشمار مرثیہ خوانی کرتے رہتے ہیں: ایک کو آئین‌ساز اسمبلی (۱۹۱) کی موت پر رونا آتا ہے، دوسرے پر رقت طاری ہوتی ہے کہ بورژوا ڈسپلن نہیں رہا، تیسرے کو غم ہے کہ سرمایہ‌دارانہ نظام سدھار گیا اور چوتھا تہذیب یافتہ اور تمیزدار جاگیرداروں کے ختم ہوجانے پر آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے، پانچویں کو رونا آتا ہے کہ سامراجی بڑی طاقت کی حیثیت تباہ ہو گئے، وغیرہ وغیرہ۔

بڑی بڑی چھلانگوں کا جو دور ہوتا ہے اس کا اصلی نکتہ یہ ہے کہ ماضی کے بچے کھچے ٹکڑوں کی بہتات ہو جاتی ہے اور یہ بعض اوقات نئے جنم لینےوالے آثار (یہ ہمیشہ فوراً ہی نظر میں بھی نہیں آتے) کی تعداد کے مقابلے میں کہیں تیزی سے اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ضرورت اس بات کی ہے کہ انھیں چھانٹا جا سکے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ ترقی کی راہ پر یا اس کے سلسلے میں کیا چیز سب سے اہم ہے۔ تاریخ میں ایسے لمحے بھی آتے ہیں جب

انقلاب کو کامیاب کرنے کےلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان ٹکڑوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ڈھیر کر لی جائے یعنی پرانے اداروں میں جتنے ہو سکیں، پھونک دئے جائیں۔ ایسا وقت بھی آتا ہے جب ان ٹکڑوں کی بڑی تعداد پھونک کر صاف کردی جاتی ہے اور اس کے بعد یہ ''غیرشاعرانہ،، (پٹی بورژوا انقلابیوں کی نظر میں ''روکھا پھیکا،،) کام ہوتا ہے کہ اس ملبے کو ہٹایا اور دور کیا جائے۔ اور وہ وقت بھی آتا ہے کہ بہت احتیاط اور ہوشیاری سے ان نئے آثار کو پالنا پوسنا وقت کی سب سے اہم ضرورت بن جاتا ہے، جو اسی ملبے کے درمیان اس سرزمین پر اگتے ہیں جو کافی جھلسی ہوئی ہوتی ہے اور ابھی پرانی گند سے پاک نہیں ہوتی۔

صرف انقلابی ہونا اور سوشلزم یا عام طور سے کمیونزم کا ماننےوالا ہونا کافی نہیں ہے۔ آدمی میں اس کی اہلیت ہونی چاہئے کہ وہ ہر خاص لمحے زنجیر کی خاص کڑی کو پا سکے اور اپنی پوری قوت سے اس کو تھام سکے تاکہ تمام سلسلے کو اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے رہے اور وہ جم کر اگلی کڑی تک پہنچنے کی تیاری کر سکے۔ زنجیر کی کڑیوں کی ترتیب، ان کی شکل اور جس انداز سے وہ ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں، وہ اور واقعات کے تاریخی سلسلے میں ان کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا — یہ کوئی سادہ سی چیز نہیں ہے اور نہ اس زنجیر کی کڑیوں کی طرح بےمعنی ہے جو لوہار کی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔

تنظیم کی جو سوویت شکل ہے، افسرشاہی کی طرف سے اسے بگاڑنے کی جتنی حرکتیں ہوتی ہیں، ان کا مقابلہ کامیابی سے کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ سوویتوں میں اور ''عام لوگوں،، میں یعنی ان لوگوں میں جو محنت کش ہیں، جن کا استحصال ہوتا رہا ہے، تعلق مضبوط ہو اور مضبوط ہونے کے علاوہ اس میں لوچ اور لچک بھی ہو۔ دنیا کی سب سے جمہوری سرمایہدار ریپبلکوں میں بھی غریب آدمی کبھی یہ نہیں سمجھتا کہ بورژوا پارلیمنٹ ''ہمارا اپنا،، ادارہ ہے۔ لیکن سوویتیں ان کا ''اپنا ادارہ،، ہیں، عام مزدوروں کسانوں کےلئے وہ کوئی اجنبی یا غیر چیز نہیں ہیں۔ شیڈمان جیسے آجکل کے ''سوشل ڈیموکریٹ،، یا بالکل اسی قسم کے مارتوف ٹائپ لوگ سوویتوں سے ویسے ہی بدکتے ہیں اور اسی طرح شریفانہ

بورژوا پارلیمنٹ یا آئین‌ساز اسمبلی کی طرف ان کا دل کھنچتا ہے جیسے آج سے ساٹھ سال پہلے ترگینف ایک معتدل قسم کی شاہی اور شرفا کے آئین کی طرف جھک گیا تھا اور اسے دوبرولیوبوف اور چرنیشیفسکی کی کسانوں‌والی جمہوریت ناپسند ہوئی تھی۔

سوویتوں کا ''عام لوگوں،، سے قریب ہونا، محنت‌کشوں سے نزدیک ہونا ہی دراصل وہ چیز ہے جو چنے ہوئے ممبروں کو واپس بلا لینے یا نیچے سے کنٹرول رکھنے کی دوسری خاص شکلوں کو جنم دیتی ہے اور انھی شکلوں کو اب زیادہ لگن سے آگے بڑھانا چاہئے۔ مثال کے طور پر عام تعلیم کی سوویتیں (کونسلیں) جو اپنے شعبے میں سوویت افسران کی سرگرمیوں پر بحث اور کنٹرول کے لئے سوویت ووٹروں اور ان کے مندوبین کی میعادی کانفرنسوں کی حیثیت رکھتی ہیں، ہمدردی اور حمایت کے قابل ہیں۔ اس سے بڑھ کر بےوقوفی نہیں ہو سکتی کہ سوویتوں کو منجمد اور مطمئن بالذات بنا کر رکھ دیا جائے۔ جس قدر جم کر ہم کو اس کی حفاظت کرنی ہے کہ حکومت سخت اور بےمروت ہو، کام کے معینہ عوامل میں افراد کی ڈکٹیٹری قائم رہے، خالص انتظامی معاملات کے معینہ لمحات میں وہ ڈکٹیٹرانہ اختیارات سے کام لیں، اسی قدر طرح طرح سے وہ شکلیں اور وہ تدبیریں ہونی ضروری ہیں جن کے ذریعے نیچے سے اوپروالوں پر کنٹرول کیا جا سکے تاکہ سوویت طرز حکومت کے اصولوں کو مسخ کرنے کے ذرا ذرا سے امکانات کا توڑ ہوتا رہے اور افسرشاہی کا جو گھاس پھوس اگتا رہتا ہے اسے برابر، ہمت کے ساتھ اکھاڑا اور صاف کیا جاتا رہے۔

۱۳ — ۲۶ اپریل ۱۹۱۸ء
میں لکھا گیا۔

ریاست

سویردلوف نامی یونیورسٹی میں
لکچر، ۱۱ جولائی ۱۹۱۹ء

رفیقو! جو پروگرام آپ کے یہاں منظور ہوا ہے اور مجھے بتایا گیا ہے اس کے مطابق آج کی گفتگو کا موضوع ریاست ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کو اس موضوع سے فی الحال کتنی واقفیت ہے۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ کی پڑھائی ابھی شروع ہوئی ہے اور پہلی مرتبہ آپ اس موضوع پر باقاعدگی سے غور کرینگے۔ اگر ایسا ہے تو ممکن ہے کہ میں اس مشکل موضوع کے پہلے لکچر میں اپنے بیان کو بہت سے سامعین کےلئے کافی واضح اور جامع بنانے میں کامیاب نہ ہو سکوں۔ اور اگر ایسی صورت ہو تو میں درخواست کرونگا کہ آپ اس بات سے پریشان نہ ہوں کیونکہ ریاست کا مسئلہ بہت ہی پیچیدہ اور مشکل مسئلہ ہے۔ شاید یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو بورژوا عالموں، مصنفوں اور فلسفیوں نے سب سے زیادہ الجھا دیا ہے۔ اس لئے اس کی توقع نہ کرنی چاھئے کہ اس موضوع کو ایک مختصر سے لکچر میں صاف طور پر سمجھا جا سکے گا۔ اس موضوع پر پہلے لکچر کے بعد آپ ان حصوں پر نشان لگا دیجئے جو سمجھ میں نہ آئیں یا آپ کےلئے صاف نہ ہوں اور پھر ان کو دوسری، تیسری اور چوتھی مرتبہ پڑھئے تاکہ جو کچھ آپ نہ سمجھے ہوں اس کو بعد میں پڑھنے، لکچر اور بات‌چیت کے ذریعہ زیادہ واضح اور صاف کیا جا سکے۔ مجھے امید ہے کہ ہم دوبارہ بھی مل سکیں‌گے اور اس وقت ہم تمام مزید سوالوں پر

تبادلۂ خیال کر سکیں گے اور دیکھ سکیں گے کہ کونسی باتیں سب سے زیادہ غیر واضح رہ گئی ھیں۔ مجھے یہ بھی امید ھے کہ آپ بات‌چیت اور لکچروں کے علاوہ مارکس اور اینگلس کی انتہائی اھم تصانیف میں سے بھی کچھ پڑھیں گے۔ بلاشبہ آپ کو یہ اھم تصانیف کتابوں کی اس فہرست اور ان درسی کتابوں میں ملیں گی جو سوویت اور پارٹی اسکول کے طالب علموں کےلئے مہیا کی جاتی ھیں اور آپ کی لائبریری میں موجود ھیں۔ اور پھر، حالانکہ آپ لوگوں میں سے بعض کو ان کتابوں کے مشکل طرز بیان سے گھبراھٹ ھوگی لیکن میں دوبارہ آپ کو آگاہ کرتا ھوں کہ اس سے پریشان نہ ھونا چاھئے اور جو کچھ پہلی مرتبہ پڑھنے میں صاف نہ ھوگا وہ دوسری مرتبہ پڑھنے میں یا جب آپ بعد میں اس سوال کو ذرا مختلف زاوئے سے دیکھیں گے تو صاف ھو جائے گا۔ کیونکہ میں پھر دوھراتا ھوں کہ یہ سوال ایسا پیچیدہ ھے اور بورژوا عالموں اور مصنفوں نے اس کو ایسا الجھا دیا ھے کہ جو کوئی بھی اس سوال کا مطالعہ سنجیدگی سے کرنا چاھتا ھے اور اس پر خود بلا کسی کی مدد کے عبور حاصل کرنا چاھتا ھے اسے اس پر متعدد بار حملہ کرنا چاھئے، باربار اس پر غور و خوض کرنا چاھئے اور سوال کو مختلف زاویوں سے سوچنا چاھئے تاکہ وہ اس کو صاف اور پختہ طریقے سے سمجھ سکے۔ اور پھر اس سوال کی طرف واپس آنا اور بھی آسان ھو جائے گا کیونکہ یہ تمام سیاست کا ایسا بنیادی اور اصلی سوال ھے کہ صرف موجودہ طوفانی اور انقلابی زمانے ھی میں نہیں بلکہ انتہائی پرامن دور میں بھی آپ کو اس سوال سے روزانہ ھر اخبار میں کسی معاشی یا سیاسی سوال کے سلسلے میں دوچار ھونا پڑے گا۔ ھر روز کسی نہ کسی سلسلے میں آپ کو اس سوال کی طرف آنا پڑے گا: ریاست کیا ھے، اس کی نوعیت کیا ھے، اس کی اھمیت کیا ھے اور ھماری پارٹی کا رویہ کیا ھے، وہ پارٹی جو سرمایہ‌دارانہ نظام کا تختہ الٹنے کےلئے جدوجہد کر رھی ھے یعنی کمیونسٹ پارٹی، اس کا رویہ ریاست کی طرف کیا ھے؟ اور سب سے اھم بات یہ ھے کہ آپ کو اپنے مطالعہ کے نتیجے میں، بات‌چیت اور لکچروں کے نتیجے میں جو آپ ریاست کے متعلق سنیں گے اتنی قابلیت حاصل کر لینی چاھئے کہ آپ اس سوال کو خود بلا کسی

کی مدد کے سمجھ سکیں کیونکہ آپ کو اس سوال سے ایسے موقعوں پر دوچار ہونا پڑیگا جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوں گے، انتہائی معمولی سوالوں کے سلسلے میں، انتہائی غیرمتوقع سیاقوں میں اور مخالفین سے بحثوں مباحثوں میں ۔ صرف اس وقت جب آپ اس مسئلے کو خود بلا کسی کی مدد کے صحیح طور پر سمجھ سکیں گے تبھی آپ اپنے کو عقیدوں کا کافی پکا اور اس قابل سمجھ سکتے ہیں کہ کسی کے خلاف اور کسی وقت بھی آپ ان کی دفاع کر سکیں ۔

ان مختصر ریمارکوں کے بعد اب میں اصل سوال پر آتا ہوں: ریاست کیا ہے، اس کا وجود کیسے ہوا اور بنیادی طور پر ریاست کی طرف مزدور طبقے کی پارٹی یعنی کمیونسٹ پارٹی کا کیا رویہ ہونا چاہئے جو سرمایہ‌دارانہ نظام کا تختہ مکمل طور پر الٹ دینے کےلئے جدوجہد کر رہی ہے؟

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ کو شاید ہی ریاست کے سوال کے علاوہ کوئی ایسا مسئلہ ملےگا جس کو بورژوا سائنس، فلسفے، قانون، سیاسی معیشت اور صحافت کے نمائندوں نے جان بوجھکر یا بلاجانے بوجھے اتنا الجھایا ہو ۔ ابھی تک اس سوال کو اکثر مذہبی سوالوں سے الجھایا جاتا ہے ۔ صرف مذہبی عقائد کے نمائندے ہی نہیں (ان سے اس کی توقع رکھنا فطری ہے) بلکہ وہ لوگ بھی جو اپنے کو مذہبی تعصبات سے آزاد سمجھتے ہیں اکثر ریاست کے مخصوص سوال کو مذہب کے سوالوں سے الجھا دیتے ہیں اور فلسفیانہ نقطۂ‌نظر اور دلیلوں سے ایسا پیچیدہ نظریہ تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو یہ سکھاتا ہے کہ ریاست کوئی آسمانی، کوئی مافوق الفطرت چیز ہے، کہ وہ ایسی طاقت ہے جس کی بدولت بنی‌نوع انسان کا وجود قائم ہے اور جو لوگوں کو کچھ عطا کرتی ہے یا کر سکتی ہے، جو اپنے ساتھ ایسی چیز لاتی ہے جو انسانی نہیں ہے بلکہ باہر سے اس کو عطا ہوتی ہے یعنی وہ ایسی طاقت ہے جس کا سرچشمہ خداداد ہے ۔ یہاں یہ بات کہہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ نظریہ اتنی مضبوطی سے استحصال کرنےوالے طبقوں، جاگیرداروں اور سرمایہ‌داروں کے مفادات سے منسلک ہے، اتنا زیادہ ان کے مفادات کی خدمت کرتا ہے اور ان حضرات کے رسم و رواج، نظریوں اور سائنس میں اتنا گہرا سرایت کر گیا ہے

جو بورژوازی کی نمائندگی کرتے ھیں کہ آپ اس کی باقیات ھر قدم پر دیکھیں گے، حتی کہ ریاست کے اس نظرئے میں بھی جس کو مینشویک اور سوشلسٹ انقلابی مانتے ھیں جو اس خیال کو حقارت سے ٹھکراتے ھیں کہ ان پر مذھبی تعصب حاوی ھے اور جنھیں یقین ھے کہ وہ ریاست کے مسئلے کو سنجیدگی سے دیکھتے ھیں۔ یہ سوال اتنا الجھا ھوا اور پیچیدہ بنا دیا گیا ھے کیونکہ یہ تمام دوسرے سوالوں سے زیادہ حکمراں طبقوں کے مفادات پر اثرانداز ھوتا ھے (اس سلسلے میں صرف معاشی سائنس کے بنیادی سوالوں کو اس پر فوقیت حاصل ھے)۔ ریاست کا یہ نظریہ سماجی امتیازوں کے جواز، استحصال کے وجود کے جواز اور سرمایہ‌دارانہ نظام کے وجود کے جواز کی خدمت انجام دیتا ھے۔ اور اسی‌لئے اس سوال پر غیرجانبداری کی توقع رکھنا اور اس سوال کو یہ یقین کرکے دیکھنا سب سے بڑی غلطی ھوگی کہ وہ لوگ جو سائنس‌دانی کا دعوی کرتے ھیں آپ کے سامنے اس موضوع پر خالص سائنس کا نقطۂنظر پیش کریں گے۔ ریاست کے سوال میں، ریاست کے نظرئے میں، ریاست کی تھیوری میں، جب آپ اچھی طرح اس سوال سے واقف ھو جائیں‌گے اور اس کی گھرائیوں میں کافی پھنچ جائیں‌گے تو آپ ھمیشہ مختلف طبقوں کی ایک دوسرے سے کشمکش دیکھیں گے، ایسی کشمکش جس کی عکاسی یا اظھار ریاست سے متعلق نظریات کے تصادم میں، ریاست کے رول اور اھمیت کا اندازہ لگانے میں ھوتا ھے۔

اس سوال کے متعلق امکانی طور پر سائنسی رویہ اختیار کرنے کےلئے ھمیں ریاست کے آغاز اور ارتقا کی تاریخ پر کم‌از کم ایک سرسری نظر ڈالنی چاھئے۔ سماجی سائنس کے سوال میں انتھائی معتبر بات، وہ جو اس سوال کو صحیح رخ سے دیکھنے کی عادت ڈالنے کےلئے اور اپنے کو تفصیلات یا متضاد رایوں کے زبردست سیلاب میں غرق ھونے سے بچانے کےلئے ضروری ھے، جو اس سوال کو سائنسی نقطۂنظر سے دیکھنے کےلئے انتھائی اھم ھے وہ یہ بات ھے کہ بنیادی تاریخی تعلق کو نہ بھولا جائے، ھر سوال کو اس نقطۂنظر سے جانچا جائے کہ کوئی مخصوص مظھر تاریخ میں کیسے ابھرا اور یہ مظھر اپنے ارتقا کے دوران میں کن بڑی منزلوں

سے گذرا اور پھر اس کے ارتقا کے نقطۂ نظر سے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ یہ مخصوص مظہر آج کیا بن گیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ریاست کے سوال کے مطالعے کے دوران میں آپ اینگلس کی کتاب ''خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز،، پڑھیں گے۔ یہ جدید سوشلزم کی بنیادی تصانیف میں سے ایک ہے، جس کا ہر جملہ اس اعتبار کے ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے کہ اس کو اٹکل پچو نہیں کہا گیا ہے بلکہ اس کی بنیاد زبردست تاریخی اور سیاسی مواد پر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کے تمام حصے ایک طرح سے عام فہم اور آسانی سے سمجھ میں آنےوالے نہیں ہیں۔ بعض حصوں میں یہ مان لیا گیا ہے کہ قاری تاریخ اور معاشیات کی کچھ معلومات رکھتا ہے۔ لیکن میں دھراتا ہوں کہ اگر آپ اس کو فوراً نہ سمجھیں تو گھبرائیےگا نہیں۔ کیونکہ مشکل ہی سے کوئی ایسا کر پاتا ہے۔ لیکن بعد میں جب دلچسپی پیدا ہو جائیگی اور آپ اس کو پڑھیں گے تو اگر اس پورا نہیں تو زیادہ‌تر حصے کو ضرور سمجھ لیں‌گے۔ میں نے اس کتاب کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ وہ مذکورہ معنی میں اس سوال کے بارے میں ٹھیک رویہ پیش کرتی ہے۔ اس کی ابتدا ریاست کے آغاز کے تاریخی خاکے سے ہوتی ہے۔

اس سوال کے متعلق صحیح رویہ یہ ہوگا کہ دوسرے سوالوں کی طرح مثلاً سرمایہ‌دارانہ نظام، انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال، سوشلزم، وہ کیسے ابھرا، وہ حالات جو اس کے ابھار کا سبب بنے وغیرہ کے سوالات، غرض ہر ایسے سوال کو صحیح اور معتبر طریقے سے جانچا جا سکتا ہے اگر ہم اس کے ارتقا کی پوری تاریخ پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ریاست کا وجود ہمیشہ سے نہ تھا۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب ریاست کا وجود نہ تھا۔ وہ ہر ایسی جگہ اور ہر ایسے وقت نمودار ہوتی ہے جہاں اور جب سماج کی تقسیم طبقوں میں ہو جاتی ہے، جب بھی استحصال کرنےوالوں اور استحصال کے شکار لوگوں کا ظہور ہوتا ہے۔

انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کی پہلی صورت، طبقوں کی تقسیم کی پہلی شکل وجود میں آنے سے قبل یعنی غلاموں

کے مالکوں اور غلاموں کے پیدا ہونے سے قبل پدری خاندان تھا یا کبھی کبھی اس کو ہم‌نسبی خاندان بھی کہتے ہیں (ہم نسبی قبیلہ جس میں لوگ خون کے رشتے یا نسل کے مطابق رہتے تھے)۔ ان ابتدائی زمانوں کی کافی واضح نشانیاں بہت سی ابتدائی قوموں کی زندگی میں باقی رہ گئی ہیں۔ اور آپ ابتدائی تہذیب پر جو تصنیف بھی لے لیں اس سے آپ کو اس بات کے کم و بیش واضح بیان، نشانیاں اور یادگاریں ملیں‌گی کہ کبھی ایک ایسا دور تھا جو تھوڑا بہت ابتدائی کمیونزم سے ملتا جلتا تھا، جب سماج غلاموں کے مالکوں اور غلاموں میں نہیں تقسیم ہوا تھا۔ اور اس زمانے میں ریاست نہ تھی، طاقت کے باقاعدہ استعمال اور طاقت کے ذریعہ لوگوں کو ماتحت بنانے کی کوئی خاص مشینری نہ تھی۔ اسی مشینری کو ریاست کہتے ہیں۔

ابتدائی سماج میں جب لوگ چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں رہتے تھے اور ارتقا کی انتہائی نچلی منزلوں میں تھے، تقریباً وحشیانہ حالت میں، ایسے دور میں جس کے اور موجودہ مہذب انسانی سماج کے درمیان کئی ہزار سال کا فاصلہ ہے، اس وقت ریاست کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں رواجوں، نام و نمود، عزت اور قبیلے کے بزرگوں کے اختیارات کا بول‌بالا تھا، ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اختیارات کبھی کبھی عورتوں کو بھی حاصل ہوتے تھے۔ اس زمانے میں عورتیں حقوق سے ایسی محروم اور مظلوم نہ تھیں جیسی آج ہیں۔ لیکن اس زمانے میں ہم کو لوگوں کا کوئی ایسا خاص زمرہ نہیں ملتا جو دوسروں پر حکمرانی کےلئے مخصوص کر لیا گیا ہو، حکمرانی کرنے کے واسطے اور اسی مقصد کےلئے، باقاعدہ اور مستقل طور سے جبر کرنے کی مخصوص مشینری، تشدد کی ایسی مشینری رکھتا ہو جس کا اظہار آج‌کل، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، فوج کے مسلح دستوں، جیلوں اور دوسروں کی مرضی کو بزور اپنا تابع بنانے کے دوسرے ذرائع سے یعنی ان تمام چیزوں سے ہوتا ہے جو ریاست کا نچوڑ ہیں۔

اگر ہم نام نہاد مذہبی تعلیم، موشگافیوں، فلسفیانہ دلیلوں اور بورژوا عالموں کے طرح طرح کے خیالوں سے قطع نظر کرکے معاملہ کی جڑ تک پہنچنے کی کوشش کریں تو ہم دیکھیں‌گے کہ

ریاست انسانی سماج سے ممتاز، بالکل اسی طرح کی حکمرانی کی مشینری ھے۔ جب آدمیوں کا ایک ایسا مخصوص گروہ وجود میں آتا ھے جس کا حکمرانی کے سوا اور کوئی کام نہیں اور جس کو حکمرانی کےلئے جبر اور دوسروں کی مرضی کو بزور اپنا غلام بنانے کےلئے مخصوص مشینری کی ضرورت ھوتی ھے مثلاً جیلوں، آدمیوں کے مخصوص دستوں اور فوجوں وغیرہ کی ضرورت تو اس وقت ریاست کا ظہور ھوتا ھے۔

لیکن ایک زمانہ تھا جب ریاست کا وجود نہ تھا، جب مشترکہ روابط کو، خود سماج کو، ڈسپلن اور کام کے نظم و نسق کو رسم و رواج یا قبیلوں کے بزرگ مردوں یا عورتوں کے اختیارات یا پاس اور لحاظ کے ذریعہ قائم رکھا جاتا تھا (اس زمانے میں اکثر عورتوں کو نہ صرف مردوں کے برابر حیثیت حاصل ھوتی تھی بلکہ کبھی کبھی تو وہ ان سے زیادہ بھی درجہ رکھتی تھیں) اور جب لوگوں کا ایسا مخصوص زمرہ نہ تھا جو حکمرانی کے ماھر ھوں۔ تاریخ بتاتی ھے کہ ریاست لوگوں پر جبر کرنے کی مخصوص مشینری کی حیثیت سے صرف اس جگہ اور اس وقت پیدا ھوئی جہاں اور جب سماج کی تقسیم طبقوں میں ھو گئی یعنی لوگوں کے ایسے گروھوں میں تقسیم جن میں کچھ مستقل اس حیثیت کو پہنچ جاتے ھیں کہ دوسروں کی محنت کا استحصال کریں، جہاں کچھ لوگ دوسروں کو لوٹیں کھسوٹیں۔

اور سماج کی اس تاریخی تقسیم کو ایک بنیادی واقعے کی حیثیت سے صاف طور پر اپنے ذھن میں ھمیشہ رکھنا چاھئے۔ بلااستثنا تمام ملکوں میں ھزاروں برسوں سے تمام انسانی سماجوں کا ارتقا یہ دکھاتا ھے کہ اس ارتقا میں ضابطہ، اصول اور تسلسل ھے چنانچہ پہلے بلا طبقوں کا سماج تھا — اصلی پدری نظام‌والا، ابتدائی سماج جس میں امرا نہ تھے، پھر ایسا سماج آیا جس کی بنیاد غلامی پر تھی یعنی غلام سماج۔ پورا جدید مہذب یورپ اس منزل سے گذرا ھے۔ دو ھزار سال پہلے غلامی کا بول بالا تھا۔ اس سے دنیا کے باقی براعظموں کی قوموں کی بڑی اکثریت کو بھی گذرنا پڑا۔ کم ترقی‌یافتہ قوموں میں غلامی کے نشانات آجتک باقی ھیں، مثال کے طور پر آپ کو موجودہ زمانے میں افریقہ میں غلامی کے

عناصر ملیں گے ۔ غلاموں کے مالک اور غلام یہ تھی پہلی اہم طبقاتی تقسیم ۔ پہلے گروہ کے لوگ نہ صرف تمام ذرائع پیداوار ھی کے مالک تھے (یعنی زمینیں اور اوزار خواہ وہ اس زمانے میں کتنے ھی ابتدائی اور ناقص کیوں نہ رہے ہوں) بلکہ ان کی ملکیت آدمی بھی تھے ۔ یہ گروہ غلاموں کا مالک کہلاتا تھا جبکہ وہ لوگ جو محنت کرتے تھے اور دوسروں کے لئے کام کرتے تھے غلام کہلاتے تھے ۔

تاریخ میں اس صورت کی جگہ دوسری نے لے لی ــ کسان غلامی نے ۔ زیادہ تر ملکوں میں غلامی نے ارتقا کرکے کسان غلامی کی صورت اختیار کرلی ۔ سماج کی بنیادی تقسیم زمین‌داروں اور کسان غلاموں میں ہو گئی ۔ لوگوں کے درمیان تعلقات کی صورت بدل گئی ۔ غلاموں کے مالک غلاموں کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے ۔ قانون اس خیال کی تصدیق کرتا تھا اور غلام کو ایسی چیز سمجھتا تھا جو پوری طرح غلاموں کے مالک کی ملکیت ہو ۔ جہاں تک کسان غلام کا سوال ھے طبقاتی ظلم اور ماتحتی باقی رھی لیکن یہ نہیں سمجھا جاتا تھا کہ زمین‌دار کسانوں کا چیزوں کی حیثیت سے مالک ھے ۔ وہ صرف ان کی محنت کا حقدار تھا اور ان کو کچھ خاص خدمات کے لئے مجبور کر سکتا تھا ۔ عملی طور پر کسان غلامی جیسا کہ آپ جانتے ھیں، خاص طور سے روس میں، جہاں یہ سب سے طویل مدت تک قائم رھی اور اس نے بدترین صورتیں اختیار کیں، کسی طرح غلامی سے مختلف نہ تھی ۔

اس کے بعد جاگیردارانہ سماج میں تجارت کی ترقی، عالمی منڈی کے ظہور اور زر کی گردش کے ارتقا کیوجہ سے ایک نیا طبقہ پیدا ھوا ــ سرمایہ‌دار طبقہ ۔ مال، اشیاء تجارت کے تبادلے اور زر کی طاقت میں ترقی کیوجہ سے سرمائے کی طاقت پیدا ھوئی ۔ اٹھارویں صدی کے دوران میں، بلکہ اٹھارویں صدی کے آخر میں اور انیسویں صدی کے دوران میں ساری دنیا میں انقلابات ھوئے ۔ مغربی یورپ کے سارے ملکوں میں جاگیردارانہ نظام ختم کر دیا گیا ۔ روس میں یہ سب سے بعد میں ھوا ۔ ۱۸۶۱ء میں روس میں بھی ایک تبدیلی ھوئی جس کے نتیجے میں ایک قسم کے سماج کی جگہ دوسرے نے لے‌لی یعنی جاگیردارانہ نظام کی جگہ سرمایہ‌دارانہ

نظام نے لےلی۔ اس نظام میں طبقاتی تقسیم باقی رہی اور کسان غلامی کے نشانات اور باقیات بھی، لیکن طبقاتی تقسیم نے بنیادی طور پر ایک نئی صورت اختیار کرلی۔

تمام سرمایہ‌دار ملکوں میں سرمائے کے مالک، زمین کے مالک، ملوں اور فیکٹریوں کے مالک آبادی کی حقیر سی اقلیت تھے اور اب بھی ہیں جو ساری قوم کی محنت پر پوری طرح حاوی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ تمام محنت‌کشوں پر حکم چلاتے ہیں، ان پر زور و ظلم اور استحصال کرتے ہیں جن کی اکثریت پرولتاریہ ہے، اجرت پر کام کرنےوالوں پر مشتمل ہے جو پیداواری عمل کے دوران میں صرف اپنے بازوؤں کی قوت یعنی محنت کی طاقت بیچ کر روزگار حاصل کرتے ہیں۔ سرمایہ‌دارانہ نظام کی جانب ارتقا کے ساتھ ساتھ کسان جو جاگیردارانہ دور ہی میں غیر متحد اور مظلوم تھے کچھ تو (اکثریت میں) پرولتاریہ اور کچھ (اقلیت میں) امیر کسان بن گئے جو خود اجرت پر مزدور رکھتے تھے اور دیہاتی بورژوازی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اس بنیادی واقعہ یعنی غلامی کی ابتدائی صورتوں سے کسان غلامی تک سماج کی تبدیلی کو اور پھر آخر میں سرمایہ‌دارانہ نظام تک تبدیلی کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا چاہئے کیونکہ صرف اس بنیادی واقعہ کو یاد رکھ کر ہی، اس بنیادی ڈھانچے میں تمام سیاسی نظریات کو فٹ کرکے ہی آپ ان نظریات کو ٹھیک سے آنک سکیں گے اور یہ سمجھ سکیں‌گے کہ ان کا تعلق کس سے ہے کیونکہ تاریخ انسانی میں ہر ایک بڑے دور — غلامی، جاگیرداری اور سرمایہ‌داری نے اپنی آغوش میں بیسیوں اور سیکڑوں صدیوں کو سمیٹ لیا ہے اور ایسی کثیر تعداد میں سیاسی شکلیں، ایسے مختلف‌النوع سیاسی نظریات، رائیں اور انقلابات پیش کئے ہیں کہ یہ زبردست گوناگونی اور انتہائی رنگارنگی (خاص طور سے جہاں تک اس کا تعلق بورژوا عالموں اور سیاست‌دانوں کے سیاسی، فلسفیانہ اور دوسرے نظریوں سے ہے) صرف اس صورت میں سمجھی جا سکتی ہے جب آپ طبقات میں سماج کی اس تقسیم پر، طبقاتی حکمرانی کی شکلوں میں اس تبدیلی پر ٹھوس طریقے سے غور کریں، مشعل‌راہ

بنائیں اور اس نقطۂ‌نظر سے تمام سماجی مسائل (معاشی، سیاسی، روحانی اور مذہبی وغیرہ) کو جانچیں۔

اگر آپ ریاست کی جانچ اس بنیادی تقسیم کے نقطۂ‌نظر سے کریں تو آپ دیکھیں گے، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ سماج کی طبقاتی تقسیم سے پہلے ریاست کا وجود نہ تھا۔ لیکن جوں جوں سماج کی طبقاتی تقسیم شروع ہوئی اور جڑ پکڑتی گئی، جوں جوں طبقاتی سماج ابھرتا گیا، ریاست بھی ابھرتی گئی اور مضبوط جڑیں پکڑتی گئی۔ انسانی تاریخ میں بیسیوں اور سیکڑوں ایسے ملک ہیں جو غلام‌دارانہ، جاگیردارانہ اور سرمایہ‌دارانہ دوروں سے گذرے ہیں یا ابھی گذر رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ملک میں گذشتہ زبردست تاریخی تبدیلیوں کے باوجود، تمام سیاسی تغیرات اور تمام انقلابات کے باوجود جو اس انسانی ارتقا سے منسلک تھے، جو غلامی سے جاگیردارانہ نظام کو پار کرکے سرمایہ‌دارانہ نظام میں اور سرمایہ‌دارانہ نظام کے خلاف موجودہ عالمی جدوجہد میں تبدیلی سے منسلک تھے، آپ کو ہمیشہ ریاست کا ابھار نظر آئےگا۔ یہ ہمیشہ ایسی مشینری رہی ہے جو سماج سے الگ کر لی گئی ہے اور ایسے لوگوں کے ایک گروہ پر مشتمل ہوتی ہے جس کا کام صرف یہ تھا یا تقریباً صرف یہ تھا یا زیادہ طور پر یہ تھا کہ حکمرانی کرے۔ لوگوں کی تقسیم محکوموں اور حکومت کے ماہرین میں ہو جاتی ہے جو سماج سے بلندتر ہو جاتے ہیں اور حکمراں، ریاست کے نمائندے کہلاتے ہیں۔ یہ مشینری، لوگوں کا یہ گروہ جو دوسروں پر حکمرانی کرتا ہے، ہمیشہ کسی جبر کرنےوالے آلے کا، مادی طاقت کا مالک بن بیٹھتا ہے خواہ عوام کے اوپر اس تشدد کا اظہار ابتدائی زمانے کے ڈنڈے کے ذریعہ ہو یا غلامی کے دور میں زیادہ بہتر قسم کے ہتھیاروں سے یا ان آتشی اسلحوں سے جو ازمنۂ وسطی میں وجود میں آئے ہیں یا آخری طور پر جدید اسلحوں سے جنکو بیسویں صدی میں ٹکنیک کا معجزہ تصور کیا جاتا ہے اور جن کی بنیاد قطعی طور پر جدید ٹکنالوجی کے تازہ‌ترین کارناموں پر ہے۔ تشدد کے طریقے بدلے لیکن جب بھی ریاست کا وجود ہوا ہر سماج میں ہمیشہ ایسے لوگوں کا ایک گروہ ضرور ہوا جس نے حکمرانی کی، حکم چلایا، جو برسر اقتدار رہا اور جس کے

پاس اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کےلئے جسمانی جبر کی مشینری رہی، تشدد کی مشینری جس میں ہر دور کے ٹکنیکی معیار کے مطابق ہتھیار رہے۔ ان عام مظاہر کی جانچ کرکے، اپنے آپ سے یہ سوال کرکے کہ اس وقت ریاست کیوں نہیں تھی جب طبقات نہیں تھے، جب استحصال کرنےوالے اور استحصال کے شکار لوگ نہیں تھے اور وہ اس وقت کیوں ظاہر ہوئی جب طبقات پیدا ہوئے — صرف اسی طریقے سے ہم ریاست کی ماہیت اور اس کی اہمیت کے سوال کا صاف جواب پاسکتے ہیں۔

ریاست ایک طبقے پر دوسرے طبقے کا تسلط قائم رکھنےوالی مشینری ہے۔ جب سوسائٹی میں طبقات نہیں تھے، جب غلامی کے دور سے پہلے لوگ ابتدائی زمانے کے زیادہ مساویانہ حالات میں کام کرتے تھے، ایسے حالات میں جب محنت کی کارگذاری انتہائی نچلی سطح پر تھی اور جب ابتدائی زمانے کا انسان مشکل سے اپنے انتہائی غیرمتمدن اور ابتدائی وجود کےلئے ضروری سامان فراہم کر سکتا تھا، اس وقت لوگوں کا ایک خاص گروہ جو خاص طور سے حکمرانی اور باقی سماج پر تسلط کےلئے مخصوص کرلیا گیا ہو نہیں ابھرا تھا اور نہیں ابھر سکتا تھا۔ صرف جب سماج کی طبقاتی تقسیم کی پہلی صورت ظہور میں آئی، صرف جب غلامی کا وجود ہوا، جب ایک خاص طبقے کے لوگوں نے زرعی محنت کے انتہائی بھونڈے طریقوں پر پوری توجہ کرکے کچھ زائد پیداوار کی، جب یہ زائد پیداوار غلام کے انتہائی غربت زدہ وجود کےلئے قطعی طور پر ضروری نہ تھی اور غلام مالکوں کے ہاتھ میں پہنچ جاتی تھی، جب اس طرح غلاموں کے مالکوں کے اس طبقے نے مضبوط جڑیں پکڑ لیں (اور اس کی جڑوں کی مضبوطی کےلئے یہ ضروری بھی تھا) تو ریاست کی ضرورت پیدا ہو گئی۔

اور اس کا ظہور ہوا — غلامدار ریاست کا، ایسی مشینری کا جس نے غلام مالکوں کو طاقت دی اور ان کو تمام غلاموں پر حکومت کرنے کے قابل بنایا۔ اس وقت سماج اور ریاست دونوں موجودہ زمانے کے مقابلے میں کافی چھوٹے تھے، ان کے پاس رسل و رسائل کے ذرائع مقابلتاً بہت کمزور تھے۔ اس وقت موجودہ دور کے ذرائع رسل و رسائل نہیں تھے۔ پہاڑ، دریا اور سمندر سبھی آج کے مقابلے

میں بہت بڑی رکاوٹیں تھے اور ریاست کی تشکیل انتہائی تنگ جغرافیائی حدود کے اندر ہوتی تھی۔ نسبتاً تنگ حدود اور عمل کےلئے تنگ حلقہ رکھنےوالے ملک میں ریاستی مشینری ٹکنیکی نقطۂ نظر سے کمزور ہوتی تھی۔ بہرنوع، یہ ایک ایسی مشینری تھی جو غلاموں کو غلامی کی حالت میں رہنے پر مجبور کرتی تھی، جو سماج کے ایک حصے کو دوسرے حصے کا ماتحت اور مظلوم رکھتی تھی۔ یہ بات ناممکن ہے کہ سماج کے بڑے حصے کو دوسرے حصے کےلئے باقاعدگی کے ساتھ کام کرنے پر جبر کی کسی مستقل مشینری کے بغیر مجبور کیا جا سکے۔ جب طبقات نہیں تھے تو اس طرح کی کوئی مشینری بھی نہ تھی۔ جب طبقات کا ظہور ہوا، جہاں بھی یہ تقسیم بڑھی اور اس نے جڑ مضبوط کی، وہاں ہمیشہ ایک مخصوص ادارہ بھی ابھرا یعنی ریاست۔ ریاست کی صورتیں ایک دوسرے سے انتہائی مختلف تھیں۔ غلامی کے دور میں ہم ریاست کو اس زمانے کے معیاروں کے مطابق انتہائی ترقی‌یافتہ، مہذب اور متمدن ملکوں میں مختلف صورتوں میں پاتے ہیں، مثلاً قدیم یونان اور روم میں جن کی بنیاد بالکل غلامی پر تھی۔ اس زمانے میں شاہی اور ریپبلک کے درمیان، طبقۂ امرا کی حکومت اور جمہوریت کے درمیان فرق پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ شاہی واحد شخص کی طاقت ہے، ریپبلک کسی غیرمنتخب‌شدہ طاقت کی غیرموجودگی ہے۔ طبقۂ امرا کی حکومت نسبتاً چھوٹی اقلیت کی طاقت ہے اور جمہوریت عوام کی طاقت ہے (لفظی طور پر جمہوریت کے معنی ہیں عوام کی طاقت)۔ یہ تمام فرق غلامی کے دور میں پیدا ہوئے۔ ان فرقوں کے باوجود غلامی کے دور کی ریاست غلام‌دار رباست تھی، خواہ شاہی ہو یا طبقۂ امرا کی یا جمہوری ریپبلک ہو۔

قدیم زمانے کی تاریخ کے ہر نصاب میں اس موضوع پر لکچر سنتے ہوئے آپ اس جدوجہد کے بارے میں ضرور سنیں گے جو شاہی اور ریپبلکن ریاستوں کے درمیان ہوئی۔ لیکن بنیادی واقعہ یہ تھا کہ غلاموں کو آدمی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ ان کو شہری نہیں مانا جاتا تھا بلکہ ان کو آدمی بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ روم کا قانون ان کو چیزیں سمجھتا تھا۔ انسان کی حفاظت کےلئے دوسرے قوانین کا تو ذکر ہی کیا قتل کے قانون

کا غلاموں پر اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ وہ صرف غلام مالکوں کی حفاظت کرتا تھا اور صرف مالک ہی شہری مانے جاتے تھے اور شہریوں کے پورے حقوق رکھتے تھے۔ لیکن چاہے شاہی حکومت ہو اور چاہے رپبلک کی حکومت قائم ہو وہ غلام مالکوں کی شاہی یا غلام مالکوں کی رپبلک ہوتی تھی ۔ دونوں نظاموں کے تحت تمام حقوق سے غلام مالک مستفید ہوتے تھے جبکہ غلام قانون کی نگاہوں میں ایک چیز تھا۔ اور صرف یہی نہیں کہ غلام کے خلاف ہر قسم کا تشدد کیا جا سکتا ہو بلکہ غلام کا قتل بھی کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ غلام مالکوں کی رپبلکیں اپنی اندرونی تنظیم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ ان میں طبقهٔ اسرا کی حکومت‌والی رپبلکیں تھیں اور جمہوری رپبلکیں بھی۔ طبقهٔ اسرا کی رپبلک میں امتیازی مراعات رکھنے‌والے اشخاص کی ایک چھوٹی سی تعداد انتخابات میں حصہ لیتی تھی اور جمہوری رپبلک میں ہر شخص انتخابات میں حصہ لیتا تھا۔ لیکن پھر صرف غلام مالک، ہر شخص سوائے غلاموں کے انتخابات میں حصہ لیتا تھا۔ اس بنیادی بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کیونکہ یہ کسی اور حقیقت سے زیادہ ریاست کے سوال پر روشنی ڈالتی ہے اور واضح طور پر ریاست کی نوعیت کو دکھاتی ہے۔

ریاست ایک طبقے پر دوسرے طبقے کے ظلم کی مشینری ہے، ایسی مشینری جو ایک طبقے کا محکوم دوسرے طبقوں کو بناتی ہے۔ اس مشینری کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ غلام‌دار ریاست میں شاہی، طبقهٔ اسرا کی رپبلک حتی کہ جمہوری رپبلک بھی تھی۔ دراصل حکومتوں کی صورتوں میں زبردست فرق تھا لیکن ان کا نچوڑ ہمیشہ ایک ہی ہوتا تھا یعنی غلاموں کو کوئی حقوق نہیں حاصل تھے اور وہ مظلوم طبقہ ہوتے تھے۔ ان کو آدمی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہی بات ہم جاگیردارانہ ریاست میں پاتے ہیں۔

استحصال کی صورت میں تبدیلی نے غلام‌دار ریاست کو جاگیردارانہ ریاست میں تبدیل کر دیا۔ یہ بہت اہم بات تھی۔ غلام‌دار سماج میں غلام کو کسی قسم کے حقوق نہیں حاصل تھے اور اس کو آدمی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جاگیردارانہ سماج میں کسان زمین سے بندھا ہوتا تھا۔ کسان غلامی کی خاص نشانی یہ تھی

کہ کسان کو (اور اس زمانے میں کسانوں کی اکثریت تھی، شہری آبادی بہت ہی کم بڑھی تھی) زمین سے بندھا سمجھا جاتا تھا۔ کسان اس زمین کے قطعہ پر مقررہ دنوں تک اپنے لئے کام کر سکتا تھا جو جاگیردار اس کےلئے مخصوص کرتا تھا۔ باقی دن کسان غلام کو اپنے مالک کےلئے کام کرنا پڑتا تھا۔ طبقاتی سماج کا نچوڑ باقی تھا — سماج کی بنیاد طبقاتی استحصال پر تھی۔ صرف زمینداروں کو پورے حقوق حاصل تھے، کسان ان سے بالکل محروم تھے۔ عملی طور پر ان کی حالت اور غلام‌دار ریاست کے غلاموں کی حالت میں بڑا فرق نہ تھا۔ بہر حال ان کی نجات کےلئے، کسانوں کی نجات کےلئے زیادہ کشادہ راستہ کھل گیا تھا کیونکہ کسان غلام زمیندار کی براہ راست ملکیت نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنے وقت کا کچھ حصہ اپنے قطعہ پر کام کےلئے دے سکتا تھا یعنی یہ کہنا چاہئے کہ وہ کچھ حد تک اپنا مالک تھا۔ تبادلے اور تجارتی تعلقات کے اضافے کے زیادہ مواقع کیوجہ سے جاگیردارانہ نظام برابر کمزور پڑتا گیا اور کسانوں کی نجات کے امکانات متواتر بڑھتے گئے۔ جاگیردارانہ سماج ہمیشہ سے غلام‌دار سماج سے زیادہ پیچیدہ تھا۔ تجارت اور صنعت کی زیادہ ترقی ہوئی جس سے اس دور میں بھی سرمایہ‌داری نے جنم لیا۔ ازمنۂ وسطی میں کسان غلامی کا دور دورہ تھا۔ اور یہاں بھی ریاست کی صورتیں مختلف تھیں، یہاں بھی ہم کو شاہی اور ریپبلک دونوں ملتی ہیں حالانکہ مؤخرالذکر کا اظہار بڑی کمزور صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن ہمیشہ جاگیردار کو حاکم مطلق سمجھا جاتا تھا۔ کسان غلام سیاسی حقوق سے قطعی محروم تھے۔

غلامی اور کسان غلامی دونوں کے تحت لوگوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت بلا زورظلم کے زبردست اکثریت پر حاوی نہیں ہو سکتی تھی۔ تاریخ ان متواتر کوششوں سے بھری پڑی ہے جو مظلوم طبقوں نے زور و ظلم کو ختم کرنے کےلئے کی ہیں۔ غلامی کی تاریخ میں آزادی کی ایسی جنگوں کے بہت سے واقعات موجود ہیں جو دسیوں سال تک چلتی رہیں۔ برسبیل تذکرہ جرمن کمیونسٹ پارٹی نے جو سرمایہ‌دارانہ نظام کے جوے کے خلاف واقعی لڑنےوالی تنہا جرمن پارٹی ہے ''اسپارتاکیست،، کا نام اختیار کیا ہے کیونکہ

اسپارتاکس ان عظیم بغاوتوں کے بہت بڑے ھیروؤں میں سے تھا جو غلاموں نے تقریباً دو ھزار سال پہلے کی تھیں۔ بظاھر انتہائی طاقتور سلطنت روم نے جس کا داروسدار کے دور کی ایک ایسی سب سے بڑی جنگ کی مثال دی ھے۔ اسی طرح جاگیردارانہ نظام کا سارے کا سارا دور متواتر کسان بغاوتوں سے پر ھے۔ مثلاً جرمنی میں ازسنۂ وسطی میں دو طبقوں یعنی جاگیرداروں اور کسان غلاموں کے درمیان کشمکش نے وسیع پیمانے پر پھیل کر جاگیرداروں کے خلاف کسان غلاموں کی خانہ جنگی کی شکل اختیار کرلی۔ آپ سب لوگ روس میں بھی جاگیرداروں کے خلاف کسانوں کی متعدد بغاوتوں سے واقف ھیں۔

اپنی حکمرانی برقرار رکھنے اور اپنی طاقت قائم رکھنے کےلئے جاگیرداروں کو ایک مشینری رکھنی پڑتی تھی جس کے ذریعہ وہ لوگوں کی بڑی تعداد کو اپنے ماتحت رکھتے تھے اور ان کو مخصوص قانون و قواعد ماننے پر مجبور کرتے تھے۔ اور ان تمام قوانین کا مقصد اصل میں ایک تھا یعنی کسان غلام پر جاگیردار کا اقتدار قائم رکھنا۔ اور یہ تھی جاگیردارانہ ریاست جو مثال کے طور پر روس میں یا کافی پسماندہ ایشیائی ملکوں میں، جہاں آجتک جاگیردارانہ نظام رائج ھے، صورت میں مختلف تھی یعنی یا تو رپبلکن تھی یا شاھی۔ جب ریاست شاھی ھوتی تھی تو ایک شخص کی حکومت مانی جاتی تھی اور جب رپبلکن ھوتی تھی تو جاگیردارانہ سماج کے منتخب‌شدہ نمائندوں کو کم‌وبیش حد تک تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ جاگیردارانہ سماج میں تھا۔ جاگیردارانہ سماج ایسی طبقاتی تقسیم کی نمائندگی کرتا تھا جس کے تحت بڑی اکثریت یعنی کسان غلام ایک معمولی اقلیت یعنی جاگیرداروں کے بالکل ماتحت تھے جو زمین کے مالک تھے۔

تجارت کی ترقی، اشیاء کے تبادلے میں ترقی کیوجہ سے ایک نیا طبقہ، سرمایہ‌داروں کا طبقہ ابھرا۔ سرمایہ کا ابھار ازمنۂ وسطی کے آخر میں ھوا جب امریکہ کی دریافت کے بعد عالمی تجارت میں زبردست ترقی ھوئی، جب قیمتی دھاتوں کی مقدار بڑھ گئی، جب چاندی اور سونا لین‌دین کا ذریعہ بن گئے، جب زر کی گردش نے کچھ افراد کےلئے زبردست دولت کا مالک بننا ممکن بنا دیا۔ سونے اور

چاندی کو دنیا بھر میں دولت کی نشانی تسلیم کیا جاتا تھا۔ جاگیردارانہ طبقے کی معاشی طاقت گھٹ گئی اور نئے طبقے کی طاقت، سرمائے کے نمائندوں کی طاقت بڑھی۔ سماج کی تعمیر نو اس طرح ہوئی کہ غلام مالکوں اور غلاموں کی پہلےوالی تقسیم گویا ختم ہو گئی اور تمام شہری برابر کر دئے گئے اور ہر آدمی بلا لحاظ اس کے کہ اس کے پاس کتنا سرمایہ تھا قانون کی نظر میں مساوی قرار دیا گیا، چاہے اس کے پاس نجی ملکیت کی شکل میں زمین ہو یا وہ نادار ہو اور اس کے پاس اپنی محنت کی طاقت کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ یہاں قانون ہر ایک کو مساوی طور پر بچاتا ہے۔ وہ جائیداد کو، جس کے پاس بھی ہو، عوام کے حملے سے بچاتا ہے جن کے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، جن کے پاس اپنی محنت کی طاقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، جو برابر غریب اور تباہ حال ہوتے جاتے ہیں اور پرولتاریہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے سرمایہ دارانہ سماج۔

میں ابھی اس کے بارے میں تفصیل سے نہیں بتا سکتا۔ آپ جب پارٹی کے پروگرام پر بحث کریں گے تو اس سوال کی طرف پھر واپس آئیں گے۔ تب آپ سرمایہ‌دارانہ سماج کے بارے میں سنیں گے۔ یہ سماج آزادی کے نعرے کو لیکر کسان غلامی کے خلاف، پرانے جاگیردارانہ نظام کے خلاف میدان میں آیا۔ لیکن یہ ان لوگوں کے لئے آزادی تھی جن کی ملکیت میں جائیداد تھی۔ اور جب کسان غلامی ٹوٹ پھوٹ گئی (یہ اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کی ابتدا میں اور روس میں دوسرے ملکوں کے بعد ۱۸۶۱ء میں ہوا) تو جاگیردارانہ ریاست کی جگہ سرمایہ‌دارانہ ریاست نے لے لی جو تمام لوگوں کےلئے آزادی کا نعرہ لگاتی ہے، جو یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ تمام لوگوں کی مرضی کا اظہار کرتی ہے اور طبقاتی ریاست ہونے سے منکر ہے۔ اور یہاں تمام لوگوں کی آزادی کےلئے لڑنےوالے سوشلسٹوں اور سرمایہ‌دارانہ ریاست کے درمیان جدوجہد چھڑ گئی، ایک ایسی جدوجہد جس کا نتیجہ اب سوویت سوشلسٹ ریپبلک کی تخلیق ہوا اور جس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جو جدوجہد عالمی سرمائے کے خلاف شروع ہوئی ہے اس کو

سمجھنے کےلئے، سرمایہ‌دارانہ ریاست کے نچوڑ کو سمجھنے کےلئے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سرمایہ‌دارانہ ریاست جاگیردارانہ ریاست کے خلاف آزادی کا نعرہ لیکر میدان میں اتری تھی۔ کسان غلامی کے خاتمے کا مطلب سرمایہ‌دارانہ ریاست کے نمائندوں کی آزادی تھا اور یہ اس حد تک ان کا مقصد پورا بھی کرتی تھی جس حد تک کسان غلامی ٹوٹ پھوٹ رہی تھی اور کسانوں کو معاوضہ ادا کرنے پر زمین کی پوری ملکیت مل رہی تھی یا لگان ادا کرنے کی صورت میں جزوی ملکیت — اس سے ریاست کو کوئی تعلق نہ تھا، وہ ملکیت کی حفاظت کرتی تھی چاہے جیسے وہ پیدا ہوئی ہو کیونکہ ریاست نجی ملکیت پر قائم تھی۔ تمام جدید مہذب ریاستوں میں کسان نجی مالک بن گیا۔ حتی‌کہ جب جاگیردار اپنی آراضی کے ایک حصے سے کسان کے حق میں سبکدوش ہوا تب بھی ریاست نے نجی ملکیت کی حفاظت کی اور جاگیردار کو نقد معاوضہ عطا کیا۔ جیسے ریاست نے اعلان کیا ہو کہ وہ نجی ملکیت کی پوری طرح حفاظت کریگی اور اس نے اس کی پوری حمایت اور حفاظت کی۔ ریاست نے ہر تاجر، صنعت‌کار اور کارخانےدار کے حقوق ملکیت تسلیم کئے۔ اور اس سماج نے جس کی بنیاد نجی ملکیت پر، سرمائے کی طاقت پر، بلا جائیدادوالے مزدوروں اور محنت‌کش کسانوں کو مکمل طور پر ماتحت بنانے پر تھی یہ اعلان کر دیا کہ اس کی حکمرانی کی بنیاد آزادی پر ہے۔ کسان غلامی سے لڑتے ہوتے اس نے ملکیت کی آزادی کا اعلان کر دیا اور اس بات پر خاص طور سے فخر کیا کہ اس کی ریاست طبقاتی ریاست نہیں رہی ہے۔

پھر بھی ریاست ایک ایسی ہی مشینری رہی جس نے غریب کسانوں اور مزدور طبقے کو ماتحتی کی حالت میں رکھنے کےلئے سرمایہ‌داروں کی مدد کی لیکن بظاہر وہ آزاد تھی۔ اس نے عام حق رائےدھی کا اعلان کر دیا اور اپنے علمبرداروں، واعظوں، عالموں اور فلسفیوں کے ذریعہ یہ دعوی کیا کہ وہ طبقاتی ریاست نہیں ہے۔ حتی‌کہ اب بھی، جب سوویت سوشلسٹ ریپبلکوں نے اس کے خلاف لڑنا شروع کیا ہے تو وہ ہم پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ ہم آزادی کی خلاف‌ورزی کرتے ہیں، ہم ایسی ریاست بنا رہے ہیں جس کا انحصار زوروظلم اور کچھ لوگوں کے ہاتھوں دوسروں کو

دبانے پر ہے جبکہ وہ مجموعی طور پر تمام عوام کی جمہوری ریاست کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور اب جبکہ عالمی سوشلسٹ انقلاب شروع ہو چکا ہے، جبکہ کچھ ملکوں میں انقلاب کو ابھی کامیابی ہوئی ہے، جبکہ عالمی سرمائے کے خلاف جدوجہد خاص طور سے تیز ہو گئی ہے، ریاست کے اس سوال نے بڑی اہمیت اختیار کرلی ہے اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ سب سے فوری سوال اور آج کے تمام سیاسی سوالوں اور تمام سیاسی جھگڑوں کا مرکزی نقطہ بن گیا ہے۔

روس یا کسی دوسرے زیادہ مہذب ملک میں ہم کوئی بھی پارٹی لے لیں ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً تمام سیاسی جھگڑوں، اختلافات اور رایوں کا مرکز ریاست ہی کا نظریہ ہے۔ کیا ریاست کسی سرمایہ‌دارانہ ملک میں، کسی جمہوری رپبلک میں، خاص طور سے سوئٹزرلینڈ یا امریکہ جیسے ملک میں، انتہائی آزاد جمہوری رپبلک میں عوامی مرضی کا اظہار ہے، سارے لوگوں کے فیصلے کا نچوڑ، قوم کی مرضی کا اظہار وغیرہ ہے یا ریاست ایک ایسی مشینری ہے جو کسی ملک کے سرمایہ‌داروں کو مزدور طبقے اور کسانوں پر اپنا اقتدار قائم رکھنے میں مدد دیتی ہے؟ یہ ہے وہ بنیادی سوال جو اب ساری دنیا میں سیاسی جھگڑوں کا مرکز بن گیا ہے۔ وہ بالشویزم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ بورژوا پریس بالشویکوں کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ کو ایک اخبار بھی ایسا نہ ملے گا جس میں یہ فرسودہ الزام نہ دھرایا گیا ہو کہ بالشویک عوامی حکومت کے نظرئے کی خلاف‌ورزی کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے مینشویک اور سوشلسٹ انقلابی اپنی سادہ‌دلی سے (شاید یہ سادگی نہیں ہے یا شاید ایسی سادگی ہے جس کے بارے میں کہاوت ہے کہ وہ دھوکا دیکر لوٹنے سے بھی بدتر ہے) یہ سوچتے ہیں کہ انہوں نے خود یہ الزام ڈھونڈا ہے اور تراشا ہے کہ بالشویک آزادی اور عوامی حکومت کے مخالف ہیں تو یہ ان کی مضحکہ‌آمیز غلطی ہے۔ آج انتہائی امیر ملکوں کے انتہائی امیر اخبار موجود ہیں جن کی اشاعت پر یہ ملک لاکھوں کروڑوں کی رقم خرچ کرتے ہیں اور بورژوازی کے جھوٹ اور سامراجی پالیسی پھیلانے کےلئے لاکھوں کاپیاں چھاپتے ہیں، ان میں سے ایک بھی ایسا اخبار نہیں ہے جس نے بالشویزم کے خلاف ان بنیادی دلیلوں اور الزاموں کو نہ دوہرایا ہو کہ

امریکہ، انگلینڈ اور سوئٹزرلینڈ عوامی حکومت کی بنیاد پر زیاد، ترقی‌یافتہ ریاستیں ہیں اور بالشویک رپبلک لٹیروں کی ریاست ہے جہاں آزادی نہیں ہے، کہ بالشویکوں نے عوامی حکومت کے نظرئے کی خلاف‌ورزی کی ہے اور دستورساز اسمبلی کو برخاست کرنے کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ بالشویکوں کے خلاف یہ زبردست الزامات ساری دنیا میں دہرائے جا رہے ہیں۔ یہ الزامات ہم کو ٹھیک اس سوال تک پہنچاتے ہیں کہ ریاست کیا ہے؟ ان الزامات کو سمجھنے کےلئے، ان کا جائزہ لینے کےلئے اور ان کی طرف دانش‌مندانہ رویہ اختیار کرنے کےلئے اور کہی سنی باتوں کی بنا پر ان کا جائزہ نہ لینے کیلئے بلکہ خود اپنی مضبوط رائے رکھنے کےلئے ہمیں اس بات کا واضح تصور ہونا چاہئے کہ ریاست کیا ہے۔ یہاں ہر قسم کی سرمایہ‌دارانہ ریاستیں اور وہ تمام نظریات موجود ہیں جو جنگ عظیم سے پہلے ان کی مدافعت کیلئے تخلیق کئے گئے تھے۔ سوال کو صحیح طریقے سے سمجھنے کےلئے ہمیں ان تمام نظریات اور خیالات کی تنقیدی طور پر جانچ کرنی چاہئے۔

میں آپ کو یہ مشورہ دے چکا ہوں کہ آپ اینگلس کی کتاب ''خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز،، سے مدد لیں۔ یہ کتاب کہتی ہے کہ ہر ریاست جس میں زمین اور ذرائع پیداوار کی ملکیت نجی ہے، جہاں سرمائے کا بول‌بالا ہے، وہ ریاست چاہے جتنی جمہوری کیوں نہ ہو، سرمایہ‌دارانہ ریاست ہے، ایک مشینری ہے جس کو سرمایہ‌دار مزدور طبقے اور غریب کسانوں کو محکوم رکھنے کےلئے استعمال کرتے ہیں، جبکہ عام حق‌رائے دہی، دستورساز اسمبلی اور پارلیمنٹ محض ظاہری صورت، کاغذی پرونوٹ ہیں جن سے معاملے کا ماقیہہ نہیں بدلتا۔

ریاستی حکمرانی کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ سرمایہ اپنی طاقت کا اظہار کسی خاص صورت میں ایک طرح سے کرتا ہے اور دوسری صورت میں دوسری طرح سے۔ لیکن طاقت بنیادی طور پر سرمائے ہی کے ہاتھ میں رہتی ہے، چاہے ووٹ دینے کا حق یا دوسرے حقوق ہوں یا نہ ہوں، یا چاہے رپبلک جمہوری ہو یا نہ ہو، دراصل رپبلک جتنی جمہوری ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ سرمایہ‌دارانہ نظام کا راج درشت اور بے رحم ہوتا ہے۔ دنیا کی سب سے زیادہ

جمہوری ریپبلکوں میں سے ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے۔ بہرحال کہیں بھی (وہ لوگ جو وہاں ۱۹۰۵ء کے بعد گئے ہیں غالباً یہ اچھی طرح جانتے ہیں) سرمایے کا راج، مٹھی‌بھر کروڑپتیوں کا سارے سماج پر راج اتنا سخت اور کھلی ہوئی بدعنوانیوں سے ایسا بھرا ہوا نہیں ہے جیسا کہ امریکہ میں ہے۔ اگر ایک بار سرمایہ وجود میں آجائے تو وہ سارے سماج پر حاوی ہو جاتا ہے اور کوئی جمہوری ریپبلک، کوئی بھی حق رائےدہی اصل معاملے کو نہیں بدل سکتی۔

جمہوری ریپبلک اور عام حق رائے دہی جاگیردارانہ نظام کے مقابلے میں بڑے ترقی‌پسند تھے۔ انہوں نے پرولتاریہ کو اپنے موجودہ اتحاد اور یکجہتی کا، اپنی منظم اور باقاعدہ صفوں کی تنظیم کا موقع دیا ہے جو سرمائے کے خلاف مستقل جدوجہد کر رہی ہیں۔ غلاموں کا تو ذکر ہی کیا کسان غلاموں میں بھی اس سے مشابہت رکھنےوالی کسی چیز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ غلام سرکشی کرتے تھے، بغاوتیں کرتے تھے، خانہ جنگیاں چھیڑ دیتے تھے لیکن وہ کبھی طبقاتی شعور رکھنےوالی اکثریت اور پارٹیاں نہ پیدا کر سکے جو جدوجہد کی قیادت کر سکیں، وہ صاف طور سے یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ان کا مقصد کیا ہے، اور تاریخ کے انتہائی انقلابی لمحوں میں بھی وہ حکمراں طبقوں کے ہاتھ میں کٹھ‌پتلی بنے رہتے تھے۔ بورژوا ریپبلک، پارلیمنٹ، عام حق رائے دہی — یہ سب سماج کے عالمی ارتقا کے نقطۂ نظر سے زبردست ترقی ہے۔ انسانیت سرمایہ‌دارانہ نظام کی طرف بڑھی اور صرف یہ سرمایہ‌دارانہ نظام ہی تھا جس نے شہری تہذیب کی بدولت مظلوم پرولتاریہ کو اپنے آپ کو سمجھنے کا اور عالمی مزدور طبقے کی تحریک بنانے کا، لاکھوں کروڑوں مزدوروں کو ساری دنیا میں پارٹیوں میں منظم کرنے کا اور سوشلسٹ پارٹیاں بنانے کا موقع دیا جو باشعور طریقے سے عوام کی جدوجہد کی قیادت کر رہی ہیں۔ پارلیمانی طریقے کے بغیر، انتخابات کے اصول کے بغیر مزدور طبقے کا یہ ارتقا ناممکن ہوتا۔ اسی‌لئے ان چیزوں نے عوام کی زبردست اکثریت کی نگاہوں میں اتنی اہمیت اختیار کرلی ہے۔ اسی لئے کوئی بنیادی تبدیلی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ نہ صرف جان بوجھکر مکاری کرنےوالے،

سائنس‌داں اور مذہبی پیشوا ہی بورژوازی کے اس جھوٹ کی وکالت اور حمایت کرتے ہیں کہ ریاست آزاد ہے اور اس کا مشن ہی تمام لوگوں کے مفادات کی حفاظت ہے، بلکہ ان لوگوں کی بڑی تعداد بھی ایسا کرتی ہے جو خلوص کے ساتھ پرانے تعصبات پر قائم ہیں اور پرانے سرمایہ‌دارانہ سماج سے سوشلزم تک کے عبور کو نہیں سمجھ سکتے۔ محض وہی لوگ نہیں جو براہ‌راست بورژوازی کے کاسہ‌لیس ہیں، صرف وہی لوگ نہیں جو سرمائے کے جوئے تلے دبے ہیں یا جن کو سرمائے سے رشوت ملتی ہے (تمام قسم کے سائنس‌داں، آرٹسٹ اور مذہبی پیشوا وغیرہ سرمائے کے چاکر ہیں) بلکہ وہ لوگ بھی جو محض بورژوا آزادی کے بھلاوے کے چکر میں ہیں ساری دنیا میں بالشویزم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں کیونکہ سوویت ریپبلک نے اپنی تشکیل کے وقت ان جھوٹی بورژوا باتوں کو مسترد کرکے کھلم کھلا اعلان کر دیا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ کی ریاست آزاد ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک نجی ملکیت برقرار ہے، آپ کی ریاست، چاہے وہ جمہوری ریپبلک ہی کیوں نہ ہو، سوائے اس مشینری کے اور کچھ نہیں ہے جسکو سرمایہ‌دار مزدوروں پر ظلم کےلئے استعمال کرتے ہیں اور ریاست جتنی ہی زیادہ آزاد ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ اس بات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں یورپ میں سوئٹزرلینڈ اور امریکہ میں ریاستہائے متحدہ ہیں۔ کہیں بھی سرمائے کی حکمرانی ایسی درشت اور بےرحم نہیں ہے اور کہیں بھی یہ بات اتنی واضح نہیں ہے جتنی ان ملکوں میں حالانکہ یہ جمہوری ریپبلکیں ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کتنی خوبصورتی سے ان کے چہروں پر غازہ لگایا گیا ہے اور محنت کی جمہوریت اور تمام شہریوں کی مساوات کے دعوے کئے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سوئٹزرلینڈ اور امریکہ میں سرمائے کا راج ہے اور اپنی حالت میں ذرا سی واقعی بہتری کےلئے مزدوروں کی کوشش ان کو فوراً خانہ جنگی سے دوچار کر دیتی ہے۔ ان ملکوں میں کم سپاہی ہیں اور باقاعدہ فوج بھی کم ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں ملیشیا ہے اور سوئٹزرلینڈ کے ہر باشندے کے پاس بندوق ہوتی ہے۔ اور امریکہ میں ابھی حال تک کوئی باقاعدہ فوج ہی نہ تھی۔ اسلئے جب ہڑتال ہوتی ہے تو بورژوازی مسلح ہوکر، سپاہی کرائے پر

لیکر ھڑتال کو دبا دیتی ھے - مزدور طبقے کی تحریک کو کچلنے کا کام اتنی شدید سختی سے کہیں اور نہیں ھوتا جتنا سوئٹزرلینڈ اور امریکہ میں، اور پارلیمنٹ میں سرمائے کے اثر کا اظہار کسی اور ملک میں اتنے زور سے نہیں ھوتا جتنا ان ملکوں میں - سرمائے کی طاقت سب کچھ ھے، اسٹاک اکسچینج سب کچھ ھے جبکہ پارلیمنٹ اور الکشن سوانگ اور کٹھ پتلیاں ھیں... لیکن مزدوروں کی آنکھیں روز بروز زیادہ کھلتی جاتی ھیں اور سوویت اقتدار کا خیال اور زیادہ پھیلتا جاتا ھے خصوصاً اس خون آشام جنگ کے بعد جو ھم ابھی ابھی جھیل چکے ھیں - سرمایہ‌داروں سے سخت جدوجہد کی ضرورت مزدوروں کےلئے زیادہ واضح ھوتی جاتی ھے -

رپبلک چاھے جو روپ دھارے، حتی‌کہ انتہائی جمہوری رپبلک بھی، اگر وہ بورژوا رپبلک ھے ، اگر وہ زمین، ملوں اور فیکٹریوں پر نجی ملکیت کو برقرار رکھتی ھے اور اگر نجی سرمایہ پوری سوسائٹی کو اجرت کی غلامی میں مبتلا رکھتا ھے یعنی اگر ریاست اس پر عمل نہیں کرتی جس کا اعلان ھماری پارٹی کے پروگرام اور سوویت آئین میں کیا گیا ھے تو یہ ریاست ایک مشینری ھے جس کے ذریعہ کچھ لوگ دوسروں کو دباتے ھیں - ھم اس مشینری کو اس طبقے کے ھاتھ میں دینگے جسے سرمائے کی طاقت کو ختم کرنا ھے - ھم ریاست کے بارے میں ان تمام پرانے تعصبات کو مسترد کر دینگے جو اس کا مطلب عام مساوات بتاتے ھیں کیونکہ یہ جعل ھے - جب تک استحصال باقی ھے مساوات ناممکن ھے - جاگیردار مزدور کے برابر یا بھوکا آدمی پیٹ بھرے کے برابر نہیں ھو سکتا - پرولتاریہ اس مشینری کو الگ پھینک دیتا ھے جس کو ریاست کہتے ھیں اور جس کے سامنے لوگ توھم‌پرستانہ خوف سے ان پرانے قصوں پر یقین کرکے جھکتے ھیں کہ اس کا مطلب عوامی حکومت ھے - پرولتاریہ اس مشینری کو الگ پھینک کر یہ اعلان کرتا ھے کہ یہ بورژوا جھوٹ ھے - ھم نے سرمایہ‌داروں کو اس مشینری سے محروم کرکے اس پر قبضہ کرلیاھے - اس مشینری یا ڈنڈے سے ھم تمام استحصال کو ختم کردیں‌گے اور جب دنیا میں استحصال کے امکانات کہیں نہ رھیں‌گے، جب زمین اور فیکٹریوں کے مالک نہ رہ جائیں‌گے اور جب ایسی حالت نہ رہ جائیگی جس میں

کچھ لوگ تو ضرورت سے زیادہ کھاتے ھیں اور دوسرے بھوکوں مرتے ھیں — صرف اس وقت جب اس کے امکانات نہ رہ جائیں گے ھم اس مشینری کو کوڑے میں پھینک دیں گے۔ اس وقت نہ تو ریاست ھوگی اور نہ استحصال۔ یہ ھے ھماری کمیونسٹ پارٹی کا نظریہ۔ مجھے امید ھے کہ ھم اس موضوع کی طرف آئندہ لکچروں میں واپس آئیں گے اور باربار اس پر غور کریں گے۔

پہلی جولائی ۱۹۱۹ء۔

کمیونزم میں ''بائیں بازو،، کی طفلانہ بیماری

(اقتباسات)

۱

کس معنی میں ہم روسی انقلاب کی بین الاقوامی اہمیت کا ذکر کر سکتے ہیں؟

روس میں پرولتاریہ کے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد (۲۵ اکتوبر (۷ نومبر) ۱۹۱۷ء) پہلے مہینوں کے دوران میں یہ محسوس ہو سکتا تھا کہ پسماندہ روس اور مغربی یورپ کے ترقی‌یافتہ ملکوں کے درمیان زبردست فرق کی وجہ سے ان مؤخرالذکر ملکوں میں پرولتاریہ کا انقلاب ہمارے ملک کے انقلاب سے بہت کم ملتا جلتا ہوگا۔ اب ہم ایسا کافی زیادہ بین الاقوامی تجربہ رکھتے ہیں جو انتہائی یقینی طور پر بتاتا ہے کہ ہمارے انقلاب کی بعض اہم خصوصیات مقامی، قومی، محض روسی نہیں ہیں بلکہ بین الاقوامی اہمیت رکھتی ہیں۔ میں یہاں بین الاقوامی اہمیت کا ذکر اس کے وسیع معنی کے لحاظ سے نہیں کر رہا ہوں: ہمارے انقلاب کی بعض نہیں، ساری بنیادی اور بہت سی ثانوی خصوصیات تمام ملکوں پر اپنے اثر کے معنی میں بین الاقوامی اہمیت رکھتی ہیں۔ نہیں، میں نے یہاں ان الفاظ کا ذکر انتہائی محدود معنی میں کیا ہے یعنی بین الاقوامی اہمیت کے تحت بین الاقوامی پیمانے پر اس بات کے دہرائے جانے کی بین الاقوامی اہمیت یا تاریخی ناگزیری کو سمجھتے ہوئے جو ہمارے ملک میں ہوئی ہے، یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ ہمارے انقلاب کی بعض خصوصیات اس اہمیت کی حامل ہیں۔

لیکن اس حقیقت کے بارے میں مبالغے سے کام لینا اور ہمارے انقلاب کی محض بعض بنیادی خصوصیات سے اس کو آگے لے جانا

بہت بڑی غلطی ہوتی۔ ٹھیک اسی طرح یہ بھی نظرانداز کرنا
غلطی ہوتی کہ پرولتاری انقلاب کی فتح کے بعد چاہے وہ ایک
ہی ترقی‌یافتہ ملک میں کیوں نہ ہوتی غالباً زبردست تبدیلی ہو جاتی
یعنی روس اس کے بعد جلدھی مثالی نہ رہتا اور پھر پسماندہ ہو جاتا
(''سوویت،، اور سوشلسٹ دونوں معنی میں)۔

لیکن موجودہ تاریخی لمحے میں صورت‌حال یہ ہے کہ روسی مثال
سب ملکوں کو کچھ نہ کچھ دکھا رہی ہے جو ان کے ناگزیر
مستقبل قریب کےلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ سارے ملکوں کے
اگواکار مزدور اس کو بہت دن ہوئے سمجھ چکے ہیں اور انھوں
نے اس کو اکثر دریافت کرنے کے بمقابلہ اپنی انقلابی طبقے کی حس
سے سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے سوویت اقتدار کی بین‌الاقوامی
''اہمیت،، کی (لفظ کے محدود معنی میں) اور بالشویک نظرئے اور
طریقه‌هائےکار کے بنیادی اصولوں کی بین‌الاقوامی ''اہمیت،، کی بھی۔
. . . .

۲

بالشویکوں کی کامیابی کی ایک بنیادی شرط

غالباً اب تقریباً ہر شخص یہ دیکھتا ہے کہ بالشویک ڈھائی
سال تو کیا، ڈھائی مہینے تک بھی برسر اقتدار نہیں رہ سکتے تھے،
ہماری پارٹی میں سخت اور واقعی آہنی ڈسپلن کے بغیر، سارے
مزدور طبقے کی طرف سے اس کی بھرپور اور بےدریغ حمایت کے
بغیر یعنی ان تمام مزدوروں کی حمایت کے بغیر جو سوچنے سمجھنےوالے،
ایماندار، پرایثار اور بااثر ہیں اور پسماندہ لوگوں کی پرت کو
اپنے پیچھے لے چلنے یا رغبت دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ نئے طبقے کی انتہائی پرایثار اور
انتہائی بےدریغ جنگ ہے ایک بہت ہی طاقتور دشمن کے خلاف،
بورژوازی کے خلاف، جس کی مزاحمت اس کا تختہ الٹنے سے (خواہ
وہ ایک ہی ملک میں کیوں نہ ہو) دس گنی ہو جاتی ہے اور جس
کی طاقت کا راز صرف بین‌الاقوامی سرمائے کی طاقت، بورژوازی کے
بین‌الاقوامی روابط کی مضبوطی اور استحکام ہی نہیں ہیں بلکہ رسم و

رواج کی طاقت، چھوٹے پیمانے کی پیداوار کی طاقت بھی ہیں - کیونکہ چھوٹے پیمانے کی پیداوار اب بھی دنیا میں باقی ہے اور بدقسمتی سے بہت ہے، اور چھوٹے پیمانے کی پیداوار متواتر، روزانہ، ہر گھنٹے، ہنگامی طور پر اور بڑے پیمانے پر سرمایہ‌داری اور بورژوازی کو جنم دیتی رہتی ہے - یہ تمام اسباب پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کو ضروری بناتے ہیں اور بورژوازی پر فتح طویل، سخت اور زندگی‌وموت کی پرایثار جنگ کے بغیر ناممکن ہے - یہ جنگ تحمل، ضابطے، پائداری اور قوت‌ارادی کی استواری اور وحدت کا تقاضہ کرتی ہے -

میں دھراتا ہوں، روس میں پرولتاریہ کی فتح یاب ڈکٹیٹرشپ کے تجربے نے ان لوگوں کو بھی صاف دکھا دیا ہے جو سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے یا جن کو اس سوال کے بارے میں سوچنے کا موقع نہیں ملا ہے، کہ قطعی مرکزیت اور پرولتاریہ کا سخت ضابطہ بورژوازی پر فتح کی ایک بنیادی شرط ہیں -

اس کے بارے میں اکثر کہا جاتا ہے - لیکن اس کے بارے میں بہت ناکافی سوچا جاتا ہے کہ اس کے معنی کیا ہیں اور کن حالات میں یہ ممکن ہے؟ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ سوویت اقتدار اور بالشویکوں کی جو تعریفیں ہوتی ہیں ان کے ساتھ اکثر ان اسباب کا سنجیدہ تجزیہ بھی ہوتا کہ بالشویک اس ڈسپلن کو کیوں قائم کر سکے جو انقلابی پرولتاریہ کےلئے ضروری تھا -

بالشویزم کا وجود، سیاسی خیال کے رجحان اور سیاسی پارٹی کی حیثیت سے ۱۹۰۳ء سے ہے - صرف بالشویزم کے وجود کی ساری مدت کی تاریخ ہی اس کی وضاحت قابل اطمینان طور پر کر سکتی ہے کہ وہ انتہائی مشکل حالات میں آهنی ڈسپلن کیوں قائم کر سکا اور برقرار رکھ سکا جو پرولتاریہ کی فتح کےلئے ضروری تھا -

اور سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتے ہیں : پرولتاریہ کی انقلابی پارٹی کا ڈسپلن کیسے برقرار رکھا جاتا ہے؟ اس کو کیسے آزمایا جاتا ہے؟ اس کو کیسے مضبوط کیا جاتا ہے؟ اول، پرولتاری ہراول کے شعور اور انقلاب کےلئے اس کی وفاداری سے، اس کے تحمل، قربانی اور بہادری سے - دوسرے، محنت‌کشوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد سے، سب سے پہلے پرولتاریہ سے لیکن اسی طرح محنت‌کش لوگوں میں غیر پرولتاریہ کے ساتھ بھی اس کے مربوط

ہونے، قریب‌ترین رابطہ قائم رکھنے اور ان میں ایک حد تک مدغم ہونے کی صلاحیت سے - تیسرے، سیاسی رہنمائی کی صحت سے جو یہ ہراول کر رہا ہے، اس کی حکمت‌عملی اور طریقۂ کار کی صحت سے، بشرطیکہ وسیع پیمانے پر لوگ خود اپنے تجربے سے اس کی صحت کا یقین کر لیں - ان حالات کے بغیر اس انقلابی پارٹی میں ڈسپلن نہیں حاصل کیا جا سکتا جو اس اگواکار طبقے کی پارٹی ہونے کی واقعی صلاحیت رکھتی ہو، جس کا مقصد بورژوازی کا تختہ الٹنا اور سارے سماج کی تشکیل‌نو کرنا ہے - ان حالات کے بغیر، ڈسپلن قائم کرنے کی تمام کوششیں بےمعنی، زبانی اور مضحکہ‌خیز ہوتی ہیں - دوسری طرف یہ حالات یکدم نہیں پیدا ہو سکتے - ان کی تخلیق طویل محنت اور سخت تجربے سے ہوتی ہے - ان کی تخلیق میں صحیح انقلابی نظرئے سے آسانی ہوتی ہے جو اپنی جگہ پر کوئی جامد عقیدہ نہیں ہوتا بلکہ واقعی عوامی اور واقعی انقلابی تحریک کی عملی سرگرمیوں سے قریبی تعلق رکھنے سے مختتم شکل اختیار کرتا ہے -

اگر ۱۹۱۷ء — ۲۰ کے برسوں میں بالشویزم بےنظیر سخت حالات میں، انتہائی سخت مرکزیت اور آہنی ڈسپلن کی تخلیق کر سکا اور اس کو اس نے کامیابی سے قائم رکھا تو اس کا سبب صرف روس کی متعدد تاریخی خصوصیات ہیں -

ایک طرف، ۱۹۰۳ء میں بالشویزم مارکسی نظرئے کی بہت ہی مضبوط بنیاد پر نمودار ہوا - اسی اور صرف اسی انقلابی نظرئے کی صحت کو نہ صرف ساری انیسویں صدی کے عالمی تجربے نے ثابت کیا بلکہ خاص طور سے روس میں انقلابی خیالات کی گمراہیوں، تذبذب، غلطیوں اور ناامیدیوں کے تجربے نے بھی - تقریباً نصف صدی کے دوران میں پچھلی صدی کی تقریباً پانچویں سے دسویں دہائی تک روس میں انتہائی وحشیانہ اور رجعت‌پرست زارشاہی کے ظلم کے حالات میں ترقی‌پسند خیالات رکھنےوالے لوگ ایک صحیح انقلابی نظرئے کے بڑے شوق کے ساتھ متلاشی تھے اور امریکہ اور یورپ میں اس شعبے میں تمام اور ہر ''آخری لفظ،، کا بےنظیر کوشش اور گہرائی سے مطالعہ کرتے تھے - مارکسزم کو، اس واحد صحیح انقلابی نظرئے کو روس نے آدھی صدی کی تاریخ میں بےنظیر

مصیبتوں اور قربانیوں کو جھیل کر، بےنظیر انقلابی بہادری، ناقابل یقین توانائی، پرایثار تلاش، مطالعہ، عملی آزمائش، ناامیدی، تصدیق اور یورپ کے تجربے سے حاصل کیا۔ زار شاہی سے مجبور ہوکر جو سیاسی جلاوطنی نصیب ہوئی اس کی بدولت انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں انقلابی روس نے بین‌الاقوامی روابط کی ایسی دولت اور انقلابی تحریک کے عالمی اشکال اور نظریات کے بارے میں ایسی لاجواب معلومات حاصل کیں جو کسی دوسرے ملک کو نصیب نہیں ہوئی تھیں۔

دوسری طرف، بالشویزم جو نظرئے کی اس ٹھوس بنیاد پر نمودار ہوا تھا عملی تاریخ کے ایسے پندرہ برسوں (۱۷ — ۱۹۰۳ء) سے گذرا جن کی نظیر اپنے تجربے کی دولت کے لحاظ سے دنیا میں نہیں ملتی۔ کیونکہ کوئی بھی ملک ان پندرہ برسوں کے دوران میں ایسے بڑے انقلابی تجربے کے قریب تک نہیں پہنچا، تحریک کی ایسی مختلف شکلوں — قانونی اور غیرقانونی، پرامن اور طوفانی، پوشیدہ اور علانیہ، مقامی حلقوں اور عوامی تحریکوں، پارلیمانی اور دہشت‌انگیز شکلوں کے تیز اور نوع بنوع سلسلے سے نہیں گذرا۔ کسی دوسرے ملک میں ایسے مختصر وقت میں جدید سوسائٹی کے تمام طبقوں کی جدوجہد کی شکلوں، رنگوں اور طریقوں کا ایسا ذخیرہ نہیں اکٹھا ہوا تھا، ایسی جدوجہد جو ملک کی پسماندگی اور زارشاہی کے جوئے کی سختی کی وجہ سے غیرمعمولی تیزی کے ساتھ پختہ ہوئی اور امریکہ اور یورپ کے سیاسی تجربے کے معقول "آخری لفظ" کو بڑے شوق اور کامیابی کے ساتھ اپنے میں ضم کر لیا۔

. . . .

۵

جرمنی میں "بائیں بازو" کا کمیونزم۔ لیڈر، پارٹی، طبقہ اور عوام

. . . .

"پارٹی کی ڈکٹیٹرشپ یا طبقے کی ڈکٹیٹرشپ؟ لیڈروں کی ڈکٹیٹرشپ (پارٹی) یا عوام کی ڈکٹیٹرشپ (پارٹی)؟" کے سوال

کو محض پیش کرنا انتہائی ناقابل یقین اور لاعلاج طور پر گڈمڈ سوچ بچار کا ثبوت ہے - یہ لوگ بالکل کوئی انوکھی بات گھڑنا چاہتے ہیں اور ہوشیار بننے کی کوشش میں اپنے کو مضحکہ انگیز بنا دیتے ہیں - یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ عوام طبقات میں تقسیم ہیں، کہ طبقوں سے عوام کا مقابلہ محض اس وقت ممکن ہے جب عام طور پر وسیع اکثریت کا مقابلہ، جو پیداوار کے سماجی نظام میں اپنی حیثیت کے لحاظ سے تقسیم نہیں کی گئی ہے، ان پرتوں سے کیا جاتا ہے جو پیداوار کے سماجی نظام میں خاص حیثیت اختیار کرتے ہیں - سبھی جانتے ہیں کہ قاعدے کے مطابق زیادہ‌تر صورتوں میں، کم از کم آجکل کے مہذب ملکوں میں، طبقات کی رہنمائی سیاسی پارٹیاں کرتی ہیں، کہ سیاسی پارٹیوں کو عام طور پر کم‌وبیش ایسے ٹھوس گروہ چلاتے ہیں جو انتہائی مستند، بااثر اور تجربےکار لوگوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کو انتہائی ذمےدار منصبوں کےلئے منتخب کیا جاتا ہے اور جو لیڈر کہلاتے ہیں - یہ سب ابتدائی باتیں ہیں - یہ سب صاف اور سادہ ہے - اس کی جگہ پر گڑبڑ باتیں، ایک نئی وولاپیوک (۱۹۲) کیوں لائی جائیں - ایک طرف تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ الجھ گئے جب انہوں نے اپنے کو بیڈھب صورت حال میں پایا، جب پارٹی کے قانونی سے اچانک غیر قانونی صورت میں تبدیل ہونے سے لیڈروں، پارٹیوں اور طبقوں کے درمیان مروجہ، عام اور معمولی تعلقات میں گڑبڑ ہو گئی - جرمنی میں، دوسرے یورپی ملکوں کی طرح لوگ قانونیت کے، باقاعدہ پارٹی کانگرسوں میں ''لیڈروں،، کے آزاد اور صحیح انتخاب کے عادی ہیں، پارلیمانی انتخابوں، عام جلسوں اور پریس کے ذریعہ، ٹریڈ یونینوں اور دوسری انجمنوں وغیرہ کے جذبات کے ذریعے پارٹی کی طبقاتی تشکیل کو آزمانے کے موزوں طریقے کے بےحد عادی بن گئے ہیں - جب ان مروجہ کارروائیوں کی بجائے انقلاب کے طوفانی ارتقا اور خانہ جنگی میں اضافے کیوجہ سے تیزی کے ساتھ قانونیت سے غیرقانونیت کی طرف جانا، دونوں کو متحد کرنا اور ''لیڈروں کے گروہوں،، کو منتخب کرنے یا ان کی تشکیل کرنے یا ان کو قائم رکھنے کے ''غیر مناسب،، اور ''غیرجمہوری،، طریقوں کو اختیار کرنا ضروری ہو گیا تو لوگ اپنے حواس کھو

بیٹھے اور کوئی بالکل خرافات بات سوچنے لگے۔ غالباً ہالینڈ کی کمیونسٹ پارٹی کے بعض ممبر (جو بدقسمتی سے ایسے چھوٹے ملک میں پیدا ہوئے تھے جو اعلی خصوصی مراعات اور اعلی پائداری‌والی قانونیت کی روایات اور حالات رکھتا تھا، جنھوں نے قانونیت سے غیرقانونیت میں تبدیلی کبھی نہیں دیکھی تھی) انتشار میں مبتلا ہو گئے، اپنے حواس کھو بیٹھے اور ان فضول اختراعات کی تخلیق میں معاون ہوئے۔

دوسری طرف، ''عوام،، اور ''لیڈروں،، کے الفاظ کا محض بےسوچا سمجھا اور بےرابطہ استعمال ھے جو ھمارے زمانے میں ''فیشن ایبل،، ھو گئے ھیں۔ ان لوگوں نے بہت کچھ سنا ھے اور ''لیڈروں،، پر حملوں کے بارے میں اچھی طرح جان لیا ھے جن میں ان کو ''عوام،، کے مقابلے میں رکھا گیا ھے۔ پھر بھی وہ کوئی ایسی بات نہیں سوچ سکے جس سے معاملہ ان کےلئے صاف ہو جاتا۔

''لیڈروں،، اور ''عوام،، کے درمیان فرق کو خاص صفائی اور شدت کے ساتھ تمام ملکوں میں سامراجی جنگ کے آخر میں اور اس کے بعد لایا گیا۔ اس کے بنیادی سبب کی مارکس اور اینگلس نے ۱۸۵۲ء — ۱۸۹۲ء کے دوران میں برطانیہ کی مثالوں سے بہت بار وضاحت کی۔ برطانیہ کی اجارےدارانہ پوزیشن نے ''عوام،، میں سے نیم‌پٹی بورژوا اور موقع‌پرست ''مزدور اشرافیہ،، کی تخلیق کی۔ اس مزدور اشرافیہ کے لیڈر متواتر بورژوازی کی طرف جاتے رہے اور براہ‌راست یا بالواسطہ اس کی کفالت میں رہے۔ مارکس نے اپنے لئے ان بدمعاشوں کی نفرت کی عزت حاصل کی کیونکہ انھوں نے کھلم کھلا ان کو غدار قرار دیا۔ جدیدترین (بیسویں صدی کی) سامراج نے چند ترقی‌یافتہ ملکوں کو اجارہ‌دارانہ امتیازی پوزیشن دی جس کی بنیاد پر دوسری انٹرنیشنل (۱۹۳) میں ہر جگہ غدار قسم کے لیڈر پیدا ہو گئے — موقع‌پرست، سوشل‌شاونسٹ، جو اپنی حرفت کے، اپنی مزدور اشرافیہ کے پرت کے مفادات کے علمبردار ھیں۔ ''عوام،، سے یعنی محنت‌کشوں کے وسیع‌ترین پرتوں، ان کی اکثریت، سب سے زیادہ کم اجرت پانےوالے مزدوروں سے موقع‌پرست پارٹیوں کے کٹ جانے کی بنیاد پڑی۔ اس برائی سے جدوجہد کئے بغیر، موقع‌پرست، سوشل غدار لیڈروں کو بےنقاب، بدنام اور راندہ کئے

بغیر انقلابی پرولتاریہ کی جیت نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ پالیسی ہے جو تیسری انٹرنیشنل (۱۹۴) نے چلائی۔

اس سلسلے میں عام طور پر عوام کی ڈکٹیٹرشپ کا مقابلہ لیڈروں کی ڈکٹیٹرشپ سے کرنے تک جانا مضحکہ انگیز بیہودگی اور حماقت ہے۔ خاص طور سے دلچسپ بات تو یہ ہے کہ پرانے لیڈروں کی بجائے، جو معمولی باتوں کے بارے میں عام طور پر مسلمہ خیالات رکھتے ہیں، نئے لیڈر (''لیڈر مردہ باد،، کے نعرے کی آڑ میں) لائے جا رہے ہیں جو واہیات اور فضول بکواس کرتے ہیں۔ جرمنی میں لاؤفینبرگ، وولفہائم، ہورنر، کارل شریدر، فریڈرک وینڈیل اور کارل ایرلیر * ایسے ہی لوگ ہیں۔ مؤخرالذکر کی سوال کو ''گہرا،، کرنے کی کوشش اور سیاسی پارٹیوں کے غیر ضروری اور ''بورژوا،، ہونے کا اعلان بکواس کے ایسے ہرقلیسی ستون (۱۹۵) ہیں کہ آدمی صرف ان پر ہاتھ ہی جھٹک سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی غلطی بہت بڑی بن سکتی ہے

---

* کارل ایرلیر کے مضمون ''پارٹی کو توڑ دینا،، (''کمیونسٹ مزدور اخبار،، ہیمبرگ، ۷ فروری ۱۹۲۰ء، شمارہ ۳۲) میں کہا گیا ہے: ''مزدور طبقہ بورژوا جمہوریت کو تباہ کئے بغیر بورژوا ریاست کو تباہ نہیں کر سکتا اور وہ بورژوا جمہوریت کو پارٹیوں کے تباہ کئے بغیر تباہ نہیں کر سکتا۔،،

روسی ملکوں کے بہت زیادہ سرپھرے مزدور سبھائی اور انارکسٹ اس واقعہ سے ''اطمینان،، حاصل کر سکتے ہیں کہ وہ ٹھوس جرمن جو بظاہر اپنے کو مارکسی سمجھتے ہیں (مندرجہ بالا اخبار میں اپنے مضامین کے ذریعہ ایرلیر اور ہورنر نے صاف طور پر دکھایا ہے کہ وہ اپنے کو ٹھوس مارکسی سمجھتے ہیں۔ لیکن انتہائی مضحکہ انگیز طریقے سے ناقابل یقین بکواس کرتے ہیں اور یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ وہ مارکس ازم کی الف بے بھی نہیں جانتے) وہ انتہائی نامعقول بیانات دیتے ہیں۔ صرف مارکسزم کو مان لینے ہی سے کوئی غلطیوں سے بری نہیں ہو جاتا۔ روسی اس کو بخوبی جانتے ہیں کیونکہ ہمارے یہاں مارکس ازم اکثر ''فیشن،، رہا ہے۔

اگر اس غلطی پر ضد کی جائے، اگر اس کو گہرائی سے ثابت کیا جائے اور اس کو ''آخر تک چلایا جائے''۔

پارٹی کے اصولوں اور پارٹی کے ڈسپلن سے انکار — حزب مخالف میں یہ نوبت پہنچ گئی ہے۔ یہ بورژوازی کے حق میں پرولتاریہ کی سکمل تباہی کے مترادف ہے۔ یہ مترادف ہے پیٹی بورژوا انتشار، عدم استحکام اور استقلال، اتحاد اور ٹھوس عمل کے لئے عدم صلاحیت کے جن کی اگر ہمت افزائی کی جائے تو ناگزیر طور پر ہر پرولتاری انقلاب تباہ ہو جائے گا۔ کمیونزم کے نقطۂ نظر سے پارٹی کے اصولوں سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ سامراج کی تباہی کے قبل والے دور سے (جرمنی میں) چھلانگ لگائی جائے کمیونزم کی نچلی یا وسطی منزل کی طرف نہیں بلکہ اونچی منزل کی طرف۔ ہم روس میں (بورژوازی کا تختہ الٹنے کے بعد تیسرے سال) سرمایہ داری سے سوشلزم کی طرف عبور کے یا کمیونزم کی بالکل نچلی منزل کی طرف پہلے قدم اٹھا رہے ہیں۔ پرولتاریہ کی فتح کے بعد ہی طبقات باقی ہیں اور ہر جگہ برسوں تک باقی رہیں گے۔ ممکن ہے کہ برطانیہ میں جہاں کسان نہیں ہیں (لیکن بہر حال چھوٹے چھوٹے مالک ہیں) اس کی مدت کم ہو۔ طبقات کے خاتمے کا مطلب محض زمین داروں اور سرمایہ داروں کو نکال پھینکنا نہیں ہے۔ اس کو ہم نے مقابلتاً آسانی سے کر لیا۔ اس کا مطلب جنس تجارت کے چھوٹے پیداوار کرنے والوں کا خاتمہ بھی ہے اور ان کو نکالنا ممکن نہیں، ان کو کچلنا ممکن نہیں، ہمیں ان کے ساتھ رہنا سہنا چاہئے، ان کو صرف بہت ہی طویل، سست رفتار اور محتاط تنظیمی کام کے ذریعے بدلا جا سکتا ہے (اور بدلنا چاہئے) اور پھر سے تربیت دی جا سکتی ہے۔ وہ پرولتاریہ کو ہر طرف سے پٹی بورژوا فضا سے گھیرے ہوئے ہیں جو پرولتاریہ کے اندر جذب ہو کر اس کو خراب کرتی ہے۔ وہ پرولتاریہ کو باربار پٹی بورژوا بے کرداری، تفریق، انفرادیت اور ولولہ انگیزی سے یاس تک پہنچنے کے جذبات میں مبتلا کرتے ہیں۔ پرولتاریہ کی سیاسی پارٹی کے اندر انتہائی سخت مرکزیت اور ضابطے کی ضرورت ہے تاکہ اس کا مقابلہ کیا جا سکے، تاکہ پرولتاریہ کا تنظیمی رول (اور یہی اس کا خاص رول ہے) صحیح، کامیاب اور فاتحانہ طور پر ادا کیا جا سکے۔ پرولتاریہ

کی ڈکٹیٹرشپ پرانے سماج کی طاقتوں اور روایات کے خلاف ایک سخت جدوجہد ہے — خون‌آشام اور بے‌خون بہائے، تشددآمیز اور پرامن، فوجی اور معاشی، تعلیمی اور انتظامی جدوجہد۔ لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کی عادت کی طاقت سب سے زبردست طاقت ہے۔ جدوجہد میں فولادی اور پختہ بنی ہوئی پارٹی کے بغیر، زیر غور طبقے کے سارے ایماندار لوگوں کا اعتماد رکھنے‌والی پارٹی کے بغیر، اس پارٹی کے بغیر جو عوام کی مزاجی کیفیت کا مطالعہ کرے اور اس پر اثر انداز ہو، ایسی جدوجہد کامیابی سے چلانا ممکن نہیں ہے۔ بڑی مرکوز بورژوازی پر فتح حاصل کر لینا ہزار بار آسان ہے بمقابلہ اس کے کہ لاکھوں کروڑوں چھوٹی ملکیت رکھنے‌والوں کو ''جیتا،، جائے۔ وہ اپنی معمولی، روزمرہ کی، نظر نہ آنے‌والی، ناقابل‌گرفت اور انتشارآمیز سرگرمیوں سے وہی نتائج پیدا کرتے ہیں جن کی بورژوازی کو ضرورت ہے، جو بورژوازی کو بحال کرتے ہیں۔ جو بھی پرولتاری پارٹی کے فولادی ضابطے کو ذرا بھی کمزور کرتا ہے (خاص طور سے اس کی ڈکٹیٹرشپ کے زمانے میں) وہ پرولتاریہ کے خلاف واقعی بورژوازی کی مدد کرتا ہے۔

. . . .

۷

کیا ہمیں بورژوا پارلیمنٹوں میں شریک ہونا چاہئے؟

. . . .

مغربی یورپ اور امریکہ میں پارلیمنٹ مزدور طبقے کے اگواکار انقلابیوں کےلئے خاص طور سے قابل نفرت ہو گئی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بالکل سمجھ میں آتا ہے کیونکہ جنگ کے دوران میں اور اس کے بعد پارلیمنٹ میں سوشلسٹ اور سوشل ڈیموکریٹ ممبران کی زبردست اکثریت نے جو رویہ اختیار کیا اس سے زیادہ مکروہ، ذلیل اور غدارانہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال، یہ طے کرتے وقت کہ اس عام طور پر مسلمہ برائی کے خلاف کیسے

لڑا جائے، اس کیفیت سے ھار مان لینا نہ صرف نامعقول بلکہ قطعی مجرمانہ ہوگا۔ مغربی یورپ کے بہت سے ملکوں میں انقلابی کیفیت، ہم کہہ سکتے ھیں، فی‌الوقت ایک ''انوکھی،، یا ''کمیاب،، چیز جس کا مدتوں سے بیکار اور بےچینی سے انتظار تھا۔ غالباً لوگ اسی‌لئے اس کیفیت کو آسانی سے قبول کر لیتے ھیں۔ واقعی عوام میں بلا انقلابی کیفیت کے اور بغیر ان حالات کے جو اس کیفیت میں افزائش کی سہولتیں پیدا کرتے ھیں انقلابی طریقۂ‌کار کبھی عمل کی صورت نہیں اختیار کریگا۔ لیکن ہم نے روس میں طویل، تکلیف‌دہ اور خون‌آشام تجربے سے اس حقیقت کی تصدیق کی ھے کہ محض انقلابی کیفیت ھی پر انقلابی طریقۂ‌کار کو نہیں بنانا چاھئے۔ طریقۂ‌کار کو کسی ریاست (اور اس کے اطراف کی ریاستوں اور عالمی پیمانے پر تمام ریاستوں) کی ساری طبقاتی طاقتوں کا سنجیدہ اور سخت معروضی حساب لگا کر اور اسی طرح انقلابی تحریک کے تجربے کا حساب لگا کر بنانا چاھئے۔ پارلیمانی موقع‌پرستی کو محض گالیاں دیکر، پارلیمنٹوں میں شرکت سے محض انکار کرکے اپنی ''انقلابیت،، کا اظہار کرنا بہت آسان ھے۔ لیکن بہت آسان ہونے ھی کی وجہ سے یہ انتہائی مشکل فریضے کا حل نہیں ھو سکتا۔ یورپ کی پارلیمنٹوں میں واقعی انقلابی پارلیمانی گروپ بنانا بمقابلہ روس کے کہیں زیادہ مشکل ھے۔ یہ بات مانی ہوئی ھے۔ لیکن یہ تو اس عام حقیقت کا محض ایک خاص اظہار ھے کہ روس میں ۱۹۱۷ء کی ٹھوس، تاریخی طور پر غیرمعمولی انوکھی صورت‌حال میں سوشلسٹ انقلاب شروع کرنا آسان تھا، جبکہ اس کو جاری رکھنا اور انجام تک پہنچانا یورپی ملکوں کے مقابلے میں روس کےلئے زیادہ مشکل ہوگا۔ میں نے ۱۹۱۸ء کی ابتدا ھی میں اس صورت‌حال کی طرف توجہ دلائی تھی اور اس کے بعد دو سال کے تجربے نے اس خیال کے ٹھیک ہونے کی پوری طرح تصدیق کردی۔ ایسے مخصوص حالات جیسے (۱) سوویت انقلاب کو (اس کی وجہ سے) سامراجی جنگ کے خاتمے سے مربوط کرنے کا امکان جس نے مزدوروں اور کسانوں کو ناقابل یقین حدتک ھلکان کر دیا ھے، (۲) سامراجی درندوں کے عالمی طاقت رکھنےوالے دو گروھوں کے درمیان، جو اپنے سوویت دشمن کے خلاف متحد نہیں ھو سکے، تباہ کن جنگ سے

عارضی طور پر فائدہ اٹھانے کا امکان، (۳) نسبتاً طویل خانہ‌جنگی کو برداشت کرنے کا امکان جس کی وجہ کچھ حد تک ملک کی زبردست وسعت اور ذرائع رسل و رسائل کی کمی ہے، (۴) کسانوں میں ایسی گہری بورژوا جمہوری انقلابی تحریک کی موجودگی کہ پرولتاریہ کی پارٹی نے کسانوں کی پارٹی (۱۹۶) (سوشلسٹ انقلابی پارٹی جو اکثریت میں بالشویزم کے سخت خلاف تھی) کے انقلابی مطالبات کو لیا اور پرولتاریہ کے سیاسی اقتدار کے حصول کیوجہ سے فوراً ان کو عملی جامہ پہنایا ـ اس طرح کے مخصوص حالات اس وقت مغربی یورپ میں نہیں ھیں اور ایسے یا ان سے ملتے جلتے حالات کا اعادہ بہت آسان نہیں ہے ـ اسی‌لئے، ضمناً، متعدد دوسرے اسباب کے علاوہ، ھمارے مقابلے میں مغربی یورپ میں سوشلسٹ انقلاب شروع کرنا زیادہ مشکل ہے ـ رجعت‌پرست پارلیمنٹوں کو انقلابی مقاصد کےلئے استعمال کرنے کے مشکل کام پر سے ''چھلانگ،، لگا کر اس مشکل سے ''کترانے،، کی کوشش بالکل بچپن ہے ـ آپ نیا سماج قائم کرنا چاھتے ھیں؟ اور رجعت‌پرست پارلیمنٹ میں بایقین، پرخلوص اور باھمت کمیونسٹوں پر مشتمل اچھا پارلیمانی گروہ بنانے کی مشکل سے ڈرتے ھیں! کیا یہ بچپن نہیں ہے؟ اگر کارل لیبکنیخت جرمنی میں اور ھیوگلنڈ سویڈن میں نیچے سے کثیر تعداد عوام کی حمایت کے بغیر ھی رجعت‌پرست پارلیمنٹوں کو حقیقی انقلابی طور سے استعمال کرنے کی مثال قائم کر سکے تو تیزی کے ساتھ بڑھتی ھوئی انقلابی پارٹی، عوام کی جنگ کے بعد کی نااسیدیوں اور تلخیوں کے درمیان، بری سے بری پارلیمنٹوں میں کمیونسٹ گروپ کیسے نہیں بنا سکتی؟! مغربی یورپ میں کثیر تعداد پسماندہ مزدور اور اس سے زیادہ چھوٹے کسان بمقابلہ روس کے کہیں زیادہ بورژوا جمہوری اور پارلیمانی تعصبات سے بھرے ھوئے ھیں ـ اسی وجہ سے بورژوا پارلیمنٹ جیسے اداروں میں صرف اندر ھی سے کمیونسٹ ھر مشکل میں اٹل رہ کر ان تعصبات کو بےنقاب اور دور کرنے، ان پر قابو پانے کےلئے طویل اور متواتر جدوجہد کر سکتے ھیں (اور کرنا چاھئے) ـ

. . . .

''بائیں بازو،، کا کمیونزم برطانیہ میں

. . . .

انقلاب کا بنیادی قانون جس کی سارے انقلابوں نے اور خصوصاً بیسویں صدی میں روس کے تین انقلابوں نے تصدیق کی ہے، یہ ہے: انقلاب کےلئے یہ کافی نہیں ہے کہ استحصال اور ظلم و تشدد کے شکار عوام کو یہ شعور ہوجائے کہ وہ پرانے طریقے سے زندگی نہیں بسر کرسکتے اور وہ تبدیلی کا مطالبہ کریں۔ انقلاب کےلئے یہ ضروری ہے کہ استحصال کرنےوالے پرانے طریقے سے زندگی نہ گذار سکیں اور حکم نہ چلا سکیں۔ صرف اس وقت جبکہ ''نیچے لوگ،، پرانے کو نہ چاہیں اور ''اونچے لوگ،، پرانے کو نہ چلا سکیں، صرف اسی وقت انقلاب فتحیاب ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار دوسرے الفاظ میں یوں کیا جا سکتا ہے: انقلاب بلا کل قومی بحران کے (جو استحصال کے شکار اور استحصال کرنے والوں پر بھی اثرانداز ہو) ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انقلاب کے لئے ضرورت ہے، اول، کہ مزدوروں کی اکثریت (یا بہرصورت زیادہ‌تر باشعور، بافکر اور سیاسی طور پر سرگرم عمل مزدور) پوری طرح انقلاب کی ضرورت کو سمجھے اور اس کےلئے جان تک دینے کو تیار ہو۔ دوسرے یہ کہ حکمراں طبقوں کو حکومت میں ایسے بحران سے گذرنا پڑے جو انتہائی پسماندہ عوام کو بھی سیاست میں گھسیٹ لے (ہر حقیقی انقلاب کی علامت یہ ہے کہ سیاسی جدوجہد کی صلاحیت رکھنےوالے ایسے محنت‌کش اور مظلوم عوام کے نمائندوں کی تعداد میں دس گنا حتی‌کہ سو گنا اضافہ ہو جو ابھی تک بےاعتنا تھے)، حکومت کو کمزور کردے اور انقلابیوں کےلئے یہ بات ممکن کردے کہ اس کا تختہ وہ جلد از جلد الٹ دیں۔

. . . .

۱۰

بعض نتائج

. . . .

لیکن ساتھ ھی بورژوازی بالشویزم کا تقریباً صرف ایک رخ دیکھ رھی ھے: بغاوت، تشدد اور دھشت۔ اسی‌لئے بورژوازی اس شعبے میں خاص طور سے ضرب لگانے اور مزاحمت کرنے کی تیاری کرتی ھے۔ ممکن ھے کہ علحدہ علحدہ واقعات میں، علحدہ علحدہ ملکوں میں، کسی مختصر مدت کیلئے وہ کامیاب ھو جائے: ایسے امکان کو پیش‌نظر رکھنے کی ضرورت ھے اور ھمارے لئے اس میں کوئی خوفناک بات نہیں ھے اگر اس کو اس میں کامیابی ھو۔ کمیونزم سماجی زندگی کے ھر پہلو سے قطعی طور پر ''نمودار،، ھو رھا ھے، اس کی کونپلیں قطعی طور پر ھر طرف ھیں۔ یہ ''وبا،، (اگر بورژوازی اور بورژوا پولیس کی مرغوب اور انتہائی ''پسندیدہ،، تشبیہہ میں کہا جائے) جسم میں اچھی طرح سرایت کر گئی ھے اور سارے جسم میں پھیل گئی ھے۔ اگر خاص کوششوں سے اس کا ایک راستہ ''روکا،، جاتا ھے تو ''وبا،، اپنے لئے دوسرا راستہ ڈھونڈھ نکالتی ھے جو کبھی کبھی انتہائی غیرمتوقع ھوتا ھے۔ زندگی اپنا راستہ بنا لیتی ھے۔ بورژوازی کو ھذیان میں مبتلا رھنے دو، پاگل‌پن کی حد تک غصہ کرنے دو، حد سے باھر جانے دو، حماقتیں کرنے دو، قبل سے ھی بالشویکوں سے بدلہ لینے دو اور ماضی ومستقبل کے مزید سیکڑوں، ھزاروں اور لاکھوں بالشویکوں کو قتل کرنے کی کوششیں (ھندستان، ھنگری اور جرمنی وغیرہ میں) کرنے دو: اس طرح رویہ اختیار کرکے بورژوازی وھی کررھی ھے جو تاریخ کے تمام مذموم مردہ طبقوں نے کیا ھے۔ کمیونسٹوں کو جاننا چاھئے کہ مستقبل بہر صورت ان کا ھے اور اسی‌لئے ھم عظیم انقلابی جدوجہد کے زبردست جوش کو بورژوازی کی پاگل‌پن کی بےچینی کے زیادہ سے زیادہ ٹھنڈے دل اور گہرے جائزے سے مربوط کر سکتے ھیں (اور ھمیں یہ کرنا چاھئے)۔ روسی انقلاب کو ۱۹۰۵ء میں بری طرح کچل دیا گیا، روسی بالشویک جولائی ۱۹۱۷ء میں کچل دئے گئے، ۱۵ ھزار سے زیادہ جرمن کمیونسٹ

شیڈمان اور نوسکے کی مکارانہ اشتعال‌انگیزیوں اور عیارانہ چالوں کا شکار ہوئے جنھوں نے بورژوازی اور شاہ پرست جنرلوں کے ساتھ مل کر یہ کام کیا ہے، فن‌لینڈ اور ہنگری میں سفید دہشت پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن تمام حالات میں اور تمام ملکوں میں کمیونزم مضبوط ہو رہا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے اور اس کی جڑیں ایسی گہری ہیں کہ اس کے خلاف جبروتشدد اس کو کمزور نہیں بلکہ زیادہ مضبوط بناتا ہے۔ فتح تک اعتماد اور عزم کے ساتھ ہمارے آگے بڑھنے میں صرف ایک بات کی کمی رہ گئی ہے یعنی تمام ملکوں میں سارے کمیونسٹوں کا اس ضرورت کے بارے میں عام اور قطعی طور سے سوچا سمجھا شعور کہ وہ اپنے طریقۂ کار میں زیادہ سے زیادہ لوچدار ہوں۔ لاجواب طور پر پروان چڑھنےوالا کمیونزم خصوصاً ترقی‌یافتہ ملکوں میں یہ شعور اور عملی طور پر اس شعور کو استعمال کی اہمیت کافی نہیں رکھتا۔

جو کچھ ایسے اعلی صاحبان علم مارکسیوں اور سوشلزم کےلئے وقف دوسری انٹرنیشنل کے لیڈروں جیسے کاؤتسکی اور اوٹو باؤیر وغیرہ کے ساتھ ہوا وہ کارآمد سبق ہو سکتا تھا (اور ہونا چاہئے تھا)۔ وہ پوری طرح لوچدار طریقۂ‌کار کی ضرورت سمجھتے تھے، انھوں نے مارکسی جدلیات خود سیکھی اور دوسروں کو سکھائی (اور اس میں سے بہت کچھ جو انھوں نے کیا ہے ہمیشہ سوشلسٹ ادب کے لئے بیش‌بہا اضافہ رہے گا)۔ لیکن انھوں نے اس جدلیات کے استعمال میں ایسی غلطی کی یا عملی کاموں میں ایسے غیرجدلیاتی لوگ ثابت ہوئے جو صورتوں میں تیز تبدیلی کو پیش‌نظر رکھنے اور پرانی صورتوں کو نئے مواد سے بھرنے میں نااہل رہے کہ ان کی قسمت بھی ہائنڈمان، گیڈ اور پلیخانوف کی قسمت سے کچھ زیادہ قابل رشک نہیں ہے۔ ان کے دیوالیہ‌پن کا بنیادی سبب یہ تھا کہ انھوں نے مزدور تحریک اور سوشلزم کے ارتقا کے ایک رخ کی طرف ”ٹکٹکی باندھ لی“، اسکے یک رخی ہونے کے بارے میں بھول گئے، اس زبردست تبدیلی کو دیکھنے سے ڈرے جن کو معروضی حالات نے ناگزیر بنا دیا تھا اور ان معمولی حقائق کو ازبر رٹتے رہے جو پہلی نظر میں مسلمہ معلوم ہوتے ہیں مثلاً تین دو سے زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن سیاست ریاضی سے زیادہ الجبرا سے مشابہ ہے، اور

ابتدائی ریاضی کے مقابلے میں اعلی ریاضی سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ حقیقت میں سوشلسٹ تحریک کی تمام پرانی صورتیں نئے سواد کی حاصل ہو گئی ہیں، اس لئے اعداد کے سامنے ''نفی،، کی نئی علامت آ گئی لیکن ہمارے داناؤں نے ضد کے ساتھ خود اپنے کو اور دوسروں کو یہ یقین دلانا جاری رکھا (اور جاری رکھتے ہیں) کہ ''نفی تین،، ''نفی دو،، سے بڑا ہے۔

ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کمیونسٹ اس طرح کی غلطی نہ کریں، مگر مخالف معنی میں، یا یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اسی طرح کی غلطی مگر مخالف معنی میں جو ''بائیں بازو،، کے کمیونسٹ کر رہے ہیں، جلدازجلد اور سب سے زیادہ بے تکلیف طریقے سے ٹھیک کی جائے۔ صرف دائیں بازو کی کٹر اصول‌پرستی ہی نہیں بلکہ بائیں بازو کی کٹر اصول‌پرستی بھی غلط ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس وقت بائیں بازو کی کٹر اصول پرستی کی غلطی ہزار گنی کم خطرناک اور کم اہمیت رکھتی ہے بمقابلہ دائیں بازو کی کٹر اصول‌پرستی کی غلطی (یعنی سوشل شاونزم اور کاؤتسکی‌ازم) کے لیکن اس کا سبب محض یہ ہے کہ بائیں بازو کے کمیونزم کا رجحان بہت کمسن ہے، صرف ابھی پیدا ہوا ہے۔ صرف اسی لئے اس بیماری کو، مخصوص حالات کے تحت، آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے اور اس کو دور کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ سرگرمی کی ضرورت ہے۔

پرانی صورتیں پھول کر پھٹ گئیں کیونکہ ہوا یہ کہ ان میں نیا — پرولتاری دشمن اور رجعت‌پرست — سواد بےحد ہو گیا تھا۔ بین‌الاقوامی کمیونزم کے ارتقا کے نقطۂ‌نظر سے اب ہمارے پاس کام کےلئے ایسا مستحکم، زوردار اور طاقتور سواد ہے (سوویت اقتدار کےلئے، پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کےلئے) کہ وہ اپنے کو کسی بھی صورت میں، نئی یا پرانی، ظاہر کر سکتا ہے اور کرنا چاہئے، اس کو تمام صورتوں کو نیا جنم دینا چاہئے، ان پر قابو پانا اور انہیں اپنے تحت لانا چاہئے، نہ صرف نئی بلکہ پرانی صورتوں کو بھی — اس لئے نہیں کہ پرانی سے صلح کرلی جائے بلکہ اس لئے کہ سب اور ہر نئی اور پرانی صورت کو کمیونزم کی مکمل اور مختتم، فیصلہ‌کن اور ناقابل تنسیخ فتح کا ہتھیار بنایا جائے۔

کمیونسٹوں کو اپنی ساری کوششیں لگا دینا چاہئے کہ مزدور

تحریک اور عام طور پر سماجی ارتقا کو ایسے راستے پر چلائیں جو سوویت اقتدار اور پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی عالمی فتح کےلئے سب سے سیدھا اور سب سے جلد پہنچانےوالا ہو۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن ایک چھوٹا قدم آگے بڑھایا جائے، غالباً اسی سمت میں، اور حقیقت غلطی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں جس طرح جرمن اور برطانوی بائیں بازو کے کمیونسٹ کہتے ہیں کہ ہم صرف ایک بات مانتے ہیں، صرف سیدھے راستے کو، کہ ہم چالبازی، صلح جوئی اور سمجھوتوں کی اجازت نہیں دینگے تو بس یہ غلطی ہوگی جو کمیونزم کو سنگین نقصان پہنچا سکتی ہے، کچھ پہنچا چکی ہے اور پہنچا رہی ہے۔ دائیں بازو کی اصول پرستی صرف پرانی صورتوں کو ماننے پر اڑی رہی ہے اور نئے مواد کو نظرانداز کرکے انتہائی دیوالیہ ہو چکی ہے۔ بائیں بازو کی کٹر اصول پرستی بعض پرانی صورتوں کو غیرمشروط طور پر مسترد کرنے کےلئے اڑی ہوئی ہے اور یہ نہیں دیکھتی کہ نیا مواد سب اور ہر صورت میں اپنے لئے راستہ بنا رہا ہے، کہ کمیونسٹوں کی حیثیت سے ہمارا فرض تمام صورتوں پر قابو پانا، یہ سیکھنا ہے کہ کس طرح انتہائی تیزی کے ساتھ ایک صورت کو دوسری کے ساتھ جوڑا جائے، ایک کو دوسری سے بدلا جائے، اور اس طرح کی ہر تبدیلی کےلئے اپنے طریقۂ کار کو موزوں بنایا جائے جو ہمارے طبقے یا ہماری کوششوں سے نہیں پیدا ہوئی ہے۔

عالمی سامراجی جنگ کی دہشتوں، نفرت‌انگیز حرکتوں، خباثت سے اور اس کی پیدا کی ہوئی مایوس کن صورت‌حال سے عالمی انقلاب کو بہت زوردار سہمیز اور تیز کرنےوالا دھکا لگا ہے، یہ انقلاب اپنی وسعت اور گہرائی میں ایسی شاندار تیزی سے، صورتوں میں تبدیلی کی ایسی لاجواب دولت کے ساتھ، ساری اصول‌پرستی کی ایسی سبق‌آموز عملی تردید کے ساتھ بڑھ رہا ہے جس سے یہ توقع کرنے کی پوری بنیاد پیدا ہوتی ہے کہ بین‌الاقوامی کمیونسٹ تحریک ''بائیں‌بازو'' کے کمیونزم کی طفلانہ بیماری سے جلد اور مکمل طور سے شفا پائےگی۔

۲۷ اپریل ۱۹۲۰ء۔

ڈکٹیٹرشپ کے سوال کی تاریخ کے بارے میں کچھ خیالات

(ایک نوٹ)

پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کا سوال بغیر کسی استثنا کے سارے سرمایہ‌دارانہ ملکوں میں مزدور طبقے کی جدید تحریک کا بنیادی سوال ہے۔ اس سوال کی پوری طرح وضاحت کرنے کے لئے اس کی تاریخ کا علم درکار ہے۔ بین‌الاقوامی پیمانے پر بالعموم انقلابی ڈکٹیٹرشپ کے نظریے کی اور بالخصوص پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے نظریے کی تاریخ انقلابی سوشلزم کی تاریخ اور خاص طور سے مارکسزم کی تاریخ کے ساتھ زمانی مطابقت رکھتی ہے۔ مزیدبرآں — اور یہ ظاہر ہے سب سے اہم چیز ہے — استحصال کاروں کے خلاف استبداد اور استحصال کے شکار سارے طبقوں کے سارے انقلابوں کی تاریخ ڈکٹیٹرشپ کے سوال کے بارے میں ہمارے علم کا بنیادی سواد اور ماخذ فراہم کرتی ہے۔ جو کوئی بھی اس بات کو سمجھنے سے قاصر رہا کہ ڈکٹیٹرشپ کسی بھی انقلابی طبقے کی فتح کے لئے لازمی ہے اسے انقلابوں کی تاریخ کی کوئی سمجھ نہیں ہے، یا پھر وہ اس میدان میں کچھ جاننا چاہتا ہی نہیں ہے۔

روس کے سلسلے میں، جہاں تک نظریے کا سوال ہے روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کے پروگرام (۱۹۷) کو خاص اہمیت حاصل ہے جس کا مسودہ ۰۳ — ۱۹۰۲ء میں ''زاریا،، اور ''اسکرا،، (۱۹۸) کی مجلس ادارت نے تیار کیا تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ جس کا مسودہ پلیخانوف نے تیار کیا تھا اور اس مجلس ادارت

نے اسکی ادارت، اس میں ترمیم اور اس کی توثیق کی تھی۔ اس پروگرام میں پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے سوال کو واضح اور قطعی انداز میں بیان کیا گیا ھے اور مزید برآں اس پروگرام میں یہ سوال برنشٹائن کے خلاف، موقع پرستی کے خلاف جدوجہد سے وابستہ ھے۔ لیکن سب سے اھم، ظاھر ھے کہ، انقلاب کا تجربہ ھے یعنی روس کے معاملے میں ۱۹۰۵ء کے سال کا تجربہ۔

اس سال کے تین مہینے اکتوبر، نومبر اور دسمبر قابل ذکر پرزور اور وسیع عوامی انقلابی جدوجہد کا زمانہ تھے۔ ایک ایسا زمانہ جس میں اس جدوجہد کے دو سب سے طاقتور طریقوں یعنی عام سیاسی ھڑتال اور ایک مسلح بغاوت کا امتزاج دیکھنے میں آیا۔ (جملۂ معترضہ کے طور پر اس بات کو بھی ذھن میں رکھنا چاھئے کہ مئی ۱۹۰۵ء ھی میں ''روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی تیسری کانگرس،، نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ ''مسلح بغاوت کے ذریعے سے شخصی شاھی کے خلاف براہ‌راست جدوجہد کے لئے پرولتاریہ کو منظم کرنے کا کام،، ''پارٹی کے اھم اور انتہائی فوری فریضوں میں سے ھے، اور کانگرس مذکور نے ساری پارٹی تنظیموں کو ھدایت کی تھی کہ وہ ''عام سیاسی ھڑتالوں کے رول کی تشریح و توضیح کریں جو کہ بغاوت کے شروع میں اور اس کی ترقی کے دوران میں بہت اھم ھو سکتی ھیں،، (۱۹۹)۔)

عالمی تاریخ میں پہلی بار انقلابی جدوجہد ارتقا کے اتنے بلند مرحلے پر پہنچ گئی اور اس میں اتنا زور آ گیا کہ مسلح بغاوت کو اس مختص طور پر پرولتاری ھتھیار یعنی عام ھڑتال کے ساتھ ملا دیا گیا۔ یہ تجربہ واضح طور پر سارے پرولتاری انقلابوں کے لئے عالمی اھمیت کا حامل ھے۔ بالشویکوں نے اس کا مطالعہ اس کے سیاسی پہلو سے بھی اور اس کے معاشی پہلو سے بھی انتہائی توجہ اور تندھی کے ساتھ کیا...

عام ھڑتالوں اور مسلح بغاوتوں نے، جیسا کہ ھونا چاھئے تھا، انقلابی اقتدار اور ڈکٹیٹرشپ کا سوال اٹھایا اس لئے کہ جدوجہد کی یہ صورتیں ناگزیر طور پر شروع میں مقامی پیمانے پر پرانے ارباب اقتدار کی برطرفی، اقتدار پر پرولتاریہ اور دوسرے انقلابی طبقوں کے قبضے، زمینداروں کے اخراج، بعض اوقات فیکٹریوں پر

قبضے اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کا موجب بنیں - اس زمانے کی انقلابی عام جدوجہد نے اس طرح کی تنظیموں کو جنم دیا جن کا عالمی تاریخ میں پہلے نام‌ونشان تک نہ تھا جیسے کہ مزدوروں کے نمائندوں کی سوویتیں اور ان کے بعد سپاہیوں کے نمائندوں کی سوویتیں، کسان کمیٹیاں وغیرہ- یوں جو بنیادی سوالات (سوویت اقتدار اور پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ) اس وقت ساری دنیا کے طبقاتی شعور رکھنےوالے مزدوروں کے لئے باعث فکر بنے ہوئے ہیں، ۱۹۰۵ء کے آخر میں ایک عملی صورت میں سامنے آئے تھے- انقلابی پرولتاریہ اور غیرمسخ‌شدہ مارکسزم کے روزا لکسمبرگ جیسے ممتاز نمائندوں نے اس عملی تجربے کی اہمیت کو فوراً محسوس کر لیا اور میٹنگوں میں نیز اخبارات میں اس کا تنقیدی تجزیہ کیا لیکن سرکاری سوشل ڈیموکریٹک اور سوشلسٹ پارٹیوں کے سرکاری نمائندوں کی بڑی اکثریت — جن میں اصلاح پرست بھی تھے اور مستقبل کے ''کاؤتسکی وادیوں،،، ''لانگوے وادیوں،،، امریکہ میں ہلکوئٹ کے پیروؤں وغیرہ کی قسم کے لوگ بھی شامل تھے — اس تجربے کی اہمیت کو سمجھنے اور انقلابیوں کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دینے یعنی اس تجربے کے سبق کا مطالعہ اور پرچار شروع کرنے کا کام انجام دینے کے اہل نہیں ثابت ہوئے...

اس وقت تک سوویتوں کی اہمیت کے بارے میں مباحثہ ڈکٹیٹرشپ کے سوال کے ساتھ جڑ چکا تھا- بالشویکوں نے ڈکٹیٹرشپ کا سوال اکتوبر ۱۹۰۵ء کے انقلاب سے پہلے ہی اٹھایا تھا (ملاحظہ ہو میرا کتابچہ ''جمہوری انقلاب میں سوشل ڈیموکریسی کے دو طریقہ‌کار،،، جنیوا، جولائی ۱۹۰۵ء؛ جو بعد کو مجموعۂ مضامین کی ایک جلد میں دوبارہ شائع ہوا جس کا نام تھا ''بارہ برس،،)- ''ڈکٹیٹرشپ،، کے نعرے کے سلسلے میں منشویکوں نے ایک منفی موقف اختیار کیا- بالشویکوں نے اس بات پر زور دیا کہ مزدوروں کے نمائندوں کی سوویتیں ''درحقیقت ایک نئے انقلابی اقتدار کی ابتدائی شکل،، ہیں، جیسا کہ حرف بہ حرف بالشویک قرارداد کے مسودے میں کہا گیا تھا (میری ''رپورٹ،، کا صفحہ ۹۲)- منشویکوں نے سوویتوں کی اہمیت کو تسلیم کیا، وہ ''انہیں منظم کرنے میں مدد دینے،، کے حق میں تھے، وغیرہ وغیرہ، لیکن وہ انہیں انقلابی اقتدار

کی ابتدائی شکل نہیں سمجھتے تھے، بالعموم کسی بھی طرح کے ایک ''نئے انقلابی اقتدار،، کے بارے میں کچھ نہیں کہتے تھے اور ڈکٹیٹرشپ کے نعرے کو بالکل ہی رد کرتے تھے۔ یہ آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا کہ سوال کے بارے میں اس رویے ہی میں منشویکوں کے ساتھ موجودہ ساری نااتفاقی کے بیج شامل تھے۔ یہ بھی آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے کہ اس سوال کے بارے میں (روسی اور غیرروسی دونوں مثلاً کاؤتسکی وادیوں، لانگوےوادیوں اور انھیں جیسے دوسرے) منشویکوں کا رویہ اصلاح پرستوں یا موقع پرستوں کا سا تھا، جو لفظی طور پر تو پرولتاری انقلاب کو تسلیم کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اس چیز کو رد کرتے ہیں جو انقلاب کے تصور کلی میں سب سے لازمی اور بنیادی ہے۔

۱۹۰۵ء کے انقلاب سے پہلے بھی میں نے مذکورہ بالا کتابچے ''دو طریقۂ کار،، میں منشویکوں کی دلیلوں کا تجزیہ کیا تھا جنھوں نے مجھ پر ''انقلاب کی جگہ چپ چاپ ڈکٹیٹرشپ رکھ دینے،، کا الزام لگایا تھا (''بارہ برس،،، صفحہ ۴۵۹)۔ میں نے تفصیل کے ساتھ دکھایا تھا کہ اس الزام ہی سے منشویکوں نے لبرل بورژوازی کے چپڑقناتیوں اور پرولتاریہ کی صفوں میں اس کا اثر لیجانےوالوں کی حیثیت سے اپنی موقع پرستی کو، اپنی صحیح سیاسی فطرت کو واضح کر دیا ہے۔ میں نے کہا کہ جب انقلاب ایک مسلمہ قوت بن جاتا ہے تو اس کے مخالف بھی ''انقلاب کو تسلیم،، کرنے لگتے ہیں اور میں نے (۱۹۰۵ء کی گرمیوں میں) روسی لبرلوں کی مثال کی طرف اشارہ کیا تھا جو آئینی شاہی کے پرستار بنے رہے۔ اس وقت ۱۹۲۰ء میں یہ بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ جرمنی اور اٹلی میں لبرل بورژوازی — یا کم سے کم ان کا سب سے تعلیم‌یافتہ اور چالاک حصہ — ''انقلاب کو تسلیم،، کرنے پر تیار ہیں۔ لیکن انقلاب کو ''تسلیم،، کرکے اور اس کے ساتھ ہی ایک مخصوص طبقے (یا مخصوص طبقوں) کی ڈکٹیٹرشپ کو تسلیم کرنے سے انکار کرکے اس زمانے کے روسی لبرلوں اور منشویکوں نے اور آج کے جرمن اور اطالوی لبرلوں، توراتی وادیوں اور کاؤتسکی وادیوں نے اپنی اصلاح پرستی کو، انقلابی بننے کے لئے اپنی قطعی ناموزونیت کو ظاہر کر دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب انقلاب ایک مسلمہ قوت بن چکا ہے،

جب لبرل بھی اسے ''تسلیم،، کرتے ھیں اور جب حکمراں طبقے محکوم عوام‌الناس کی ناقابل شکست طاقت کو نہ صرف دیکھتے ھیں بلکہ محسوس کرتے ھیں، تب پورا سوال - نظریہ‌دانوں کے لئے بھی اور عملی پالیسی کے رھنماؤں کے لئے بھی - بس انقلاب کی ایک صحیح طبقاتی تعریف بیان کرنے کا رہ جاتا ھے۔ لیکن ''ڈکٹیٹرشپ،، کے تصور کلی کے بغیر یہ صحیح طبقاتی تعریف نہیں بیان کی جا سکتی۔ جب تک کوئی شخص ڈکٹیٹرشپ کے لئے تیاری نہیں کرتا تب تک وہ درحقیقت انقلابی نہیں ھو سکتا۔ اس سچائی کو ۱۹۰۵ء میں منشویکوں نے نہیں سمجھا اور اسے ۱۹۲۰ء میں اطالوی، جرمن، فرانسیسی اور دوسرے سوشلسٹ نہیں سمجھ رھے ھیں جو کمیونسٹ انٹرنیشنل کی سخت ''شرطوں،، سے ڈرتے ھیں۔ اس سچائی سے وہ لوگ ڈرتے ھیں جو لفظوں میں ڈکٹیٹرشپ کو تسلیم کرنے کی صلاحیت رکھتے ھیں لیکن عمل میں اس کی تیاری کرنے کے اھل نہیں ھیں۔ اس لئے مارکس کے خیالات کی اس توضیح کو تفصیل کے ساتھ نقل کرنا نامناسب نہ ھوگا جو میں نے روسی منشویکوں کے خلاف جولائی ۱۹۰۵ء میں شائع کیا تھا لیکن جس کا اطلاق اتنا ھی ۱۹۲۰ء کے مغربی یورپی منشویکوں پر بھی ھوتا ھے۔ (اخبارات وغیرہ کے نام دینے کی بجائے میں صرف یہ اشارہ کروں‌گا کہ منشویکوں کا ذکر ھے یا بالشویکوں کا۔)

''۱۸۴۸ء کے ''ڈی نیوئے رائنش زائٹونگ،، «Die Neue Rheinische Zeitung» میں مارکس کے جو مضامین شائع ھوئے تھے ان پر اپنے حواشی لکھتے ھوئے میرنگ ھمیں بتاتے ھیں کہ اس اخبار پر بورژوا مطبوعات نے ایک الزام یہ لگایا تھا کہ گویا اس نے مبینہ طور پر ''جمہوریت حاصل کرنے کے واحد ذریعے کی حیثیت سے ایک ڈکٹیٹرشپ فوراً قائم کرنے کا مطالبہ کیا تھا،، (Marx Nachlaß * جلد ۳، صفحہ ۵۳)۔ عامیانہ بورژوا نقطۂ نظر سے ڈکٹیٹرشپ اور جمہوریت کی اصطلاحیں ایک دوسرے کی ضد ھیں۔ بورژوا دراصل طبقاتی جدوجہد کے نظریے کو سمجھنے سے قاصر ھوتا ھے اور سیاسی میدان میں مختلف بورژوا حلقوں اور جماعتوں

---

*مارکس، ادبی ورثہ۔ (ایڈیٹر)

کے جھگڑوں کو دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ وہ ڈکٹیٹرشپ سے یہ سمجھتا ہے کہ ساری آزادیاں اور جمہوریت کی ضمانتیں ختم کردی جاتی ہیں، ہر قسم کا من مانا پن ہوتا ہے اور کسی ڈکٹیٹر کے شخصی مفادات کے مطابق طاقت کا ہر طرح کا بیجا استعمال ہوتا ہے۔ دراصل یہی عامیانہ بورژوا خیال ہے جو ہمارے منشویکوں میں دکھائی دیتا ہے جو 'ڈکٹیٹرشپ' کے نعرے کے لئے بالشویکوں کی جانبداری کو لینن کی 'اپنی قسمت آزمائی کرنے کی پرجوش خواہش' پر محمول کرتے ہیں (''اسکرا''، شمارہ ۱۰۳، صفحہ ۳، کالم ۲)۔ منشویکوں کو کسی شخصی ڈکٹیٹرشپ سے بالکل الگ طبقاتی ڈکٹیٹرشپ کی اصطلاح کے معنی اور کسی سوشلسٹ ڈکٹیٹرشپ سے بالکل الگ کسی جمہوری ڈکٹیٹرشپ کے فریضے سمجھانے کےلئے ''ڈی‌نیوئے رائنش زائٹونگ'' (۲۰۰) کے خیالات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ''ڈی‌نیوئے رائنش زائٹونگ'' نے ۱۴ ستمبر ۱۸۴۸ء کو لکھا کہ ''ایک انقلاب کے بعد ریاست کی ہر عارضی تنظیم ایک ڈکٹیٹرشپ کی بلکہ سرگرم ڈکٹیٹرشپ کی متقاضی ہوتی ہے۔ ہم نے شروع ہی سے کیمپ‌ہاؤزین (۱۸ مارچ ۱۸۴۸ء کے بعد وزارت کے سربراہ) کی فہمائش کی ہے کہ وہ ڈکٹیٹر کی طرح عمل نہیں کر رہے ہیں، انھوں نے پرانے اداروں کی باقیات کو فوراً کچل کر نیست و نابود نہیں کر دیا۔ ادھر ہر کیمپ ہاؤزین اپنے آپ کو آئینی خوش‌فہمیوں میں مبتلا کئے ہوئے تھے اور ادھر شکست خوردہ پارٹی (یعنی رجعت‌پرستی کی پارٹی) نے دفتری نظام میں اور فوج میں اپنے مورچے مضبوط کر لئے اور یہاں وہاں کھلم کھلا جدوجہد کی ہمت بھی کرنے لگی'' (۲۰۱)۔

''میرنگ نے بجا طور پر کہا ہے کہ یہ الفاظ چند مقدمات میں ان ساری باتوں کا خلاصہ پیش کر دیتے ہیں جو ''ڈی‌نیوئے رائنش زائٹونگ'' میں کیمپ‌ہاؤزین وزارت کے بارے میں طویل مضامین میں تفصیل کے ساتھ کہا گیا تھا۔ مارکس کے یہ الفاظ ہمیں کیا بتاتے ہیں؟ کہ ایک عارضی انقلابی حکومت کو ڈکٹیٹر کی طرح ضرور عمل کرنا چاہئے (اس مقدمے کو سمجھنے کی اہلیت منشویکوں میں نہیں ہے اس لئے کہ وہ ڈکٹیٹرشپ کے نعرے سے ڈرتے ہیں) اور یہ کہ ایک ڈکٹیٹرشپ کا فریضہ ہوتا ہے پرانے

اداروں کی باقیات کو تباہ کرنا (اور ٹھیک یہی بات انقلاب دشمنی کے خلاف جہدوجہد کے بارے میں روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی (بالشویک) کی تیسری کانگرس کی قرارداد میں کہی گئی تھی اور یہی بات منشویکوں کی قرارداد میں ترک کر دی گئی تھی جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے)۔ تیسری اور آخری بات یہ کہ ان الفاظ سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مارکس نے انقلاب اور کھلم کھلا خانہ‌جنگی کے دور میں 'آئینی خوش فہمیاں' رکھنے پر بورژوا جمہوریت پسندوں کی سرزنش کی ہے۔ ان الفاظ کے معنی ٦ جون ١٨٤٨ء کے ''ڈی نیوئے رائنش زائٹونگ'' کے مضمون سے خاص طور سے واضح ہو جاتے ہیں:

''مارکس نے لکھا کہ 'ایک آئینی قومی اسمبلی کو سب سے پہلے ایک فعال انقلابی اسمبلی ہونا چاہئے۔ لیکن فرینکفرٹ اسمبلی (٢٠٢) پارلیمانیت میں اسکولی مشقیں کرنے میں مصروف ہے اور اس نے عمل کرنے کا موقع حکومت کو دے دیا ہے۔ فرض کر لیجئے کہ یہ عالمانہ اسمبلی بالغ نظر غوروفکر کے بعد بہترین ممکن ایجنڈا اور بہترین آئین تیار کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو بھی اس عرصے میں اگر جرمن حکومت نے ایجنڈا میں سنگین بھی شامل کر دی تو بہترین ممکن ایجنڈا اور بہترین ممکن آئین کا کیا فائدہ ہوگا (٢٠٣)؟'

''ڈکٹیٹرشپ کے نعرے کے یہ معنی ہیں... قوموں کی زندگی میں اہم سوالات کا تصفیہ صرف قوت سے ہوتا ہے۔ رجعت‌پرست طبقے خود ہی تشدد پر اتر آتے ہیں، خانہ‌جنگی چھیڑنے میں عام طور سے پہل کرتے ہیں۔ وہی 'ایجنڈا میں سنگین کو شامل کر دینے میں' پہل کرتے ہیں جیسا کہ روسی شخصی شاہی باقاعدہ طور پر اور بغیر کسی انحراف کے ٩ جنوری (٢٠٤) سے ہر جگہ کرتی رہی ہے۔ اور چونکہ اس طرح کی صورت حال پیدا ہو گئی ہے، چونکہ سنگین سیاسی ایجنڈے کی خاص مد بن گئی ہے، چونکہ بغاوت لازمی اور اشد ضروری ثابت ہو چکی ہے اس لئے آئینی خوش فہمیاں اور پارلیمانیت میں اسکولی مشقیں انقلاب سے بورژوا دغابازی کے لئے محض دھوکے کی ٹٹی، اس حقیقت کو چھپانے کی ٹٹی بن کر رہ گئی ہے کہ بورژوازی اب انقلاب سے 'دل برداشتہ' ہورہی ہے۔ اس صورت

میں صحیح معنوں میں انقلابی طبقے کو ڈکٹیٹرشپ ھی کا نعرہ بلند کرنا چاھئے۔ ،،*

اس طرح بالشویکوں نے اکتوبر ۱۹۰۵ء کے انقلاب سے پہلے ڈکٹیٹرشپ کے بارے میں استدلال کیا تھا۔

اس انقلاب کے تجربے کے بعد میں نے کتابچہ ''کیڈیٹوں کی فتح اور مزدوروں کی پارٹی کے فریضے،،، سینٹ پیٹرس برگ، ۱۹۰۶ء (کتابچے پر ۲۸ مارچ ۱۹۰۶ء کی تاریخ ھے) میں ڈکٹیٹرشپ کے سوال کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ میں اھم ترین دلیلیں اسی کتابچے سے نقل کروں گا۔ بس متعدد اسمائے معرفه کی جگه صرف اشارہ ہوگا که حواله کیڈیٹوں (۲۰۵) کا دیا گیا ھے یا منشویکوں کا۔ عام طور سے یه کتابچه کیڈیٹوں کے خلاف تھا اور جزوی طور پر غیرپارٹی لبرلوں، نیم کیڈیٹوں اور نیم منشویکوں کے خلاف۔ لیکن واقعه یه ھے که اس میں ڈکٹیٹرشپ کے بارے میں جو باتیں کہی گئی ھیں ان کا اطلاق درحقیقت منشویکوں پر بھی ھوتا ھے جو اس سوال پر برابر کیڈیٹوں کے موقف پر آتے جا رھے تھے۔

''اس وقت جب ماسکو میں فائرنگ کا زور کم ھو رھا تھا اور جب فوجی اور پولیس ڈکٹیٹرشپ اپنی وحشیانه لوٹ مار میں مصروف تھی، جب پورے روس پر ظلم و جبر اور عام ایذارسانی کا دور دورہ تھا تب کیڈیٹ اخبارات میں بائیں برزو کی طرف سے طاقت کے استعمال کے خلاف اور انقلابی پارٹیوں کی منظم کردہ ھڑتال کمیٹیوں کے خلاف آوازیں بلند کی گئیں۔ دوباسوف کے تنخواہ‌دار کیڈیٹ پروفیسر، جو اپنی سائنس کی پھٹکر دکانداری کر رھے ھیں، اس حد تک جا پہنچے که 'ڈکٹیٹرشپ، لفظ کا ترجمه 'مستحکم کردہ حفاظت، کے لفظوں میں کرنے لگے۔ ان 'صاحبان علم، نے انقلابی جدوجہد کو بدنام کرنے کے لئے اسکولی لاطینی زبان کو بھی مسخ کر دیا۔ آپ کیڈیٹ حضرات ھمیشه کے لئے ذھن‌نشین کر لیجئے که ڈکٹیٹرشپ کے معنی ھوتے ھیں غیرمحدود اقتدار جس کی بنیاد قانون پر نہیں طاقت پر ھو۔ خانه‌جنگی میں ھر فتح‌مند اقتدار صرف ڈکٹیٹرشپ ھی ھو

---

*لینن ''جمہوری انقلاب میں سوشل ڈیموکریسی کے دو طریقۂ کار،،۔ (ایڈیٹر)

سکتی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ ایک تو اکثریت پر اقلیت کی ڈکٹیٹرشپ، عوام پر مٹھی بھر پولیس افسروں کی ڈکٹیٹرشپ ہوتی ہے اور ایک مٹھی‌بھر ظالموں، لٹیروں اور عوام کے اقتدار کو غصب کرلینےوالوں پر عوام کی غالب اکثریت کی ڈکٹیٹرشپ ہوتی ہے۔ کیڈیٹ حضرات نے 'ڈکٹیٹرشپ، کے تصور کلی کو اپنے عامیانہ انداز میں مسخ کرکے، ایک ایسے وقت میں بائیں بازو کے تشدد کے خلاف واویلا مچاکر، جب دائیں بازو کے لوگ انتہائی غیرقانونی اور شرمناک تشدد پر اتر آئے ہیں، اس سوقف کا بہت واضح ثبوت دیا ہے جو 'سمجھوتےباز، لوگ شدید انقلابی جدوجہد میں اختیار کرتے ہیں۔ جب جدوجہد بھڑک اٹھتی ہے تو ''سمجھوتےباز، چھپنے کے لئے لپک کر دوڑتا ہے۔ جب انقلابی عوام فتح‌مند ہو جاتے ہیں (۱۷ اکتوبر) (۲۰۶) تو 'سمجھوتےباز، اپنی پناہ‌گاہ سے رینگ کر باھر آتا ہے، ڈینگیں مارتا ہوا اکڑتا ہے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتا اور سر دھنتا ہے کہ 'یہ تو بڑی ''شاندار،، سیاسی ہڑتال تھی!، لیکن فتح اگر انقلاب‌دشمن کو حاصل ہو جاتی ہے تو 'سمجھوتےباز، ھارے ہوئے لوگوں کو مکاری کے ساتھ ڈانٹتا ہے اور ان کو واعظانہ نصیحتیں کرتا ہے۔ کامیاب ہڑتال تو 'شاندار، تھی۔ شکست کھا جانےوالی ہڑتالیں مجرمانہ، جنونی، بےمعنی اور نراجی تھیں۔ شکست کھا جانےوالی بغاوت جنوبی تھی، ابھرتے ہوئے عناصر کا فساد تھا، وحشت اور بیوقوفی تھی۔ مختصر یہ کہ 'سمجھوتےباز، کا سیاسی ایمان اور اس کی سیاسی عقل اسے اس فریق کے سامنے خوشامد کرنے پر جو اسوقت سب سے زیادہ مضبوط ہو، لڑنےوالوں کے راستے میں آنے پر، پہلے ایک فریق کو پھر دوسرے کو روکنے پر، جدوجہد کو کمزور کرنے پر اور عوام کے انقلابی شعور کو کند کرنے پر اکساتی ہے جو آزادی کےلئے جان بازانہ جدوجہد کر رہے ہیں۔ ،،

اسی سلسلے میں اس وقت ڈکٹیٹرشپ کے سوال پر ان توضیحات کو نقل کرنا بہت برمحل ہوگا جن کا رخ مسٹر بلانک کے خلاف تھا۔ ان بلانک نے ۱۹۰۶ء میں ایک اخبار میں (۲۰۷)، جو دراصل منشویک لیکن رسمی طور پر غیرجانبدار تھا، منشویک خیالات پیش کئے اور ''روسی سوشل ڈیموکریٹک تحریک کو اس راستے پر لیجانے

کے لئے،، منشویکوں کی کوشش کی تعریف کی ''جس پر جرمنی کی عظیم سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی رہنمائی میں پوری بین الاقوامی سوشل ڈیموکریٹک تحریک گامزن ہے۔ ،،

بہ الفاظ دیگر کیڈیٹوں کی طرح بلانک نے بھی ''معقول،، منشویکوں کے مقابلے میں بالشویکوں کو نامعقول، غیرمارکسی، باغی وغیرہ انقلابی بناکر پیش کیا اور جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کو بھی منشویک پارٹی کی حیثیت سے پیش کیا۔ یہ سوشل لبرلوں، مصالحت پسندوں وغیرہ کے بین الاقوامی رجحان کا عام طریقہ ہے جو سارے ملکوں میں اصلاح پرستوں اور موقع پرستوں کو، کاؤتسکی وادیوں اور لانگوے وادیوں کو ''معقول سوشلسٹوں،، کی حیثیت سے بالشویکوں کے ''پاگل پن،، کے مقابلے میں پیش کرتا ہے۔

۱۹۰۶ء کے مذکورہ بالا کتابچے میں میں نے مسٹر بلانک کا جواب اس طرح دیا تھا:

''مسٹر بلانک روسی انقلاب کے دو ادوار کا موازنہ کرتے ہیں۔ پہلا دور تقریباً اکتوبر تا دسمبر ۱۹۰۵ء پر محیط ہے۔ یہ انقلابی بگولے کا دور ہے۔ دوسرا موجودہ دور ہے جسے ہم ظاہر ہے کہ دوما کے چناؤ میں کیڈیٹ فتوحات کا دور یا شاید اگر ہم کچھ آگے بڑھ کر دیکھنے کا خطرہ مول لیں تو ایک کیڈیٹ دوما (۲۰۸) کا دور کہنے کا حق رکھتے ہیں۔

''اس دور کے سلسلے میں مسٹر بلانک کہتے ہیں کہ ذہن اور عقل کے دور کی باری پھر آگئی ہے اور دوبارہ دانستہ، باطریقہ اور باقاعدہ سرگرمیاں شروع کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ دوسری طرف مسٹر بلانک پہلے دور کو ایسا دور بتاتے ہیں جس میں نظریہ عمل سے انحراف کر گیا تھا۔ سارے سوشل ڈیموکریٹک اصول اور خیالات ناپید ہو گئے، وہ طریق کار بھلا دئے گئے جن کی تبلیغ روسی سوشل ڈیموکریسی کے بانیوں نے ہمیشہ کی تھی اور سوشل ڈیموکریٹک جہاں بینی کے ستون ہی اکھڑ گئے۔

''مسٹر بلانک کا خاص دعوی حقیقت کا محض بیان ہے کہ مارکسزم کا پورا نظریہ انقلابی بگولے کے دور میں 'عمل' سے انحراف کر گیا تھا۔

''کیا یہ سچ ہے؟ مارکسی نظریے کا پہلا اور خاص 'ستون'

کیا ہے؟ یہ ہے کہ جدید سماج میں واحد پوری طرح سے انقلابی طبقہ اور اس لئے ہر انقلاب میں ترقی‌یافتہ طبقہ پرولتاریہ ہے۔ تو پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا انقلابی بگولے نے سوشل ڈیموکریٹک جہاں‌بینی کے اس 'ستون، کو اکھاڑ دیا ہے؟ برعکس اس کے بگولے نے تو اسے انتہائی عظیم‌الشان انداز میں حق بجانب ثابت کر دیا ہے۔ اس دور میں پرولتاریہ ہی خاص، اور شروع میں تو واحد مجاهد تھا۔ شاید تاریخ میں پہلی بار ایک بورژوا انقلاب کی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے ایک خالص پرولتاری ہتھیار یعنی عام سیاسی ہڑتال سے اتنے بڑے پیمانے پر کام لیا کہ انتہائی ترقی‌یافتہ سرمایہ‌دار ملکوں میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ پرولتاریہ ایک ایسی لڑائی میں جو قطعی طور پر انقلابی تھی، ایک ایسے وقت میں آگے بڑھا جب استروے اور بلانک جیسے لوگ بولیگن دوما (۲۰۹) میں شرکت کے لئے اپیل کر رہے تھے اور جب کیڈیٹ پروفیسران طالب علموں کو اپنی پڑھائی میں لگے رہنے کی تاکید کر رہے تھے۔ اپنے پرولتاری ہتھیار سے پرولتاریہ نے روس کے لئے پورا نام‌نہاد 'آئین، حاصل کیا جسے اس وقت سے صرف مجروح کیا گیا ہے، جس میں صرف کانٹ چھانٹ اور تخفیف کی گئی ہے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں پرولتاریہ نے جدوجہد کے وہ طریق کار استعمال کئے جو چھ مہینے پہلے روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی بالشویک تیسری کانگرس کی قرارداد میں طے کئے گئے تھے۔ اس قرارداد نے عام سیاسی ہڑتال کو بغاوت کے ساتھ یکجا کرنے کی ضرورت پر بہت زیادہ زور دیا تھا۔ اور یہی یکجائی 'انقلابی بگولے، کی پوری مدت کی، ۱۹۰۵ء کی پوری آخری تماہی کی خصوصیت ہے۔ یوں ہمارے پٹی بورژوازی کے نظریہ‌داں نے انتہائی دیدہ دلیر اور صریحی انداز میں حقیقت کو مسخ کر دیا ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے ایک بھی حقیقت نہیں پیش کی کہ مارکسی نظریہ 'انقلابی بگولے، کے دور میں عملی تجربے سے انحراف کر گیا۔ انھوں نے اس بگولے کے خاص خدوخال کو دھندلانے کی کوشش کی جبکہ اسی سے 'سارے سوشل ڈیموکریٹک اصولوں اور خیالات، کی، 'سوشل ڈیموکریٹک جہاں‌بینی کے سارے ستونوں، کی صحت کی توثیق بہت ہی واضح طور پر ہوئی تھی۔

''لیکن واقعی سبب کیا تھا جس نے مسٹر بلانک کو اس

بھیانک حد تک غلط نتیجے تک پہنچنے پر اکسایا کہ 'بگولے' کے دور میں سارے مارکسی اصول اور خیالات ناپید ہو گئے تھے؟ اس صورت حال کا جائزہ لینا بہت دلچسپ ہے۔ اس سے سیاست میں بدتہذیبی کی حقیقی فطرت اور بھی زیادہ بےنقاب ہو جاتی ہے۔

''جہاں تک سیاسی سرگرمی کی مختلف صورتوں کا اور ان مختلف طریقوں کا تعلق ہے جن سے عوام تاریخ بناتے ہیں وہ کون‌سی چیز ہے جس نے 'انقلابی بگولے' کے دور کو موجودہ 'کیڈیٹ' دور سے ممتاز کیا؟ سب سے پہلے اور خاص طور سے تو یہ ہے کہ 'بگولے' کے دور میں تاریخ سازی کے بعض خاص طریقے استعمال کئے گئے جو سیاسی زندگی کے دوسرے ادوار کے لئے بیگانہ ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل طریقے اہم‌ترین تھے۔ (۱) سیاسی آزادی پر عوام کا 'قبضہ' کر لینا یعنی کسی حق اور قانون کے اور بغیر کسی پابندی کے اسے برتنا (اجتماع کی آزادی، چاہے وہ یونیورسٹی ہی میں ہو، پریس کی آزادی، انجمن کی، کانگرس کرنے کی آزادی وغیرہ)۔ (۲) انقلابی اقتدار کے نئے اداروں یعنی مزدوروں، سپاہیوں ریلوے کرمچاریوں اور کسانوں کے نمائندوں کی سوویتوں کی، نئے دیہاتی اور شہری ادارۂ اختیار وغیرہ کی تخلیق، وعلی ہذالقیاس۔ یہ ادارے عوام کے صرف انقلابی حصوں ہی نے قائم کئے تھے۔ یہ ادارے سارے قواعدوقوانین کا لحاظ کئے بغیر، بالکل انقلابی طریقے سے، عوام کی طبعی ذہانت کی پیداوار کی حیثیت سے، ایک ایسے عوام کی آزادانہ سرگرمی کے اظہار کے طور پر قائم ہوئے تھے جنھوں نے اپنے آپ کو اپنی پرانی پولیس بیڑیوں سے آزاد کر لیا تھا یا آزاد کرا رہے تھے۔ اور آخری طریقہ یہ کہ وہ اپنے سارے ابتدائی، بیساختہ، بےنظم اور بکھرے ہوئے کردار کے باوجود ترتیب میں اور سرگرمی میں وہ سچ‌مچ اقتدار کے ادارے تھے۔ انھوں نے جب مثلاً (سینٹ پیٹرس‌برگ میں) چھاپہ‌خانوں پر قبضہ کرلیا اور ان پولیس افسروں کو گرفتار کر لیا جو انقلابی عوام کو اپنے حقوق برتنے سے روک رہے تھے (ایسے واقعات بھی سینٹ پیٹرس‌برگ ہی میں ہوئے جہاں اقتدار کا نیا ادارہ سب سے کمزور تھا اور جہاں پرانی حکومت سب سے مضبوط تھی) تو انھوں نے حکومت ہی کی طرح اقدام کیا — جب انھوں نے سارے عوام سے پرانی حکومت کو روپیہ نہ دینے کی اپیل

کی تو بھی حکومت ھی کی طرح اقدام کیا۔ انھوں نے (جنوب میں ریلوے ہڑتال کمیٹیوں نے) پرانی حکومت کے فنڈ ضبط کر لئے اور انھیں نئی، عوامی حکومت کی ضرورتوں کے لئے استعمال کیا۔ ھاں یہ بلاشبہ نئی عوامی اور یہاں تک کہ انقلابی حکومت کی ابتدائی شکلیں تھیں۔ اپنے سماجی اور سیاسی کردار کے اعتبار سے وہ عوام کے انقلابی عناصر کی ڈکٹیٹرشپ کے اولیں نمونے تھے۔ مسٹر بلانک اور مسٹر کیزیویٹر، آپ کو اس پر تعجب ھے؟ یہاں آپ کو 'مستحکم کردہ حفاظت، نہیں نظر آتی، جو کہ بورژوا کے لئے ڈکٹیٹرشپ کے مترادف ھوتی ھے؟ ھم آپ سے کہہ چکے ھیں کہ آپ کو 'ڈکٹیٹرشپ، کے سائنسی تصورکلی کا موھوم سا بھی اندازہ نہیں ھے۔ ھم ابھی ایک لمحے میں آپ کو سمجھا دیں گے۔ لیکن پہلے ھم 'انقلابی بگولے، کے دور میں سرگرمی کے تیسرے 'طریقے، سے بحث کریں گے یعنی ان لوگوں کے خلاف عوام کی طرف سے طاقت کا استعمال جنھوں نے عوام کے خلاف طاقت استعمال کی تھی۔

''اقتدار کے جن اداروں کا ھم نے ذکر کیا وہ ڈکٹیٹرشپ کی ابتدائی شکل کی نمائندگی کرتے تھے، اس لئے نہ کسی اور اقتدار کو، نہ قانون کو اور نہ معیار کو تسلیم کرتے تھے، چاھے وہ کسی کا بھی قائم کیا ھوا ھو۔ غیرمحدود، قانون سے باھر اور لفظ کے انتہائی براہ‌راست معنوں میں طاقت پر مبنی اقتدار ڈکٹیٹرشپ ھوتا ھے۔ لیکن جس طاقت پر یہ نیا اقتدار مبنی تھا اور اپنی بنیاد رکھنے کے لئے کوشاں تھا وہ سنگینوں کی طاقت نہ تھی جسے مٹھی بھر عسکریت پرستوں نے غصب کر لیا ھو، نہ پولیس فورس کی طاقت تھی، نہ روپیے کی طاقت تھی، نہ کسی طرح کے پہلے سے قائم شدہ اداروں کی طاقت تھی۔ ایسی کوئی چیز نہ تھی۔ نئے اقتدار کے اداروں کے پاس نہ اسلحے تھے، نہ روپیہ اور نہ پرانے ادارے۔ مسٹر بلانک اور مسٹر کیزیویٹر، کیا آپ تصور کر سکتے ھیں کہ ان کی طاقت اور پرانی طاقت کے اداروں میں کوئی چیز مشترک نہ تھی اور اگر ھمارے ذھن میں وہ مستحکم کردہ حفاظت ھے جو عوام کو پولیس اور پرانی حکومت کے دوسرے اداروں سے محفوظ رکھنے کے لئے قائم کی گئی تھی تو ان میں اور 'مستحکم کردہ حفاظت، کے پرانے اداروں میں کوئی چیز مشترک نہ تھی۔

''تو پھر طاقت کی بنیاد کس چیز پر تھی؟ اس کی بنیاد عوام کے جم غفیر پر تھی۔ یہ تھی وہ خاص خصوصیت جو اس نئے اقتدار کو پرانی حکمرانی کے سارے سابق اداروں سے ممتاز کرتی تھی۔ موخرالذکر تو عوام پر مزدوروں اور کسانوں کی زبردست اکثریت پر اقلیت کی حکومت کے آلات تھے۔ سابق الذکر اقلیت پر، مٹھی بھر پولیس کے گرگوں پر، مٹھی بھر مراعات یافتہ امرا اور حکومت عہدیداروں پر عوام کی حکومت کا ایک آلہ تھا۔ عوام پر ڈکٹیٹرشپ اور عوام کی ڈکٹیٹرشپ میں یہ ہے فرق۔ مسٹر بلانک اور مسٹر کیزیویٹر، اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے! ایک اقلیت کی ڈکٹیٹرشپ کی حیثیت سے پرانی حکمرانی صرف پولیس چالوں کی مدد سے عوام کے جم غفیر کو حکومت میں حصہ لینے سے اور حکومت کی نگرانی کرنے سے روک کر برقرار رکھنے کے لائق تھی۔ پرانا اقتدار برابر عوام الناس پر شک و شبہہ کرتا رہا، روشنی سے ڈرتا رہا اور اس نے اپنے آپ کو فریب سے برقرار رکھا۔ غالب اکثریت کی ڈکٹیٹرشپ کی حیثیت سے نئے اقتدار نے اپنے آپ کو برقرار رکھا اور وہ برقرار رکھنے کے لائق بن سکا صرف اس لئے کہ اسے وسیع عوام الناس کا اعتماد حاصل تھا، صرف اس لئے کہ اس نے آزادترین، وسیع ترین اور انتہائی پرعزم طریقے سے سارے کے سارے عوام کو حکومت کے کام میں شریک کر لیا۔ اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا، اس کے کوئی راز نہیں تھے، کوئی ضوابط نہیں تھے، کوئی رسمی کارروائیاں نہیں تھیں۔ اس نے گویا کہا: تم محنت کش انسان ہو؟ کیا تم روس کے پولیس کے گرگوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے لڑنا چاہتے ہو؟ تم ہمارے ساتھی ہو۔ اپنا نمائندہ چنو۔ اسے فوراً، بلاتاخیر، جس طریقے کو تم سب سے اچھا سمجھتے ہو اس طریقے سے چن لو۔ ہم برضا و بخوشی اسے مزدوروں کے نمائندوں کی سوویت، کسان کمیٹی، سپاہیوں کے نمائندوں کی سوویت وغیرہ کا مکمل ممبر قبول کرلیں گے۔ یہ اقتدار سب کے لئے کھلا ہوا تھا، وہ اپنا سارا کارمنصبی عوام الناس کی نگاہوں کے سامنے انجام دیتا تھا، عوام کو اس تک رسائی تھی، وہ براہ‌راست عوام میں سے ابھرا تھا اور عوام‌الناس کا براہ‌راست اور بلاواسطہ آلۂ کار تھا۔ یہ تھا نیا اقتدار بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس کی ابتدائی شکل اس لئے کہ پرانے

اقتدار کی فتح نے اس ہونہار بروا کو جلدھی مسل کر رکھ دیا۔

''مسٹر بلانک یا مسٹر کیزیویٹر، شاید آپ پوچھیں کہ 'ڈکٹیٹرشپ، کیوں، 'طاقت، کیوں؟ کیا ایک زبردست جم غفیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ مٹھی بھر لوگوں کے لئے طاقت استعمال کرے؟ کیا ایک ہزار یا دس ہزار پر کروڑوں اور دسیوں کروڑ ڈکٹیٹر ہو سکتے ہیں؟

''یہ سوال عام طور سے ایسے لوگ کرتے ہیں جو 'ڈکٹیٹرشپ، کی اصطلاح کو پہلی مرتبہ ایک ایسے مفہوم میں استعمال ہوتے سنتے ہیں جو ان کے لئے نیا ہوتا ہے۔ لوگ صرف ایک پولیس اقتدار اور صرف ایک پولیس ڈکٹیٹرشپ سننے کے عادی ہیں۔ انہیں یہ خیال عجیب لگتا ہے کہ اقتدار پولیس کے بغیر ہو سکتا ہے یا یہ کہ ڈکٹیٹرشپ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ پولیس ڈکٹیٹرشپ ہو۔ آپ کہتے ہیں کہ کروڑوں کو ہزاروں کے خلاف طاقت استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ آپ غلطی پر ہیں اور آپ کی غلطی اس حقیقت سے پیدا ہوتی ہے کہ آپ ایک مظہر کو اس کے ارتقا کے عمل میں نہیں دیکھتے ہیں۔ آپ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ نیا اقتدار آسمان سے نہیں ٹپکتا بلکہ اس کی نشوونما ہوتی ہے، پرانے اقتدار کے متوازی اور اس کی مخالفت میں، اس کے خلاف جدوجہد کرکے ابھرتا ہے۔ جب تک اسلحوں سے اور طاقت کے آلات سے لیس ظالموں کے خلاف قوت نہ استعمال کی جائے تب تک عوام کو ظالموں سے آزاد نہیں کرایا جا سکتا۔

''مسٹر بلانک اور مسٹر کیزیویٹر، یہ ایک بہت ہی سادہ سی مثال ہے جو آپ کو اس خیال کو سمجھنے میں مدد دے گی جو کیڈیٹ دماغ کے لئے اتنا دور از کار اور 'بعید ازعقل، لگتا ہے۔ فرض کیجئے کہ اوراسوف اسپریدونووا کو مار پیٹ رہا ہے اور اس کو ایذا دے رہا ہے۔ اسپریدونووا کی طرف، سمجھ لیجئے کہ، دسیوں سینکڑوں نہتے لوگ ہیں۔ اوراسوف کے ساتھ مٹھی بھر کزاک ہیں۔ اگر اسپریدونووا کو کسی تہ‌خانے میں نہیں بلکہ برسر عام ایذائیں پہنچائی جا رہی ہیں تو لوگ کیا کریں گے؟ وہ اوراسوف اور اس کے ذاتی محافظوں کے خلاف طاقت کے استعمال پر اتر آئیں گے۔ شاید وہ اپنے چند ساتھیوں کو قربان کر دیں گے،

30*

انهیں اوراسوف کی گولیوں کا نشانہ بن جانے دیں گے - لیکن بالآخر وہ زبردستی اوراسوف اور اسکے کزاکوں کے اسلحے اتروا لیں گے اور زیادہ امکان یہ ہے کہ ان انسان نما درندوں میں سے کچھ کو وہیں اسی جگہ قتل کردیں گے اور باقیوں کو کسی قیدخانے میں بند کر دیں گے تاکہ انہیں اور ہنگامے کرنے سے باز رکھیں اور انہیں عوام کے سامنے فیصلے کے لئے پیش کریں -

''تو بات یہ ہے مسٹر بلانک اور مسٹر کیزیویٹر کہ جب اوراسوف اور اسکے کزاک اسپریدونووا پر ظلم کرتے ہیں تو یہ عوام پر فوجی اور پولیس ڈکٹیٹرشپ ہے - جب ایک، انقلابی عوام (یعنی ایسے عوام جو صرف تاکید کرنے، ڈانٹنے، افسوس کرنے، مذمت کرنے، آہیں بھرنے اور بڑبڑانے ہی کی نہیں بلکہ ظالموں سے لڑنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں، بدتہذیب اور ننگ‌نظر نہیں بلکہ انقلابی عوام) اوراسوف اور اوراسوفوں کے خلاف طاقت کے استعمال پر اتر آتے ہیں تو یہ انقلابی عوام کی ڈکٹیٹرشپ ہوتی ہے - یہ ڈکٹیٹرشپ ہے اس لئے کہ یہ اوراسوف پر عوام کا اقتدار ہوتا ہے - ایسا اقتدار جو کسی قانون کا پابند نہیں ہوتا (بدتہذیب شاید اسپریدونووا کو بچانے کے خلاف ہوں گے - وہ یہ سوچیں گے کہ یہ تو 'قانون، کے خلاف ہے - بلاشبہ وہ یہ پوچھیں گے کہ کیا کوئی ایسا 'قانون، ہے جو اوراسوف کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہو؟ کیا بعض بدتہذیب نظریہ‌دانوں نے بدی کی مزاحمت نہ کرو کا نظریہ نہیں گھڑ لیا ہے؟) - سائنسی اصطلاح ڈکٹیٹرشپ کے معنی ایسے اقتدار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں جو کسی قانون کا پابند نہ ہو، ہر طرح کے قواعد و ضوابط سے بالکل آزاد ہو اور براہ‌راست طاقت پر مبنی ہو - اصطلاح 'ڈکٹیٹرشپ، کے اور کوئی معنی نہیں ہیں سوائے اس کے - کیڈیٹ حضرات، اس کو اچھی طرح ذہن‌نشین کرلیجئے - اور پھر ہم نے جو مثال پیش کی ہے اس میں ہم عوام کی ڈکٹیٹرشپ دیکھتے ہیں اس لئے کہ عوام، آبادی کا جم غفیر، غیرمنظم اتفاقاً اس جگہ پر جمع ہو جاتے ہیں، خود ہی محل وقوع پر آجاتے ہیں، انصاف کرتے ہیں اور سزا دیتے ہیں، اقتدار کا استعمال کرتے ہیں اور ایک نیا انقلابی قانون تخلیق کرتے ہیں - پھر یہ کہ یہ انقلابی عوام کی ڈکٹیٹرشپ ہے - صرف انقلابی ہی عوام کی

کیوں، سارے عوام کی کیوں نہیں؟ اس لئے کہ سارے عوام میں، جو مسلسل اور انتہائی بیرحمی کے ساتھ اوراسوف کے وحشیانہ مظالم کو بھگتتے رہے ہیں، کچھ لوگ ایسے ہیں جو جسمانی طور پر دب گئے ہیں اور ڈر گئے ہیں، کچھ ایسے ہیں جنھیں مثلاً بدی کی مزاحمت نہ کرو والے نظریے نے اخلاقی طور پر پست بنا دیا ہے یا نظریے نے نہیں بنایا بلکہ وہ تعصب، عادت، روزمرہ کے معمول سے پست ہو گئے ہیں اور بےنیاز لوگ ہیں جنھیں ہم بدتہذیب کہتے ہیں، پٹی‌بورژوا لوگ جو شدید جدوجہد سے الگ تھلگ رہنے کا، کترا کر نکل جانے کا یا اپنے آپ کو چھپا لینے کا میلان رکھتے ہیں (اس ڈر سے کہ لڑائی میں پھنس جائیں گے اور انھیں نقصان پہنچے گا)۔ اسی لئے ڈکٹیٹرشپ کا استعمال سارے عوام نہیں بلکہ انقلابی عوام کرتے ہیں حالانکہ وہ سارے عوام سے گریز نہیں کرتے، وہ تو سارے عوام کو اپنے اقدام کی نیت کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھاتے ہیں اور وہ صرف ریاست کا ''انتظام،، کرنے میں نہیں بلکہ اس پر حکومت کرنے میں بھی اور سچ تو یہ ہے کہ ایک ریاست منظم کرنے میں بھی بخوشی سارے عوام کو شریک کرتے ہیں۔

''یوں ہماری سادہ سی مثال میں 'انقلابی عوام کی ڈکٹیٹرشپ، کے سائنسی تصورکلی کے سارے عناصر موجود ہیں اور 'فوجی اور پولیس ڈکٹیٹرشپ، کے بھی۔ ہم اب اس سادہ مثال سے آگے بڑھ کر، جسے کوئی فاضل کیڈیٹ پروفیسر بھی سمجھ سکتا ہے، سماجی زندگی کے زیادہ پیچیدہ ارتقا کو دیکھ سکتے ہیں۔

''انقلاب اس لفظ کے قطعی اور براہ‌راست معنوں میں عوام کی زندگی میں ایک ایسا دور ہوتا ہے جب اوراسوفوں کے صدیوں کے وحشیانہ مظالم کا جمع‌شدہ غصہ صرف لفظوں میں نہیں بلکہ عمل میں ابل پڑتا ہے اور صرف افراد کے نہیں بلکہ دسیوں لاکھ عوام کے عمل میں۔ عوام بیدار ہوکر خود کو اوراسوفوں سے آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ عوام روسی زندگی میں بےشمار اسپریدونوواؤں کو اوراسوفوں سے بچاتے ہیں، اوراسوفوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرتے ہیں اور اوراسوفوں پر اپنا اقتدار مسلط کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اتنی آسانی سے نہیں ہوتا اور ''بہ‌یک‌لخت،،

نہیں ہوتا، جیسا کہ ہماری مثال میں ہوا، جو کہ پروفیسر کیزیویٹر کے لئے بہت سادہ بنا دی گئی تھی۔ اوراسوفوں کے خلاف عوام کی یہ جدوجہد، جو لفظ کے قطعی اور براہ‌راست معنوں میں جدوجہد ہوتی ہے، اوراسوفوں کو اپنی پیٹھ پر سے اتار پھینکنے کا یہ عوام کا اقدام 'انقلابی بگولے' کے مہینوں اور برسوں پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اوراسوفوں کو اپنی پیٹھ پر سے اتار پھینکنے کا یہ عوام کا اقدام اس شے کا اصل متن‌وسواد ہے جسے عظیم روسی انقلاب کہا جاتا ہے۔ یہ اقدام، تاریخ‌سازی کے طریقوں کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو، ان صورتوں میں وقوع پذیر ہوتا ہے جنھیں ہم نے ابھی انقلابی بگولے پر غور و خوض کرنے میں بیان کیا ہے یعنی عوام سیاسی آزادی پر قبضہ کر لیتے ہیں، یعنی اس آزادی پر جسے برتنے سے انھیں اوراسوفوں نے روک رکھا تھا۔ عوام ایک نیا انقلابی اقتدار اوراسوفوں پر، پرانی پولیس حکمرانی کے ظالموں پر اقتدار قائم کرتے ہیں۔ عوام اوراسوفوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرتے ہیں تا کہ ان وحشی کتوں کو، سارے اوراسوفوں، دورنوفوئں، دوباسوفوں، مینوں وغیرہ کو برطرف کردیں، نہتا کردیں اور بےضرر بنا دیں۔

''کیا یہ اچھا ہے کہ عوام جدوجہد کے اس طرح کے غیرقانونی، غیر منظم، غیرمنصوبہ‌بند اور بےقاعدہ طریقے استعمال کریں جیسے کہ اپنی آزادی پر قبضہ کر لینا اور ایک نیا، رسمی طور پر غیرتسلیم‌شدہ اور انقلابی اقتدار قائم کرنا؟ کیا یہ اچھا ہے کہ وہ عوام پر ظلم کرنے‌والوں کے خلاف طاقت استعمال کریں؟ ہاں، یہ بہت اچھا ہے۔ یہ آزادی کے لئے عوام کی جدوجہد کا بلندترین اظہار ہے۔ یہ اس عظیم دور کی خصوصیت ہے جب روس کے بہترین مردوں عورتوں کے آزادی کے خواب حقیقت بنتے ہیں، جب آزادی صرف، انفرادی سورماؤں نہیں بلکہ عوام‌الناس کا مقصد بن جاتی ہے۔ یہ اتنا ہی اچھا ہے جتنا کہ (ہماری مثال میں) جم غفیر کا اسپریدونووا کو اوراسوف سے بچانا، اوراسوف کے ھتھیار اتروا لینا اور اسے بےضرر بنا دینا ہے۔

''لیکن اس طرح ہم کیڈیٹوں کے پوشیدہ خیالوں اور اندیشوں کے مرکز تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیڈیٹ اسی لئے بدتہذیبوں کا نظریہ‌داں ہوتا ہے کہ وہ سیاست کو، سارے عوام کی آزادی کو، انقلاب کو اسی بدتہذیب کی عینک سے دیکھتا ہے جو اوراسوف

کے هاتھوں اسپریدونووا پر مظالم کی مثال میں جم غفیر کو روکنے کی کوشش کرے گا، اسے قانون نہ توڑنے کا مشورہ دے گا، ظالم کے هاتھ سے مظلوم کو چھڑانے میں جلدی نہ کرنے کا مشورہ دے گا اس لئے کہ وہ قانون کے نام پر عمل کرتا ھے۔ هماری مثال میں ظاهر ھے کہ وہ بدتہذیب اخلاقی طور پر ایک درندہ ھے۔ لیکن مجموعی حیثیت سے سماجی زندگی میں، هم پھر کہتے هیں، بدتہذیب درندہ کوئی فرد نہیں بلکہ ایک سماجی مظہر ھے جس کی خصلت شاید قانون کے بورژوا بدتہذیب نظریے کے راسخ تعصبات سے بنی ھے۔

''مسٹر بلانک اس بات کو اس قدر عیاں کیوں سمجھتے هیں کہ 'بگولے' کے دور میں سارے مارکسی اصولوں کو بھلا دیا گیا تھا؟ اس لئے کہ وہ مارکسزم کو مسخ کرکے برنٹانوواد (۲۱۰) بنا دیتے هیں اور سوچتے هیں کہ اس طرح کے 'اصول'، جیسے کہ آزادی پر قبضہ، انقلابی اقتدار کا قیام اور عوام کی طرف سے طاقت کا استعمال مارکسی نہیں هیں۔ یہ خیال مسٹر بلانک کے پورے مضمون میں اور صرف مسٹر بلانک نہیں بلکہ سارے کیڈیٹوں کے اور لبرل اور ریڈیکل کیمپ کے سارے لکھنےوالوں کے مضامین میں جو آج پلیخانوف کی کیڈیٹ دوستی کی تعریفیں کر رھے هیں ان سب کے، ''بیز زگلاویا''، (۲۱۱) کے سارے برنشٹائنوں کے، مسٹر پروکوپووچ، مسز کسکووا اور ان کے ساتھیوں سنگیتوں کے مضامین میں رواں دواں ھے۔

''آئیے ذرا دیکھیں کہ یہ رائے کیسے وجود میں آئی اور کیوں اس کو وجود میں آنا ھی تھا۔

''یہ مغربی سوشل ڈیموکریٹوں کے برنشٹائنی یا زیادہ موٹے طور سے یوں کہنا چاهئے کہ موقع پرستانہ تصوراتکلی سے براہراست پیدا هوئی۔ ان تصوراتکلی کے مغالطوں کو، جنھیں مغربی یورپ میں 'کٹر' مارکسی همیشہ بےنقاب کرتے رھے هیں، اب 'چوری چھپے'، ایک مختلف بھیس میں اور مختلف موقع پر روس میں اسمگل کیا جا رھا ھے۔ برنشٹائنیوں نے مارکسزم کو بغیر اس کے براہراست انقلابی پہلو کے قبول کیا تھا اور اب بھی قبول کرتے هیں۔ وہ پارلیمانی جدوجہد کو ان هتھیاروں میں سے ایک هتھیار نہیں سمجھتے جو معین تاریخی مدت کے لئے خاص طور سے موزوں هو

بلکہ اسے جدوجہد کی خاص اور تقریباً واحد صورت سمجھتے ھیں جس سے 'طاقت'، 'قبضہ'، 'ڈکٹیٹرشپ'، غیرضروری ھو جاتے ھیں۔ مارکسزم کی یہی عامیانہ توڑ سروڑ ھے جسے بلانک اور پلیخانوف کے دوسرے قصیدہ خواں اب روس میں اسمگل کر رھے ھیں۔ وہ اس توڑمروڑ کے اب اتنے عادی ھو گئے ھیں کہ وہ یہ ثابت کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے کہ مارکسی اصولوں اور خیالات کو انقلابی بگولے کے دور میں بھلا دیا گیا تھا۔

''کیوں اس طرح کی رائے کو وجود میں آنا ھی تھا؟ اس لئے کہ یہ پٹی‌بورژوازی کے طبقاتی موقف اور مفادات سے بڑی اچھی مطابقت رکھتی ھے۔ پاکیزہ کئے ھوئے بورژوا سماج کے نظریہ‌داں ان تمام طریقوں سے اتفاق کرتے ھیں جو سوشل ڈیموکریٹ اپنی جدوجہد میں استعمال کرتے ھیں سوائے ان کے جن پر انقلابی عوام 'بگولے' کے دور میں اتر آتے ھیں اور جن کو انقلابی سوشل ڈیموکریٹ صحیح سمجھتے ھیں اور استعمال کرنے میں مدد دیتے ھیں۔ بورژوازی کے مفادات متقاضی ھوتے ھیں کہ پرولتاریہ کو شخصی شاھی کے خلاف جدوجہد میں حصہ لینا چاھئے لیکن صرف ایسے طریقے سے جو پرولتاریہ اور کسان طبقے کی برتری کا موجب نہ بنے اور ریاستی اقتدار کے پرانے، جاگیردارانہ آمرانہ اور پولیس اداروں کو بالکل ختم نہ کرے۔ بورژوازی ان اداروں کو برقرار رکھنا چاھتی ھے۔ یہ چاھتی ھے کہ ان پر اپنا براہ‌راست اقتدار قائم کرے۔ اسے ان کی ضرورت پرولتاریہ کے خلاف ھے، جس کی جدوجہد اگر یہ پوری طرح ختم ھو گئے تو بہت آسان ھو جائےگی۔ اسی لئے ایک طبقے کی حیثیت سے بورژوازی کے مفادات ایک شاھی کے بھی متقاضی ھیں اور ایک ایوان بالا کے بھی اور انقلابی عوام کی ڈکٹیٹرشپ کے تدارک کے بھی۔ بورژوازی پرولتاریہ سے کہتی ھے کہ شخصی شاھی سے لڑو لیکن ریاستی اقتدار کے پرانے اداروں کو ھاتھ مت لگانا اس لئے کہ مجھے ان کی ضرورت ھے۔ 'پارلیمانی' طریقے سے لڑو یعنی ان حدود کے اندر لڑو جو ھم شاھی سے متفق ھوکر طے کریں‌گے۔ تنظیموں کی مدد سے لڑو لیکن یہ تنظیمیں ایسی نہ ھوں جیسے کہ عام ھڑتال کمیٹی، مزدوروں سپاھیوں کے نمائندوں کی سوویتیں وغیرہ بلکہ ایسی تنظیمیں ھوں جنھیں ایک ایسا قانون تسلیم کرے،

محدود کرے اور سرمائے کے لئے بےضرر بنادے جو ہم شاہی سے متفق ہوکر منظور کریں گے۔

''اس لئے یہ بات صاف ہے کہ بورژوازی 'بگولے' کے دور کے بارے میں بددلی، حقارت، غصے اور نفرت سے اور دوباسوف کے محفوظ کردہ دورآئین پرستی کے بارے میں خوشی، وجد اور رجعت کے واسطے بےانتہا بدتہذیب تعلق خاطر کے ساتھ کیوں بات کرتی ہے۔ یہ پھر وہی کیڈیٹوں کی مستقل، غیر تغیرپذیر صفت ہے کہ وہ عوام کا سہارا لینے کی بھی کوشش کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کی انقلابی پیش‌قدمی سے ڈرتے بھی ہیں۔

''یہ بات بھی صاف ہے کہ بورژوازی 'بگولے' کے دوبارہ آجانے سے کیوں موت کی طرح ڈرتی ہے، کیوں وہ نئے انقلابی بحران کے عناصر کو نظرانداز کرتی ہے اور انہیں دھندلاتی ہے، کیوں وہ آئینی خوش فہمیاں پالتی ہے اور انہیں عوام میں پھیلاتی ہے۔

''اب ہم نے پوری طرح وضاحت کردی کہ مسٹر بلانک اور ان جیسے لوگ کیوں یہ اعلان کرتے ہیں کہ 'بگولے' کے دور میں سارے مارکسی اصولوں اور خیالات کو بھلا دیا گیا تھا۔ سارے بدتہذیبوں کی طرح مسٹر بلانک مارکسزم کو اس کے انقلابی پہلو کے بغیر قبول کرتے ہیں۔ وہ جدوجہد کے سوشل جمہوری طریقوں کو قبول کرتے ہیں لیکن سب سے زیادہ اور براہ‌راست انقلابی طریقوں کے بغیر۔

'' 'بگولے' کے دور کے بارے میں مسٹر بلانک کا رویہ پرولتاری تحریکوں کو سمجھنے میں بورژوا ناکامی کی، شدید اور پرعزم جدوجہد سے بورژوا خوف کی، سماجی تاریخی مسئلوں کو حل کرنے کے ایک عقلیت پسندانہ اور براہ‌راست انقلابی طریقے کے، پرانے اداروں کو توڑ ڈالنےوالے طریقے کے ہر اظہار سے بورژوا نفرت کی قطعی مثال ہے۔ مسٹر بلانک نے اپنا اور اپنی ساری بورژوا تنگ‌نظری کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ کہیں انہوں نے سنا اور پڑھا تھا کہ بگولے کے دور میں سوشل ڈیموکریٹوں نے 'غلطیاں' کیں اور وہ لپک کے یہ نتیجہ نکال بیٹھے اور بڑی خوداعتمادی سے ایسے لہجے میں یہ اعلان کر بیٹھے جس میں کسی دلیل اور کسی ثبوت کی گنجائش نہیں کہ مارکسزم کے سارے، اصولوں، کو (جن کا ان کو رتی‌بھر

اندازہ نہیں ہے) بھلا دیا گیا تھا۔ جہاں تک ان 'غلطیوں، کا سوال ہے، ہم یہ کہیں گے کہ مزدور طبقے کی تحریک کے ارتقا میں کیا کوئی دور ایسا رہا ہے جب غلطیاں نہ کی گئی ہوں، جب دائیں کو یا بائیں کو کوئی انحراف نہ ہوا ہو؟ کیا جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی جدوجہد کے پارلیمانی دور کی تاریخ ایسی غلطیوں سے بھری ہوئی نہیں ہے جبکہ اسی دور کو ساری دنیا کے تنگ‌نظر بورژوا منتہی حد سمجھتے ہیں؟ اگر مسٹر بلانک سوشلزم کے مسائل کے سلسلے میں بالکل ابوجہل نہ ہوتے تو انہیں آسانی سے میولبرگیر، ڈیورنگ، Dampfersubvention (۲۱۲) سوال، 'نوجوان، (۲۱۳) اور دور برنشٹائن (۲۱۴) اور بہت سی دوسری چیزوں کا خیال آجاتا۔ لیکن مسٹر بلانک کو سوشل ڈیموکریٹک تحریک کے ارتقا کی واقعی روش کا مطالعہ کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ پرولتاری جدوجہد کے پیمانے کو کم کردیں تاکہ اپنی کیڈیٹ پارٹی کے بورژوا کم مائگی کو بڑھا کر پیش کر سکیں۔

''سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم اس سوال کا جائزہ ان انحرافات کی روشنی میں لیں جو سوشل ڈیموکریٹک تحریک نے اپنی معمولی، 'عادی، روش سے کئے ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں بھی 'انقلابی بگولے، کے دور میں سوشل ڈیموکریٹوں میں سالمیت اور نظریاتی یک‌جہتی زیادہ تھی، پہلے سے کم نہیں تھی۔ 'بگولے، کے دور میں جو طریق کار اپنائے گئے انہوں نے سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے دونوں بازؤں میں مزید مغائرت نہیں پیدا کی بلکہ انہیں قریب تر لائے۔ سابق نااتفاقیوں کی جگہ مسلح بغاوت کے سوال پر اتحاد رائے ہو گیا۔ دونوں فیکشنوں کے سوشل ڈیموکریٹ مزدوروں کے نمائندوں کی سوویتوں میں سرگرم عمل تھے جو کہ ابتدائی انقلابی اقتدار کے مخصوص ادارے تھیں۔ انہوں نے سپاہیوں اور کسانوں کو ان سوویتوں میں شریک کیا، انہوں نے پٹی‌بورژوا انقلابی پارٹیوں کے ساتھ مل کر مشترکہ طور پر انقلابی مینی‌فسٹو جاری کئے۔ قبل انقلاب کے دور کے پرانے تنازعوں کی جگہ عملی سوالوں پر اتفاق رائے نے لےلی۔ انقلابی لہر کے ابھار نے نااتفاقیوں کو ایک طرف کردیا اور سوشل ڈیموکریٹوں کو مجاہدانہ طریق کار

اپنانے پر مجبور کیا۔ اس نے دوسا کے سوال کو پس پشت ڈال دیا اور بغاوت کے سوال کو فرمان وقت بنا دیا۔ اور اس نے فوری فرائض انجام دینے کے لئے سوشل ڈیموکریٹوں اور انقلابی بورژوا ڈیموکریٹوں کو قریب تر کر دیا۔ ''سیویرنی گولس،، میں منشویکوں نے بالشویکوں کے ساتھ مل کر ایک عام ہڑتال اور بغاوت کے لئے آواز دی اور انھوں نے مزدوروں سے اپیل کی کہ وہ اس جدوجہد کو جاری رکھیں جب تک کہ اقتدار پر قبضہ نہ کرلیں۔ انقلابی صورت حال نے خودھی عملی نعرے سمجھائے۔ واقعات کے بارے میں رائے قائم کرنے میں صرف تفصیل کے معاملوں پر بحثیں تھیں جیسے کہ ''نچالو،، مزدوروں کے نمائندوں کی سوویتوں کو انقلابی لوکل سیلف گورنمنٹ کے ادارے سمجھتا تھا جبکہ ''نوایا ژزن،، (۲۱۵) انھیں انقلابی ریاستی اقتدار کے ایسے ابتدائی ادارے سمجھتا تھا جنھوں نے پرولتاریہ کو انقلابی جمہوریت دوستوں کے ساتھ متحد کر دیا ھے۔ ''نچالو،، کا میلان پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی طرف تھا۔ ''نوایا ژزن،، پرولتاریہ اور کسان طبقے کی جمہوری ڈکٹیٹرشپ کی تبلیغ کرتا تھا۔ لیکن کیا اس طرح کی نااتفاقیاں یورپ میں ہر سوشلسٹ پارٹی کے ارتقا کے ہر مرحلے پر نہیں دیکھی گئیں؟

''مسٹر بلانک نے حقائق کی جو غلط نمائندگی کی ھے اور حالیہ تاریخ کو جس طرح صریحی مسخ کیا ھے وہ زعم باطل رکھنےوالی بورژوا چھچھورےپن کے ایک نمونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ھے جسے انقلابی بگولے کے ادوار بیوقوفی لگتے ھیں ('سارے اصولوں کو بھلا دیا جاتا ھے، ذھانت اور عقل تک ناپید ھو جاتے ھیں،) جبکہ انقلاب کو کچلنے کے اور بدتہذیب 'ترقی، کے دور (جس کی محافظت دوباسوف جیسے لوگ کرتے ھوتے ھیں) معقول، باشعور اور بامنصوبہ سرگرمی کے دور معلوم ھوتے ھیں۔ دو ادوار کے موازنے کی بنا پر ('بگولے، کے اور کیڈیٹ ادوار کے موازنے کی بنا پر) کے بارے میں رائے قائم کرنے کا یہ انداز مسٹر بلانک کے پورے مضمون میں رواں دواں ھے۔ جب انسانی تاریخ ایک انجن کی رفتار سے آگے بڑھتی ھے تو وہ اسے 'بگولا،، ایک 'تیز دھارا،، سارے 'اصولوں اور خیالات کا ناپید ھو جانا، کہتے ھیں۔ جب تاریخ گاڑی میں جتے ھوئے گھوڑے کی رفتار سے چلتی ھے تو وہ عقل اور منصوبہ بندی کی علامت بن جاتی ھے۔ جب عوام الناس خودھی، اپنی ساری غیرملوث

سادگی اور سیدھے سادے کھڑے عزم کے ساتھ تاریخ سازی شروع کرتے ہیں، 'اصولوں اور نظریات، کو فوراً اور براہ‌راست عمل میں لانا شروع کرتے ہیں تو بورژوا ڈر جاتا ہے اور چلاتا ہے کہ 'ذہن تو پسپا ہوکر پس‌منظم میں چلا جا رہا ہے، (بدتہذیبی کے سورماؤ، کیا معاملہ اس کے برعکس نہیں ہے؟ کیا ایسے موقعوں پر تاریخ کے دائرے میں افراد کی نہیں بلکہ عوام‌الناس کی ذہانت کی یلغار نہیں ہوتی؟ کیا ایسے وقت میں عام ذہانت آرام کرسی کی قوت نہیں بلکہ جیالی اور موثر قوت نہیں ہو جاتی؟) - جب عوام‌الناس کی براہ‌راست تحریک کو گولیوں، جابرانہ اقدامات، تازیانوں، بیروزگاری اور فاقوں سے کچل دیا جاتا ہے، جب دوباسوف کی دولت پر پلنے‌والے پروفیسرانہ سائنس کے سارے طفیلی اپنے کونے کھدروں سے رینگ کر نکل آتے ہیں اور عوام کی جانب سے، عوام‌الناس کے نام پر امور کا انتظام کرنے لگتے ہیں اور ان کے مفادات کو مٹھی بھر مراعات‌یافتہ لوگوں کے ہاتھ بیچنے اور دغا کرنے لگتے ہیں تب بدتہذیبی کے فوجدار سمجھتے ہیں کہ سکون اور پرامن ترقی کا دور آ گیا ہے اور یہ کہ دوبارہ 'ذہن اور عقل کی باری آ گئی ہے، - بورژوا ہر جگہ اور ہمیشہ اپنی اصلی حالت میں رہتا ہے - چاہے آپ ''پولیارنایا زویزدا،، کو لے لیجئے یا ''ناشا ژزن،، کو (۲۱۶)، چاہے آپ استروے کو پڑھتے یا بلانک کو، انقلاب کے ادوار اور اصلاحات کے ادوار کے بارے میں آپ کو ہمیشہ وہی تنگ‌نظر، پروفیسرانہ انداز میں عالمانہ اور افسرشاہی کے انداز میں بے جان رائے ملے گی - اول‌الذکر پاگل‌پن کے tolle Jahre ذہن اور عقل کے ناپیدا ہونے کے ادوار ہیں - موخرالذکر 'باشعور اور باقاعدہ، سرگرمیوں کے ادوار ہیں -

''جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کے غلط معنی نہ نکالئے - میں یہ بحث نہیں کر رہا ہوں کہ بلانک جیسے لوگ بعض ادوار کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں - یہ ترجیح کا معاملہ نہیں ہے - ہماری داخلی ترجیحات تاریخی ادوار میں تبدیلیوں کا تعین نہیں کرتیں - بات یہ ہے کہ (ہماری ترجیحات یا ہمدردیوں سے بالکل الگ) اس یا اس دور کی خصوصیتوں کا تجزیہ کرنے میں بلانک جیسے لوگ بےشرمی کے ساتھ سچائی کو مسخ کرتے ہیں - بات یہ ہے کہ انقلابی ادوار ہی بدتہذیب، کیڈیٹ، اصلاح‌پرستانہ ترقی

کے ادوار سے کہیں وسیع تر، زیادہ بھرپور، زیادہ باشعور، زیادہ بامنصوبہ، زیادہ باقاعدہ، زیادہ جراتمندانہ اور زیادہ نمایاں تاریخ‌سازی کی بنا پر ممتاز ہوتے ہیں۔ لیکن بلانک جیسے لوگ سچائی کو الٹ پلٹ دیتے ہیں۔ وہ کم سائگی کو عظیم‌الشان تاریخ سازی بنا کر پیش کرتے ہیں۔ محکوم یا کچلے ہوئے عوام‌الناس کی بے‌عملی کو افسروں اور بورژوا کے کام میں 'باقاعدگی' کی جیت سمجھتے ہیں۔ جب چھوٹے افسروں اور پیسے کی ایک سطر لکھنے‌والے لبرل اخبار نویسوں کی طرف سے مسودہ قوانین کی دھجیاں اڑنے کی بجائے 'عام لوگوں' کی براہ راست سیاسی سرگرمی کا دور شروع ہو جاتا ہے جو بغیر مزید لیت و لعل کے عوام پر جبر کرنے‌والے سارے آلات کو توڑنا شروع کر دیتے ہیں، اقتدار پر قبضہ کر لیتے ہیں اور ہر اس چیز کو لے لیتے ہیں جو عوام کو لوٹنے‌والوں کی مختلف اقسام کی ملکیت سمجھی جاتی تھی — مختصر یہ کہ جب کروڑوں کچلے ہوئے عوام کی ذہانت و عقل صرف کتابیں پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ عمل کے لئے، حیات بخش انسانی عمل کے لئے، تاریخ سازی کے لئے بیدار ہو جاتی ہیں تو بلانک جیسے لوگ عقل و ذہانت کے ناپید ہو جانے کا واویلا مچاتے ہیں"۔

یہ تھی وہ بحث جو ڈکٹیٹرشپ کے سوال پر روس میں ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء کے برسوں میں چھیڑی گئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ ڈتمان، کاؤتسکی، کریسپین اور ہلفرڈنگ جیسے لوگ جرمنی میں، لانگوے اینڈ کمپنی فرانس میں، توراتی اور ان کے دوست اٹلی میں، میکڈونلڈ اور اسنوڈین جیسے لوگ انگلستان میں ڈکٹیٹرشپ کے بارے میں بالکل اسی طرح بحث کرتے ہیں جیسے روس میں ۱۹۰۵ میں مسٹر بلانک اور کیڈیٹ بحث کیا کرتے تھے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ڈکٹیٹرشپ کے معنی کیا ہوتے ہیں، نہیں جانتے کہ اس کے بارے میں کیسے تیاری کرنی چاہئے اور ان میں اسے سمجھنے اور اسے نافذ کرنے کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء

ہمارا انقلاب

(سوخانوف کے مختصر
نوٹس کے سلسلے میں (۲۱۷)

۱

حال ہی میں میں نے انقلاب کے متعلق سوخانوف کے مختصر نوٹس پر سرسری نظر ڈالی ہے۔ ان میں جو بات سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ ہمارے تمام پٹی بورژوا جمہوریت پسندوں اور دوسری انٹرنیشنل کے سارے سورماؤں کا بقراطیت ہے۔ اس حقیقت کے علاوہ کہ وہ سب انتہائی بزدل ہیں، اور جب جرمن نمونے سے ذرا سی بھی کجروی کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو ان میں سے بہترین لوگ بھی قیود سے اپنے آپ کو پابند کر لیتے ہیں۔ اس خصوصیت کے علاوہ جو تمام پٹی بورژوا جمہوریت پسندوں میں مشترک ہے اور تمام انقلاب کے دوران جس کا انھوں نے کافی مظاہرہ کیا ہے، جو بات سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ ان کی ماضی کی غلامانہ تقلید ہے۔

وہ سب اپنے آپ کو مارکسی کہتے ہیں لیکن ان کے مارکسزم کا تصور حیران کن حد تک بقراطی ہے۔ وہ یہ سمجھنے میں قطعی ناکام رہے ہیں کہ مارکسزم میں فیصلہ کن چیز کیا ہے، یعنی انقلابی جدلیات۔ وہ مارکس کے ان سیدھے سادھے بیانات کو بھی سمجھنے سے بالکل قاصر رہے ہیں کہ انقلاب کے وقت انتہائی لچکدار ہونے کی ضرورت ہے (۲۱۸)۔ مثال کے طور پر مارکس کے خطوط میں (میرا خیال ہے یہ ۱۸۵۶ء کی بات ہے) ان بیانات کو دیکھنے میں وہ بالکل ناکام رہے ہیں جن میں انھوں نے جرمنی میں کسانوں کی

جنگ کو، جس سے انقلابی حالت پیدا ہو سکتی تھی، مزدور طبقے کی تحریک سے جوڑنے کی امید ظاہر کی تھی (۲۱۹) - وہ اس واضح بیان سے بھی کتراتے ہیں اور اس کے چاروں طرف اس طرح چکر کاٹتے ہیں جیسے کہ بلی گرم دلیے کے پیالے کے ارد گرد -

ان کے پورے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بزدل اصلاح پسند ہیں جو بورژوازی سے اپنا رشتہ توڑنا تو کجا، اس سے منحرف ہوتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں اور ساتھ ہی اپنی بزدلی پر بےلگام لفاظی اور شیخی کا لبادہ ڈالتے ہیں - لیکن ان سب میں جو بات سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، خواہ وہ خالص نظریاتی نقطۂ نظر ہی سے کیوں نہ ہو، وہ مندرجۂ ذیل مارکسی ملاحظات کو سمجھنے میں قطعی ناکامی ہے: اب تک انھوں نے مغربی یورپ میں سرمایہ‌داری اور بورژوا جمہوریت کو ارتقا کا ایک معین راستہ اختیار کرتے ہوئے دیکھا ہے - وہ یہ تصور کرنے سے قاصر ہیں کہ یہ راستہ ایک نمونے کی حیثیت سے صرف مناسب تغیر و تبدل کے ساتھ، صرف ان بعض ترمیموں کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے جو عالمی تاریخ کے عام ارتقا کے نقطۂ نظر سے بالکل غیر اہم ہیں -

پہلے، انقلاب پہلی سامراجی عالمی جنگ سے مربوط ہے - ایسے انقلاب کےلئے لازمی تھا کہ وہ نئی امتیازی خصوصیات یا تبدیلیاں ظاہر کرے جو خود جنگ کا نتیجہ تھیں کیونکہ ابھی تک دنیا نے ایسے حالات میں ایسی جنگ کبھی نہیں دیکھی - ہم دیکھتے ہیں کہ اس جنگ کے بعد سے دولت‌مندترین ملکوں کا بورژوا طبقہ ابھی تک ''حسب معمول،، بورژوا تعلقات کو بحال کرنے میں ناکام رہا ہے - اس کے باوجود ہمارے اصلاح پسند — پٹی بورژوا جو اپنے آپ کو انقلابی ظاہر کرنا چاہتے ہیں، سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں کہ حسب معمول بورژوا تعلقات ایک حد ہیں (تو اس حد تک اور اس سے آگے نہیں) - اور اس ''حسب معمول،، کے متعلق ان کا تصور بندھاٹکا اور انتہائی تنگ ہے -

دوسرے، ان کےلئے یہ خیال بالکل اجنبی ہے کہ اگرچہ مجموعی طور پر عالمی تاریخ کا ارتقا عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے، لیکن اس سے یہ بات خارج نہیں ہوتی بلکہ پیش‌فرض ہوتی ہے کہ ارتقا کے بعض دور شکل کے لحاظ سے یا اس ارتقا کے تسلسل کے لحاظ سے

اپنی امتیازی خصوصیات ظاہر کریں۔ مثال کے طور پر یہ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ چونکہ روس مہذب ملکوں اور ان ملکوں — تمام مشرقی اور غیریورپی ملکوں — کی سرحد پر ہے جنھیں جنگ نے پہلی بار قطعی طور پر تہذیب کے حلقے میں شامل کیا، تو وہ چند نمایاں امتیازی خصوصیات ظاہر کر سکا، اور ایسا ہونا لازمی تھا۔ اگرچہ ان خصوصیات کو عالمی ارتقا عام راہ سے جدا نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ روس کے انقلاب کو ان انقلابوں سے ممیز کرتی ہیں جو مغربی یورپی ممالک میں ہوئے۔ اور انقلاب جیسے جیسے مشرق کے ملکوں کی جانب بڑھ رہا ہے تو وہ بعض جزوی اختراعات شامل کر رہی ہیں۔

جب مغربی یورپی سوشل ڈیموکریسی نے فروغ پایا تو ان حضرات نے وہاں سے ایک انتہائی گھسی پٹی دلیل حفظ کر ڈالی، وہ یہ کہ ہم ہنوز اشتراکیت کےلئے پختہ نہیں ہوئے ہیں، یا جیسا کہ ان کے بعض ''عالموں،، نے فرمایا کہ ہمارے ملک میں اشتراکیت کےلئے معروضی معاشی مقدمات موجود نہیں ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں سوچا کہ کیا وہ لوگ جو پہلی سامراجی جنگ کی پیدا کی ہوئی انقلابی صورت حال سے دوچار ہوئے، کیا وہ لوگ اپنی حالت کی بےبسی کے زیراثر اس جدوجہد میں کود سکے یا نہیں جو ان کےلئے تہذیب کی مزید ترقی کے واسطے کچھ غیرمعمولی حالات حاصل کرنے کا کوئی نہ کوئی موقع پیش کرے؟

''روس میں پیداواری قوتوں کا ارتقا اس سطح تک نہیں پہنچا ہے کہ وہاں اشتراکیت ممکن ہو سکے۔ ،، دوسری انٹرنیشنل کے تمام سورما جن میں بلاشبہ سوخانوف بھی شامل ہیں، اس قول کی تائید میں نقارے پیٹ رہے ہیں۔ وہ اس مسلم قول کو ہزاروں مختلف سروں میں مسلسل بجاتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے انقلاب کی یہ فیصلہ کن پیمائش ہے۔

لیکن اس کی بابت کیا کہا جا سکتا ہے کہ جب مخصوص حالات نے روس کو سامراجی عالمی جنگ میں گھسیٹا جس میں ہر کم و بیش بااثر مغربی یورپی ملک شریک ہو گیا، اور انھوں نے مشرق میں پختہ ہوتے ہوئے یا جزوی طور پر رونما ہوتے ہوئے انقلابات کے وقت روس اور اس کے ارتقا کے سامنے ایسی صورت حال

رکھ دی جب ہم ''کسان جنگ،، اور مزدور طبقے کی تحریک کا بالکل وہی اتحاد حاصل کر سکیں جسے اور کسی ''مارکسی،، نے نہیں بلکہ مارکس نے ۱۸۵۶ء میں پرشا کے لئے ایک ممکن امکان کی طرح پیش کیا تھا؟

اس کی بابت کیا کہا جا سکتا ہے کہ اگر مکمل طور پر مایوس کن حالت نے مزدوروں اور کسانوں کی کوششوں کو دس گنا محرک کرکے ہمیں ایک ایسا موقع پیش کیا کہ ہم تمام دوسرے مغربی یورپی ملکوں کے مقابلے میں مختلف طریقے سے تہذیب کی بنیادی ضروری شرائط پیدا کریں؟ کیا اسی سے عالمی تاریخ کے ارتقا کی عام راہ بدل جاتی ہے؟ کیا اس سے ان تمام ملکوں کے بنیادی طبقات کے درمیان بنیادی توازن بدل جاتے ہیں جو عالمی تاریخ کی عام راہ پر گامزن ہو رہے ہیں یا گامزن ہو چکے ہیں؟

اگر اشتراکیت کی تعمیر کے لئے ثقافت کی ایک معین سطح درکار ہے (حالانکہ کوئی شخص بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ معین ''ثقافت کی سطح،، ہے کیا، کیونکہ یہ ہر مغربی یورپی ملک میں ایک دوسرے سے مختلف ہے) تو پھر ہم اس معین ثقافتی سطح کی ضروری شرائط انقلابی طریقے سے حاصل کرکے ابتدا کیوں نہ کریں اور پھر مزدوروں اور کسانوں کی حکومت اور سوویت نظام کی مدد سے دوسری قوموں کے ہمسر ہو جائیں۔

۱۶ جنوری ۱۹۲۳ء۔

۲

آپ کہتے ہیں کہ اشتراکیت کی تعمیر کے لئے تہذیب کی ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن پھر ہم ابتدا میں اپنے ملک کے اندر تہذیب کی لازمی شرائط کیوں نہیں پیدا کر سکتے تھے جیسے جاگیرداروں اور روسی سرمایہ‌داروں کو نکال باہر کرنا اور پھر اشتراکیت کی جانب آگے بڑھنا؟ کہاں اور کن کتابوں میں آپ نے پڑھا ہے کہ واقعات کے روایتی تاریخی تسلسل میں ایسی تبدیلیاں ناروا یا ناممکن ہیں؟

میرا خیال ہے کہ نپولین نے لکھا تھا «On s'engage et puis... on voit» - اس کا آزاد ترجمہ یہ ہوگا ''پہلے سنجیدہ لڑائی

میں برسرپیکار ہو اور پھر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔،، تو ہم اکتوبر ۱۹۱۷ء میں پہلے سنجیدہ لڑائی میں برسرپیکار ہوئے اور پھر ارتقا کی ایسی تفصیلات دیکھیں (عالمی تاریخ کے نقطۂ نظر سے وہ واقعی تفصیلات تھیں) جیسی کہ بریست کا عہدنامۂ امن (۲۲۰)، نئی معاشی پالیسی (۲۲۱) وغیرہ۔ اور اب اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ بنیادی طور پر ہم فاتح رہے۔

مزید دائیں جانب والے سوشل ڈیموکریٹوں کا تو خیر ذکر ہی کیا، ہمارے سوخانوف قسم کے لوگ خواب تک میں یہ نہیں دیکھتے کہ انقلاب دوسری طرح سے بھی ہو سکتے ہیں۔ ہمارے یورپی عامیانہ لوگ خواب تک میں یہ نہیں دیکھتے کہ مشرقی ممالک میں ہونےوالے انقلاب، جہاں آبادی کہیں زیادہ ہے اور معاشرتی حالات زیادہ گوناگوں ہیں، بلاشبہ روسی انقلاب کے مقابلے میں زیادہ امتیازی خصوصیات کا مظاہرہ کریں گے۔

یہ بتانے کی مشکل ہی سے ضرورت ہے کہ وہ درسی کتاب جو کاؤتسکی کے خطوط پر لکھی گئی تھی، اپنے زمانے میں بہت مفید تھی۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ یہ خیال ترک کر دیا جائے کہ اس نے آنےوالی عالمی تاریخ کے ارتقا کی تمام شکلوں کی پیش بینی کر دی تھی۔ یہ کہنا بر محل ہوگا کہ وہ لوگ جو اس طرح سوچتے ہیں سراسر احمق ہیں۔

۱۷ جنوری ۱۹۲۳ء

تشریحی نوٹ

۱ - ''فائرباخ پر تھی‌سیس''، جو مارکس نے بروسیلز میں ۱۸۴۵ء کے موسم بہار میں لکھے تھے، ان کی وفات کے بعد ان کی ''بیاض'' میں ''فائرباخ سے متعلق'' عنوان کے تحت ملے۔ اینگلس کا خیال ہے کہ یہ ''پہلی دستاویز ہے جس میں انھوں نے ایک نئی جہاں‌بینی کا وقیع مادہ محفوظ کر دیا تھا''۔ جب اینگلس نے ۱۸۸۸ء میں ''مقالات'' شائع کئے تو انھوں نے قاری کے لئے مسودے کو زیادہ قابل فہم بنانے کے خیال سے، جسے مارکس نے شائع کرنے کی نیت سے نہیں تحریر کیا تھا، بعض ادارتی تبدیلیاں کیں۔ عنوان ''فائرباخ پر تھی‌سیس'' سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے مارکسزم لینن‌ازم کے انسٹی‌ٹیوٹ نے دیا ہے۔ صفحہ ۱۳

۲ - ''کمیونسٹ پارٹی کا مینی‌فسٹو'' — سائنسی کمیونزم کی پہلی پروگرام دستاویز جو مارکس اور اینگلس کی عظیم تعلیم کے بنیادی اصولوں کی ایک سالم اور مدون و مرتب توضیح فراہم کرتی ہے۔ بقول لینن، ''عالی‌دماغانہ وضاحت اور بصیرت کے ساتھ یہ تصنیف ایک نئی جہاں بینی کا، استوار مادیت پسندی کا جو سماجی زندگی کے دائرے کا بھی احاطہ کرتی ہے، ارتقا کے سب سے جامع اور عمیق نظریے کی حیثیت سے جدلیات کا، طبقاتی جدوجہد کے اور ایک نئے کمیونسٹ سماج

کے خالق پرولتاریہ کے عالمی تاریخی انقلابی رول کے نظریے کا خاکہ پیش کرتی ہے۔''
''مینی فسٹو''، مارکس اور اینگلس نے کمیونسٹ لیگ کے پروگرام کی حیثیت سے لکھا تھا اور سب سے پہلے لندن سے فروری ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا تھا۔
اس کتاب میں ''مینی فسٹو'' کے دو باب شامل ہیں: ''بورژوا اور پرولتاری''، اور ''پرولتاری اور کمیونسٹ''۔ صفحہ ۱۷

۳ - صلیبی جنگیں — گیارھویں سے تیرھویں صدی تک مشرق پر غلبہ قائم کرنے کے لئے مغربی یورپ کے بڑے بڑے والیان ریاستوں، جنگجو سرداروں کی فوجی مہمیں تھیں جن کا مذہبی نعرہ یہ تھا کہ یروشلم اور عیسائی مذہب کے دوسرے مقامات کو مسلمانوں سے آزاد کرایا جائے۔ صفحہ ۲۱

۴ - دس گھنٹوں والے کام کے دن کے قانون کو، جو صرف نوجوانوں اور کام کرنے والی عورتوں میں رائج تھا، انگریزی پارلیمنٹ نے ۸ جون ۱۸۴۷ء کو منظور کیا۔ صفحہ ۲۹

۵ - «Deutsch — Französische Jahrbücher» (جرمن فرانسیسی سال نامہ) — ایک رسالہ جس کے مدیران کارل مارکس اور آرنلد اوگے تھے اور جو پیرس میں جرمن زبان میں شائع ہوا۔
صرف ایک شمارہ، جو دو شماروں پر مشتمل تھا، فروری ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا۔ رسالے کی اشاعت خاص طور سے اس وجہ سے بند ہو گئی کہ مارکس میں اور روگے میں جو ایک بورژوا انتہا پسند تھے، بنیادی اختلاف رائے تھا۔
صفحہ ۴۸

۶ - یہ مضمون (''کارل مارکس کے یہاں سیاسی و معاشی تنقید کا نقطۂ نظر'') روسی معاشیات پسند کاؤفمان نے لکھا۔ صفحہ ۵۱

۷ - اس کتاب کے صفحات ۴۸ — ۵۰ ملاحظہ ہوں۔ صفحہ ۵۱

31—980

۸ - جرمن فلسفیوں بیوخنر، لانگے، ڈیورنگ، فیخنر وغیرہ کی طرف اشارہ ہے - صفحہ ۵۴

۹ - C. Pecqueur «Théorie nouvelle d'économie sociale et politique, ou Etudes sur l'organisation des sociétés». Paris, 1842, p. 435. (پیکیر - ''سماجی و سیاسی معاشیات کا نیا نظریہ یا سماجوں کی تنظیم کی تفتیش،، - پیرس، ۱۸۴۲ء، صفحہ ۴۳۵ -) صفحہ ۵۸

۱۰ - ''گوتھا پروگرام کا تنقیدی تبصرہ،، مارکس نے ۱۸۷۵ء میں لکھی - اس میں جرمنی کی متحدہ مزدور پارٹی کے مسودہ پروگرام کے متعلق تنقیدی رائے ہے - اس مسودے میں شدید غلطیاں تھیں اور لاسالیت (جرمن مزدور تحریک میں موقع پرست رجحان) کے ساتھ اصولی رعایتیں برتی گئی تھیں - مارکس اور اینگلس نے جرمنی کی ایک متحدہ سوشلسٹ پارٹی قائم کرنے کے خیال کی تائید کی لیکن نظریے کے سوال پر لاسالیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی مخالفت کی — اس تصنیف میں مارکس نے سائنسی کمیونزم کے اہم سوالوں پر بہت سے خیالات کی تشکیل کی جیسے کہ سوشلسٹ انقلاب، پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ، سرمایہ‌داری سے کمیونزم کی طرف عبور کا دور، کمیونسٹ سماج کے دو مرحلے، سوشلزم کے تحت سماجی پیداوار کی پیداوار اور تقسیم، کمیونزم کی بنیادی خصوصیات، پرولتاری بین‌الاقوامیت پسندی اور مزدور طبقے کی پارٹی - صفحہ ۶۱

۱۱ - ''برلن کا مارات،، ظاہر ہے کہ لاسالی عام جرمن مزدور لیگ کے مرکزی ترجمان — «Neuer Social — Demokrat» کے مدیر اعلی هیسلمان کی طرف طنزیہ اشارہ ہے - اخبار کا رجحان اس لاسالی پالیسی کی پوری طرح عکاسی کرتا تھا کہ جرمنی میں بسمارک کی حکوست کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا جائے اور حکمراں طبقوں سے آشنائی رکھی جائے - صفحہ ۷۳

۱۲ - امن اور آزادی کی لیگ — سوئٹزرلینڈ میں ۱۸۶۷ء میں پٹی بورژوا ریپبلکنوں اور اعتدال‌پرستوں نے یہ ایک بورژوا صلح پسند

جماعت قائم کی تھی۔ ابتدا میں اس لیگ نے مزدور تحریک کو اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کی کوشش کی۔ یہ لوگ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ''ریاست ہائے متحدہ یورپ،، بنا لی جائے تو جنگوں کا امکان دور کیا جا سکتا ہے۔ اپنے اس پرچار سے امن اور آزادی کی لیگ نے عوام کو خوش فہمی میں مبتلا کیا اور پرولتاریہ کو طبقاتی جدوجہد سے بھٹکانے کی کوشش کی۔ صفحہ ۷۴

۱۳ - پیرس کمیون۔ مزدور طبقے کی انقلابی حکومت جو پرولتاری انقلاب کی وجہ سے ۱۸۷۱ء میں پیرس میں قائم ہوئی۔ یہ تاریخ عالم میں پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کی پہلی حکومت تھی۔ وہ ۷۲ دن تک — ۱۸ مارچ سے ۲۸ مئی ۱۸۷۱ء تک قائم رہی۔ صفحہ ۷۴

۱۴ - مارکس نے اس اداریے کا حوالہ دیا ہے جو بسمارک حکومت کے سرکاری ترجمان «Norddeutsche Allgemeine Zeitung» (شمالی جرمن عام اخبار) میں ۲۰ مارچ ۱۸۷۵ء کو شائع ہوا تھا۔ اس میں جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے مسودہ پروگرام کے سلسلے میں کہا گیا تھا کہ ''سوشل ڈیموکریٹک ایجی ٹیشن کئی اعتبار سے زیادہ محتاط ہو گیا ہے،، اور یہ کہ وہ ''انٹرنیشنل کی تردید کر رہا ہے،،۔ صفحہ ۷۵

۱۵ - مالتھوسیت — انگریز معاشیات داں ٹامس رابرٹ مالتھوس (۱۷۶۶ء تا ۱۸۳۴ء) کا رجعت پرست نظریہ — مالتھوس نے اپنی کتاب ''اصول آبادی پر ایک مضمون،، میں دعوی کیا تھا کہ ذرائع صرف کی نشوونما آبادی کی نشوونما سے پچھڑی رہتی ہے اور ''آبادی کے اس قانون مطلق،، کی وجہ سے غریبی اور بھوک عام لوگوں کا مقدر ہے۔ مالتھوس کے ایجاد کردہ اس قانون کی بنیاد پر مالتھوسیوں نے یہ دعوی کیا کہ جنگیں، وبائیں اور قدرتی بلائیں انسانیت کے ارتقا پر ''اچھا،، اثر ڈالتی ہیں اس لئے کہ وہ آبادی کو کم کر دیتی ہیں۔

مارکس نے مالتھوس کے نظریے پر سخت تنقید کی اور یہ ثابت کیا کہ ''آبادی کا مطلق قانون،، کوئی ہے ہی نہیں اس لئے کہ ہر سماجی معاشی تشکیل کا اپنا قانون آبادی ہوتا ہے اور یہ کہ عوام‌الناس کی غریبی اور مصیبتیں سرمایہ‌دارانہ طرز پیداوار کا نتیجہ ہیں جس کے تحت مٹھی بھر استحصال کار کروڑوں لوگوں کی زائد محنت کو غصب کر لیتے ہیں اور یہ کہ کمیونسٹ طرز پیداوار کی طرف عبور ہر شخص کی ضرورتوں کی مکمل تشفی کے لئے حالات پیدا کر دے گا۔
یہاں اشارہ ہے لانگے کی کتاب کی طرف : «Die Arbeiterfrage in ihrer Bedeutung für Gegenwart und Zukunft», Duisburg, 1865, S. 144—161, 180 (مزدوروں کا مسئلہ اور حال اور مستقبل کے لئے اس کی اہمیت)۔ صفحہ ۷۶

۱۶ - «L.' Atelier» (''دکان،،) — ایک ماہانہ رسالہ جو پیرس میں ۱۸۴۰ سے ۱۸۵۰ء تک شائع ہوا۔ یہ عیسائی سوشلسٹ خیالات سے ہمدردی رکھنے‌والے کاریگروں اور مزدوروں کا ترجمان تھا۔ صفحہ ۷۸

۱۷ - ۱۸۷۳ء کے معاشی بحران کی طرف اشارہ ہے جو آسٹریا، جرمنی، ریاستہائے متحدہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، بلجیم، اٹلی، روس اور دوسرے ملکوں میں بہت شدید اور عام تھا۔ صفحہ ۸۶

۱۸ - اینگلس کی تصنیف ''یوٹوپیائی اور سائنسی سوشلزم،، ان کی کتاب ''قاطع ڈیورنگ،، کے تین ابواب پر مشتمل ہے جنھیں اینگلس نے خاص طور سے اس مقصد سے ازسرنو لکھا تھا کہ مزدوروں کے لئے ایک سالم جہاں‌بینی کی حیثیت سے مارکسی تعلیم کی عام فہم وضاحت فراہم کی جائے۔
اینگلس نے سائنسی سوشلزم اور یوٹوپیائی سوشلزم کے درمیان بنیادی فرق کو بتایا، تاریخ میں یوٹوپیائی سوشلزم کے رول اور اس کی کمزوریوں کا ذکر کیا اور سائنسی سوشلزم کے ماخذوں کا انکشاف کیا۔ انھوں نے ثابت کیا کہ مارکس

کی دو عظیم دریافتوں — تاریخ کے مادیت‌پسندانہ تصور کی وضاحت اور قدر زائد کے نظریے کی تخلیق — ھی کی بدولت سوشلزم کو ایک سائنسی بنیاد ملی۔
آخری باب میں اینگلس نے ثابت کیا ھے کہ سرمایہ‌داری کا بنیادی تضاد یعنی پیداوار کے سماجی کردار اور غصب کرنے کے ذاتی سرمایہ‌دارانہ طریقے کے درمیان تضاد صرف پرولتاری انقلاب ھی کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ھے۔ صفحہ ۹۰

۱۹ - چارٹسٹ تحریک — مزدور طبقے کی پہلی عوامی تحریک جو برطانیہ میں ۱۹ ویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دھائیوں میں چلی۔ چارٹسٹوں نے ایک عرضی (عوامی چارٹر) شائع کی جس میں عام حق رائےدھی، پارلیمنٹ کا رکن بننے کے لئے زمینی جائیداد کی قید کے خاتمے وغیرہ کا مطالبہ کیا گیا۔ چارٹسٹوں نے ان مطالبوں کے لئے جدوجہد کی۔ پورے ملک میں برسوں تک عام اجتماع اور مظاھرے کئے جاتے رھے جن میں دسیوں لاکھ مزدوروں اور کاریگروں نے حصہ لیا۔ برطانوی پارلیمنٹ نے عوامی چارٹر اور چارٹسٹوں کی ساری عرضیوں کو رد کر دیا۔ حکومت نے چارٹسٹوں کے خلاف وحشیانہ سختیوں کی ایک مہم چلائی اور ان کے رھنماؤں کو گرفتار کر لیا۔
اس تحریک کو اگرچہ کچل دیا گیا لیکن اس نے بین‌الاقوامی مزدور تحریک کے مزید ارتقا پر بڑا گھرا اثر ڈالا۔ صفحہ ۹۰

۲۰ - اشارہ ھے کئی جغرافیائی دریافتوں کی طرف: کیوبا، ھائٹی، جزائر بھاما، براعظم شمالی امریکہ، افریقہ کے جنوبی حصے کے گرد ھوکر ھندوستان جانے کا سمندری راستہ، براعظم جنوبی امریکہ۔ صفحہ ۱۰۲

۲۱ - یہ سب سے بڑے یورپی ملکوں کے درمیان ان جنگوں کی طرف اشارہ ھے جو ۱۷ ویں اور ۱۸ ویں صدی میں ھندوستان اور

امریکہ کے ساتھ تجارت پر تسلط جمانے اور مقبوضہ ملکوں کی منڈیوں کے لئے لڑی گئیں۔ پہلے تو خاص حریف برطانیہ اور ہالینڈ تھے۔ ۵۴ — ۱۶۵۲ء، ۶۷ — ۱۶۶۴ء اور ۷۴ — ۱۶۷۲ء کی اینگلوڈچ جنگیں اسی طرح کی تجارتی جنگیں تھیں۔ بعد کو برطانیہ اور فرانس کے درمیان ایک فیصلہ کن جدوجہد چھڑ گئی جس میں برطانیہ فتح مند ہوا۔ ۱۸ ویں صدی کے اواخر میں تقریباً ساری عالمی تجارت اس کی مٹھی میں تھی۔ صفحہ ۱۰۲

۲۲ - یہاں اور اس کے بعد اینگلس ''سرمائے،، کی پہلی جلد کا حوالہ دیتے ہیں۔ صفحہ ۱۰۴

۲۳ - ملاحظہ ہو فورئیے، مجموعۂ تصانیف، جلد ۶، پیرس ۱۸۴۵ء، صفحات ۳۹۳، ۳۹۴ - صفحہ ۱۰۶

۲۴ - Seehandlung (بحری تجارت) ایک تجارتی اور قرضہ کمپنی جو پرشا میں ۱۷۷۲ء میں قائم کی گئی تھی۔ اسے اہم حکومتی مراعات حاصل تھیں اور اس نے پرشا کی حکومت کو بڑے بڑے قرض دئے تھے۔ صفحہ ۱۱۰

۲۵ - اینگلس کی تصنیف ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ،، باقاعدہ طور پر جدلیاتی اور تاریخی مادیت کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کرتی ہے اور مارکسزم کے فلسفیانہ پیش رووں ہیگل اور فائرباخ کے بارے میں، جو جرمن کلاسیکی فلسفے کے ممتاز نمائندے تھے، مارکسزم کے رویے کو ظاہر کرتی ہے۔

اس کتاب میں مذکورۂ بالا تصنیف کا وہ حصہ شامل ہے جس میں تاریخی مادیت سے بحث کی گئی ہے۔ صفحہ ۱۲۱

۲۶ - ملاحظہ ہو ہیگل کی تصنیف ''فلسفۂ تاریخ پر لیکچر،،۔ حصہ دوئم، شق دوئم۔ یہ کتاب پہلی بار برلن سے ۱۸۳۷ء میں شائع ہوئی۔ صفحہ ۱۲۴

۲۷ - پیرس کے صلح ناسے کی طرف اشارہ ہے جس پر ۲۰ نومبر ۱۸۱۵ء کو، نپولین کی سلطنت کے خاتمے کے بعد ایک جانب سے فرانس مخالف اتحاد کے شرکا انگلستان، آسٹریا، پرشا اور روس اور دوسری جانب سے فرانس نے دستخط کئے۔ صفحہ ۱۲۵

۲۸ - بادشاہت کی بحالی کا دور — فرانس کی تاریخ میں ۱۸۱۴ء سے ۱۸۳۰ء تک کا زمانہ جس کے دوران میں اقتدار بوربونوں کے بحال شدہ شاہی خاندان کے ہاتھوں میں تھا جس کا تختہ فرانسیسی بورژوا انقلاب نے ۱۷۹۲ء میں الٹ دیا تھا۔ صفحہ ۱۲۵

۲۹ - ضابطۂ دیوانی (Code civil) — پانچ مجموعات قوانین میں سے ایک جنہیں فرانس میں ۱۸۰۴—۱۰ء میں نپولین اول کی حکومت کے دوران میں مرتب کیا گیا (اس لئے ضابطۂ دیوانی نپولین کا ضابطہ کہا جانے لگا) اور جو بورژوا عدل و انصاف کا عام نظام تھے۔ صفحہ ۱۲۹

۳۰ - مجلس نیکائیا۔ سلطنت روم کے عیسائی اسقفوں کی پہلی عالمی مجلس جو شہنشاہ کانستنتین اول نے ۳۲۵ء میں نیکائیا (ایشیائے کوچک) کے شہر میں منعقد کی تھی۔ مجلس مذکور نے نشان عقیدہ منظور کیا (جو کہ آرتھوڈاکس عیسائی کلیسا کے خاص اصول ہیں) جسے قبول نہ کرنے کی سزا ریاست کے خلاف جرم کی حیثیت سے دی جاتی تھی۔ صفحہ ۱۳۲

۳۱ - آلبیگینی (نام شہر ایلبی سے ماخوذ ہے)۔ ایک مذہبی فرقہ جو بارھویں اور تیرھویں صدی میں جنوبی فرانس اور شمالی اٹلی کے شہروں میں سرگرم تھا۔ یہ فرقہ دھوم دھام والی کیتھولک رسومات اور کلیسا کی منصب بندی کی مخالفت کرتا تھا اور جاگیرداری کے خلاف شہری سوداگروں اور دستکاروں کے احتجاج کا اظہار مذہبی رنگ میں کرتا تھا۔ صفحہ ۱۳۲

۳۲ - ۱۶۸۸ء میں انگلستان میں حکومت پر قبضے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیمس دوئم اسٹوارٹ کو معزول کرکے جلاوطن کر

دیا گیا اور ۱۶۸۹ء میں آئینی بادشاہت قائم کردی گئی جو جاگیردارانہ اشرافیہ اور بڑی بورژوازی کے درمیان مصالحت پر مبنی تھی۔ جمہوریۂ ہالینڈ کے اشٹاٹ ہالٹر ولیم آف آرینج کو برطانیہ عظمی کا بادشاہ ولیم سوئم بنا دیا گیا۔ صفحہ ۱۳۴

۳۳ - برطانوی بورژوا تاریخ‌نگاری میں ۱۶۸۸ء کی ریاستی الٹ‌پلٹ کو ''شاندار انقلاب،، کا نام دیا گیا۔ صفحہ ۱۴۰

۳۴ - سرخ اور سفید گلابوں کی جنگ (۱۴۵۵ء تا ۱۴۸۵ء) — انگلستان میں لنکاسٹر اور یارک کے جاگیردارانہ گھرانوں میں ایک خاندانی جدوجہد۔ اس جنگ کا نام دونوں خاندانوں کے نشانوں سے پڑا جو علی‌الترتیب سرخ اور سفید گلاب تھے۔ یارکوں کی حمایت ملک کے جنوبی یعنی معاشی اعتبار سے زیادہ ترقی‌یافتہ حصے کے بڑے جاگیرداروں کا ایک حصہ، جنگجو سردار اور شہری لوگ کر رہے تھے۔ جبکہ لنکاسٹر گھرانے کی حمایت شمالی تعلقوں کے جاگیردار امرا کر رہے تھے۔ جنگ کا انجام یہ ہوا کہ قدیم جاگیردارانہ خاندانوں کا تقریباً صفایا ہو گیا اور ایک نیا خاندان، ٹیوڈر خاندان برسر اقتدار آ گیا جس نے ملک پر مطلق بادشاہت قائم کرلی۔ صفحہ ۱۴۰

۳۵ - یہ عبارت ہوبس کی تصنیف «De Cive» (''شہری،،) کے مقدمے سے نقل کی گئی ہے۔ کتاب مذکور پیرس میں ۱۶۴۲ء میں لکھی گئی تھی۔ شروع میں قلمی نسخے کی حیثیت سے گشت کرتی رہی پھر ۱۶۴۷ء میں ایمسٹرڈم سے شائع ہوئی۔ صفحہ ۱۴۲

۳۶ - مذہب فطرت (Deism) - مذہبی اور فلسفیانہ عقیدہ، جو خدا کو عالم موجودات کا حقیقی سرچشمہ مانتا ہے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتا کہ فطرت اور معاشرے کے معاملات میں وہ دخل دیتا رہتا ہے۔ صفحہ ۱۴۲

۳۷ - کارٹیزینزم — سترھویں صدی کے فرانسیسی فلسفی دیکارٹ (لاطینی زبان میں Cartesius) کے پیروؤں کی تعلیمات جنھوں نے ان کے فلسفے سے مادیت پسندانہ نتائج اخذ کئے - صفحہ ۱۴۲

۳۸ - ''حقوق انسانی کا اعلان نامہ،، فرانسیسی آئین ساز اسمبلی نے ۱۷۸۹ء میں منظور کیا تھا - اس نے ایک نئے بورژوا نظام کے سیاسی اصولوں کی تصریح کی اور اسے ۱۷۹۱ء کے فرانسیسی آئین کا جز بنا دیا گیا - جیکوبنوں نے جب ۱۷۹۳ء میں ''حقوق انسانی کا اعلان نامہ،، اپنے حساب سے تیار کیا تو مذکورہ صدر اعلان نامے کو بنیاد کی حیثیت سے استعمال کیا - جیکوبنوں والے اعلان نامے کو قومی کنونشن نے ۱۷۹۳ء کے پہلے جمہوریائی آئین میں ایک تعارف کی حیثیت سے شامل کرلیا - صفحہ ۱۴۳

۳۹ - اینگلس کی مراد ۱۸ ویں صدی کے آخر میں فرانسیسی بورژوا انقلاب سے انگلستان کی پٹی بورژوازی کے انتہاپسند حلقوں اور بورژوا دانشوروں کی ہمدردی ہے - فرانسیسی انقلاب کے حامی لندن کی انجمن انقلاب اور خاص طور پر لندن کی نامہ‌نگاروں کی انجمن میں متحد ہوئے - یہ لوگ انقلابی خیالات کا پرچار کرتے تھے اور عام حق رائے دھندگی اور دوسری جمہوری اصلاحات کے مطالبے پیش کرتے تھے - صفحہ ۱۴۵

۴۰ - یہ انتخابات کے قانون کی اصلاحات کی طرف اشارہ ہے جو ایوان عام نے ۱۸۳۱ء میں منظور کی تھی اور جس کی تصدیق ایوان امرا نے جون ۱۸۳۲ء میں کی - اس اصلاح نے صنعتی بورژوازی کے نمائندوں کے لئے پارلیمنٹ کے دروازے کھول دئے - اصلاح کے لئے جدوجہد میں پرولتاریہ اور پٹی بورژوازی خاص قوتیں تھیں لیکن انھیں لبرل بورژوازی نے دھوکا دیا اور انتخابات کے حقوق نہیں دئے - صفحہ ۱۴۶

۴۱ - تشریحی نوٹ ۴۳ دیکھئے -

۴۲ - حقوق نامۂ عوام، جس میں چارٹسٹوں کے مطالبات شامل تھے، ۸ مئی ۱۸۳۸ء کو ایک بل کی صورت میں شائع ہوا جسے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جانا تھا۔ یہ چھ دفعات پر مشتمل تھا جو یہ تھیں: عام حق رائےدھی (مردوں کےلئے ۲۱ سال سے لیکر)، پارلیمنٹ کے لئے سالانہ انتخابات، خفیہ بیلٹ، مساوی چناؤ حلقے، پارلیمنٹ کے لئے امیدواروں پر سے جائیداد کی قید ہٹا لینا اور ممبران پارلیمنٹ کے لئے تنخواہ۔ چارٹسٹوں نے اس مضمون کی تین عرضیاں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیں لیکن انھیں ۱۸۳۹ء میں، ۱۸۴۲ء میں اور ۱۸۴۹ء میں رد کر دیا گیا۔ صفحہ ۱۴۶

۴۳ - اناج کے قوانین کی مخالف لیگ ۱۸۳۸ء میں مانچسٹر کے فیکٹری مالکوں کابڈین اور برائٹ نے قائم کی تھی۔ نام نہاد اناج کے قوانین، جن کا مقصد دوسرے ملکوں سے اناج کی درآمد کو محدود کرنا یا ممنوع قرار دینا تھا، انگلستان میں بڑے جاگیرداروں کے مفاد کے مطابق رائج کئے گئے تھے۔ لیگ مذکور نے غیرمحدود آزاد تجارت کا مطالبہ پیش کرکے اناج کے قوانین کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد کی تاکہ مزدوروں کی اجرت کم کی جا سکے اور مالک زمین طبقۂ امرا کی معاشی اور سیاسی حیثیت کو کمزور کیا جا سکے۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں ۱۸۴۶ء میں اناج کے قوانین کو رد کرنے کا بل منظور کیا گیا جس کا مطلب تھا مالک زمین طبقۂامرا پر صنعتی بورژوازی کی فتح۔ صفحہ ۱۴۶

۴۴ - ۲ دسمبر ۱۸۵۱ء کو فرانس میں لوئی بوناپارٹ اور اس کے حامیوں نے انقلاب‌دشمن ریاستی الٹ پلٹ کی جس نے دوسری سلطنت کی بوناپارٹ‌والی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ صفحہ ۱۴۷

۴۵ - برادر جوناتھن — یہ اجتماعی عرفیت شمالی امریکہ میں برطانوی مقبوضات کی جنگ آزادی (۱۷۷۵ء تا ۱۷۸۳ء) کے دوران میں انگریزوں نے شمالی امریکیوں کو دی تھی۔ صفحہ ۱۴۷

۴۶ - احیائے مذہب — پروٹسٹنٹ مذہب میں ایک تحریک جو ۱۸ ویں صدی کے نصف اول میں انگلستان میں شروع ہوئی اور بعد کو شمالی امریکہ میں پھیل گئی۔ اس کے پیروؤں نے مذہبی وعظ دے کر اور صاحبان ایمان کی نئی بستیاں منظم کرکے عیسائی مذہب کے اثر کو مضبوط بنانے اور پھیلانے کی کوشش کی۔ صفحہ ۱۴۷

۴۷ - فوج نجات (Salvation Army) — ایک رجعت پرست مذہبی خیراتی تنظیم جو ۱۸۶۵ء میں انگلستان میں قائم ہوئی تھی اور بعد میں بہت سے ملکوں میں اس جماعت کا جال پھیل گیا۔ صفحہ ۱۴۷

۴۸ - دوسری پارلیمانی اصلاح انگلستان میں ۱۸۶۷ء میں عام مزدور تحریک کے دباؤ کے تحت رائج کی گئی۔ اصلاح کی اس تحریک میں پہلی انٹرنیشنل کی جنرل کونسل نے سرگرم حصہ ادا کیا۔ اس اصلاح سے ووٹ دینے والوں کی تعداد دگنی سے زیادہ ہو گئی اور ہنرمند مزدوروں کے ایک حصے کو بھی ووٹ دینے کا حق مل گیا۔ صفحہ ۱۴۹

۴۹ - وھگ اور ٹوری — برطانیہ کی سیاسی پارٹیاں جو ۱۷ ویں صدی کی آٹھویں اور نویں دہائیوں میں شکل پذیر ہوئیں۔ وھگ پارٹی والے مالیاتی اور تجارتی بورژوازی نیز طبقۂ امرا کے ایک حصے کے، جو بورژوا ہو گیا تھا، مفادات کا اظہار کرتے تھے۔ انہیں لوگوں نے اعتدال پسند پارٹی بنائی۔ ٹوری پارٹی والے بڑے زمینداروں اور کلیسائے انگلستان کے اوپری حصے کی نمائندگی کرتے تھے۔ یہ لوگ برطانیہ کی پرانی جاگیردارانہ روایتوں کی علمبرداری کرتے تھے اور سارے لبرل اور ترقی پسند مطالبات کی مخالفت کرتے تھے۔ بعد کو ان لوگوں نے قدامت پسند پارٹی بنالی۔ وھگوں اور ٹوریوں کی پارٹیوں میں کبھی ایک کبھی دوسری برسر اقتدار آتی رہتی تھی۔ صفحہ ۱۵۰

۵۰ - تیسری پارلیمانی اصلاح انگلستان میں ۱۸۸۴ء میں دیہاتی ضلعوں میں عوامی دباؤ کے تحت رائج کی گئی۔ اس اصلاح سے دیہی ضلعوں کی آبادی کو ووٹ دینے کا وہی حق مل گیا جو ۱۸۶۷ء کی اصلاح سے شہری حلقوں کے ووٹروں کو ملا تھا (ملاحظہ ہو تشریحی نوٹ نمبر ۴۸)۔ لیکن تیسری اصلاح کے بعد بھی آبادی کے کافی حصے، جیسے کہ دیہی پرولتاریہ اور شہری غریب لوگ، نیز ساری عورتیں ووٹ دینے کے حق سے محروم رہے۔ ۱۸۷۲ء میں خفیہ بیلٹ رائج کیا گیا۔ صفحہ ۱۵۰

۵۱ - کتھیڈر سوشلزم (کرسی نشین سوشلزم)۔ ۱۹ ویں صدی کی آٹھویں اور نویں دھائیوں میں بورژوا نظریے کا ایک رجحان۔ اس کے نمائندے، جو زیادہ‌تر جرمن یونیورسٹیوں کے پروفیسران تھے، یونیورسٹیوں کی پروفیسرانہ کرسیوں سے سوشلزم کے بھیس میں بورژوا اصلاح پرستی کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس رجحان کے نمائندے یہ دعوی کرتے تھے کہ ریاست طبقات سے بلند ایک ادارہ ھے جو معاند طبقوں میں مصالحت رکھ سکتی ھے اور سرمایہ‌داروں کے مفادات کو نقصان پہنچائے بغیر رفتہ رفتہ سوشلزم رائج کر سکتی ھے۔ ان کا مقصد بیماری اور حادثے کے لئے بیمہ رائج کرنا، کچھ فیکٹری ایکٹ منظور کرنا وغیرہ اور اس طرح طبقاتی جدوجہد کی طرف سے مزدوروں کی توجہ ھٹانا تھا۔ صفحہ ۱۵۰

۵۲ - رسوم پرستی — کلیسائے انگلستان میں ایک رجحان جو ۱۹ ویں صدی کی چوتھی دھائی میں پیدا ھوگیا تھا۔ اس کے ماننے والوں نے مہم چلائی کہ اینگلکن کلیسا میں کیتھولک رسومات (اسی وجہ سے اس کا نام رسوم پرستی پڑا) اور بعض کیتھولک کٹر اصولوں کو بحال کیا جائے۔ صفحہ ۱۵۱

۵۳ - ایسٹ اینڈ (East End) — لندن کا مشرقی حصہ جس میں پرولتاریہ اور غریبوں کے محلے واقع ھیں۔ صفحہ ۱۵۳

۵۴ - کارل مارکس کی کتاب ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء — ۱۸۵۰ء،، پر اینگلس کا مقدمہ ۱۸۹۵ء میں برلن سے کتاب مذکور کی ایک علیحدہ اشاعت کےلئے لکھا گیا تھا۔
مقدمے کی اشاعت سے پہلے جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی مجلس عاملہ نے بڑے اصرار کے ساتھ اینگلس پر زور دیا کہ وہ اس تحریر کے ''بیش ازحد انقلابی،، روح کو ذرا نرم لہجہ اور اسے زیادہ محتاط بنا دیں۔ اینگلس نے اگرچہ پارٹی کی لیڈرشپ کی تنقید کی پھر بھی وہ بعض عبارتوں کو پروف کے وقت حذف کردینے پر اور بعض عبارتوں کے انداز کو بدل دینے پر راضی ہوگئے۔ سوشل ڈیموکریسی کے بعض لیڈروں نے، اس مختصر کردہ مقدمے کے بل پر، اینگلس کو اقتدار پر مزدور طبقے کے ہر حال میں پرامن قبضے کا علمبردار، ''ہر چیز کے باوجود قانون پسندی،، کا پرستار بناکر پیش کرنے کی کوشش کی۔ اینگلس نے اپنے مقدمے کی اس تشریح و تفسیر کے خلاف پرزور احتجاج کیا اور اصرار کیا کہ پورا مقدمہ «Neue Zeit» میں شائع کیا جائے۔ پھربھی رسالے میں اسے مختصر کردہ شکل ھی میں شائع کیا گیا۔
اینگلس کے مقدمے کا مکمل متن پہلی مرتبہ سوویت یونین میں ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔ صفحہ ۱۰۵

۵۵ - «Neue Rheinische Zeitung» (''نیا رائن اخبار،،) — روزانہ اخبار جو کولون میں ۱ جون ۱۸۴۸ء سے ۱۹ مئی ۱۸۴۹ء تک شائع ہوا۔ مارکس اس کے ایڈیٹر تھے۔ پولیس کی ساری ایذارسانیوں اور کینہ‌جوئی کے باوجود اس نے انقلابی جمہوریت اور پرولتاریہ کے مفادات کی مدافعت بہت ڈٹ کر کی۔ اخبار کی اشاعت اس لئے بند ہوئی کہ مارکس کو پرشا سے جلا وطن کر دیا گیا اور اس کے دوسرے ایڈیٹروں کے خلاف جبر و سختی کی ایک مہم چلائی گئی۔
صفحہ ۱۰۵

۵۶ - «Neue Rheinische Zeitung. Politisch — ökonomische Revue» (''نیا رائن اخبار، سیاسی‌ومعاشی تبصرہ،،) ایک رسالہ تھا جس کی بنیاد مارکس اور اینگلس نے دسمبر ۱۸۴۹ء میں رکھی اور جو نومبر ۱۸۵۰ء تک شائع ہوتا رہا۔ یہ کمیونسٹ لیگ کا نظریاتی اور سیاسی ترجمان تھا۔ جرمنی میں پولیس کے مظالم اور فنڈ کی کمی کی وجہ سے یہ رسالہ بند ہوگیا۔ صفحہ ۱۰۷

۵۷ - یہ حکومتی امدادی رقوم کی طرف اشارہ ہے جن کو اینگلس نے طنزیہ انداز میں ہیمبرگ کے پاس بسمارک کے سیکسن والڈ (سیکسن جنگلات) کے تعلقے سے موسوم کیا ہے اور جو بسمارک کو شہنشاہ ولہام اول نے عطا کیا تھا۔ صفحہ ۱۰۹

۵۸ - پیرس کے مزدوروں نے جو ۲۳ جون سے ۲۶ جون ۱۸۴۸ء تک علم بغاوت بلند کیا اس کی طرف اشارہ ہے۔ فرانسیسی بورژوازی نے اس بغاوت کو انتہائی بےرحمی سے کچل ڈالا۔ یہ بغاوت بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان پہلی زبردست خانہ‌جنگی تھی۔ صفحہ ۱۰۹

۵۹ - یہ انیسویں صدی کے نصف اول کی فرانسیسی بورژوازی کی دو شاہی‌پرست پارٹیوں، جائز وارث پرستوں اور اورلین پرستوں کی طرف اشارہ ہے۔

جائز وارث پرست — بوربوں خاندان کی بزرگ اور ''جائز،، شاخ کے ماننےوالے۔ اس خاندان کو ۱۷۹۲ء میں معزول کردیا گیا تھا۔ یہ پارٹی بڑے موروثی زمیندار امرا کے مفادات کی نمائندگی کرتی تھی۔ ۱۸۳۰ء میں جب یہ خاندان دوبارہ معزول کر دیا گیا تو جائز وارث پرستوں نے ایک سیاسی پارٹی بنالی۔

اورلین پرست — اورلین کے ڈیوکوں کے حامی۔ اورلین کے ڈیوک بوربوں خاندان کی دوئم شاخ (بادشاہ کے چھوٹے

بیٹوں کی اولاد) سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ شاخ ۱۸۳۰ء کے جولائی انقلاب کے بعد برسر اقتدار آئی اور ۱۸۴۸ء کے انقلاب نے اسے معزول کر دیا۔ اورلین پرست مالیاتی اسرا اور بڑی بورژوازی کے مفادات کی نمائندگی کرتے تھے۔

دوسری جمہوریہ کے دوران میں (۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۱ء) جائز وارث پرستوں اور اورلین پرستوں دونوں پر ھی ''نظم وضبط،، کی متحدہ قدامت پرست پارٹی کا مرکزہ مشتمل تھا۔ صفحہ ۱۶۴

۶۰ - نپولین سوئم کے عہد حکومت میں فرانس نے کرائمیائی جنگ (۱۸۵۴ — ۵۵ء) میں روس کے خلاف حصہ لیا، اٹلی کی وجہ سے اسٹریا کے خلاف جنگ چھیڑی (۱۸۵۹ء)، برطانیہ کے ساتھ چین کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا (۱۸۵۶ء تا ۱۸۵۸ء اور ۱۸۶۰ء)، انڈوچائنا کو فتح کرنا شروع کیا (۱۸۶۰ — ۶۱ء)، شام (۱۸۶۰ — ۶۱ء) اور میکسیکو (۱۸۶۲ء تا ۱۸۶۷ء) پر چڑھائی کی اور پھر ۱۸۷۰ — ۷۱ء میں پرشا کے خلاف لڑا۔ صفحہ ۱۶۴

۶۱ - اینگلس نے جو اصطلاح استعمال کی ھے وہ لوئی نپولین والی دوسری سلطنت (۱۸۵۲ء — ۱۸۷۰ء) کے حکمراں حلقوں کی خارجہ پالیسی کے اصولوں کا اظہار کرتی ھے۔ نام نہاد ''قومیت کا اصول،، بڑی طاقتوں کے حکمراں طبقے اپنے قبضہ گیری کے منصوبوں اور غیرممالک پر حملوں کےلئے بطور نظریاتی نقاب استعمال کرتے تھے۔ صفحہ ۱۶۴

۶۲ - جرمن کنفڈریشن ۸ جون ۱۸۱۵ء کو ویانا کانگرس نے بنایا تھا۔ یہ مطلقیت پرست جاگیردارانہ جرمن ریاستوں کی ایک انجمن تھی۔ اس نے جرمنی کے سیاسی اور معاشی عدم اتحاد کو طول دینے میں مدد کی۔ صفحہ ۱۶۵

۶۳ - ۱۸۷۰ — ۷۱ء کی فرانسیسی پرشائی جنگ میں پرشا کی فتح کے نتیجے میں ایک جرمن سلطنت قائم ہو گئی جس میں

32*

آسٹریا شامل نہیں تھا۔ اسی لئے اس کا نام ''کوچک جرمن سلطنت،، پڑا۔ نپولین سوئم کی شکست نے فرانس میں انقلاب کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ اس انقلاب نے لوئی بوناپارٹ کو معزول کردیا اور ۴ ستمبر ۱۸۷۰ء کو ایک جمہوریہ قائم کردی۔ صفحہ ۱۶۵

۶۴ - بلانکی‌ازم — فرانسیسی سوشلسٹ تحریک میں ایک رجحان جس کی سرکردگی ممتاز انقلابی اور فرانسیسی یوٹوپیائی کمیونزم کے سربرآوردہ نمائندے لوئی آگستے بلانکی (۱۸۰۵ — ۸۱ء) کر رہے تھے۔ بلانکی والوں کا کمزور پہلو یہ تھا کہ وہ طبقاتی جدوجہد سے انکار کرتے تھے، انھیں یقین تھا کہ سازشیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت انقلاب کر سکتی ہے اور وہ انقلابی تحریک میں محنت کش عوام‌الناس کو شریک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ صفحہ ۱۶۵

۶۵ - پرودھوں‌ازم — پٹی بورژوا سوشلزم کا غیرسائنسی اور مارکسزم مخالف رجحان۔ اس کا نام اس رجحان کے بانی فرانسیسی انارکسٹ پرودھوں پر پرودھوں‌ازم پڑا۔ پٹی‌بورژوازی کے نقطۂ نظر سے بڑی سرمایہ‌دارانہ ملکیت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے پرودھوں چھوٹی نجی‌ملکیت ہمیشہ کے لئے قائم رکھنے کے خواب دیکھتے تھے۔ انھوں نے ایسے ''عوامی،، اور ''تبادلے،، کے بینک قائم کرنے کی تجویز کی جن کی مدد سے مزدور گویا ذرائع پیداوار کی ملکیت حاصل کرکے دستکار بن سکیں اور اپنی پیداوار کی ''منصفانہ،، فروخت کی ضمانت پاسکیں۔ پرودھوں پرولتاریہ کے تاریخی رول کو نہیں سمجھتے تھے اور انھوں نے طبقاتی جدوجہد، پرولتاری انقلاب اور پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کی مخالفت کی اور انارکسٹ نقطۂنظر اختیار کرکے ریاست کی ضرورت سے انکار کیا۔ مارکس اور اینگلس پرودھوں کی اس کوشش کے خلاف کہ اپنے خیالات پہلی انٹرنیشنل پر مسلط کرے مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ صفحہ ۱۶۵

۶۶ - یہ پانچ ارب فرانک کے تاوان جنگ کی طرف اشارہ ہے جو فرانس نے ۱۸۷۰ — ۷۱ء کی جنگ میں شکست کھانے کے بعد جرمنی کو ادا کیا تھا۔ صفحہ ۱۶۶

۶۷ - سوشلسٹ دشمن ہنگامی قانون بسمارک نے جرمنی میں ۱۸۷۸ء میں مزدور اور سوشلسٹ تحریک کے خلاف لڑنے کے مقصد سے نافذ کیا تھا۔ اس قانون کے تحت سوشل ڈیموکریٹک پارٹی، مزدوروں کی ساری عام تنظیموں اور مزدور طبقے کے پریس کی ممانعت کردی گئی۔ پھر بھی جرمن سوشل ڈیموکریسی کا بہترین حصہ غیرقانونی حالات میں کام کرتا رہا۔ مزدور طبقے کے جم غفیر پر اس کا اثر کم ہونا تو درکنار اور بھی بڑھ گیا۔ ۱۸۹۰ء میں رائخشٹاگ کے چناؤ میں تقریباً ۱۵ لاکھ ووٹروں نے سوشل ڈیموکریٹوں کو ووٹ دیا۔ حکومت ہنگامی قانون کو ۱۸۹۰ء میں منسوخ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ صفحہ ۱۶۷

۶۸ - عام حق رائےدھندگی اسپین میں بورژوا انقلاب (۱۸۶۸ — ۷۴ء) کے دوران میں ۱۸۶۸ء میں رائج کیا گیا اور ۱۸۶۹ء میں آئین نے اس کو منظور کیا۔ ۱۸۷۳ء میں اسپین میں جمہوریہ کا اعلان کیا گیا جو ۱۸۷۴ء تک قائم رہی۔ ۱۸۷۴ء میں شاہی الٹ پلٹ کے نتیجے میں اس کا خاتمہ ہوا۔ صفحہ ۱۶۷

۶۹ - عام حق رائے دھندگی بسمارک نے ۱۸۶۶ء میں شمالی جرمن رائخشٹاگ کے چناؤ کے لئے اور ۱۸۷۱ء میں متحدہ جرمن سلطت کے اور ۱۸۷۱ء میں متحدہ جرمن سلطت کے رائخشٹاگ کے چناؤ کے لئے رائج کیا تھا۔ صفحہ ۱۶۸

۷۰ - اینگلس نے اس مقدمے سے عبارت نقل کی ہے جو مارکس نے فرانسیسی مزدور پارٹی کے پروگرام پر لکھا تھا۔ یہ پروگرام ۱۸۸۰ء میں ہاور میں ایک کانگرس میں منظور کیا گیا۔ صفحہ ۱۶۸

۷۱ - ۴ ستمبر ۱۸۷۰ء کو لوئی بوناپارٹ کی حکومت کا تختہ انقلابی عوام الناس نے الٹ دیا اور ایک جمہوریہ کا اعلان کر دیا۔
۳۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو بلانکی والوں نے قومی دفاع کی حکومت کے خلاف ایک بغاوت کرنے کی ناکام کوشش کی۔
صفحہ ۱۷۳

۷۲ - واگرام کی لڑائی ۵ اور ۶ جولائی ۱۸۰۹ء کو اسی سال کی آسٹریائی فرانسیسی جنگ کے دوران میں ہوئی۔ نپولین بوناپارٹ کی سالاری میں فرانسیسی فوجوں نے آرک ڈیوک چارلس کی آسٹریائی فوج کو شکست دے دی۔
واٹرلو کی لڑائی ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کو ہوئی۔ نپولین کو شکست ہوئی۔ ۱۸۱۵ء کی مہم میں یہ لڑائی فیصلہ کن اہمیت کی حامل تھی۔ اس نے یورپی طاقتوں کے نپولین مخالف اتحاد کی قطعی فتح اور نپولین بوناپارٹ کی سلطنت کے خاتمے کا فیصلہ کر دیا۔ صفحہ ۱۷۴

۷۳ - اینگلس نے اس طویل جدوجہد کی طرف اشارہ کیا ھے جو میکلن برگ شویرن اور میکلن برگ اسٹریلٹز میں ڈیوکوں اور امرا کے درمیان چلی تھی اور جس کے نتیجے میں ۱۷۵۵ء میں امرا کے موروثی حقوق کے بارے میں روسٹوک میں آئینی قرارنامہ کیا گیا۔ اس قرارنامے نے امرا کی سابق آزادیوں اور مراعات کی تصدیق کردی اور لینڈٹاگ میں، جو سماجی امارت کے اصول پر منظم تھے، ان کے سربرآوردہ رول کا تحفظ کر دیا۔ اس نے ان کی نصف آراضی کو ٹیکس سے بھی بری کردیا، تجارت اور دستکاریوں پر ٹیکس مقرر کئے اور ریاستی اخراجات میں ان کی معاونت کا تعین کر دیا۔ صفحہ ۱۷۵

۷۴ - یہ ۱۸۶۶ء میں پرشا میں ھنوور کی سلطنت، ھسن کاسل کے صوبے اور نساؤ کی ڈچی کے شامل کر لئے جانے کی طرف اشارہ ھے جو کہ اسی سال آسٹریا اور چھوٹی جرمن ریاستوں کے خلاف جنگ میں پرشا کی جنگ کا نتیجہ تھا۔ صفحہ ۱۷۷

۷۵ - ۱ نومبر ۱۸۴۶ء کو آنینکوف نے پرودھوں کی کتاب کے بارے میں مارکس کو لکھا کہ ''سچ تو یہ ہے کہ مجھے تو اس کتاب کا خاکہ ایک معین موضوع کے تجزیے اور منطقی ارتقا کے لازمی نتیجے کی بجائے ایک ایسے انسان کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے جس نے جرمن فلسفے کے ایک چھوٹے سے حصے پر ایک نظر ڈال لی ہے۔'' صفحہ ۱۸۰

۷۶ - یہاں مارکس نے ''سرمایہ،، کی جلد اول کے پہلے جرمن ایڈیشن کے پہلے باب (''اجناس تجارت اور زر،،) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسرے اور بعد کے جرمن ایڈیشنوں میں حصہ اول اس باب کے عین مطابق ہے۔ صفحہ ۱۹۵

۷۷ - Bellum omnium contra omnes (سب کے خلاف سب کی جدوجہد) — یہ جملہ ہوبس کی تصانیف ''شہری،، اور ''لیویافان،،، باب ۱۳ — ۱۴ میں ملتا ہے۔ صفحہ ۱۹۹

۷۸ - یہ بارتھ کی کتاب ''مارکس اور ہارٹمان تک ہیگل اور ہیگلیوں کا فلسفۂ تاریخ،، کا ذکر ہے۔ صفحہ ۲۰۱

۷۹ - م۔ ورتھ، ''ہیگل کے سلسلے میں شرمناک حرکتیں اور معاصرانہ جرمنی میں ان پر مظالم،،۔ صفحہ ۲۰۱

۸۰ - بیونگک نے، جن کا ارادہ سوشلزم پر ایک لیکچر دینے کا تھا، اینگلس کے نام اپنے خط مورخہ ۱۶ اگست ۱۸۹۰ء میں اینگلس سے سوال کیا کہ سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان تعلیم اور شعور کی سطح وغیرہ کے موجودہ فرق کو دیکھتے ہوئے کیا سوشلسٹ تشکیلات نو کرنا ممکن اور مناسب ہوگا۔ صفحہ ۲۰۳

۸۱ - ملاحظہ ہو تشریحی نوٹ نمبر ۲۹ - صفحہ ۲۱۲

۸۲ - ملاحظہ ہو تشریحی نوٹ نمبر ۳۲ - صفحہ ۲۱۴

۸۳ - ملاحظہ ہو تشریحی نوٹ نمبر ۳۶ - صفحہ ۲۱۴

۸۴ - فریڈرک اینگلس، ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ،، ملاحظہ ہو - صفحہ ۲۱۵

۸۵ - بارتھ کی تصنیف ''مارکس اور ہارٹمان تک ہیگل اور ہیگلیوں کا فلسفۂ تاریخ،، کا ذکر ہے - صفحہ ۲۱۵

۸۶ - بارتھ کی تصنیف ''مارکس اور ہارٹمان تک ہیگل اور ہیگلیوں کا فلسفۂ تاریخ،، کا ذکر ہے - صفحہ ۲۱۷

۸۷ - تقوی پرستی (لاطینی لفظ pietas — تقوی — سے مشتق) - ۱۷ ویں صدی کے آخر اور ۱۸ ویں صدی کے نصف اول میں مغربی یورپ کے پروٹسٹنٹوں میں مذہبی باطنیت‌پرستی کا رجحان - صفحہ ۲۲۰

۸۸ - یہ گولیخ کی تصنیف ''ہمارے عہد کی اہم‌ترین تجارتی ریاستوں کی تجارت، صنعت و زراعت کا تاریخی بیان،، کا ذکر ہے - صفحہ ۲۲۲

۸۹ - اینگلس کی تصنیف ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ،، کا ذکر ہے - صفحہ ۲۲۲

۹۰ - ۱۸۹۳ء کے اواخر میں رسالہ ''روسکویے بگاتستوو،، (''روسی دولت،،)، جو لبرل نرودنیکوں (نوٹ نمبر ۱۱۵ دیکھئے) کا مرکز اجتماع تھا، اور دوسرے نرودنیک رسالوں نے مارکسزم کی مخالفت شروع کردی - ان رسالوں نے ایسے مضامین شائع کئے جن میں سماج، انقلاب اور سوشلزم کے بارے میں مارکس کی تعلیمات کو مسخ کیا جاتا تھا -

لینن کی کتاب '' ''عوام کے دوست، کون ہیں اور وہ سوشل ڈیموکریٹوں سے کیسے لڑتے ہیں،، نے نرودنیکوں کو نظریاتی شکست دینے میں اہم حصہ ادا کیا -

اپنی کتاب میں لینن نے نرودنیکوں کو ایسے عینیت‌پرستوں کی حیثیت سے بےنقاب کیا جو سماجی ارتقا کی معروضی

نوعیت سے اور تاریخ میں عوام‌الناس کے فیصلہ کن رول سے انکار کرتے ھیں۔ اس کے مقابلے میں لینن نے سماجی زندگی کا مادیت پسندانہ تصور پیش کیا۔ انھوں نے سماج کے بارے میں مارکس کی تعلیمات پیش کیں اور دکھایا کہ تاریخ کی روش کا تعین ارتقا کے معروضی قوانین سے ھوتا ھے اور سماجی ارتقا کی اصل محرک قوت عوام، طبقے اور ان کی جدوجہد ھیں۔ صفحہ ۲۲۵

۹۱ - یہ ن۔ ک۔ میخائیلوفسکی کے مضمون ''کارل مارکس کے خلاف جناب ژوکوفسکی کا مقدمہ،، کا ذکر ھے جو رسالہ ''اوتیچیستوینّی زاپیسکی،،، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۱۸۷۷ء میں شائع ھوا تھا۔ صفحہ ۲۲۷

۹۲ - ''روسکویے بگاتستوو،، (''روسی دولت،،) — یہ رسالہ پیٹرسبرگ میں ۱۸۷۶ء سے ۱۹۱۸ء کے وسط تک شائع ھوتا رھا۔ صفحہ ۲۲۸

۹۳ - ملاحظہ ھو کارل مارکس، ''سرمایہ،،، جلد اول، پہلے جرمن ایڈیشن کا دیباچہ۔ صفحہ ۲۲۹

۹۴ - یہ مارکس کی تصنیف ''ھیگل کے فلسفۂ حق کی تنقید،، کا ذکر ھے جو ۱۸۴۳ء کی گرمیوں میں لکھی گئی تھی۔ صفحہ ۲۳۱

۹۵ - «Contrat Social» — ژاں ژاک روسو کی اھم تصنیف جو ۱۷۶۲ء میں شائع ھوئی تھی۔ اس کا خاص خیال یہ ھے کہ ھر سماجی نظام لوگوں کے درمیان ایک آزادانہ معاھدے کا نتیجہ ھونا چاھئے۔ یہ نظریہ اگرچہ بنیادی طور پر عینیت پرستانہ تھا پھر بھی یہ اٹھارویں صدی کے فرانسیسی بورژوا انقلاب سے ذرا ھی پہلے پیش کیا گیا تھا اور اس نے ایک انقلابی رول ادا کیا۔ اس نے بورژوا مساوات، جاگیردارانہ طبقاتی مراعات

کے خاتمے اور ایک بورژوا جمہوریہ کے قیام کے مطالبے کا اظہار کیا - صفحہ ۲۳۲

۹۶ - یہ کارل مارکس کے اس خط کا ذکر ہے جو انھوں نے ''اوتیچیستوینی زاپیسکی،، کی مجلس ادارت کو لکھا تھا - صفحہ ۲۴۱

۹۷ - ملاحظہ ہو اینگلس، ''قاطع ڈیورنگ - سائنس میں جناب یوگینی ڈیورنگ کا انقلاب،، (حصہ دوئم، سیاسی معاشیات - باب اول - موضوع اور طریق کار) - صفحہ ۲۴۱

۹۸ - ''جرمن نظریہ،، مارکس اور اینگلس نے ۱۸۴۵ء اور ۱۸۴۶ء میں مشترکہ طور پر لکھی تھی -
''جرمن نظریہ،، کی جو تخصیص اینگلس نے دی ہے وہ ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ،، کے مقدمے سے لی گئی ہے - صفحہ ۲۴۲

۹۹ - ملاحظہ ہو اینگلس، ''خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز ،، کے پہلے جرمن ایڈیشن کا مقدمہ - صفحہ ۲۴۳

۱۰۰ - ہم نسبی تنظیم — ابتدائی برادری کا نظام یا تاریخ انسانی میں پہلی سماجی و معاشی تشکیل ہے - صفحہ ۲۴۶

۱۰۱ - باجگذاری کا نظام — جاگیردارانہ ملکیت کی مختص صورت جو پندرھویں اور خاص طور سے سولھویں صدی میں روس میں نمودار اور قائم ہوئی - جاگیروں کی زمینیں جاگیردارانہ ریاست کی ملکیت سمجھی جاتی تھیں اور انھیں حکومت ان لوگوں میں تقسیم کرتی تھی جو فوج میں یا دربار میں خدمت انجام دیتے تھے - جاگیر ان امرا کی مشروط اور عارضی جائیداد ہوتی تھی جو یہ خدمات انجام دیتے تھے -
توارث کے بارے میں پیٹر اول کے فرمان کے بعد،

جو ۱۷۱۴ء میں جاری کیا گیا تھا، جاگیر ہمیشہ کےلئے مالک زمین امرا کی ذاتی جائیداد بن گئی۔ صفحہ ۲۴۹

۱۰۲ - لینن نے رجعت پرست اخبار ''نوویے وریمیا،، (''نیا زمانہ،،) کے ایک معاون و۔ بورینن کا نام بحث کے غیر دیانتدارانہ طریقوں کو ظاہر کرنے کےلئے عام نام کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔ صفحہ ۲۵۳

۱۰۳ - ''نوویے وریمیا،، (نیا زمانہ)۔ ایک روزانہ اخبار جو ۱۸۶۸ء سے ۱۹۱۷ء تک سینٹ پیٹرسبرگ سے شائع ہوا۔ پہلے وہ ایک حد تک لبرل تھا لیکن ۱۸۷۶ء سے طبقۂ امرا اور طبقۂ حکام کے رجعت پرست حلقوں کا ترجمان بن گیا۔ صفحہ ۲۵۷

۱۰۴ - روسی قصہ نویس کریلوف کے ایک قصے کے الفاظ۔ صفحہ ۲۵۷

۱۰۵ - ملاحظہ ہو اینگلس، ''خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز،، کے پہلے ایڈیشن کا مقدمہ۔ صفحہ ۲۶۰

۱۰۶ - تثلیث (یونانی زبان میں Trias) — فلسفے میں سہ منزلہ ارتقا کا فارمولا۔ ہیگل کے عینیت‌پرست فلسفے میں تثلیث کو سب سے زیادہ ہمہ‌پہلو ترقی حاصل ہوئی جو یہ سمجھتے تھے کہ ہر ارتقائی عمل تین منزلوں سے گزرتا ہے: دعوی، ضد دعوی، ترکیب۔ دوسری منزل پہلی منزل کی نفی ہے اور اول‌الذکر تک عبور اپنی ضد میں تبدیلی ثابت ہوتا ہے۔ تیسری منزل دوسری منزل کی نفی یعنی نفی کی نفی ہوا کرتی ہے اور درحقیقت ابتدائی شکل کی طرف واپسی ہے جس کی نئی بلندتر بنیاد اور نیا مافیہ ہوتا ہے۔ ہیگل کی تثلیث ایسا خاکہ ہے جس کے مطابق حقیقت کو مصنوعی طور پر ڈھالا جاتا تھا۔ تشکیل کے خاکے کی من مانی تشکیل بندی فطرت اور معاشرے کی حقیقی ترقی کو مسخ کرتی تھی۔ صفحہ ۲۶۳

۱۰۷ - ملاحظه هو اینگلس ''قاطع ڈیورنگ،، (پہلا حصه - فلسفه - تیرھواں باب - جدلیات - نفی کی نفی) - صفحه ۲۶۳

۱۰۸ - ''وستنیک یوروپی،، (''یورپی قاصد،،) - ایک ماهانه تاریخی سیاسی اور ادبی رساله، رجحان کے اعتبار سے لبرل بورژوا - سینٹ پیٹرس برگ سے ۱۸۶۶ء سے ۱۹۱۸ء تک شائع هوا - صفحه ۲۶۶

۱۰۹ - اس مضمون کے مصنف سینٹ پیٹرس برگ کے پروفیسر کاؤفمان تھے - صفحه ۲۶۶

۱۱۰ - Logos — فلسفیانه اصطلاح جسے هراقلیطس نے دنیا کی ترقی کے عام ضابطے کو ظاهر کرنے کےلئے استعمال کیا تھا - بعد میں عینیت پرستوں نے اس اصطلاح کو ''عقل کل،،، روح کل کو ظاهر کرنےوالی اصطلاح میں تبدیل کیا - صفحه ۲۷۵

۱۱۱ - یه مارکس کی تصنیف ''سرمایه،، کی جلد اول کے دوسرے ایڈیشن کے پس لفظ کا ذکر هے - صفحه ۲۷۶

۱۱۲ - ''اوتیچیستوینںی زاپیسکی،، (نگارشات وطن) — ایک ادبی سیاسی رساله جو سینٹ پیٹرس برگ سے ۱۸۲۰ء میں شائع هونا شروع هوا - اسے سنسر نے برابر عاجز کیا اور زارشاهی حکومت نے اپریل ۱۸۸۴ء میں بند کر دیا - صفحه ۲۷۷

۱۱۳ - یه مندرجهٔ ذیل مقاله کا ذکر هے جو مارکس اور اینگلس نے ''کمیونسٹ پارٹی کا مینی فسٹو،، میں وضع کیا تھا: ''کمیونسٹوں کے نظریاتی نتائج کسی طرح بھی ایسے خیالات اور اصولوں پر مبنی نہیں هیں جنھیں کسی نام نہاد آفاقی مصلح نے ایجاد یا دریافت کیا هو - وه عام الفاظ میں ان واقعی رشتوں کا محض اظہار کرتے هیں جو ایک موجود

طبقاتی جدوجہد سے، ایک ایسی تاریخی تحریک سے پیدا ہو رہے ہیں جو ہماری نظروں کے سامنے جاری ہے۔ ،، (اس کتاب کا صفحہ ۴۳ ملاحظہ ہو)۔ صفحہ ۲۸۲

۱۱۴ - ملاحظہ ہو اینگلس ''قاطع ڈیورنگ،، (حصہ اول، فلسفہ، نواں باب، اخلاق اور قانون۔ دائمی سچائیاں)۔ صفحہ ۲۸۳

۱۱۵ - یہ نرودنیکوں کے سوشلزم کا ذکر ہے۔ نرودیت — روس میں ایک نظریاتی اور سیاسی رجحان جو انیسویں صدی کی ساتویں اور آٹھویں دہائیوں میں پیدا ہوا۔ نرودنیک انقلابی تحریک میں مزدور طبقے کے رہنمایانہ رول سے انکار کرتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ چھوٹی جائیداد کے مالک اور کسان سوشلسٹ انقلاب کر سکتے ہیں۔ وہ گاؤں کی برادری کو، جو کہ دراصل روسی دیہات میں جاگیرداری اور نیم کسان غلامی کی باقیات میں سے تھے، سوشلزم کا نقش اول سمجھتے تھے۔ ان کے سوشلزم کی بنیاد سماج کے حقیقی ارتقا پر نہیں تھی۔ ان کا سوشلزم محض ایک فقرہ، ایک خواب، ایک نیک خواہش تھی۔

کسانوں کو شخصی شاہی کے خلاف جدوجہد پر آمادہ کرنے کی کوشش میں نرودنیک گاؤں میں ''عوام کے درمیان،، (روسی زبان میں ''نرود،، کے معنی عوام ہوتے ہیں، اسی سے ان لوگوں نے اپنا نام رکھا تھا) گئے لیکن وہاں انہیں کوئی حمایت نہیں حاصل ہوئی۔

نویں اور آخری دہائی میں یہ لوگ زارشاہی سے سمجھوتے کرنے لگے۔ وہ امیر کسانوں کے مفادات کا اظہار کرتے تھے اور مارکسزم کے خلاف انتھک جدوجہد کرتے تھے۔ صفحہ ۲۸۶

۱۱۶ - یہ میخائیلوفسکی کے مضامین ''کارل مارکس کی کتاب کے روسی ایڈیشن کے سلسلے میں،، (۱۸۷۲ء) اور ''کارل مارکس کے خلاف جناب ژوکوفسکی کا مقدمہ،، (۱۸۷۷ء) کا ذکر ہے۔ صفحہ ۲۸۶

۱۱۷ - لینن نے روگے کے نام مارکس کے خط (مورخہ ستمبر ۱۸۴۳ء) سے اقتباس پیش کیا ہے۔ صفحہ ۲۹۰

۱۱۸ - یہ س - ن - یوژاکوف کا ذکر ہے (ملاحظہ ہو ناموں کا اشاریہ)۔ صفحہ ۲۹۱

۱۱۹ - ملاحظہ ہو مارکس کی تصنیف ''سرمایہ،، کی جلد اول کے دوسرے ایڈیشن کا پس لفظ۔ صفحہ ۳۰۰

۱۲۰ - لینن نے روگے کے نام مارکس کے خط (مورخہ ستمبر ۱۸۴۳ء) سے اقتباس پیش کیا ہے۔ صفحہ ۳۰۰

۱۲۱ - تشریحی نوٹ نمبر ۶۵ دیکھئے۔

۱۲۲ - باکوننی – ایک رجحان کے نمائندے جو نراجیت پسندوں کے نظریہ ساز باکونن کے نام سے موسوم ہے۔ باکوننیوں نے مارکسی نظریے کے خلاف اور مزدور طبقے کی تحریک کے مارکسی طریق کار کے خلاف سخت جدوجہد کی۔ ان کا بنیادی اصول ریاست کی ہر صورت کو رد کرنا تھا جس میں پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ بھی شامل تھی۔ اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ وہ پرولتاریہ کے عالمی تاریخی رول کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کسی خفیہ انقلابی انجمن کو، ایک خاص ''نظر نہ آنے والی ڈکٹیٹرشپ،، جو ''ممتاز،، افراد پر مشتمل ہو، عوامی بغاوت کی رہنمائی کرنا ہے، جس کے بعد ایک ''بے ریاستی،، سماجی نظام کا اعلان کر دیا جائے گا۔

انٹرنیشنل میں داخل ہوکر باکونین نے جنرل کونسل پر کنٹرول حاصل کرنے کو اپنا مقصد بنا لیا۔ انھوں نے مارکس کے خلاف جدوجہد کی اور اس میں بغیر کسی پس و پیش کے ہر طرح کے ذریعے استعمال کئے۔ ۱۸۷۲ء میں ہیگ کانفرنس میں نراجیت پسندی کے رہنماؤں باکونن اور گیلاسے کو ان کی بدنظمی کی سرگرمیوں کی بنا پر پہلی انٹرنیشنل سے نکال دیا گیا۔ مارکس اور اینگلس نے باکوننیوں کے نظریے

اور ان کی سہم پسندانہ تدبیروں کی سخت تنقید کی۔
صفحہ ۳۰۳

۱۲۳ - برنشٹائینیت — بین الاقوامی سوشل ڈیموکریسی میں ایک مارکسزم مخالف موقع پرستانہ رجحان جو ۱۹ ویں صدی کے اواخر میں جرمنی میں پیدا ہوا۔ اس کا نام ترمیم پرستی کے سب سے زیادہ پرجوش نظریہ ساز ایڈوارڈ برنشٹائن کے نام پر پڑا۔ (برنشٹائن کے لئے ملاحظہ ہو ناموں کا اشاریہ۔)
صفحہ ۳۰۴

۱۲۴ - سوشلسٹ انقلابیوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ایک پٹی بورژوا پارٹی ہے جو روس میں ۱۹۰۱ء کے آخر اور ۱۹۰۲ء کے شروع میں مختلف نرودنیک جماعتوں اور حلقوں کو ملا کر بنائی گئی تھی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو سوشلسٹ کہتے تھے لیکن ان کا سوشلزم سائنسی سوشلزم یعنی مارکسزم سے بالکل مختلف تھا۔ ان کا سوشلزم دراصل پٹی بورژوا یوٹوپیائی سوشلزم تھا۔

سوشلسٹ انقلابیوں کا مطالبہ تھا کہ مساویانہ پٹے کی بنیاد پر زمین جوتنے والوں کے نام منتقل کر دی جائے۔ اس طرح انھیں یہ توقع تھی کہ زمین ''اشتراکی بنائی جائیگی،،۔ لیکن سرمایہ‌دارانہ پیداواری رشتوں کے حالات میں ''مساویانہ اراضی پٹے،، کا مطلب سوشلزم کی طرف عبور نہ ہوتا بلکہ صرف یہ ہوتا کہ دیہات سے نیم جاگیردارانہ رشتے ختم ہو جاتے اور سرمایہ‌دارانہ ارتقا تیز رفتار ہو جاتا۔

سوشلسٹ انقلابی پرولتاریہ اور کسان طبقے کے درمیان کسی طبقاتی امتیاز کو تسلیم نہ کرتے تھے، کسان طبقے کے اندر طبقاتی پرت بندی اور تضادات کو — محنت کش کسانوں اور امیر کسانوں کے درمیان — نظرانداز کرتے تھے اور انقلاب میں پرولتاریہ کے رہنمایانہ رول سے انکار کرتے تھے۔ زارشاہی کے خلاف ان کی جدوجہد کا خاص طریق کار انفرادی دہشت پسندی کا تھا۔

۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۷ء کے انقلاب کی شکست کے بعد بہت سے سوشلسٹ انقلابیوں نے بورژوا اعتدال‌پسندی کا موقف اختیار کیا۔ فروری ۱۹۱۷ء میں بورژوا جمہوری انقلاب کی فتح کے بعد منشویکوں کے ساتھ سوشلسٹ انقلابی ھی انقلاب دشمن عارضی حکومت کا اصل سہارا تھے اور ان کی پارٹی کے لیڈران حکومت میں شامل تھے۔ سوشلسٹ انقلابی پارٹی نے زمینداروں کی زمینی ملکیت کو ختم کرنے کے کسان مطالبے کی حمایت کرنے سے انکار کیا۔ عارضی حکومت کے سوشلسٹ انقلابی وزیروں نے ان کسانوں کے خلاف تعزیری مہمیں روانہ کیں جنھوں نے زمینی تعلقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کے بعد بورژوازی زمینداروں اور بیرونی مداخلت پسندوں کے ساتھ سوشلسٹ انقلابیوں نے بھی سوویت اقتدار کے خلاف مسلح جنگ کی۔ صفحہ ۳۰۴

۱۲۵۔ نوکانٹی — بورژوا فلسفے کے ایک رجعت پرستانہ رجحان کے نمائندے جو ۱۹ ویں صدی کے وسط میں جرمنی میں پیدا ہوا۔ نوکانٹیوں نے کانٹ کے فلسفے کے سب سے زیادہ رجعت پرست، عینیت پرست تصورات کو قبول کر لیا لیکن اس میں مادیت پسندی کے جو بھی عناصر تھے انھیں رد کر دیا۔ ”کانٹ سے رجوع کرو“ کے نعرے کے تحت انھوں نے کانٹ کی عینیت پرستی کے احیاء کے لئے تبلیغ کی اور جدلیاتی اور تاریخی مادیت‌پسندی کے خلاف جدوجہد کی۔ صفحہ ۳۰۴

۱۲۶۔ یہ ضمنی افادیت کے نظریہ کا ذکر ھے جو ۱۸ ویں صدی میں پیش کیا گیا تھا۔ ۱۹ ویں صدی میں سیاسی معاشیات کے آسٹریائی مکتب (بیم باویرک، مینگر وغیرہ) نے اس کی حمایت کی۔ اس مکتب کے معاشیات‌داں اصرار کرتے تھے کہ قدر کا ماخذ سماجی اعتبار سے ضروری محنت نہیں بلکہ کسی جنس‌تجارت کی افادیت ھے۔ اس سلسلے میں کسی حاصل شدہ جنس تجارت میں آخری اضافے کی افادیت فیصلہ کن اہمیت رکھتی ھے جو خریدار کی سب سے کم اشد ضرورت

پوری کرتی ہے (اگر کسی کے پاس ۱۰ روٹیاں ہیں تو یہ آخری روٹی کی افادیت ہوگی)۔ کسی جنس تجارت کی ''ضمنی افادیت،، کی سطح کا دارومدار اس کی مانگ پر، اس کی کمیابی وغیرہ پر ہوتا ہے۔ صفحہ ۳۰۶

۱۲۷ - یہ ذکر ۱۸۷۱ء کے پیرس کمیون کا اور دسمبر ۱۹۰۵ء میں ماسکو اور دوسرے شہروں میں مسلح بغاوتوں کا ہے جو کہ ۰۷ — ۱۹۰۵ء کے پہلے روسی انقلاب کا نقطۂ عروج تھیں۔ صفحہ ۳۰۹

۱۲۸ - کیڈیٹ — آئینی جمہوری پارٹی کے ممبران۔ یہ روس میں لبرل شاہ‌پرست بورژوازی کی خاص پارٹی تھی۔ اس کی بنیاد اکتوبر ۱۹۰۵ء میں رکھی گئی تھی اور بورژوازی، زمینداروں اور بورژوا دانشوروں کے نمائندے اس کے ممبر تھے۔ انقلابی تحریک کے خلاف جدوجہد کیڈیٹ اپنا بنیادی مقصد سمجھتے تھے اور زار اور زمین‌داروں کے ساتھ برسراقتدار آنے کی کوشش کرتے تھے۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران میں کیڈیٹوں نے زارشاہی حکومت کی قابضانہ خارجہ پالیسی کی سرگرم حمایت کی۔ فروری ۱۹۱۷ء کے بورژوا جمہوری انقلاب کے دوران میں انھوں نے مطلق العنانی کو بچانے کی کوشش کی۔ بورژوا عارضی حکومت میں رہنمایانہ رول ادا کرتے ہوئے کیڈیٹ عوام‌دشمن، انقلاب‌دشمن پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی فتح کے بعد وہ سوویت اقتدار کے سخت دشمن ہوگئے۔ صفحہ ۳۰۹

۱۲۹ - ملیرانیت — ایک موقع پرستانہ رجحان جو فرانسیسی سوشلسٹ اصلاح پرست ملیران سے موسوم ہے جو ۱۸۹۹ء میں فرانس کی رجعت پرست بورژوا حکومت میں شریک ہو گئے اور انھوں نے اس کی عوام مخالف پالیسیوں کی حمایت کی۔ صفحہ ۳۰۹

۱۳۰ - کٹرخیال — ان جرمن سوشل ڈیموکریٹوں کو کہا جاتا

تھا جو مارکسزم میں ترمیم کی مخالفت کرتے تھے۔
صفحہ ۳۱۰

۱۳۱ - گیڈیسٹ — ۱۹ ویں صدی کے اواخر اور ۲۰ ویں صدی کے اوائل میں ایک انقلابی مارکسی رجحان جس کے رہنما ژولے گیڈ اور پال لافارگ تھے۔ ۱۸۸۲ء میں فرانس کی مزدور پارٹی میں پھوٹ ہونے کے بعد گیڈیسٹوں نے ایک الگ پارٹی بنا لی لیکن اپنا پرانا نام برقرار رکھا اور ھارو پارٹی پروگرام کے وفادار رہے جو ۱۸۸۰ء میں منظور کیا گیا تھا اور جس کا نظریاتی حصہ مارکس نے لکھا تھا۔ ان لوگوں نے پرولتاریہ کی آزادانہ انقلابی پالیسی کی وکالت کی۔
۱۹۰۱ء میں انقلابی طبقاتی جدوجہد کے سارے علمبرداروں نے گیڈ کی رہنمائی میں فرانس کی سوشلسٹ پارٹی بنا لی (جس کے ممبران اپنے رہنما کے نام پر گیڈیسٹ کہے جانے لگے)۔

ژوریسیسٹ — فرانسیسی سوشلسٹ ژاں ژوریس کے پیرو جنھوں نے ملیران کے ساتھ مل کر ۱۹ ویں صدی کی آخری دھائی میں ''آزاد سوشلسٹوں،، کی ایک جماعت بنا لی تھی اور جو فرانسیسی سوشلسٹ تحریک کے دائیں، اصلاح پرست بازو کے سربراہ تھے۔ ۱۹۰۲ء میں ان لوگوں نے فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی بنائی جو اصلاح پرستانہ اصولوں پر قائم رہی۔

بروسیسٹ (امکان پرست) — ایک پٹی بورژوا، اصلاح پرست رجحان جس کے رہنما مالون، بروس وغیرہ تھے۔ ان لوگوں نے پرولتاریہ کے انقلابی پروگرام اور طریق کار کو رد کر دیا اور مزدور تحریک کے سوشلسٹ مقاصد کی لیپاپوتی کرنے لگے۔ ان لوگوں نے تجویز کیا کہ مزدوروں کو اپنی تحریک ان چیزوں تک محدود رکھنی چاھئے جو سرمایہداری کے حالات میں ''ممکن،، ھیں۔ ۱۹۰۲ء میں دوسری اصلاح پرست جماعتوں کے ساتھ مل کر امکان پرستوں نے فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۰۵ء میں فرانس کی سوشلسٹ پارٹی اور فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی نے متحد ھوکر ایک ھی پارٹی بنالی جس نے موخرالذکر نام اپنا لیا۔ صفحہ ۳۱۰

۱۳۲ - سوشل ڈیموکریٹک فیڈریشن ۱۸۸۴ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کے لیڈروں میں اصلاح پرست (ہائنڈمان وغیرہ)، نراجیت پسند اور انقلابی سوشل ڈیموکریٹ (ہیری کوئیلچ، ٹامس مان اور دوسرے لوگ) تھے۔ موخر الذکر گروہ برطانیہ کی سوشلسٹ تحریک کے بائیں بازو کی تشکیل کرتا تھا۔

۱۹۰۷ء میں سوشل ڈیموکریٹک فیڈریشن کا نام سوشل ڈیموکریٹک پارٹی رکھا گیا جس نے ۱۹۱۱ء میں آزاد لیبرپارٹی کے بائیں بازو کے عناصر کے ساتھ مل کر برطانوی سوشلسٹ پارٹی بنائی۔ ۱۹۲۰ء میں اس پارٹی، نیز کمیونسٹ اتحاد جماعت نے برطانیہ کی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھنے میں اہم حصہ ادا کیا۔

برطانیہ کی انڈپنڈنٹ آزاد لیبر پارٹی — ایک اصلاح پرست تنظیم جو ۱۸۹۳ء میں قائم کی گئی تھی۔ انڈپنڈنٹ لیبر پارٹی کی ممبری ''نئی ٹریڈیونینوں،، اور کچھ پرانی ٹریڈیونینوں کے ممبروں نیز دانشوروں اور پٹی بورژواؤں پر مشتمل تھی۔ اس پارٹی کے لیڈر کائر ہارڈی تھے۔

انڈپنڈنٹ لیبر پارٹی کا موقف بورژوا اصلاح پرستانہ تھا۔ اس نے اپنی خاص توجہ جدوجہد کی پارلیمانی شکل پر اور لبرل پارٹی کے ساتھ پارلیمانی سمجھوتے کرنے پر لگا رکھی تھی۔ صفحہ ۳۱۰

۱۳۳ - اینٹیگرالیسٹ — نام‌نہاد ''سالم،، سوشلزم کے نمائندے۔ یہ پٹی بورژوا سوشلزم کی ایک قسم تھی جو اطالوی سوشلسٹ پارٹی میں میانہ‌روی کا ایک رجحان تھا۔ اس کے رہنما انریکو فیری تھے۔ ۱۹۰۰ء کے بعد کی دہائی میں اینٹیگرالیسٹوں نے بہت سے سوالوں پر اصلاح پرستوں سے لڑائی لڑی جنھوں نے انتہا درجے کے موقع پرستانہ موقف اختیار کئے تھے اور رجعت پرست بورژوازی کے ساتھ اشتراک کرتے تھے۔ صفحہ ۳۱۰

۱۳۴ - منشویک اور بالشویک — روسی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے دو بازو۔ ۱۹۰۳ء میں روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر

پارٹی کی دوسری کانگرس میں ایک طرف انقلابی بازو جو لینن کے حامیوں پر مشتمل تھا، اور دوسری طرف موقع پرستانہ بازو جس کی رہنمائی مارتوف کر رہے تھے، الگ ہو گئے۔ پارٹی کے مرکزی اداروں کے چناؤ میں انقلابی سوشل ڈیموکریٹوں کو اکثریت حاصل ہوئی جبکہ موقع پرست اقلیت میں رہ گئے (اکثریت کے لئے روسی لفظ ہے ''بالشنستوہ،، اور اقلیت کےلئے ''منشنستوہ،،) اسی لئے ان کے نام بالشویک اور منشویک پڑ گئے۔

۰۷—۱۹۰۵ء کے پہلے روسی انقلاب کے دوران میں منشویکوں نے انقلاب میں مزدور طبقے کی بالا دستی اور انقلابی کسان طبقے کے ساتھ مزدوروں کے اتحاد کی مخالفت کی۔ اس انقلاب کی شکست کے بعد، رجعت کے زمانے میں زیادہ‌تر منشویک اس خیال کے حامی ہو گئے کہ پارٹی کو توڑ دینا چاہئے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ مزدور طبقے کی انقلابی غیر قانونی پارٹی کو توڑ کر ایک قانونی پارٹی بنائی جائے جو انقلابی جدوجہد کو ترک کر دے اور اپنی سرگرمیوں کو رجعت پرست مطلق‌العنان حکمرانی کے حالات کے مطابق ڈھال لے۔ ۱۹۱۷ء میں منشویک عارضی حکومت میں شامل ہو گئے۔ اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی فتح کے بعد ان لوگوں نے سوویت ریاست کے خلاف انقلاب دشمن جدوجہد میں حصہ لیا۔ صفحہ ۳۱۰

۱۳۵ - ''انقلابی سینڈی کالزم،، — ایک پٹی بورژوا نیم نراجیت پسند رجحان جو کئی مغربی یورپی ملکوں کی مزدور تحریک میں ۱۹ ویں صدی کے آخر میں نمودار ہوا۔

سینڈی کالسٹوں کو اس بات کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی تھی کہ مزدور طبقہ سیاسی جدوجہد میں مصروف ہو، اور یہ لوگ مزدور طبقے کی پارٹی کے رہنمایانہ رول سے بھی انکار کرتے تھے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ مزدوروں کی ایک عام ہڑتال منظم کرکے، ٹریڈیونینیں (فرانس میں سینڈیکیٹ) انقلاب کے بغیر ہی سرمایہ‌داری کا تختہ

الٹ سکتی ھیں اور پیداوار پر کنٹرول حاصل کر سکتی ھیں ۔
صفحہ ۳۱۱

۱۳۶ - ریاستی دوما — نمائندہ ادارہ جو زار کی حکومت ۱۹۰۵ء کے انقلابی واقعات کی وجہ سے قائم کرنے پر مجبور ہوئی ۔ رسمی طور پر ریاستی دوما آئین ساز ادارہ تھی لیکن عملی طور پر کوئی اختیار نہیں رکھتی تھی ۔ اس کے لئے براہ راست، مساوی اور عام انتخابات نہیں ہوتے تھے ۔ محنت کش طبقوں اور روس کی غیرروسی قومیتوں کی آبادی کا حق رائےدھی بہت ھی محدود تھا اور مزدوروں اور کسانوں کے کافی بڑے حصے کو حق رائےدھی تھا ھی نہیں ۔ صفحہ ۳۱۷

۱۳۷ - ''ویخی،، (''نشان راہ،،) — مضامین کا ایک مجموعہ جس میں ممتاز کیڈیٹوں اور ان کے ھم خیال دوسرے صحافیوں کے مضامین شامل تھے ۔ یہ ماسکو میں ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا تھا ۔ ان مضامین میں روسی اعتدال پسندی کے نمائندوں نے روس میں تحریک آزادی کی انقلابی جمہوری روایتوں سے اپنے آپ کو بری قرار دیا، ۱۹۰۵ — ۰۷ء کے انقلاب کی مذمت کی اور زارشاھی حکومت کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ''اپنی سنگینوں اور جیلوں کے ذریعے،، سماج کے صاحب مراعات حصوں کو ''عوام کے غیض و غضب سے بچایا،، ۔ صفحہ ۳۱۹

۱۳۸ - کٹر رجعت پرست — یہ نام روسی سیاسی ادب میں رجعت پرست زمیندار طبقے کے انتہائی دائیں بازووالے نمائندوں کو دیا گیا تھا ۔ صفحہ ۳۱۹

۱۳۹ - اوت زووازم (روسی لفظ اوتوزوات، اس کے معنی واپس بلانا ھیں) — ایک موقع پرستانہ رجحان جس کی نمائندگی بالشویکوں کا ایک چھوٹا سا حصہ کرتا تھا ۔ یہ رجحان ۱۹۰۵ — ۰۷ء کے انقلاب کی شکست کے بعد پیدا ہوا ۔

اوتزوفیوں کا مطالبہ یہ تھا کہ سوشل ڈیموکریٹ نمائندوں کو دوما سے واپس بلالیا جائے اور ٹریڈیونینوں، کوآپریٹیو

33—980

اداروں اور دوسری قانونی تنظیموں میں پارٹی کے کام کو
رد کردیا جائے۔ بہرحال انقلاب کی شکست کے بعد رجعت پرستی
کے جو حالات پیدا ہو گئے تھے ان میں پارٹی قانونی تنظیموں
میں کام کے ساتھ کام کے غیر قانونی طریقوں کو ملا کر
ہی محنت کش عوام الناس کے ساتھ اپنے روابط بڑھا سکتی تھی
اور ایک نئے انقلابی ابھار کے لئے قوتوں کو مجتمع کر سکتی
تھی۔ اوتزوفیوں کی پالیسی نے، جسے وہ ''انقلابی،، فقروں
کی آڑ میں چلا رہے تھے، پارٹی کو عوام الناس کے ساتھ
رشتے استوار تر کرنے کے کام میں زبردست نقصان پہنچایا۔
صفحہ ۳۲۱

۱۴۰ - ''جائز اور سلیقا،، — یہ الفاظ مولچالین (روسی مصنف
گریبوئیدوف کی ایک کامیڈی کا کردار)، جو خودغرض اور
کاسہ لیس آدمی ہے، اپنی دو خوبیاں ظاہر کرنے کےلئے استعمال
کرتا ہے۔ صفحہ ۳۲۱

۱۴۱ - ملاحظہ ہو فریڈرک اینگلس، ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی
جرمن فلسفے کا خاتمہ،،۔ صفحہ ۳۳۱

۱۴۲ - ملاحظہ ہو کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس، ''کمیونسٹ
پارٹی کا مینی فسٹو،،۔ صفحہ ۳۳۶

۱۴۳ - لینن نے عہد سامراجیت کے علم کی بنا پر سامراجیت کے دور
میں سرمایہ داری کے غیرہموار معاشی و سیاسی ارتقا کا قانون
دریافت کیا۔ انھوں نے بتایا کہ غیرمساوی معاشی ارتقا
کی بنا پر سوشلسٹ انقلاب کی فتح کےلئے سیاسی لازمی
شرائط مختلف ملکوں میں بہ یک وقت نہیں پائی جاسکتیں۔
اس کے ساتھ سرمایہ دارانہ ملکوں کے درمیان تضادات کی شدت
اور تصادم سامراجیت کے نظام کو کمزور کردیتے ہیں اور
زنجیر کی کمزورترین کڑی کو توڑنا آسان تر بنا دیتے ہیں۔
لینن اس نتیجے پر پہنچے کہ مارکس اور اینگلس کا یہ

بادلیل دعوی کہ سوشلسٹ انقلاب اسی وقت فتح‌مند ہوسکتا ہے جب وہ سارے یا کم سے کم اہم‌ترین سرمایہ‌دار ملکوں میں ترقی کرے، نئے حالات میں قابل اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ان کا کہنا تھا کہ پرانے بادلیل دعوے کی جگہ ایک نیا بادلیل دعوی پیش کیا جانا چاہئے کہ پہلے کئی بلکہ ایک ہی سرمایہ‌دارانہ ملک میں بھی سوشلزم کی فتح ممکن ہے۔

لینن کی دریافت کردہ یہ وقیع توضیح اس مضمون میں پیش کی گئی ہے۔ صفحہ ۳۳۹

۱۴۴ - تشریحی نوٹ نمبر ۶۵ دیکھئے۔

۱۴۵ - ''محنت کے معاوضے کے کوپن،، کا خیال ایک قسم کی یوٹوپیا ہے جسے ۱۹ ویں صدی کے نصف اول میں انگلستان میں اووین، گرے وغیروں نے اور فرانس میں پرودھوں نے پیش کیا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ پیداوار کا سرمایہ‌دارانہ طریقہ برقرار رکھتے ہوئے، محض تبادلے کے نظام کو بدل کر اور دھات‌والے زر کو ختم کرکے سرمایہ‌داری کے معاشرتی نقصانات دور کئے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر گرے نے قومی بینک قائم کرنے کی تجویز پیش کی جس کا مقصد ''محنت کے معاوضے کے کوپن'' (یعنی کاغذی نوٹ، جو اجناس تجارت میں مضمر کام کا وقت ظاہر کرنے کےلئے براہ‌راست مقصود تھے) پیدا کرنا اور اپنی قدر کے مطابق ہر جنس تجارت کو ''محنت کے معاوضے کے کوپن،، کےلئے اور ''محنت کے معاوضے کے کوپن،، کو اجناس تجارت کےلئے بدلنا تھا۔

اس یوٹوپیا کا بنیادی نقص یہ تھا کہ اس کے حامی پیداوار کے نجی ملکیت‌والے اور نراجی کردار کو برقرار رکھتے ہوئے اجناس تجارت کا منصوبہ‌بند تبادلہ قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ صفحہ ۳۴۷

۱۴۶ - دریفس کا مقدمہ — فرانسیسی جنرل اسٹاف کے ایک افسر، یہودی دریفس کا مقدمہ جس پر فرانسیسی فوج کے رجعت‌پرست

شاہی پسندوں نے، اشتعال انگیزی کی کوشش میں، ۱۸۹۴ء
میں جاسوسی اور ریاستی غداری کا جھوٹا الزام لگایا۔
دریفس کو عمر قید کی سزا دی گئی۔ فرانسیسی رجعت پرستوں
نے دریفس پر اس جعلی مقدمے اور سزا سے یہودی دشمن
فسادات بھڑکانے اور ریپبلکن حکمرانی اور جمہوری آزادیوں
پر حملے کرنے کے لئے فائدہ اٹھایا۔ فرانس میں دریفس کے
مقدمے کی دوبارہ سماعت کے لئے ایک عام تحریک چل پڑی
جس میں ترقی پسند دانشوروں نے حصہ لیا۔ دریفس کو ۱۸۹۹ء
میں معافی دے دی گئی اور ۱۹۰۶ء میں رہا کر دیا گیا۔
صفحہ ۳۴۸

۱۴۷ - تسابیرن کا حادثہ نومبر ۱۹۱۳ء میں ہوا۔ اس کا سبب یہ
تھا کہ ایک پرشائی افسر نے آلسیس والوں کے ساتھ ذالت آمیز
برتاؤ کیا جس کی وجہ سے مقامی آبادی کا نفرت و غصہ
بھڑک اٹھا۔ آبادی کے زیادہ تر لوگ فرانسیسی اصل کے
تھے اور انھوں نے پرشائی عسکریت کے ظلم و جبر کے خلاف
بغاوت کردی ۔ صفحہ ۳۴۸

۱۴۸ - ثقافتی قومی خود اختیاری — قومی سوال پر ایک موقع پرستانہ
پروگرام جو آسٹریائی سوشل ڈیموکریٹ اوٹو باؤیر اور کارل
رینر نے ۱۹ ویں صدی کی آخری دھائی میں پیش کیا تھا۔
اس کا بنیادی دعوی یہ تھا کہ ایک ہی قومیت کے سارے
لوگوں کو، چاہے وہ ملک کے کسی بھی حصے میں رہتے
ہوں، ایک خود اختیار قومی یونین بنا لینی چاہئے۔ یہ یونین
تعلیم عامہ (جس میں ہر قومیت کے لئے الگ الگ اسکول
ہوں گے) اور دوسری تہذیبی سرگرمیوں کی مکمل نگرانی
کرے گی۔

اس پالیسی سے ہر قومیت کے اندر کلیسا کا اور
قوم پرست رجعت پرست نظریے کا اثر بڑھ گیا ہوتا اور مزدوروں
میں قومیت کے مطابق پھوٹ کو بڑھاوا ملنے سے مزدور
طبقے کی تنظیم میں مشکلیں ہوتیں۔ صفحہ ۳۴۹

۱۴۹ - ملاحظہ هو کارل مارکس ''خفیہ مراسلت،،۔ صفحہ ۳۵۳

۱۵۰ - ملاحظہ هو کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس، «Neue Rhei-nische Zeitung» والے مضامین۔ لینن نے جو مقالہ نقل کیا هے وہ اینگلس کے مضمون ''پراگ بغاوت،، سے اقتباس هے۔ لینن نے جس کتاب کو استعمال کیا تھا اس میں مضمون کے مصنف کا ذکر نہیں هے۔ صفحہ ۳۵۳

۱۵۱ - یہ آئرش سوال پر مارکس کے بادلیل دعووں کا ذکر هے جو ان کے خط بنام کوگلمان مورخہ ۲۹ نومبر ۱۸۶۹ء میں اور بنام اینگلس مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۶۹ء میں شامل هیں۔ لینن نے مارکس کے خط بنام اینگلس مورخہ ۲ نومبر ۱۸۶۷ء سے اقتباس نقل کیا هے۔ صفحہ ۳۵۳

۱۵۲ - اگیئیائی اصطبل – یونانی دیومالا میں ایلس کے بادشاہ اگیئس کے اصطبل برسوں سے نہیں صاف کئے گئے تھے۔ ہرقلیس کے سپرد جو کام کئے گئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس اصطبل کو ایک دن میں صاف کر دیا جائے۔ یہ فقرہ گندگی اور کوڑے کباڑ کے کسی ایسے ڈھیر کے لئے استعمال کیا جاتا هے جو انتہائی لاپروائی اور بدنظمی کی وجہ سے جمع هو گیا هو۔ صفحہ ۳۵۴

۱۵۳ - ملاحظہ هو فریڈرک اینگلس ''جمہوری موتمر عالم سلاف،،۔ صفحہ ۳۵۴

۱۵۴ - ملاحظہ هو کارل مارکس ''لوئی بوناپارٹ کی ۱۸ ویں بروسیئر،، کے دوسرے ایڈیشن میں مصنف کا مقدمہ۔ صفحہ ۳۵۹

۱۵۵ - ملاحظہ هو اینگلس کا خط بنام ف۔ زورگے مورخہ ۲۹ نومبر ۱۸۸۶ء۔ صفحہ ۳۶۰

۱۵۶ - تشریحی نوٹ نمبر ۱۲۴ دیکھئے۔

۱۵۷ - لینن نے یہاں گوئیٹے کی تصنیف ''فاؤسٹ،، سے میفسٹوفلیز کے الفاظ نقل کئے ہیں - صفحہ ۳۶۳

۱۵۸ - یہ فقرہ ''اعلی حضرت کا حزب مخالف،، ملیوکوف کا ہے جو کیڈیٹ پارٹی کے لیڈر تھے - ۱۹ جون ۱۹۰۹ء کو لندن کے لارڈ میئر کی طرف سے دئیے جانے والے ایک ضیافت میں تقریر کرتے ہوئے ملیوکوف نے کہا کہ ''جب تک روس میں ایک قانون‌ساز ایوان ہے جو بجٹ کو کنٹرول کرتا ہے تب تک روسی حزب مخالف اعلی حضرت کا حزب مخالف رہےگا، اعلی حضرت کے خلاف حزب نہیں ہوگا - صفحہ ۳۶۷

۱۵۹ - ''زار نہیں بلکہ مزدوروں کی حکومت،، - یہ نعرہ تراتسکی نے ۱۹۰۵ء کے انقلاب کے دوران میں بلند کیا تھا - یہ تراتسکی کے مستقل انقلاب کے نظریے کا بنیادی اصول بن گیا - کسان طبقے کے بغیر انقلاب کا یہ نظریہ لینن کے اس نظریے کے مقابل پیش کیا گیا کہ بورژوا جمہوری انقلاب کو ترقی کرکے سوشلسٹ انقلاب بننا ہے جس میں سارے عوام کی تحریک میں پرولتاریہ کو بالادستی حاصل رہےگی - صفحہ ۳۶۷

۱۶۰ - ملاحظہ ہو کارل مارکس ''فرانس میں خانہ جنگی - محنت کشوں کی بین‌الاقوامی انجمن کی جنرل کونسل کا خطاب،، اور فریڈرک اینگلس کا مارکس کی تصنیف ''فرانس میں خانہ‌جنگی،، کا تعارف - صفحہ ۳۶۸

۱۶۱ - تشریحی نوٹ نمبر ۶۳ دیکھئے -

۱۶۲ - ''یدینستوو،، (اتحاد) - دفاع پرست منشویکوں کے انتہاپسند دائیں بازو کا ترجمان اخبار جو پیتروگراد میں مارچ ۱۹۱۴ء سے نومبر ۱۹۱۸ء تک شائع ہوا - اس کے سربراہ پلیخانوف تھے - صفحہ ۳۶۹

۱۶۳ - ''پراودا،، (''سچ،،) - بالشویکوں کا قانونی روزانہ اخبار،

پیٹرسبرگ میں ۵ مئی ۱۹۱۲ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ پارٹی کا مرکزی ترجمان ہے۔ صفحہ ۳۶۹

۱۶۴ - ملاحظہ ہو کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس ''کمیونسٹ پارٹی کا مینی‌فسٹو،، کے ۱۸۷۲ء والے جرمن ایڈیشن کا مقدمہ؛ کارل مارکس ''فرانس میں خانہ جنگی۔ محنت کشوں کی بین الاقوامی انجمن کی جنرل کونسل کا خطاب،، اور ''گوتھا پروگرام کی تنقید،،؛ اینگلس کا خط بنام ا۔ بیبل مورخہ ۱۸ تا ۲۸ مارچ ۱۸۷۵ء۔ صفحہ ۳۶۹

۱۶۵ - پلیخانوف کی تصنیف ''نراجیت پسندی اور سوشلزم،، کا حوالہ ہے۔ صفحہ ۳۶۹

۱۶۶ - Clausewitz, K. Hinterlassene Werke über Krieg und Kriegführung. Bd. 1, T. 1, Vom Kriege, Berlin, Dümmler, 1832, XXVXII, 371. صفحہ ۳۷۱

۱۶۷ - «L'Humanité» (''انسانیت،،) — روزانہ اخبار جسے ۱۹۰۴ء میں ژوریس نے فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی کے ترجمان کی حیثیت سے قائم کیا۔ پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ — ۱۸ء) کے دوران میں یہ اخبار فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی کے انتہاپسند دائیں بازو کے زیراثر تھا اور اس کا رویہ سوشل شاونسٹ تھا۔

دسمبر ۱۹۲۰ء میں تور کی کانگرس میں سوشلسٹ پارٹی کی پھوٹ اور فرانس کی کمیونسٹ پارٹی کے قیام کے تھوڑے دنوں بعد موخرالذکر کا ترجمان بن گیا۔ اب بھی کمیونسٹ پارٹی کے مارکزی ترجمان کی حیثیت سے پیرس سے شائع ہو رہا ہے۔ صفحہ ۳۷۶

۱۶۸ - ''ریاست اور انقلاب،، — تخلیقی مارکسزم کی ایک ممتاز تصنیف۔

اس کتاب میں لینن نے یہ ثابت کیا کہ ریاست کا سوال مارکسزم کے بنیادی سوالوں میں سے ہے اور یہ دکھایا کہ ریاست کے بارے میں مارکس اور اینگلس کے خیالات کا ارتقا کس طرح ہوا۔ انھوں نے ریاست اور سماج کے طبقاتی کردار کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے اس کا تجزیہ کیا، سوشلسٹ انقلاب اور پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی ضرورت اور ناگزیری کے لئے استدلال پیش کیا، پرولتاری ریاست اور پرولتاری جمہوریت کے جوہر اور فرائض کو بیان کیا اور سوشلزم و کمیونزم کے بارے میں مارکس کی تعلیمات کو نکھارا سنوارا۔ اس مجموعے میں تصنیف مذکور کا پانچواں باب شامل ہے۔ صفحہ ۳۷۸

۱۶۹۔ اس کتاب کے صفحات ۶۱ – ۸۲ ملاحظہ ہوں۔

۱۷۰۔ ملاحظہ ہوں مارکس کا خط بنام براکے مورخہ ۵ مئی ۱۸۷۵ء، اینگلس کا خط بنام بیبل مورخہ ۲۸ مارچ ۱۸۷۵ء۔ موخرالذکر خط کی توضیح ''ریاست اور انقلاب،، کے چوتھے باب میں کی گئی ہے جو اس مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ صفحہ ۳۷۸

۱۷۱۔ تشریحی نوٹ نمبر ۱۰ دیکھئے۔

۱۷۲۔ اس کتاب کا صفحہ ۸۰ ملاحظہ ہو۔

۱۷۳۔ اس کتاب کا صفحہ ۸۱ ملاحظہ ہو۔

۱۷۴۔ اس کتاب کا صفحہ ۲۴ ملاحظہ ہو۔

۱۷۵۔ ملاحظہ ہو کارل مارکس ''فرانس میں خانہ جنگی،،۔ صفحہ ۳۸۴

۱۷۶۔ ملاحظہ ہو اینگلس کا خط بنام بیبل مورخہ ۲۸ مارچ ۱۸۷۵ء۔ صفحہ ۳۸۵

۱۷۷ - اس کتاب کا صفحہ ٦٨ ملاحظہ ہو۔

۱۷۸ - اس کتاب کا صفحہ ۷۰ ملاحظہ ہو۔

۱۷۹ - اس کتاب کا صفحہ ۷۰ ملاحظہ ہو۔

۱۸۰ - اس کتاب کا صفحہ ۷۰ ملاحظہ ہو۔

۱۸۱ - شائی‌لاک – شیکسپیئر کے طربیہ ڈراسے ''سرچنٹ آف وینس،، کا سودخور جو اپنے مقروض سے دستاویز کے اندراج کے سطابق اس کے جسم کے ایک پونڈ گوشت کا مطالبہ کرتا ہے۔ صفحہ ۳۹۰

۱۸۲ - بورساک – یہ حوالہ ایک دینی مدرسے کے طالب علموں کا ہے جن کی تصویر کشی روسی منصف پوسیالوفسکی نے ''دینی مدرسے کی زندگی کی جھلکیاں،، میں کی ہے اور دکھایا ہے کہ وہ اپنی انتہائی جہالت اور وحشیانہ طور طریقوں کی وجہ سے کس قدر بدنام ہیں۔ صفحہ ۳۹۰

۱۸۳ - یہ ذکر پیتروگراد کے مزدوروں اور سپاہیوں کے زبردست جلوس کا ہے جو بیساختہ شروع ہو گیا تھا اور جس کا نعرہ تھا ''سارا اقتدار سوویتوں کو حاصل ہو!،،
ستمبر کے دن – نوٹ نمبر ۱۸۵ دیکھئے۔ صفحہ ۴۰۴

۱۸۴ - اشارہ ہے پیتروگراد اور ماسکو کی طرف۔ صفحہ ۴۰۴

۱۸۵ - زارشاہی جنرل کورنیلوف کی سرکردگی میں انقلاب دشمن بغاوت ۲۵ اگست (نئی جنتری کے حساب سے ۷ ستمبر) ۱۹۱۷ء کو شروع ہوئی۔ بالشویک پارٹی نے انقلابی مزدوروں اور سپاہیوں کو آواز دی کہ وہ انقلاب دشمنی سے لڑیں۔ سرخ گارڈ کے دستے فوراً منظم کئے گئے اور کورنیلوف کی فوجوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا۔ بغاوت دبا دی گئی۔

عوام الناس کے دباؤ سے مجبور ہوکر عارضی حکومت کو کورنیلوف اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرکے ان پر مقدمہ چلانا پڑا۔ صفحہ ۳۰۴

۱۸۶ - سوشلسٹ انقلابیوں، عوامی سوشلسٹوں اور ترودوویکوں (''محنتی گروہ،،) کی پارٹیوں کا ذکر ہے۔ صفحہ ۳۰۵

۱۸۷ - کل روس جمہوری کانفرنس پیتروگراد میں ۱۴ سے ۲۳ ستمبر (نئی جنتری کے حساب سے ۲۷ ستمبر تا ۵ اکتوبر) ۱۹۱۷ء تک ہوئی۔ یہ کانفرنس منشویکوں اور سوشلسٹ انقلابیوں نے زور پکڑتی ہوئی انقلابی تحریک کو کمزور کرنے کے مقصد سے طلب کی تھی۔ کانفرنس میں پٹی بورژوا پارٹیوں، سوویتوں، ٹریڈیونینوں، زیمستووں (مقامی خود انتظامیہ)، تجارتی اور صنعتی بورژوازی اور فوجی دستوں کے مندوبین شریک ہوئے۔ منشویکوں اور سوشلسٹ انقلابیوں کو بے نقاب کرنے کے لئے بالشویکوں نے بھی کانفرنس میں حصہ لیا۔ جمہوری کانفرنس نے ایک ماقبل پارلیمنٹ (جمہوریہ کی عارضی کونسل) قائم کی جو کہ انقلاب کو روکنے اور بورژوا پارلیمانیت رائج کرنے کی ایک کوشش تھی۔ صفحہ ۳۰۶

۱۸۸ - پیتروگراد میں الیکساندرنسکی تھیٹر وہ جگہ تھی جہاں جمہوری کانفرنس منعقد کی گئی تھی۔ پیتروگراد میں پیٹر اور پال گڑھی اکتوبر انقلاب سے پہلے سیاسی قیدیوں کے لئے جیل کا کام دیتی تھی۔ صفحہ ۳۰۹

۱۸۹ - یونکر — زارشاہی روس میں فوجی افسروں کے اسکولوں کے طالب علم۔ اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کے دوران میں اور اس کے فوراً بعد پیتروگراد، ماسکو اور بعض دوسرے شہروں میں یونکروں نے انقلابی عوام اور سوویت اقتدار کی مسلح مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن انھیں شکست دے دی گئی۔

وحشی ڈویژن — پہلی جنگ عظیم کے دوران میں قفقاز کے رضاکار پہاڑیوں پر مشتمل ایک ڈویژن بنایا گیا تھا۔

جنرل کورنیلوف نے انقلابی پیتروگراد پر حملے میں اسے حملہ‌آور فوج کی طرح استعمال کرنے کی کوشش کی۔ صفحہ ۳۰۹

۱۹۰ - لینن نے اینگلس کی تصنیف ''قاطع ڈیورنگ،، سے اقتباس نقل کیا ہے۔ صفحہ ۳۲۱

۱۹۱ - آئین‌ساز اسمبلی کا انعقاد ۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو ہوا۔ آئین‌ساز اسمبلی کے لئے چناؤ دراصل ان پارٹی فہرستوں کے مطابق ہوا جو اکتوبر سوشلسٹ انقلاب سے پہلے مرتب کی گئی تھیں اور اس کی تشکیل و ترتیب میں قوتوں کے پہلے‌والے توازن کا اظہار ہوتا تھا جب بورژوازی برسر اقتدار تھی۔ یہ چیز عوام کی زبردست اکثریت کی مرضی، جو سوویت اقتدار کے لئے لڑے تھے، اور آئین‌ساز اسمبلی میں منشویکوں اور سوشلسٹ انقلابیوں کی اکثریت کی پالیسی کے درمیان تضاد کا موجب بنی اس لئے کہ یہ پالیسی بورژوازی اور زمینداروں کے مفادات کا اظہار کرتی تھی۔ چونکہ آئین‌ساز اسمبلی نے ''محنت‌کش اور استحصال کے شکار عوام کے حقوق کا اعلان‌نامہ،، پر بحث کرنے اور فرمان امن، فرمان زمین، اقتدار سوویتوں کے ہاتھ میں منتقل کرنے کے فرمان کی توثیق کرنے سے انکار کیا اس لئے ۶ (نئی جنتری کے حساب سے ۱۹) جنوری ۱۹۱۸ء کو کل روس مرکزی انتظامیہ کمیٹی کے فیصلے کے ذریعے اسے توڑ دیا گیا۔ صفحہ ۳۲۱

۱۹۲ - ولاپیوک — مصنوعی زبان، جسے ۱۸۸۰ء میں یوہن شلیئر نے مرتب کیا۔ عام طور پر یہ لفظ کسی مبہم سخن کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ صفحہ ۳۵۲

۱۹۳ - دوسری انٹرنیشنل — سوشلسٹ پارٹیوں کی ایک بین‌الاقوامی انجمن جس کی بنیاد ۱۸۸۹ء میں رکھی گئی۔ سامراجیت کا جب ارتقا ہوا تو اس انجمن میں موقع پرستانہ رجحانات غالب آنے لگے۔ جب ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو دوسری انٹرنیشنل کے موقع پرست لیڈروں نے اپنی

بورژوا حکومتوں کی سامراجی پالیسی کی علانیہ حمایت کی۔ چنانچہ دوسری انٹرنیشنل ٹوٹ گئی۔ صفحہ ۴۵۳

۱۹۴ - تیسری انٹرنیشنل — مختلف ملکوں کی کمیونسٹ پارٹیوں کی یونین، پرولتاریہ کی بین الاقوامی انقلابی تنظیم جو ۱۹۱۹ء میں قائم کی گئی تھی۔

اس کے قیام کی ضرورت مزدور طبقے کی تحریک کی پوری صورت حال نے پیدا کی تھی۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہونے پر جب دوسری انٹرنیشنل کے موقع پرست لیڈروں نے سوشلزم کے مقصد سے دغا کی اور دوسری انٹرنیشنل ٹوٹ گئی تو مزدور طبقے کی تحریک دو حصوں میں بٹ گئی۔

کمیونسٹ انٹرنیشنل نے سارے ملکوں کے محنت کش عوام کے درمیان دوبارہ تعلقات قائم کئے اور ان کو مضبوط‌تر بنایا اور مزدور طبقے کی بین‌الاقوامی تحریک میں موقع پرستی کو بےنقاب کرنے، نوعمر کمیونسٹ پارٹیوں کو مضبوط‌تر بنانے اور بین‌الاقوامی کمیونسٹ تحریک کی حکمت عملی اور طریق کار مرتب کرنے میں بہت بڑا رول ادا کیا۔

مئی ۱۹۴۳ء میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کی انتظامیہ کمیٹی نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کو توڑ دینے کا فیصلہ منظور کیا اور بتایا کہ مزدوروں کو متحد کرنے کی اس تنظیمی ضرورت کی مدت عمر پوری ہو چکی ہے اور اب یہ نئے تاریخی دور کے تقاضوں کو نہیں پورے کرتی۔ صفحہ ۴۵۴

۱۹۵ - ''ہرقلیسی ستونوں تک جانے کی،، اصطلاح کا مطلب انتہائی حد تک جانا ہے۔ یونانی دیومالا کے مطابق یہ ستون ہرقلیس نے دنیا کے سرے پر بنائے تھے اور قدیم یونانیوں کے خیال کے مطابق ان کے آگے کوئی راستہ نہیں تھا۔ صفحہ ۴۵۴

۱۹۶ - ۲۶ اکتوبر (نئی جنتری کے مطابق ۸ نومبر) ۱۹۱۷ء کو سوویتوں کی دوسری کل‌روس کانگرس میں فرمان زمین منظور کیا گیا جس کے مطابق روس میں زمین‌داروں کی زمینی ملکیت ختم کر دی گئی اور زمین کسانوں کو منتقل کر دی گئی۔

اس فرمان میں ''زمین کے متعلق کسانوں کا ہدایت نامہ،،
شامل کیا گیا جو ۲۴۲ مقامی ہدایات کی بنیاد پر مرتب کیا
گیا تھا اور جس میں ''مساویانہ اراضی پٹے،، (نوٹ نمبر
۱۲۴ دیکھئے) کا سوشلسٹ انقلابیوں کا نعرہ شامل تھا۔ اس
بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ بالشویکوں نے جو پہلے
اس نعرے کے خلاف تھے اب اسے منظور کرنا کیوں ممکن
سمجھ لیا لینن نے کہا: ''جمہوری حکومت کی حیثیت سے ہم
عوام کے فیصلے کو نظرانداز نہیں کر سکتے چاہے ہم اس
سے متفق نہ ہوں... زندہ تجربے، عمل میں اسے استعمال کرکے،
اپنے دیہات میں اس پر عمل کرکے کسان خود سمجھ جائیں گے
کہ سچ کہاں ہے۔،، صفحہ ۴۵۸

۱۹۷ - روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کا پروگرام دوسری
پارٹی کانگرس میں اگست ۱۹۰۳ء میں منظور ہوا تھا۔
صفحہ ۴۶۴

۱۹۸ - ''زاریا،، (''سحر،،) — ایک مارکسی سائنسی اور سیاسی
رسالہ جو ''اسکرا،، کی مجلس ادارت نے ۱۹۰۱ — ۰۲ء میں
اشٹوٹ گارٹ سے شائع کیا تھا۔
''اسکرا،، (''چنگاری،،) — پہلا کل روس مارکسی اخبار
جس کی بنیاد لینن نے ۱۹۰۰ء میں رکھی تھی — یہ اخبار
ملک سے باہر چھپتا تھا اور روس میں غیرقانونی طور پر
لایا جاتا تھا۔ دوسری پارٹی کانگرس (۱۹۰۳ء) میں جب پارٹی
دو حصوں، انقلابی بازو (بالشویکوں) اور موقع پرستوں (منشویکوں)
میں بٹ گئی تو ''اسکرا،، منشویکوں کا ترجمان بن گیا (شمارہ
۵۲ سے)۔ صفحہ ۴۶۴

۱۹۹ - روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی تیسری کانگرس کی
قرارداد ''مسلح بغاوت کے بارے میں،، سے اقتباس۔
صفحہ ۴۶۵

۲۰۰ - نوٹ نمبر ۵۵ دیکھئے۔ صفحہ ۴۶۹

۲۰۱ - ملاحظہ ہو کارل مارکس کی تصنیف ''بحران اور انقلاب دشمنی،،۔ صفحہ ۴۶۹

۲۰۲ - فرینکفرٹ اسمبلی — کل جرمن قومی اسمبلی جو جرمنی میں مارچ ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے بعد منعقد کی گئی تھی اور جس کا اجلاس فرینکفرٹ بر کنار مین میں اسی سال مئی میں شروع ہوا تھا۔ اس اسمبلی کا اصل مقصد سیاسی عدم اتحاد کو ختم کرنا اور ایک کل جرمن آئین مرتب کرنا تھا۔ لیکن اسمبلی کی لبرل اکثریت کی بزدلی اور گومگو اور اس کے پیٹی بورژوا بائیں بازو کے پس و پیش اور نااستواری کی وجہ سے اسمبلی اعلی ریاستی اقتدار پر قبضہ کرنے سے باز رہی اور ۱۸۴۸ — ۴۹ء کے جرمن انقلاب کے خاص مسائل کے بارے میں کوئی پرعزم موقف نہ اختیار کرسکی۔
جون ۱۸۴۹ء میں اسمبلی توڑ دی گئی۔ صفحہ ۴۷۰

۲۰۳ - ملاحظہ ہو کارل مارکس ''فرینکفرٹ میں ریڈیکل جمہوری پارٹی اور فرینکفرٹ کی بائیں بازووالی پارٹی کے پروگرام،،۔ صفحہ ۴۷۰

۲۰۴ - ۹ جنوری ۱۹۰۵ء — ''خون آشام اتوار،، جس دن پیٹرس برگ کے ۱۴ لاکھ مزدور مذہبی شبیہیں لئے ہوئے سرما محل کی طرف چلے تاکہ زار کے سامنے عرضی پیش کریں۔ زار کے حکم پر اس کی فوجوں نے پرامن جلوس پر گولی چلادی۔ ایک ہزار سے زیادہ لوگ مارے گئے اور تقریباً ۵ ہزار لوگ زخمی ہوئے۔ ۹ جنوری کے واقعات سے ۱۹۰۵ — ۰۷ء کے انقلاب کی ابتدا ہوئی۔ صفحہ ۴۷۰

۲۰۵ - نوٹ نمبر ۱۲۸ دیکھئے۔ صفحہ ۴۷۱

۲۰۶ - ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۵ء کے زار کے مینی فسٹو کا ذکر ہے جس میں ''شہری آزادیوں،، اور ''آئین ساز،، دوما کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ مینی فسٹو انقلاب کے سامنے زارشاہی کی ایک قسم کی رعایت تھی۔ صفحہ ۴۷۲

۲۰۷ - یہ ہفتہ‌وار اخبار ''ناشا ژیزن،، (''ہماری زندگی،،) کا ذکر ہے جو نومبر ۱۹۰۴ء سے لیکر جولائی ۱۹۰۶ء تک سینٹ پیٹرس‌برگ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوا - صفحہ ۴۷۲

۲۰۸ - پہلی دوما، جس میں کیڈیٹوں اور ان کی ہم‌خیال جماعتوں کا غلبہ تھا، اپریل ۱۹۰۶ء میں منعقد کی گئی - اس نے کسی طرح کی اصلاحات نہیں کیں اور جولائی ۱۹۰۶ء میں اسے زارشاہی حکومت نے توڑ دیا - صفحہ ۴۷۳

۲۰۹ - بولیگن دوما - ایک مشاورتی نمائندہ ادارہ جسے زارشاہی حکومت نے اگست ۱۹۰۵ء میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا - اس کے انعقاد کا مسودہ قانون وزیر داخلہ بولیگن نے تیار کیا تھا - مسودے کے مطابق صرف زمیندار، سرمایہ‌دار اور تھوڑے سے مالدار کسان ہی دوما کے لئے چنے جا سکتے تھے - دوما کے لئے چناؤ ہوئے ہی نہیں - صفحہ ۴۷۴

۲۱۰ - برنٹانوواد - ایک سیاسی رجحان جسے جرمن بورژوا معاشیات‌داں لویو برنٹانو نے شروع کیا تھا - برنٹانو سرمایہ‌دارانہ سماج میں ''طبقاتی صلح،، کا پرچار کرتے تھے اور یہ دعوی کرتے تھے کہ سرمایہ‌داری کے سماجی تضادوں کو طبقاتی جدوجہد کا سہارا لئے بغیر دور کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ اصلاح‌پرست ٹریڈیونینیں قائم کرکے اور فیکٹری قوانین بناکر مزدور مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے اور مزدوروں اور سرمایہ‌داروں کے مفادات میں مصالحت پیدا کی جا سکتی ہے - صفحہ ۴۸۲

۲۱۱ - ''بیز زگلاویا،، (''بغیر عنوان،،) - ایک سیاسی ہفتہ‌وار جو سینٹ پیٹرس‌برگ سے شائع ہوتا تھا اور اس کی ادارت پروکوپووچ کرتے تھے جو کسکووا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ قریبی تعاون رکھ کر کام کرتے تھے - ''بیز زگلاویا کے حامی،، روسی بورژوا دانشوروں کے ایک نیم کیڈیٹ، نیم منشویک جماعت کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ روسی اور بین‌الاقوامی

سوشل ڈیموکریٹک تحریک میں ترمیم پرستوں کی حمایت کرتے تھے۔ صفحہ ۴۸۲

۲۱۲۔ یہ جرمن رائخشٹاگ میں سوشل ڈیموکریٹک جماعت کے اندر جہازرانی کو امداد دینے (Dampfersubvention) کے سوال پر عدم اتفاق کا ذکر ہے۔ ۱۸۸۴ء کے اواخر میں جرمن رائخچانسلر بسمارک نے جرمنی کی غاصبانہ استعماری پالیسی پر عمل کرتے ہوئے رائخشٹاگ سے مطالبہ کیا کہ وہ مشرقی ایشیا، آسٹریلیا اور افریقہ جانےوالے باقاعدہ بحری راستے قائم کرنے کے لئے جہازراں کمپنیوں کے لئے امداد منظور کرے۔ سوشل ڈیموکریٹک جماعت کے بائیں بازو نے بیبل اور لیب کنیخت کی رہنمائی میں امداد کو رد کر دیا لیکن دائیں بازو نے، جسکی اکثریت تھی، اس سوال پر سرکاری مباحثے سے پہلے ہی امداد کے حق میں ہونے کا اعلان کردیا۔ مگر انہوں نے متعدد شرطیں رکھیں خاص طور سے یہ کہ نئے بحری راستوں کے جہاز جرمن جہازساز کارخانوں کے ہونے چاہئیں۔ جب رائخشٹاگ نے اس مطالبے کو رد کر دیا تب دونوں گروہوں نے سرکاری بل کی مخالفت کی۔ جماعت کی اکثریت کے رویے پر اخبار ''سوشل ڈیموکریٹ،، اور سوشل ڈیموکریٹک تنظیموں نے تنقید کی۔ صفحہ ۴۸۵

۲۱۳۔ ''نوجوان،، — جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں پٹی بورژوا نیم نراجیت پرست حزب مخالف جو ۱۸۹۰ء میں نمودار ہوا۔ اس کا مرکزی گروہ نوجوان ادیبوں اور طالب علموں پر مشتمل تھا (اسی لئے اس کا یہ نام پڑا) جو پارٹی میں نظریہ‌ساز اور رہنما کا رول اپنانے کے خواھاں تھے۔ اس حزب مخالف نے پارٹی کی سرگرمی میں ان تبدیلیوں کو نہیں سمجھا جو سوشلسٹ مخالف ھنگامی قانون (۱۸۷۸ء تا ۱۸۹۰ء) کے منسوخ ہو جانے سے پیدا ہو گئی تھیں اور اس نے جدوجہد کی قانونی صورتوں کا استعمال کرنے کی ضرورت سے انکار کیا۔ ان لوگوں نے پارلیمنٹ میں سوشل ڈیموکریٹوں کی شرکت کی

مخالفت کی اور پارٹی پر موقع پرستی کا اور پٹی بورژوازی کے مفادات کی مدافعت کرنے کا الزام لگایا۔ اینگلس نے ''نوجوان،، گروہ کے خلاف جدوجہد کی۔

جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی ایرفرٹ کانگرس نے، جو اکتوبر ۱۸۹۱ء میں ہوئی، ''نوجوان،، گروہ کے بعض رهنماؤں کو پارٹی سے نکال دیا۔ صفحہ ۴۸۵

۲۱۴ - تشریحی نوٹ نمبر ۱۲۳ دیکھئے۔ صفحہ ۴۸۵

۲۱۵ - ''سیویرنی گولس،، (''شمال کی آواز،،) ایک قانونی اخبار، روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کا ترجمان جو سینٹ پیٹرس برگ میں ٦ سے ۹ دسمبر ۱۹۰۵ء تک شائع ہوا اور جس کی ادارت بالشویکوں اور منشویکوں نے مشترکہ طور پر کی۔

''نچالو،، (''ابتدا،،) — ایک قانونی منشویک روزنامہ، جو سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۳ نومبر سے ۲ دسمبر ۱۹۰۵ء تک شائع ہوا۔

''نووایا ژزن،، (''نئی زندگی،،) — پہلا قانونی بالشویک اخبار جو سینٹ پیٹرس برگ میں ۲۷ اکتوبر سے ۳ دسمبر ۱۹۰٦ء تک روزانہ شائع ہوا۔ صفحہ ۴۸٦

۲۱٦ - ''پولیارنایا زویزدا،، (''قطب تارا،،) — ایک هفتہوار رسالہ، آئینی جمهوری پارٹی کے دائیں بازو کا ترجمان۔ اس کی ادارت استرووے کرتے تھے اور یہ سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۵ دسمبر ۱۹۰۵ء سے ۱۹ مارچ ۱۹۰٦ء تک شائع ہوا۔

''ناشا ژزن،، (''هماری زندگی،،) — منشویک میلان کا ایک روزانہ اخبار جو سینٹ پیٹرس برگ میں ٦ نومبر ۱۹۰۴ء سے ۱۱ جولائی ۱۹۰٦ء تک وقتاً فوقتاً شائع ہوا۔

بلانک اس کی مجلس ادارت کے رکن تھے۔ صفحہ ۴۸۷

۲۱۷ - لینن کا مضمون ''ہمارا انقلاب''، ایک ممتاز منشویک سوخانوف کی تصنیف ''انقلاب سے متعلق نگارشات''، کی تیسری اور چوتھی جلدوں کے سلسلے میں لکھا گیا تھا۔ صفحہ ۴۸۹

۲۱۸ - لینن نے بظاہر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مارکس نے اپنی تصنیف ''فرانس میں خانہ جنگی''، میں پیرس کمیون کی کردارنگاری ایک ''بہت ہی لچکدار سیاسی صورت''، کی حیثیت سے کی ہے اور پیرس والوں کے ''لوچ''، کی بڑی قدر کی طرف اشارہ ہے جو مارکس کے خط بنام کوگلمان مورخہ ۱۲ اپریل ۱۸۷۱ء میں ملتی ہے۔ صفحہ ۴۸۹

۲۱۹ - لینن کا اشارہ مارکس کے خط بنام اینگلس مورخہ ۱۶ اپریل ۱۸۵۶ء کی مندرجۂ ذیل عبارت کی طرف ہے: ''جرمنی میں ساری چیز کا دارومدار اس امکان پر ہوگا کہ پرولتاری انقلاب کی پشت پناہی کسان جنگ کے کسی طرح کے دوسرے ایڈیشن سے ہو۔ تب معاملہ شاندار ہوگا۔''، صفحہ ۴۹۰

۲۲۰ - بریست کا عہدنامۂ امن پر سوویت روس اور چار طاقتی اتحاد (جرمنی، آسٹریا ہنگری، بلغاریہ اور ترکی) نے بریست لیتوفسک میں مارچ ۱۹۱۸ء میں دستخط کئے — شرائط سوویت روس کے لئے بہت ہی سخت تھیں۔ لیکن سوویت معیشت پر بڑا سخت بار ہونے کے باوجود، بریست صلح نامہ نے سوویت روس کو دم لینے کا موقع فراہم کیا اور وہ آئندہ خانہ جنگی میں انقلاب دشمن بورژوازی کو شکست دینے کے لئے اپنی قوتیں مجتمع کرنے کے لائق ہوگیا۔ صفحہ ۴۹۳

۲۲۱ - نئی معاشی پالیسی — سرمایہ‌داری سے سوشلزم کی طرف عبور کے دور میں پرولتاری ریاست کی معاشی پالیسی۔ اسے ''جنگی کمیونزم کی پالیسی''، کے مقابلے میں ''نیا'' کہا گیا۔ سوویت حکومت بیرونی فوجی مداخلت اور خانہ جنگی کے دور میں جنگی کمیونزم کی معاشی پالیسی پر عمل کرنے پر مجبور

تھی۔ اس پالیسی کی بنیاد پیداوار اور تقسیم کی انتہائی مرکز بندی، تجارت کی آزادی کی ممانعت اور زائد پیداوار کو جبری طور پر لے لینے کا نظام رائج کرنے پر تھی جس کے تحت کسانوں کے لئے لازمی تھا کہ وہ ساری زائد پیداوار ریاست کو دے دیں۔

بیرونی فوجی مداخلت اور خانہ‌جنگی ختم ہونے اور نئی معاشی پالیسی رائج کرنے کے بعد سوشلسٹ صنعت اور کسان کھیتی کے درمیان ربط کی بنیادی صورت جنس‌زر کے تعلقات ہو گئے۔ زائد پیداوار کو لے لینے کے نظام کو ختم کر کے ٹیکس بہ صورت جنس رائج کیا گیا اور کسان اس لائق ہو گئے کہ اپنی زائد پیداوار کو اپنی مرضی کے مطابق ٹھکانے لگائیں، کھلے بازار میں فروخت کریں اور اپنی ضرورت کا مصنوعاتی مال خریدیں۔

نئی معاشی پالیسی نے کچھ عرصے کے لئے سرمایہ‌دارانہ کاروبار کے لئے ایک خاص چھوٹ روا رکھی۔ لیکن بنیادی معاشی مورچوں پر پرولتاری ریاست ہی کا قبضہ رہا۔ نئی معاشی پالیسی نے پیداواری قوتوں کے ارتقا کا، زراعت کو ایک بلندتر سطح پر پہنچانے کا اور سوشلسٹ صنعت کی تعمیر کے لئے ضروری رقومات جمع کرنے کا بندوبست کیا۔

صفحہ ۴۹۳

ناموں کا اشاریہ

— الف —

کو حیوانی نظام کے مماثل قرار دیا اور بقا کے لئے، جدوجہد کے حیاتیاتی نظریے کا اطلاق انسانوں کی تاریخ پر کیا۔ صفحہ ۲۲۹

اسپینوزا (Spinoza)، بروخ (بینی ڈکٹس) (۱۶۳۲ء تا ۱۶۷۷ء) — ڈچ مادیت پسند فلسفی، دھریئے۔ صفحہ ۵۴

استروے، پیوتر برنگاردووچ (۱۸۷۰ء تا ۱۹۴۴ء) — روسی بورژوا معاشیات‌داں اور صحافی، ایک کیڈیٹ لیڈر۔ ۱۸۹۰ء کے بعد کی دھائی میں ممتاز ''قانونی مارکسی،، رہے اور کارل مارکس کی فلسفیانہ تعلیمات میں ''اضافے،، پیش کئے اور ''تنقید،، کی۔ مارکسزم اور مزدور طبقے کی تحریک کو بورژوازی کے مفادات سے ہم‌آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ صفحات ۴۸۴، ۴۸۷، ۵۴۴

استیکلوف، یوری میخائیلووچ (۱۸۷۳ء تا ۱۹۴۱ء) — روسی سوشل ڈیموکریٹ، روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی دوسری کانگرس (۱۹۰۳ء) کے بعد بالشویکوں کے ساتھ رہے۔ انقلابی تحریک کی تاریخ کے بارے میں متعدد کتابوں کے مصنف۔ صفحات ۳۶۳، ۳۶۷

اسٹوارٹ خاندان — شاہی خاندان جس نے اسکاٹ‌لینڈ پر ۱۳۷۱ء سے اور انگلینڈ میں ۱۶۰۳ — ۴۹ء میں اور ۱۶۶۰ء تا ۱۷۱۴ء حکومت کی۔ صفحہ ۱۴۲

اسمتھ (Smith) ایڈم (۱۷۲۳ء تا ۱۷۹۰ء) — انگریز معاشیات‌داں، کلاسیکی بورژوا سیاسی معاشیات کے نمائندے۔ صفحات ۱۸۵، ۲۱۸، ۳۲۶

اسنوڈین (Snowden)، فلپ (۱۸۶۴ء تا ۱۹۳۷ء) — انگریز سیاستداں۔ ۱۹۰۳ — ۰۶ء میں اور ۱۹۱۷ — ۲۰ء میں آزاد لیبر پارٹی کے صدر تھے اور اس کے دائیں‌بازو کی نمائندگی کرتے تھے ۱۹۰۶ء کے بعد سے پارلیمنٹ کے ممبر رہے۔ صفحہ ۴۸۸

— ب —

بارتھ (Barth)، ارنسٹ ایمل پال (۱۸۵۸ء تا ۱۹۲۲ء) — جرمن فلسفی، عمرانیات‌داں، ۱۸۹۰ء سے لائپزگ یونیورسٹی میں لیکچر دینے لگے تھے۔ صفحات ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۱۵، ۲۱۷، ۵۱۴

بارو (Barrot)، آدیلون (۱۷۹۱ء تا ۱۸۷۳ء) — فرانسیسی سیاستداں، ۱۸۳۰ء کے انقلاب میں شریک ہوئے، بعد کو لبرل شاہ پرست بورژوا حزب مخالف کے لیڈر، دسمبر ۱۸۴۸ء سے اکتوبر ۱۸۴۹ء تک ایک وزارت کے سربراہ رہے جس کی بنیاد انقلاب‌دشمن شاہ‌پرست گروہ تھے۔ صفحہ ۱۷۷

بازاروف (رودنیف)، ولادیمیر الیکساندروچ (۱۸۷۴ء تا ۱۹۳۹ء) — روسی فلسفی اور معاشیات‌داں، سوشل ڈیموکریٹ۔ ۱۹۰۵ء — ۱۹۰۷ء کے انقلاب کے دوران میں بالشویک مطبوعات کی قلمی معاونت کی۔ انقلاب کی ناکامی کے بعد بالشویزم سے الگ ہو گئے۔ بوگدانوف کے ساتھ مل کر مارکسی فلسفے میں عینیت پرستی اور تجربی تنقید کے موقف سے ترمیمات کیں۔ صفحہ ۳۰۵

باکونن، میخائیل الیکساندرووچ (۱۸۱۴ء تا ۱۸۷۶ء) — نراجیت‌پرست نظریہ‌داں۔ صفحات ۳۰۳، ۵۲۱

باؤیر (Bauer)، اوٹو (۱۸۸۲ء تا ۱۹۳۸ء) — آسٹریائی سوشلسٹ ڈیموکریٹک پارٹی کے دائیں گروہ اور دوسری انٹرنیشنل کے ایک لیڈر، نام نہاد ''آسٹرومارکسزم'' کے نظریہ‌داں۔ ''آسٹرومارکسزم'' انقلابی مارکسزم کی تردید، پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کی تردید پر مارکسی اصطلاحات و الفاظ کا پردہ ڈالتا تھا۔ ''تہذیبی قومی خود اختیاری'' کے بورژوا قوم پرست نظریے کے بانیوں میں تھے۔ صفحات ۳۴۹، ۴۶۱، ۵۳۱

براکے (Bracke)، ولہلم (۱۸۴۲ء تا ۱۸۸۰ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ، مارکس اور اینگلس سے قریب تھے، سوشل ڈیموکریٹک تحریریں

شائع اور تقسیم کرنےوالے خاص لوگوں میں تھے۔
صفحات ۳۷۸، ۵۳۰

برائٹ (Bright)، جان (۱۸۱۱ء تا ۱۸۸۹ء) — انگریز صنعت کار، اناج کے قانون کی مخالف لیگ کے بانیوں میں تھے۔ ۱۹ ویں صدی کی ساتویں دھائی سے لبرل پارٹی کے لیڈروں میں تھے اور کئی کابینوں میں وزیر رہے۔ صفحہ ۱۴۹

برنٹانو (Brentano)، لویو (۱۸۴۴ء تا ۱۹۳۱ء) — جرمن عامیانہ بورژوا معاشیات‌داں، کتھیڈر سوشلزم کے ایک خاص نمائندے۔
صفحات ۱۵۳، ۴۸۲

برنشٹائن (Bernstein)، ایڈورڈ (۱۸۵۰ء تا ۱۹۳۲ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹک تحریک اور دوسری انٹرنیشنل میں انتہائی موقع‌پرست بازو کے لیڈر، ترمیم پرستی اور اصلاح پرستی کے نظریہ‌داں۔ ۹۸ — ۱۸۹۶ء میں انہوں نے ''نیوئےزائٹ،، میں ایک سلسلہ مضامین شائع کیا جس کا عنوان تھا ''سوشلزم کے مسائل،، جو بعد کو کتابی صورت میں ''سوشلزم کی شرائط اولیں اور سوشل ڈیموکریسی کے فرائض،، کے نام سے شائع ہوئے۔ ان مضامین میں انہوں نے انقلابی مارکسزم کے فلسفیانہ، معاشی اور سیاسی اصولوں کی ترمیم کی۔ صفحات ۲۱۵، ۳۰۴، ۳۱۰، ۴۰۳، ۴۶۵، ۴۸۲، ۵۲۱

بروس (Brousse)، پال لوئی ماری (۱۸۵۴ء تا ۱۹۱۲ء) — فرانسیسی پٹی بورژوا سوشلسٹ، پیرس کمیون میں شرکت کرنےوالوں میں تھے۔ اس کی شکست کے بعد مہاجرت کی زندگی بسر کی۔ نراجیت پرستوں کے ساتھ رہے۔ ۱۸۸۰ء کے بعدوالی دھائی میں جب فرانس آئے تو مزدور پارٹی میں شامل ہو گئے اور اس کے مارکسی بازو کے خلاف لڑے۔ امکان پرستوں کے نظریہ‌داں اور رہنما بن گئے۔ صفحات ۳۱۰، ۵۲۵

بروکیر (Brouckére)، لوئی دی (۱۸۷۰ء تا ۱۹۵۱ء) بلجین مزدور پارٹی کے لیڈر، پہلی جنگ عظیم سے قبل اس کے بائیں بازو کے سربراہ

تھے۔ جنگ (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے دوران میں سوشل جنگجو قوم پرست ہو گئے۔ بعد کو حکومت میں شامل ہو گئے۔ صفحہ ۳۱۰

بسمارک (Bismarck)، اوٹو (۱۸۱۵ء تا ۱۸۹۸ء) — پرشائی اور جرمن مدبر اور ڈپلومیٹ۔ جرمن ریاستوں کو بہ‌جبر پرشائی بالادستی میں متحد کرکے ایک واحد جرمن سلطنت بنائی۔ ۱۸۷۱ء سے ۱۸۹۰ء تک جرمنی کی داخلہ و خارجہ پالیسی کے کرتا دھرتا رہے۔ ۱۸۷۸ء میں سوشلسٹ مخالف قانون نافذ کیا۔ صفحات ۷۳ — ۷۵، ۱۰۹، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۷، ۱۷۸، ۴۹۷، ۴۹۸، ۵۱۲، ۵۴۲

بلان (Blane)، لوئی (۱۸۱۱ء تا ۱۸۸۲ء) — فرانسیسی پٹی بورژوا سوشلسٹ، مورخ۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے دوران میں عارضی حکومت میں شامل ہوئے اور ''لیبر سوال کا مطالعہ کرنے'' کے کمیشن کے سربراہ رہے۔ ان کے سمجھوتے بازی کے طریقوں نے مزدوروں کو انقلابی جدوجہد سے باز رکھنے میں بورژوازی کی مدد کی۔ فروری ۱۸۷۱ء میں قومی اسمبلی کے ممبر چنے گئے۔ پیرس کمیون کے دشمنوں ھی کے کیمپ میں رہے۔ صفحہ ۳۶۷

بلانک، روفیم مارکووچ (پیدائش ۱۸۶۶ء) — روسی لبرل صحافی، کیڈٹ پارٹی کے بائیں‌بازو کے طرفدار۔ صفحات ۴۷۲ — ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۲ — ۴۸۸، ۵۴۴

بلانکی (Blanqui)، لوئی آگستے (۱۸۰۵ء تا ۱۸۸۱ء) — فرانسیسی انقلابی، یوتوپیائی کمیونسٹ، ۱۸۳۰ء سے ۱۸۷۰ء تک پیرس کی بغاوتوں اور انقلابوں میں شریک ہوئے۔ کئی خفیہ انقلابی سوسائٹیوں کی سربراھی کی۔ کل ملا کر ۳۶ سال سے زیادہ جیل میں رہے۔ انقلابی سازشیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کی مدد سے اقتدار پر قبضے کرنے کی کوشش میں وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ انقلابی جدوجہد کے لئے عوام‌الناس کی تنظیم کو فیصلہ کن رول ادا کرنا ہوگا۔ مارکس اور لینن نے انقلابی

مقصد کے لئے ان کی خدمات کو بہت سراہا لیکن ان کی غلطیوں کی تنقید کی اور سازشی طریق کار کے لاحاصل ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ صفحات ۴۰۳، ۴۰۴، ۵۱۱

بلوخ (Bloch)، جوزف (۱۸۷۱ء تا ۱۹۳۶ء) — برلن یونیورسٹی کے طالب علم، بعد کو اخبار نویس، رسالہ ''سوزیالستیشے موناتشفتے،، کے پبلشر اور ایڈیٹر۔ صفحہ ۲۰۵

بلوس (Blos)، ولہلم (۱۸۴۹ء تا ۱۹۲۷ء) — جرمن مورخ اور صحافی، جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے دائیں بازو سے تعلق رکھتے تھے۔ صفحات ۲۴۰، ۲۶۰

بوربوں — فرانس کا شاہی خاندان (۱۵۸۹ء تا ۱۷۹۲ء، ۱۸۱۴ء — ۱۵ اور ۱۸۱۵ء تا ۱۸۳۰ء)۔ صفحہ ۱۲۵

بورگیئس (Borgius)۔ صفحہ ۲۱۹

بورینن، وکتور پتروو‌چ (۱۸۶۱ء تا ۱۹۲۶ء) — روسی صحافی اور ادیب، رجعت پرست اخبار ''نوویے وریمیا'' (نیا دور) کی مجلس ادارت کے رکن تھے۔ صفحات ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۸۹، ۵۱۷

بوگدانوف (سالینوفسکی)، الیکساندر الیکساندرووچ (۱۸۷۳ء تا ۱۹۲۸ء) — روسی فلسفی، عمرانیات‌داں اور معاشیات‌داں، پیشے کے اعتبار سے معالج۔ روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی دوسری کانگرس (۱۹۰۳ء) کے بعد بالشویکوں کے ساتھ تھے۔ ۰۷ — ۱۹۰۵ء کے انقلاب کی شکست کے بعد ۱۰ — ۱۹۰۷ء کے جبروتشدد کے دور میں بالشویزم سے الگ ہو گئے۔ خود اپنا فلسفیانہ نظام ''تجرباتی وحدانیت،، قائم کرنے کی کوشش کی جو مارکسی اصطلاحات کی آڑ میں داخلیت پرست عینیت پرست ساخی فلسفے کی ایک قسم تھی۔ جون ۱۹۰۹ء میں اخبار ''پرولتاری،، کی توسیعی مجلس ادارت کے ایک جلسے میں انھیں بالشویک پارٹی سے نکال دیا گیا۔ صفحہ ۳۰۵

بوگوسلافسکی (Boguslawski)، البرٹ فون (۱۸۳۴ء تا ۱۹۰۵ء) — جرمن جنرل جو فوجی موضوعات پر لکھا کرتے تھے۔ صفحات ۱۷۰، ۱۷۸

بولنگبروک (Bolingbroke)، ہنری (۱۶۷۸ء تا ۱۷۵۱ء) — انگریز خداپرست فلسفی اور سیاستداں، ایک ٹوری لیڈر۔ صفحہ ۱۴۲

بولیگن، الیکساندر گریگوریوچ (۱۸۵۱ء — ۱۹۱۹ء) — زار شاہی روس میں ریاستی لیڈر اور بڑا جاگیردار، ۱۹۰۵ء سے وزیرداخلہ ہوا۔ اس نے مشاورتی ریاستی دوما قائم کرنے کے لئے قانون کا مسودہ تیار کرنے کی رہنمائی کی۔ دوما قائم کرنے کا مقصد ملک میں بڑھتی ہوئی انقلابی تحریک کا گھٹانا تھا۔ ۱۹۰۵ء کی پہلی روسی انقلاب کی وجہ سے اس دوما کے لئے چناؤ ہوئے ہی نہیں۔ صفحات ۴۷۴، ۵۴۱

بوناپارٹ، لوئی — ملاحظہ ہو نپولین سوئم۔

بیبل (Bebel)، آگسٹ (۱۸۴۰ء تا ۱۹۱۳ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹوں اور بین الاقوامی مزدور طبقے کی تحریک کے ممتاز رہنما۔ ۱۸۶۰ء کے بعدوالی دہائی کے نصف اول میں اپنی سیاسی سرگرمیاں شروع کیں۔ پہلی انٹرنیشنل کے رکن تھے۔ ۱۸۶۹ء میں لیبکنیخت کے ساتھ مل کر جرمن سوشل ڈیموکریٹک مزدور پارٹی قائم کی۔ کئی بار رائخشٹاگ کے ممبر چنے گئے۔ انیسویں صدی کی آخری اور رواں صدی کی پہلی دہائی میں جرمن سوشل ڈیموکریٹک تحریک کے اندر اصلاح پرستی اور ترمیم پرستی کی مخالفت کی۔ صفحات ۱۶۸، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۵، ۵۳۳، ۵۳۵، ۵۴۲

بیرکلے (Berkeley)، جورج (۱۶۸۵ء تا ۱۷۵۳ء) — انگریز فلسفی، داخلی عینیت پرست۔ صفحہ ۳۰۵

بیلوروسوف، الیکسئی استانسلافووچ (۱۸۵۹ء تا ۱۹۱۹ء) — روسی بورژوا صحافی۔ ۱۹۱۷ء کے اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کے بعد مختلف انقلاب دشمن تنظیموں کے کام میں شریک ہوئے۔ صفحہ ۴۱۴

بیم باویرک (Böhm-Bawerk)، یوگینی (۱۸۵۱ء تا ۱۹۱۴ء) — آسٹریائی بورژوا معاشیات‌داں، سیاسی معاشیات میں نام نہاد آسٹریائی مکتب کے نمائندے۔ اس مکتب کے پیڑوں نے داخلیت پرستانہ عینیت پرستانہ موقف سے معاشی قوانین کی تشریح کرکے مارکسی خیالات کی ترویج میں رکاوٹ ڈالی۔ صفحات ۳۰۶، ۳۰۸، ۵۲۳

بیوخنر (Büchner)، فریڈرک کارل (۱۸۲۴ء تا ۱۸۹۹ء) — جرمن فلسفی، عامیانہ مادیت پسندی کے خاص نمائندے، پیشے کے اعتبار سے معالج۔ صفحات ۱۹۷، ۴۹۷

بیوشے (Buchez)، فلپ (۱۷۹۶ء تا ۱۸۶۵ء) — فرانسیسی سیاستداں اور مورخ، بورژوا ریپبلکن، عیسائی سوشلزم کے ایک نظریہ‌داں۔ صفحہ ۷۸

بیونگک، (Boenigk)، اوٹو فون — جرمن پبلک شخصیت۔ بریسلاؤ یونیورسٹی میں سوشلزم پر انھوں نے لیکچر دئے۔ صفحات ۲۰۳، ۵۱۴

بیئل (Bayle)، پیئر (۱۶۴۷ء تا ۱۷۰۶ء) — فرانسیسی فلسفی، مشکک۔ صفحہ ۱۳۴

— پ —

پانیے کوئیک (Panneckoeck)، آنتون (۱۸۷۳ء تا ۱۹۶۰ء) — ڈچ سوشل ڈیمو کریٹ۔ ۱۹۱۸—۲۱ء میں ہالینڈ کی کمیونسٹ پارٹی کے ممبر رہے، انتہائی بائیں‌بازو کا تنگ نظرانہ موقف اختیار کیا۔ ۱۹۲۱ء میں کمیونسٹ پارٹی سے الگ ہو گئے اور جلد ہی سیاست سے بھی کنارہ کش ہو گئے۔ صفحہ ۴۵۴

پرودھوں (Proudhon)، پیئر ژوزیف (۱۸۰۹ء تا ۱۸۶۵ء) — مشہور فرانسیسی صاحب قلم اور ماہر معاشیات و عمرانیات۔ نراج کے نظریہ‌دانوں میں سے ایک۔ صفحات ۱۸۰ — ۱۹۴، ۲۳۷، ۳۰۳، ۳۵۳، ۵۱۱، ۵۱۳، ۵۳۰

پروکوپووچ، سرگیئی نکولائیوچ (۱۸۷۱ء تا ۱۹۵۵ء) — ممتاز روسی بورژوا معاشیات‌داں اور صحافی۔ روس میں برنشٹائنیت کے اولیں علمبرداروں میں تھے۔ صفحات ۴۸۲، ۵۴۲

پسترونئی — ملاحظہ فرمائیے میخائیلوفسکی۔

پلیخانوف، گیورگی والنتینووچ (۱۸۵۶ء تا ۱۹۱۸ء) — روسی اور بین الاقوامی مزدور طبقے کی تحریک کی ممتاز شخصیت۔ روس میں سب سے پہلے مارکسزم کی ترویج کی۔

۱۸۸۳ء تا ۱۹۰۳ء کی مدت میں پلیخانوف نے بہت سی کتابیں لکھیں جنھوں نے مادیت پسندانہ خیالات کی مدافعت اور ترویج میں بڑی معاونت کی۔ لیکن اسوقت بھی انھوں نے بعض اہم غلطیاں کیں جو ان کے آئندہ منشویک خیالات کا نقش اول تھیں۔ روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی دوسری کانگرس کے بعد پلیخانوف موقع پرستوں کے ساتھ اشتراک کے حق میں تھے اور پھر منشویکوں کے ساتھ مل گئے۔

فروری ۱۹۱۷ء کے بورژوا جمہوری انقلاب کے بعد پلیخانوف ''یے دینتسوو،، (اتحاد) کا سربراہ تھا جو مدافعت‌پسند منشویکوں کا انتہائی دائیں‌بازو کا گروہ تھا۔ اس نے بالشویکوں اور اشتراکی انقلاب کی اس بنا پر مخالفت کی کہ روس سوشلزم کے لئے پختہ نہیں ہوا تھا۔ پلیخانوف نے اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی جانب منفی رویہ اختیار کیا لیکن سوویت اقتدار کے خلاف جدوجہد میں حصہ نہیں لیا۔ صفحات ۲۸۶، ۳۰۵، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۹۶، ۴۶۱، ۴۶۴، ۴۸۲، ۴۸۳، ۵۳۳

پومیالوفسکی، نکولائی گراسیمووچ (۱۸۳۵ء تا ۱۸۶۳ء) — روسی جمہوریت دوست ادیب، اپنی تصنیفات میں انھوں نے روس میں آمرانہ اور نوکر شاہی نظام کے تشدد اور من مانی حکمرانی کی مخالفت کی۔ صفحات ۳۹۵، ۵۳۵

پیکیر (Pecqueur)، کانستنتین (۱۸۰۱ء تا ۱۸۸۷ء) — فرانسیسی معاشیات‌داں، یوٹوپیائی سوشلسٹ۔ صفحہ ۵۷

مورخ، طبقاتی جدوجہد کے بورژوا نظریے کے بانیوں میں سے ایک۔ صفحات ۱۲۵، ۲۲۱، ۳۳۵

— د —

دریفس (Dreyfus)، آلفرید (۱۸۵۹ء — ۱۹۳۵ء) — فرانسیسی جنرل اسٹاف کا افسر، یہودی، جسے ۱۸۹۴ء میں اس جھوٹے الزام پر عمر قید کی سزا دی گئی کہ اس نے حکومت سے غداری کی۔ وسیع پبلک تحریک پھیلی جانے کی وجہ سے ۱۸۹۹ء میں اسے معافی دی گئی اور ۱۹۰۶ء میں اسے اپنے فوجی عہدے پر بحال کر دیا گیا۔ صفحہ ۳۴۸

دوباسوف، فیودور وسیلی‌ئیوچ (۱۸۴۵ء تا ۱۹۱۲ء) — ایڈمرل، زارشاہی رجعت پرستی کی روح و رواں، ماسکو میں دسمبر ۱۹۰۵ء کی مسلح بغاوت کو کچلنے کے ذمہ‌دار۔ صفحات ۱۷۴، ۴۸۱، ۴۸۴، ۴۸۶، ۴۸۷

دوبرولیوبوف، نکولائی الیکساندرووچ (۱۸۳۶ء تا ۱۸۶۱ء) — روسی انقلابی جمہوریت دوست، ادبی نقاد اور مادیت پسند فلسفی روسی سوشل ڈیموکریسی کے پیش‌رو۔ صفحہ ۴۲۳

دورنووا، پیوتر نکولائیوچ (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۵ء) — زارشاہی روس کے بہت ہی رجعت پرست مدبر۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں وزیرداخلہ مقرر کئے گئے۔ پہلے روسی انقلاب کو کچلنے میں بڑے وحشیانہ‌پن سے کام لیا۔ قتل عام کے لئے سیاہ سیکڑوں نامی تنظیموں کی سرگرمی میں مدد کی۔ صفحہ ۴۸۱

دیکارت (Descartes)، رینے (۱۵۹۶ء تا ۱۶۵۰ء) — مادہ‌وروح کی دوئی کو ماننے‌والے فرانسیسی فلسفی، ریاضیات‌داں اور نیچری۔ صفحہ ۲۰۱

— ڈ —

ڈارون (Darwin)، چارلس رابرٹ (۱۸۰۹ء تا ۱۸۸۲ء) — انگریز

35*

نیچری، حیوانات و نباتات کی انواع کی اصل و تکامل کے سائنسی نظریے کے بانی۔ صفحات ۱۰۲، ۱۹۷ — ۱۹۹، ۲۲۶، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۴

ڈائیوکلیشین (تقریباً ۲۴۵ء تا ۳۱۳ء) — رومی شہنشاہ (۲۸۴ء تا ۳۰۵ء)۔ صفحہ ۱۷۹

ڈٹمان (Dittmann)، ولہلم (۱۸۷۴ء تا ۱۹۵۴ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹوں کے ایک لیڈر، صحافی۔ ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۲ء جرمنی کی آزاد سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے دائیں بازو کے لیڈروں میں تھے۔ صفحہ ۴۸۸

ڈزرائیلی (Disraeli)، بنجمن، ارل آف بیکنس فیلڈ (۱۸۰۴ء تا ۱۸۸۱ء) — برطانوی مدبر اور ادیب، ٹوری لیڈر، انیسویں صدی کے نصف آخر میں کنسرویٹیو پارٹی کے لیڈر۔ وزیر اعظم (۱۸۶۸ء اور ۱۸۷۴ء تا ۱۸۸۰ء)۔ صفحہ ۱۵۰

ڈیورنگ (Dühring) یوگینی (۱۸۳۳ء تا ۱۹۲۱ء) — جرمن فلسفی اور معاشیات داں، جن کے خیالات اثباتیت، مابعدالطبیعیاتی مادیت اور عینیت کا اصطفائی مرکب تھے۔ صفحات ۲۰۶، ۲۲۲، ۲۴۴، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۹ — ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۳، ۲۸۹، ۳۰۳، ۳۰۶، ۴۸۵، ۴۹۷، ۴۹۹، ۵۱۶، ۵۱۸

— ج —

جووینال (۶۰ء کے قریب پیدا ہوئے اور ۱۲۷ء کے بعد ان کا انتقال ہوا) — ممتاز رومی طنزیہ شاعر۔ صفحہ ۱۷۷

— چ —

چرنیشیفسکی، نکولائی گاوریلووچ (۱۸۲۸ء تا ۱۸۸۹ء) — روسی انقلابی جمہوریت دوست، سائنس داں، ادیب اور ادبی نقاد، روسی سوشل ڈیموکریسی کے ایک پیش رو۔ صفحہ ۴۲۳

چیرنوف، وکتور میخائیلووچ (۱۸۷۶ء تا ۱۹۵۲ء) — سوشلسٹ انقلابیوں کے ایک لیڈر اور نظریہ‌داں۔ ۱۹۱۷ء میں بورژوا عارضی حکومت میں وزیرزراعت۔ جن کسانوں نے زمینی تعلقوں پر قبضہ کر لیا تھا ان کے خلاف سخت مظالم کی پالیسی پر عمل کیا۔ صفحات ۳۹۶، ۴۰۵، ۴۱۶

چھے‌ایدزے، نکولائی سیمیونووچ (۱۸۶۴ء تا ۱۹۲۶ء) — ایک منشویک لیڈر۔ صفحات ۳۶۳، ۳۶۷

— ر —

رچرڈ اول شیردل (۱۱۵۷ء تا ۱۱۹۹ء) — ۱۱۸۹ء سے ۱۱۹۹ء تک انگلستان کا بادشاہ۔ صفحہ ۲۱۸

روسو (Rousseau)، ژاں ژاکے (۱۷۱۲ء تا ۱۷۷۸ء) — فرانسیسی فلسفی، ادیب اور سماجی نظریہ‌داں، اٹھارویں صدی کے فرانسیسی بورژوا انقلاب کی نظریاتی تیاری کے لئے بہت کچھ کیا۔ صفحات ۶۳، ۲۱۸، ۲۷۶، ۵۱۶

روگے (Ruge)، آرنلڈ (۱۸۰۲ء تا ۱۸۸۰ء) — جرمن صحافی، نوجوان ہیگلی، بورژوا ریڈیکل۔ ۱۸۴۴ء میں مارکس کے ساتھ مل کر رسالہ «Deutsch-Französische Jahrbücher» پیرس میں شائع کیا۔ لیکن جلدھی مارکس نے اصولی باتوں پر روگے سے اختلاف کیا۔ صفحہ ۲۶۱، ۴۹۶، ۵۲۰

رومانوف، نکولائی — ملاحظہ ہو نکولائی دوئم۔

ریکارڈو (Ricardo)، ڈیوڈ (۱۷۷۲ء تا ۱۸۲۳ء) — انگریز معاشیات‌داں، کلاسیکی سیاسی معاشیات کے ممتاز نمائندے۔ صفحات ۱۹۶، ۳۲۶

رینر (Renner)، کارل (۱۸۷۰ء تا ۱۹۵۰ء) — آسٹریائی سیاستداں، آسٹریا کے دائیں بازو کے سوشل ڈیموکریٹوں کے لیڈر۔ ”آسٹریائی

مارکسزم،، کے ایک نظریہ‌داں اور ''تہذیبی قومی خود اختیاری،، کے بورژوا قوم‌پرستانہ نظریے کے ایک بانی - صفحہ ۳۴۹، ۵۳۱

ریوسلر (Rößler)، کانستینتین (۱۸۲۰ء تا ۱۸۹۶ء) — جرمن صحافی، برلن میں نیم‌سرکاری ادبی بیورو کے سربراہ (۱۸۷۷ء تا ۱۸۹۲ء) حیثیت سے بسمارک کی پالیسی کی حمایت کی - صفحہ ۱۷۸

— ز —

زیتبیر (Soetbeer)، گیورگ ادولف (۱۸۱۴ء تا ۱۸۹۲ء) — جرمن معاشیات‌داں اور ماہر شماریت - صفحہ ۲۰۹

زی کنگین (Sickingen)، فرانز فون (۱۴۸۱ء تا ۱۵۲۳ء) — جرمن نائٹ، اصلاح مسیحیت کے طرفدار ہو گئے اور ۲۳ — ۱۵۲۲ء میں نائٹوں کی بغاوت کی سربراہی کی - صفحہ ۱۳۸

— ژ —

ژوریس (Gaurés)، ژاں (۱۸۵۹ء تا ۱۹۱۴ء) — فرانسیسی اور بین‌الاقوامی سوشلسٹ تحریک میں ایک ممتاز شخصیت، مورخ - فرانس کی متحدہ سوشلسٹ پارٹی کے دائیں بازو کے ایک رہنما، پارٹی کے مرکزی ترجمان ''لیومانیتے،، کے بانی اور مدیر خصوصی - عسکریت پرستی اور آئندہ سامراجی جنگ کے خلاف انہوں نے سرگرمی سے جدوجہد کی - جون ۱۹۱۴ء میں عسکریت پرستوں کے ایک زرخرید نے انھیں قتل کر دیا - صفحات ۳۱۰، ۵۲۵، ۵۳۴

ژوکوفسکی، یولئی گلاکتیونوچ (۱۸۲۲ء تا ۱۹۰۷ء) — روسی بورژوا معاشیات‌داں اور صحافی - اس کی کتاب ''کارل مارکس اور سرمائے کے بارے میں ان کی تصنیف،، مارکسزم پر کینہ‌پرورانہ حملوں سے بھری ہوئی تھی - صفحات ۲۲۷، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۷، ۵۱۶

— س —

— ش —

شریدر (Schröder)، کارل (۱۸۸۴ء — تا ۱۹۵۰ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ، ادیب اور صحافی۔ جرمنی میں ۱۹۱۸ء کے انقلاب کے بعد کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہوئے اور بائیں بازو کے حزب مخالف کے طرفدار ہوئے۔ جب بائیں بازو کے حزب مخالف کو جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی سے نکال دیا گیا تو انھوں نے جرمنی کی کمیونسٹ مزدور پارٹی کی تشکیل میں حصہ لیا۔ جلدھی اس سے کنارہ کش ہوکر جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں واپس چلے گئے۔ صفحہ ۴۵۴

شمیت (Schmidt)، کونراد (۱۸۶۳ء تا ۱۹۳۲ء) — جرمن معاشیات داں اور فلسفی اپنی سرگرمی کے شروع میں کارل مارکس کے معاشی نظریے کے حامی تھے لیکن بعد کو مارکس‌ازم کے بورژوا مخالفین سے مل گئے۔ ان کی تصنیفات ترمیم پرستی کے لئے نظریاتی ماخذ بن گئیں۔ صفحات ۲۰۱، ۲۰۷

شیئدمان (Scheidemann)، فلپ (۱۸۶۵ء تا ۱۹۳۹ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹوں کے انتہائی دائیں‌بازو یعنی موقع‌پرست بازو کے ایک لیڈر۔ ۱۹۱۹ء میں فروری سے جون تک وائیمر ریپبلک کی متحدہ حکومت کے سربراہ۔ ۱۹۱۸ — ۲۱ء میں جرمن مزدوروں کی تحریک کے خون‌آشام طریقے سے کچل دئے جانے میں پیش پیش رہے۔ صفحات ۴۲۲، ۴۶۱

— ف —

فارسٹر (Forster)، ولیم ایڈورڈ (۱۸۱۸ء تا ۱۸۸۶ء) — انگریز فیکٹری مالک اور سیاستداں، لبرل، ممبر آف پارلیمنٹ، چیف سکریٹری برائے آئرلینڈ (۱۸۸۰ — ۸۲ء) — قومی آزادی کی تحریک کو وحشیانہ طور پر کچلنے کی پالیسی پر عمل کیا۔ صفحات ۱۴۸، ۱۴۹

— ک —

بورژوازی کے مفادات کا اظہار کرتا تھا۔ صفحات ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۳۹، ۲۱۸

<u>کانٹ</u> (Kant)، ایمانوئیل (۱۷۲۴ء تا ۱۸۰۴ء) — جرمن فلسفی، کلاسیکی جرمن عینیت پرستی کے خالق۔ صفحات ۲۱۴، ۲۱۸، ۳۰۴، ۵۲۳

<u>کانستنتین اول</u> (تقریباً ۲۷۴ء تا ۳۳۷ء) — روسی شہنشاہ۔ صفحہ ۱۷۹

<u>کاؤتسکی</u> (Kautsky)، کارل (۱۸۵۴ء تا ۱۹۳۸) — جرمن سوشل ڈیموکریٹوں کے اور دوسری انٹرنیشنل کے ایک لیڈر اور نظریہ‌داں۔ مارکسی نظریے کے بارے میں متعدد کتابوں کے مصنف۔ سامراجی جنگ عظیم شروع ہوئی، (۱۹۱۴ء میں) تو انھوں نے جنگ کی حمایت کرکے اور جرمن سامراجیت کی پالیسی کو حق بجانب بناکر سوشلزم سے دغا کی۔ جرمن سوشل ڈیموکریسی اور دوسری انٹرنیشنل میں موقع‌پرستی کے انتہائی خطرناک اور نقصان‌ده رجحان — مرکزپرستی کے بانی۔ روس میں اکتوبر ۱۹۱۷ء کے سوشلسٹ انقلاب کے بعد انھوں نے سوویت اقتدار اور پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی مخالفت کی۔ صفحات ۲۲۵، ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۹۹، ۳۵۰، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۶۷، ۴۶۱، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۷۳، ۴۸۸، ۴۹۳

<u>کاوینیاک</u> (Cavaignac)، لوئی ایوجین (۱۸۰۲ء تا ۱۸۵۷ء) — فرانس کا ایک جنرل اور رجعت‌پرست سیاسی لیڈر۔ جون ۱۸۴۸ء سے لیکر فوجی ڈیکٹیٹرشپ کا سربراہ۔ پیرس کے مزدوروں نے جون میں جو بغاوت کی تو اس نے اسے انتہائی بےدردی سے کچل ڈالا۔ صفحہ ۴۱۶

کرامویل (Cromwell)، آلیور (۱۵۹۹ء تا ۱۶۵۸ء) — ۱۷ ویں صدی کے انگلستانی بورژوا انقلاب کے دوران میں بورژوازی اور بورژوا بن جانےوالے طبقۂ امرا کے لیڈر — ۱۶۵۳ء سے

انگلستان، اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کے لارڈ پروٹیکٹر (محافظ اعلی) رہے۔ صفحات ۱۳۹، ۲۲۱

کروپوتکن، پیوتر الیکسی‌ئیوچ (۱۸۴۲ء تا ۱۹۲۱ء) — نراجیت پرستی کے ایک ممتاز لیڈر اور نظریہ داں۔ صفحہ ۳۹۶

کریسپین (Crispien)، آرتھر (۱۸۷۵ء تا ۱۹۴۶ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹوں کے ایک لیڈر، صحافی۔ ۱۹۱۷ — ۲۲ء میں جرمنی کی آزاد سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے دائیں بازو کے سربراہ تھے۔ صفحہ ۴۸۸

کلاؤسیوتز (Clausewitz)، کارل (۱۷۸۰ء تا ۱۸۳۱ء) — پرشائی جنرل، فوجی اصولوں کے ماہر۔ صفحات ۳۷۱، ۳۷۵

کلوپشٹاک (Klopstock)، فریڈرک گوتلیب (۱۷۲۴ء تا ۱۸۰۳ء) — جرمن شاعر۔ صفحہ ۲۲۵

کوبڈن (Cobden)، رچرڈ (۱۸۰۴ء تا ۱۸۶۵ء) — انگریز فیکٹری مالک، وھگ پارٹی کے ایک لیڈر، قانون غلہ کے خلاف آزاد تجارت کےلئے تحریک کی جدوجہد کے سربراہ رہے۔ صفحہ ۱۴۹

کورنیلوف، لافر گیورگیئوچ (۱۸۷۰ء تا ۱۹۱۸ء) — زارشاھی جنرل۔ اگست ۱۹۱۷ء میں ایک انقلاب دشمن بغاوت کی سربراھی کی۔ اس کی ناکامی کے بعد قید کر دئے گئے، قید سے فرار ھوکر ڈان کے علاقے میں جا پہنچے جہاں سفیدگارڈ ''رضاکار فوج،، کے ناظم اور پھر کمانڈر بنے۔ صفحات ۴۰۴ — ۴۰۶، ۴۱۳، ۴۱۶، ۴۱۸، ۵۳۶، ۵۳۷

کورنیلیسین (Cornelissen)، کرستیان — ڈچ نراجیت پرست، کروپوتکن کے پیرو — مارکسزم کے مخالف رہے، پہلی جنگ عظیم

36*

(۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے دوران میں جارحانہ قوم پرست تھے۔ صفحہ ۳۹۶

کوسکووا، یکاترینا دمتریئونا (۱۸۶۹ء تا ۱۹۵۸ء) — روسی پبلک شخصیت اور صحافی۔ ۱۹۰۶ء میں ایس۔ این۔ پروکوپووچ کے ساتھ مل کر ایک نیم کیڈٹ، نیم منشویک رسالہ ''بیز زگلاویئا'' (بلاعنوان) شائع کیا۔ صفحہ ۴۸۲، ۵۴۲

کوگلمان (Kugelmann)، لوڈویگ (۱۸۳۰ء تا ۱۹۰۲ء) — جرمن معالج جنھوں نے ۱۸۴۸ء — ۴۹ کے انقلاب میں حصہ لیا، پہلی انٹرنیشنل کے ممبر اور اس کی کئی کانگرسوں میں ڈیلی گیٹ۔ مارکس خاندان کے دوست۔ ۱۸۶۲ء اور ۱۸۷۴ء کے درمیان مارکس سے خط و کتابت رکھی اور انھیں جرمنی کے حالات سے باخبر رکھا۔ صفحات ۱۹۵، ۵۳۱، ۵۴۴

کیرینسکی، الیکساندر فیودوروووچ (۱۸۸۱ء تا ۱۹۷۰ء) — سوشلسٹ انقلابی۔ فروری ۱۹۱۷ء کے بورژوا جمہوری انقلاب کے بعد بورژوا عارضی حکومت میں وزیر انصاف، وزیر فوج و بحریہ اور پھر وزیر اعظم اور سپریم کمانڈر ان چیف ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں ملک سے فرار ہو گئے۔ صفحات ۴۰۵، ۴۱۳

کیزیویٹر، الیکساندر الیکساندرووچ (۱۸۶۶ء تا ۱۹۳۳ء) — روسی لبرل بورژوا مورخ اور صحافی۔ صفحات ۴۷۶ — ۴۷۹، ۴۸۱

کیمپ ھاؤزین (Camphausen)، لوڈولف (۱۸۰۳ء تا ۱۸۹۰ء) — پرشائی مدبر، رائن کی لبرل بورژوازی کے ایک لیڈر۔ ۲۹ مارچ سے ۲۰ جون ۱۸۴۸ء تک پرشا کی بورژوا لبرل حکومت کے سربراہ رہے۔ مزدور طبقے کے ساتھ اس حکومت کی دغابازانہ پالیسی نے ملک میں رجعت پرست قوتوں کو اقتدار حاصل کرنے کے لائق بنا دیا۔ صفحہ ۴۶۹

کیولیر (Köller)، ارنسٹ ماتھیاس (۱۸۴۱ء تا ۱۹۲۸ء) — جرمن رجعت پرست مدبر، رائخشٹاگ کے رکن (۱۸۸۱ء تا ۱۸۸۸ء)، پرشا کے وزیرداخلہ (۱۸۹۴ء — ۹۵)، سوشل ڈیموکریٹک پارٹی پر جبر و ظلم کرنے کی پالیسی پر کاربند رہے۔ صفحہ ۱۷۹

— گ —

گاریبالدی (Garibaldi)، جوزیپے (۱۸۰۷ء تا ۱۸۸۲ء) — اطالوی انقلابی جمہوریت دوستوں کے لیڈر اور ممتاز سپہ سالار۔ ۱۸۴۸ء تا ۱۸۶۷ء کے عرصے میں بیرونی غلبے کے خلاف اطالوی عوام کی جدوجہد کے سربراہ رہے اور اٹلی کے اتحاد کے لئے جدوجہد کی۔ صفحہ ۳۵۲

گچکوف، الیکساندر ایوانووچ (۱۸۶۲ء تا ۱۹۳۶ء) — بڑے روسی سرمایہ دار، اکتوبری پارٹی کے ناظم اور لیڈر۔ فروری ۱۹۱۷ء کے بورژوا جمہوری انقلاب کے بعد پہلی بورژوا عارضی حکومت میں وزیر فوج و بحریہ ہو گئے۔ صفحات ۳۶۴، ۳۶۷

گراسکس (Gracchus)، گیئس سیمپرونیس (۱۵۳ تا ۱۲۱ ق م) اور ٹیبیریس سیمپرونیس (۱۶۳ تا ۱۳۳ ق م)۔ گراسکس برادران کے نام سے مشہور تھے۔ یہ رومی ٹریبون تھے جنھوں نے زرعی قوانین کو کسانوں کے مفادات کے مطابق نافذ کرانے کے لئے جدوجہد کی۔ صفحہ ۱۷۷

گراو (Grave)، ژان (۱۸۵۴ء تا ۱۹۳۹ء) — فرانسیسی پٹی بورژوا سوشلسٹ، نراجیت پرستی کے نظریہ داں۔ ۲۰ ویں صدی کے شروع میں انارکو سینڈیکالزم کا موقف اختیار کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے دوران میں سوشل جارحانہ قوم پرستی کے پیرو رہے۔ صفحہ ۳۹۶

گفن (Giffen)، رابرٹ (۱۸۳۷ء تا ۱۹۱۰ء) — برطانوی بورژوا معاشیات داں اور ماہر عددیات، مالیات کے ماہر، بورڈ

برائے تجارت میں محکمہ عددیات کے سربراہ (۹۷ – ۱۸۷۶ء)۔ صفحہ ۱۱۷

گلوانی (Galvani)، لوئجی (۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۸ء) — اطالوی ماہر عضویات و طبیعیات، گالوانزم کے بانی جس نے جاندار نظام میں برقی رو کا وجود ثابت کیا۔ گلوانی کے تجربات نے نیچری سائنس کے ارتقا پر بڑا اثر ڈالا اور اسی سے برقی عضویات کی ابتدا ہوئی۔ صفحہ ۲۶۳

گلیڈسٹن (Gladstone)، رابرٹ (۱۸۱۱ء تا ۱۸۷۲ء) — برطانوی بزنس‌مین، بورژوا خیرات پسند، ولیم گلیڈسٹن کے رشتے کے بھائی۔ صفحہ ۸۲

گلیڈسٹن (Gladstone)، ولیم (۱۸۰۹ء تا ۱۸۹۸ء) — برطانوی ٹوری مدبر - ۱۹ ویں صدی کے نصف آخر میں لبرل پارٹی کے لیڈر، وزیر اعظم (۱۸۶۸ء تا ۱۸۷۴ء، ۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۵ء، ۱۸۹۲ء تا ۱۸۹۴ء)۔ صفحہ ۸۲

گوتس، ابرام رفائیلووچ (۱۸۸۲ء تا ۱۹۴۰ء) — ایک سوشلسٹ انقلابی لیڈر - اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کے بعد سوویت اقتدار کے خلاف جدوجہد کی۔ صفحات ۴۱۳، ۴۱۸

گولڈ (Gould)، جے (۱۸۳۶ء تا ۱۸۹۲ء) — امریکی کروڑپتی، ریلوے بزنس‌مین اور سرمایہ‌کار۔ صفحہ ۲۰۹

گولیخ (Gülich)، گستاف (۱۷۹۱ء تا ۱۸۴۷ء) — جرمن بورژوا معاشیات‌داں اور مورخ۔ قومی معیشت کی تاریخ کے بارے میں متعدد کتابوں کے مصنف۔ صفحہ ۲۲۲

گوئیٹے (Goethe)، یوہن وولف‌گانگ (۱۷۴۹ء تا ۱۸۳۲ء) — جرمن ادیب اور مفکر۔ صفحات ۷۵، ۹۳، ۵۳۲

گے، الیکساندر (وفات ۱۹۱۹ء) — روسی نراجیت پرست - اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کے بعد سے سوویت اقتدار کے حامی ہو گئے - صفحہ ۳۹۷

گیزو (Guizot)، فرانسوآ پیئر هیوم (۱۷۸۷ء تا ۱۸۷۴ء) — فرانسیسی مورخ اور مدبر — ۱۸۴۰ء سے فروری ۱۸۴۸ء کے انقلاب تک فرانس کی داخله و خارجه پالیسی چلائی اور بڑی مالیاتی بورژوازی کے مفادات کا اظہار کیا - صفحات ۴۸، ۱۲۵، ۲۲۱، ۳۳۵

گیگچکوری، یوگینی پیترووچ (سال پیدائش ۱۸۷۹ء) — منشویک، نومبر ۱۹۱۷ء سے ساورائے قفقاز میں انقلاب دشمن حکومت کے صدر رہے، بعد کو جارجیائی منشویک حکومت کے وزیرخارجه اور نائب صدر ہوئے - ۱۹۲۱ء میں ملک سے فرار ہو گئے - صفحه ۴۱۸

گیئد (Guesde)، ژولے (۱۸۴۵ء تا ۱۹۲۲ء) — فرانسیسی سوشلسٹ تحریک اور دوسری انٹرنیشنل کے ناظموں اور لیڈروں میں تھے - فرانس میں مارکسزم کی ترویج و اشاعت اور سوشلسٹ تحریک کے ارتقا کے لئے بڑا کام کیا - لیکن دائیں بازو کے سوشلزم کی مخالفت کرنے میں انھوں نے نظریه اور طریق کار دونوں میں تنگ نظری کی غلطیاں کیں - ۱۹۱۴ — ۱۸ء کی پہلی جنگ عظیم کی ابتدا میں سوشل جارحانه قوم پرستی کا موقف اختیار کیا اور فرانسیسی بورژوا حکومت میں شریک ہو گئے - صفحات ۳۱۰، ۴۶۱، ۵۲۴

— ل —

لابری اولا (Labriola)، آرتور (۱۸۷۳ء تا ۱۹۰۹ء) — اطالوی سیاستداں، وکیل اور معاشیات داں، اطالوی سینڈیکالزم تحریک کے ایک لیڈر - سینڈیکالزم کے نظریے کے بارے میں متعدد کتابوں کے مصنف جن میں انھوں نے ''انقلابی مزدور سبھائیت''

کے پروگرام کو مارکسزم سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ صفحہ ۳۱۱

لاسال (Lassalle)، فرڈیناںڈ (۱۸۲۵ء تا ۱۸۶۴ء) — جرمن پٹی بورژوا سوشلسٹ، لاسالیت کے بانی جوکہ جرمن مزدور طبقے کی تحریک میں موقع پرستی کی ایک قسم تھی۔ جرمن مزدوروں کی عام انجمن (۱۸۶۳ء) کے ایک بانی۔ جرمنی کو ''اوپر سے،، پرشیا کی حکومت میں متحد کرنے کے خیال کے حق میں تھے۔ صفحات ۶۴ — ۶۷، ۷۲، ۷۳، ۷۵ — ۷۸، ۱۶۸، ۳۷۸، ۳۸۸ — ۳۹۱

لاک (Locke)، جان (۱۶۳۲ء تا ۱۷۰۴ء) — روح و مادہ کی دوئی کو ماننے والے انگریز فلسفی، علم کا احساسی نظریہ وضع کیا جو بنیاد کے اعتبار سے مادیت پسند تھا، بورژوا معاشیات داں۔ صفحہ ۲۱۴

لاگاردیل (Lagardelle)، یوبیر (سال پیدائش ۱۸۷۴ء) — فرانسیسی پٹی بورژوا سیاستداں، نراجی سینڈیکالسٹ۔ فرانس میں نراجی مزدور سبھائیت کی تاریخ کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ صفحہ ۳۱۱

لانگوے (Longuet)، ژاں (۱۸۷۶ء تا ۱۹۳۸ء) — فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی اور دوسری انٹرنیشنل کے ایک لیڈر، صحافی۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے دوران میں فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی کے اندر میانہ رو صلح جو اقلیت کے سربراہ تھے۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل سے فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی کے الحاق اور فرانس کی کمیونسٹ پارٹی کے قیام کی مخالفت کی۔ صفحات ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۷۳، ۴۸۸،

لانگے (Lange)، فریڈرک البرٹ (۱۸۲۸ء تا ۱۸۷۵ء) — جرمن فلسفی داخلیت پسند عینیت پرست، اولیں نوکانٹیوں میں تھے۔ صفحات ۷۶، ۴۹۷

لاوروف، پیوتر لافرووچ (۱۸۲۳ء تا ۱۹۰۰ء) — نرودنیچیستوا کے نظریہ‌داں، عمرانیات میں داخلیت پسند اسکول کے نمائندے۔ رجعت پرست نرودنیک نظریے ''سورما'' اور ''عام لوگوں کی بھیڑ'' کے بانی۔ یہ نظریہ سماج کے ارتقا کو منضبط کرنےوالے معروضی قوانین سے انکار کرتا تھا اور نوع انسانی کی ترقی کو ''تنقیدی انداز میں سوچنےوالے افراد'' کا کارنامہ بتاتا تھا۔ صفحات ۱۹۷ — ۱۹۹، ۲۰۱

لاؤفینبرگ (Laufenberg)، ہنریخ (ایرلیر، کارل) (۱۸۷۲ء تا ۱۹۳۲ء) — جرمن بائیں بازو کے سوشل ڈیموکریٹ صحافی، جرمنی میں ۱۹۱۸ء کے انقلاب کے بعد جرمن کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے، اس کے ''بائیں بازو'' کے حزب مخالف کے سربراہ تھے۔ جب کمیونسٹ پارٹی سے ''بائیں بازو'' کے حزب مخالف کو نکال دیا گیا تو انھوں نے جرمنی کی نام نہاد کمیونسٹ مزدور پارٹی قائم کرنے میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۰ء میں اس پارٹی سے بھی نکال دیا گیا۔ صفحہ ۴۵۴

لائسس (Lysis)، اصلی نام ہے لیتائر (Letailleur) یوگینی — فرانسیسی بورژوا معاشیات داں، مالیاتی اور سیاسی موضوعات پر کئی کتابوں کا مصنف۔ صفحہ ۳۷۶

لکسمبرگ (Luxemburg)، روزا (۱۸۷۱ء تا ۱۹۱۹ء) — بین الاقوامی مزدور طبقے کی تحریک کی ممتاز شخصیت، ''اسپارٹاکس لیگ'' کی ایک ناظم۔ جرمنی میں نومبر ۱۹۱۸ء کے انقلاب کے بعد جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی کی افتتاحی کانگرس میں شریک ہوئیں۔ جنوری ۱۹۱۹ء میں شیئدمان حکومت کے حکم پر انھیں گرفتار کرکے قتل کر دیا گیا۔ صفحہ ۴۶۶

لوتھر (Luther)، مارٹن (۱۴۸۳ء تا ۱۵۴۶ء) — جرمن اصلاح مسیحیت کے لیڈر، جرمنی میں پروٹسٹنٹ فرقے (لوتھریت) کے بانی۔ جرمن برگروں کے نظریہ‌داں۔ صفحات ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۳۹، ۲۱۸

لووف، گیورگی یوگینیوچ (۱۸۶۱ء تا ۱۹۲۵ء) — بڑے روسی زمیندار، آئینی جمہوریت دوست۔ فروری ۱۹۱۷ء کے بورژوا جمہوری انقلاب کے بعد مارچ سے جولائی تک بورژوا عارضی حکومت میں مجلس وزراء کے صدر اور وزیر داخلہ رہے۔ صفحات ۳۶۴، ۳۶۷

لوئی بوناپارٹ — ملاحظہ ہو نپولین سوئم۔

لوئی چہاردہم (۱۶۳۸ء تا ۱۷۱۵ء) — ۱۶۴۳ء سے ۱۷۱۵ء تک بادشاہ فرانس۔ صفحہ ۱۳۴

لوئی فلپ (۱۷۷۳ء تا ۱۸۵۰ء) — ڈیوک آف آرلینس، بادشاہ فرانس (۱۸۳۰ء تا ۱۸۴۸ء)۔ صفحات ۷۸، ۸۱، ۱۴۰، ۱۴۸

لوئی نپولین — ملاحظہ ہو نپولین سوئم۔

لیبکنیخت (Liebknecht)، کارل (۱۸۷۱ء تا ۱۹۱۹ء) — جرمن اور بین الاقوامی مزدور طبقے کی تحریک میں ممتاز شخصیت؛ جرمنی میں بائیں بازو کے سوشل ڈیموکریٹوں کے لیڈروں میں تھے۔ ویلہلم لیبکنیخت کے بیٹے۔ ''اسپارٹاکس لیگ'' کے ناظم اور لیڈر۔ نومبر ۱۹۱۸ء کے انقلاب کے دوران میں روزا لکسمبرگ کے ساتھ جرمن مزدوروں کے انقلابی ہراول کے لیڈر تھے۔ جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی کے بانیوں میں تھے اور جنوری ۱۹۱۹ء میں برلن کے مزدوروں کی بغاوت کے رہنما تھے۔ اس بغاوت کو کچل دیا گیا اور رجعت پرستوں نے انھیں وحشیانہ پن کے ساتھ قتل کر دیا۔ صفحات ۴۵۸، ۵۴۲

لیبکنیخت (Liebknecht)، ولہلم (۱۸۲۶ء تا ۱۹۰۰ء) — جرمن اور بین الاقوامی مزدور طبقے کی تحریک میں ممتاز شخص تھے اور جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے بانی اور رہنما تھے۔ مارکس اور اینگلس کے دوست اور ہمارہ تھے۔ صفحہ ۲۹۵

موڈی (Moody)، ڈوائٹ لائمن (۱۸۳۷ء تا ۱۸۹۹ء) — امریکی ایوانجیلسٹ۔ صفحہ ۱۴۷

مولیشوت (Moleschott)، جیکب (۱۸۲۲ء تا ۱۸۹۳ء) — ڈچ سائنس‌داں، عامیانہ مادیت کے خاص علمبرداروں میں تھے۔ انھوں نے نیچر اور سماج کے بارے میں میکانیٹی خیالات کا احیا کیا۔ صفحہ ۱۹۷

مونتیسکیو (Montesquieu)، شارل لوٹی (۱۶۸۹ء تا ۱۷۵۵ء) — ممتاز فرانسیسی عمرانیات‌داں، معاشیات داں اور روشن خیالی کے ادیب، آئینی بادشاہت کے نظریہ داں۔ صفحہ ۲۱۸

میٹرنک (Metternich)، کلیمنس، پرنس (۱۷۷۳ء تا ۱۸۵۹ء) — آسٹریائی رجعت پرست مدبر، وزیر خارجہ (۱۸۰۹ء تا ۱۸۲۱ء) اور چانسلر (۱۸۲۱ء تا ۱۸۴۸ء)۔ صفحہ ۱۰۹

میخائیلوفسکی، نکولائی کانستنتینووچ (۱۸۴۲ء تا ۱۹۰۴ء) — لبرل نرودیت کے نظریہ‌داں، صحافی، ادبی نقاد، عمرانیات میں داخلیت پسند مکتب کے نمائندے۔ ۱۸۹۲ء سے رسالہ ''روسکوئے بگاتستوو،، (روسی دولت) کے ایڈیٹر جس کے ذریعے انھوں نے مارکسیوں کے خلاف جدوجہد کی۔ صفحات ۲۲۵، ۲۲۷ — ۲۳۰، ۲۳۵ — ۲۳۸، ۲۴۰ — ۲۶۶، ۲۶۸ — ۲۷۲، ۲۷۶ — ۲۷۸، ۲۸۱ — ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۲، ۵۱۶، ۵۲۰

میرنگ (Mehring)، فرانز (۱۸۴۶ء تا ۱۹۱۹ء) — جرمن مزدور طبقے کی تحریک میں ممتاز شخصیت، مورخ اور صحافی۔ ۱۹ ویں صدی کی نویں دہائی میں مارکسی ہو گئے، جرمنی کی اور جرمن سوشل ڈیموکریسی کے بارے میں متعداد کتابیں لکھیں، کارل مارکس کے سوانح نگار، جرمن سوشل ڈیموکریٹوں کے لیڈروں اور نظریہ دانوں میں تھے، جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھنے میں نمایاں رول ادا کیا۔ صفحات ۲۱۶، ۳۶۸، ۳۶۹

میکڈونلڈ (MacDonald)، جیمس ریمزے (۱۸۶۶ء تا ۱۹۳۷ء) — برطانوی سیاستداں، آزاد لیبر پارٹی اور لیبر پارٹی کے بانی اور لیڈر۔ موقع پرستانہ پالیسی پر عمل کرتے تھے اور طبقاتی تعاون اور سرمایہ‌داری کے رفتہ رفتہ بڑھ کر سوشلزم بن جانے کے نظریے کی تبلیغ کرتے تھے۔ صفحہ ۴۸۸

میک موہن (Mac-Mahon)، ماری ایدمے پاترس مارس (۱۸۰۸ء تا ۱۸۹۳ء) — فرانسیسی رجعت پرست سیاستداں، مارشل، بوناپارٹی۔ پیرس کمیون کے جلادوں میں سے، تیسری جمہوریہ کے صدر (۱۸۷۳ء تا ۱۸۷۹ء)۔ صفحہ ۱۶۵

مین، گیورگی الیکساندرووچ (۱۸۵۵ء تا ۱۹۰۶ء) — کرنل، سیمیونوفسکی گارڈ رجمنٹ کے کمانڈر۔ دسمبر ۱۹۰۵ء میں ماسکو کی مسلح بغاوت کو کچلنے میں انتہائی وحشیانہ‌پن سے کام کیا۔ اس لئے زار نے اس کو سرخروئی عطا کی اور ترقی دے کر میجر جنرل بنادیا۔ ایک سوشلسٹ انقلابی کے ہاتھوں مارے گئے۔ صفحہ ۴۸۱

مینڈیلسون (Mendelssohn)، موزیز (۱۷۲۹ء تا ۱۷۸۶ء) — جرمن رجعت‌پرست فلسفی، مذہب فطرت کے پیرو۔ صفحہ ۵۴

مینرس (Manners)، جان جیمس رابرٹ (۱۸۱۸ء تا ۱۹۰۶ء) — برطانوی مدبر ٹوری، بعد کو کنسرویٹیو۔ پارلیمنٹ کے ممبر۔ کئی کنسرویٹیو حکومتوں میں وزیر رہے۔ صفحہ ۱۵۰

مینئے (Mignet)، فرانسوآ اوگوست ماری (۱۷۹۶ء تا ۱۸۸۴ء) — بادشاہت کی بحالی کے دور کے لبرل میلان کے فرانسیسی بورژوا مورخ۔ بورژوا معاشرے کی پیدائش میں طبقاتی جدوجہد کے رول کو تسلیم کرتے تھے۔ صفحات ۱۲۵، ۲۲۱، ۳۳۵

میولبرگیر (Mülberger)، آرتھر (۱۸۴۷ء تا ۱۹۰۷ء) — جرمن پٹی بورژوا صحافی، پرودھوں کے پیرو، فرانس اور جرمنی میں

سماجی فکر کی تاریخ کے بارے میں متعدد کتابوں کے مصنف۔ مارکس کی تنقید کرنے کی کوشش کی۔ صفحات ۳۰۳، ۴۸۵

میئر (Mayer)، سگمنڈ۔ کتاب ''ڈی سوشیال فراگے ان وین'' (۱۸۷۱ء) کے مصنف، سربراہ کار کاروباری۔ صفحہ ۲۶۰

— ن —

نپولین اول (بوناپارٹ) (۱۷۶۹ء تا ۱۸۲۱ء) — شہنشاہ فرانس ۱۸۰۴ء تا ۱۸۱۴ء اور ۱۸۱۵ء۔ صفحات ۱۰۹، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۹، ۴۹۲، ۵۰۲

نپولین سوئم (بوناپارٹ، لوئی۔ لوئی نپولین) (۱۸۰۸ء تا ۱۸۷۳ء) — ۱۸۵۲ء سے ۱۸۷۰ء تک شہنشاہ فرانس۔ نپولین اول کا بھتیجا۔ ۱۸۴۸ء میں انقلاب کی شکست کے بعد فرانس کا صدر چنا گیا۔ یکم دسمبر ۱۸۵۱ء کی رات کو حکومت پر قابض ہوکر شہنشاہ بن گیا۔ صفحات ۸۱، ۱۴۷، ۱۵۸، ۱۶۴ — ۱۶۷، ۲۰۶، ۵۰۵، ۵۱۰، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۳۲

نکولائی دویم (رومانوف) (۱۸۶۸ء تا ۱۹۱۸ء) — روس کا آخری زار۔ صفحات ۱۷۵، ۳۶۱

نوسکے (Noske)، گستاف (۱۸۶۸ء تا ۱۹۴۶ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے ایک موقع پرست رہنما۔ ۱۹۱۸ء میں جرمنی میں نومبر انقلاب کے دوران میں کیل میں جہازیوں کی بغاوت کو کچلنے کا بندوبست کیا۔ ۲۰ — ۱۹۱۹ء میں وزیرجنگ۔ برلن کے مزدوروں کے خلاف مظالم نیز کارل لیبکنیخت اور روزا لکسمبرگ کے قتل کا بندو بست کیا۔ صفحہ ۴۶۱

— و —

واٹ (Watt)، جیمس (۱۷۳۶ء تا ۱۸۱۹ء) — اسکاٹ لینڈ کے موجد جنھوں نے ہمہ کار اسٹیم انجن بنایا۔ صفحہ ۱۴۵

والتیئر (Voltaire)، فرانسوآ ماری (اصل نام آروئیے) (۱۶۹۴ء تا ۱۷۷۸ء) — فرانس میں روشن خیالی اور علم کی ترویج میں ممتاز شخصیت، خدا پرست فلسفی، طنزنگار اور مورخ - صفحہ ۱۳۴

وانڈرویلڈے (Vandervelde)، ایمل (۱۸۶۶ء تا ۱۹۳۸ء) — بلجین مزدور پارٹی کے موقع پرست لیڈر، دوسری انٹرنیشنل کے بین الاقوامی سوشلسٹ بیورو کے صدر - پہلی جنگ عظیم (۱۸ — ۱۹۱۴ء) کے دوران میں سوشل جارحانہ قوم پرست - بلجیم کی بورژوا حکومت میں شامل ہوئے اور مختلف وزارتی عہدے سنبھالے - صفحہ ۳۱۰

واندیربلٹ خاندان — امریکی مالیاتی اور صنعتی شاہ تاجروں کا خاندان - صفحہ ۲۱۰

ورتھ (Wirth)، موریتز (پیدائش ۱۸۴۹ء — وفات ۱۹۱۶ء کے بعد) — جرمن صحافی - صفحہ ۲۰۱

ورونتسوف، وسیلی پاولووچ (۱۸۴۷ء تا ۱۹۱۸ء) — روسی معاشیات‌داں اور صحافی، لبرل نرودیت کے ایک نظریہ‌داں - صفحہ ۲۰۷

ولہلم اول (۱۷۹۷ء تا ۱۸۸۸ء) — بادشاہ پرشا (۸۸ — ۱۸۶۱ء) اور جرمن شہنشاہ (۸۸ — ۱۸۷۱ء) - صفحہ ۱۶۵

وولفہائم (Wolffheim)، فرتز — جرمن سوشل ڈیموکریٹ صحافی - جرمنی میں نومبر ۱۹۱۸ء کے انقلاب کے بعد جرمن کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہوگئے - لاؤفینبرگ کے ساتھ اس کے "بائیں بازو" کے حزب مخالف کے سربراہ تھے - جب "بائیں بازو کے حزب مخالف کو پارٹی سے نکال دیا گیا تو جرمنی کی کمیونسٹ مزدور پارٹی قائم کرنے میں شریک ہوئے - ۱۹۲۰ء کے آخر میں جرمنی کی کمیونسٹ مزدور پارٹی سے نکال دئیے گئے - صفحہ ۴۰۴

وینڈیل (Wendel)، فریڈرک (۱۸۸٦ء تا ۱۹٦۰ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ، طنزنگار اور صحافی۔ جرمنی میں نومبر ۱۹۱۸ء کے انقلاب کے بعد جرمن کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے اور اس کے ''بائیں بازو،، کے حزب مخالف میں رہے۔ ''بائیں بازو،، کے حزب مخالف کو پارٹی سے نکال دیا گیا تو جرمنی کی کمیونسٹ مزدور پارٹی قائم کرنے میں شریک ہوئے۔ ۱۹۲۰ء کے آخر میں جرمنی کی کمیونسٹ مزدور پارٹی سے نکال دئے گئے۔ صفحہ ۳۵۴

ویڈیمیئر (Weydemeyer)، ایوسف (۱۸۱۸ء تا ۱۸٦٦ء) — جرمن اور امریکی مزدور طبقے کی تحریک میں ممتاز شخصیت، کمیونسٹ لیگ کے ممبر، جرمنی میں ۱۸۴۸ — ۴۹ء کے انقلاب میں شریک ہوئے اور امریکی خانہ جنگی میں شمال والوں کے ساتھ لڑے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مارکسزم کے پہلے مبلغ۔ مارکس اور اینگلس کے دوست اور ساتھی۔ صفحہ ۱۹۵

— ھ —

ھائنڈمان (Hyndman)، ھنری میز (۱۸۴۲ء تا ۱۹۲۱ء) — برطانوی سوشلسٹ پارٹی کے ایک لیڈر، اصلاح پرست۔ جب ۱۹۱٦ء میں سالفورڈ کی کانفرنس میں پارٹی نے سامراجی جنگ کے سلسلے میں ان کے سوشل جارحانہ قوم پرستانہ موقف کی مذمت کی تو وہ پارٹی سے الگ ہو گئے۔ صفحہ ۴٦۱، ۵۲۵

ھلفرڈنگ (Hilferding)، روڈولف (۱۸۷۷ء تا ۱۹۴۱ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے اور دوسری انٹرنیشنل کے ایک موقع پرست لیڈر۔ ''داس فنانز کپیٹال،، (مالیاتی سرمایہ) کے مصنف جو ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اگرچہ شدید اصولی غلطیاں اور موقع پرستانہ مقدمات ھیں پھر بھی اس نے اجارہ‌دار سرمائے کے تجزیے میں معاونت کی۔ صفحہ ۴۸۸

هلکوئٹ (Hillquit)، مارس (۱۸۶۹ء تا ۱۹۳۳ء) — امریکی سوشلسٹ وکیل - پہلے مارکسزم کے قائل تھے پھر اصلاح پرستی اور موقع پرستی میں مبتلا ہو گئے - صفحہ ۴۶۶

ہوبس (Hobbes)، ٹامس (۱۵۸۸ء تا ۱۶۷۹ء) — انگریز فلسفی، میکانیتی مادیت کے نمائندے - جمہوریت مخالف سماجی اور سیاسی خیالات رکھتے تھے - صفحات ۱۴۲، ۱۹۹، ۵۰۳، ۵۱۴

ہورنر، — ملاحظہ ہو پانیے کوئیک، آنتون -

ہیکسٹاؤزین (Haxthausen)، آگسٹ (۱۷۹۲ء تا ۱۸۶۶ء) — پرشائی افسر اور ادیب، روسی زرعی رشتوں میں برادری‌واری نظام کی باقیات کے موضوع پر ایک کتاب کے مصنف - صفحہ ۱۷

ہیگل (Hegel)، گیورگ ویلہلم فریڈرک (۱۷۷۰ء تا ۱۸۳۱ء) — جرمن فلسفی، معروضی عینیت پرست - انھوں نے عینیت پرستانہ جدلیات کی توضیح کرکے فلسفے کی تاریخی خدمت انجام دی جو کہ جدلیاتی مادیت کا ایک اصولی ماخذ بنی - صفحات ۴۸، ۵۱، ۵۴، ۵۵، ۹۱، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۷، ۱۸۱، ۱۸۴، ۲۰۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۳۱، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۸ — ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۰۵، ۳۳۰، ۵۰۱، ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۱۸

ہیوگلنڈ (Höglund)، کارل زت کانسٹنٹین (۱۸۸۴ء تا ۱۹۵۶ء) — سویڈن میں بائیں بازو کی سوشل ڈیموکریٹ اور نوجوان تحریک کے لیڈر - ۱۹۱۷ء — ۲۴ میں سویڈن کی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں میں تھے - ۱۹۲۴ء میں موقع پرستی اور کمنٹرن کی پانچویں کانگرس کے فیصلوں کی مخالفت کی بنا پر پارٹی سے نکال دئے گئے - ۱۹۲۶ء میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی صفوں میں واپس چلے گئے - صفحہ ۴۵۸

هیوم (Hume) ڈیوڈ (۱۷۱۱ء تا ۱۷۷۶ء) — انگریز معاشیات‌داں اور فلسفی، داخلیت‌پسند عینیت پرست، لادریت پرست۔ صفحہ ۳۰۵

یوژاکوف، سرگیئی نکولائیوچ (۱۸۴۹ء تا ۱۹۱۰ء) — لبرل نرودیت کے ایک نظریہ‌داں، عمرانیات‌داں اور صحافی۔ رسالہ ''روسکویے بگاتستوو،، کے ایک مینجر۔ صفحہ ۲۹۲

پڑھنے والوں سے

دارالاشاعت ترقی آپ کا بہت شکرگذار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

ہمارا پتہ: زوبوفسکی بلوار، نمبر ۱۷،
ماسکو، سوویت یونین

17, Zubovsky Boulevard, Moscow, USSR

ИБ 4045

Редактор русского текста *Харламова М. Н.*
Контрольные редакторы *Васильченкова Е. И., Гаврилин В. А., Харченко Л. С., Щербакова Е. Г.*
Художественный редактор *Колганов В. И.*
Технический редактор *Шиц В .П.*
Корректоры *Лосева В. Н., Птушкин М. Д.*

Сдано в набор 11.12.78. Подписано в печать 26.10.79 г.
Формат 84×108 1/32. Бумага типографская № 1.
Гарнитура урду № 507. Печать высокая.
Условн. печ. л. 30,66+0,31 печ. л. вклеек. Уч.-изд. л. 40,04.
Тираж 1710 экз. Заказ № 980. Цена 1 руб. 55 коп.
Изд. 26465.

Издательство «Прогресс»
Государственного Комитета
СССР по делам издательств,
полиграфии и книжной торговли.
Москва 119021, Зубовский бульвар, 17.

Ордена Трудового Красного Знамени
Московская типография № 7 «Искра революции»
«Союзполиграфпрома» Государственного
Комитета СССР по делам издательств,
полиграфии и книжной торговли.
Москва 121019, пер. Аксакова, 13.